بے نام رشتے
محی الدین نواب

حرفِ اوّل

انسانوں کے ہجوم میں ایک دوسرے کی پہچان کے لئے الگ الگ نام ضروری ہیں لیکن ہماری دنیا میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو اس دنیا میں بے نام آتے ہیں اور بے نام ہی چلے جاتے ہیں۔

انسانی رشتوں میں کچھ ایسے رشتے بھی ہوتے ہیں جو بے نام رہتے ہیں۔ اُنہیں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ رشتے چور دروازوں سے گزر کر قائم ہوتے ہیں۔

جب تک دو پیار کرنے والے رشتۂ ازدواج میں منسلک نہ ہوں اس وقت تک ان کے پیار کو عاشقی تو کہہ سکتے ہیں لیکن اس عاشقی کو جائز رشتے کا نام نہیں دے سکتے۔

ہمارے معاشرے میں چور رشتے بھی قائم ہوتے ہیں۔ مرد' مرد پر عاشق ہو جاتا ہے۔ عورت' عورت کی دیوانی ہو جاتی ہے۔ یہ دیوانگی اس انتہا کو پہنچتی ہے کہ پھر عورت مرد سے کتراتی ہے اور مرد عورت سے منہ پھیر کر گزر جاتا ہے۔ ایسے عجیب اور شرمناک رشتے قائم کرنے والے عجوبے ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔

خون کے رشتے بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ ایک عورت کی خاطر بھائی بھائی کو قتل کرنے والے ہابیل اور قابیل آج بھی ہماری دنیا میں ہیں۔ کوئی وفا شعار شوہر' بیوی اور اپنی اولاد کو ٹھکرا کر کسی نئی نویلی کی آغوش میں چلا جائے تو پھر وہ خون کے رشتے بے نام ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی بھائی اپنی بہن کے آنچل کو تار تار ہونے سے نہ بچا سکے تو کیا وہ بھائی کہلائے گا؟ اگر جوان بیٹا ماں کی ممتا کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور ماں کے بڑھاپے کو جلتے سورج کے نیچے دوڑاتا ہے تو کیا وہ بیٹا کہلائے گا؟

کیا ان حالات میں یہ تمام خون کے رشتے بے نام نہیں ہو جاتے ہیں؟

یہ زیرِ نظر ناول ایسے ہی بے نام رشتوں کو موضوع بنا کر لکھا گیا ہے۔ ہم ایسے کئی بے نام رشتوں کو اپنے اطراف دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں لیکن یہ ناول پڑھتے وقت' ایسے بے نام رشتوں کو دیکھتے وقت ہم ٹھہر جائیں گے۔ سوچیں گے' سمجھیں گے' پھر اعتراف کریں گے کہ واقعی محی الدین نواب کے قلم نے ایسے بے نام رشتوں کی دھجیاں اُڑا دی ہیں۔

بس اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ نواب صاحب کے قلم کی نوک کاغذ پر اترتی ہے اور دِلوں میں چبھتی چلی جاتی ہے۔

ادارہ

بیٹی اللہ کی رحمت اور بیٹا نعمت قرار دیا جاتا ہے۔ اس رحمت سے جو نعمتیں حاصل ہوتی رہتی ہیں ان کی قدر کی جاتی ہے لیکن رحمت کو یکسر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے' کنواری بچیوں کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔ شاید اسی لئے ہمارے معاشرے میں بیشتر لڑکیاں بابل کی دہلیز پر بیٹھی' سر پر چاندی کا آنچل رکھے محوِ دعا رہ جاتی ہیں۔

بیٹی تو دعا ہوتی ہے۔ وہ دعا ہی کر سکتی ہے لیکن بیٹے دوا ہوتے ہیں والدین کا سہارا ہوتے ہیں۔ وہ ذہانت سے اور اپنی حکمتِ عملی سے والدین کی فکر اور پریشانیوں کا علاج کرتے ہیں۔

ندا بیٹی تھی' لیکن وہ محض دعا بن کر لبوں پر مچلنا نہیں چاہتی تھی۔ دوا بھی بننا چاہتی تھی۔ اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اس خواہش نے آٹھویں جماعت میں پہنچتے ہی شدت اختیار کرلی کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر بھی ضروری ہے۔ تقریباً تمام لڑکے اور لڑکیاں کمپیوٹر سیکھ رہے تھے۔ اسے بھی شوق ہوا۔ گھر میں اس خواہش کا اظہار کیا تو ماں نے کہا۔ "کمپیوٹر کورسز کی فیس کہاں سے ادا کی جائے گی؟ تمہارے ابو اکیلے اس کنبے کو سنبھال رہے ہیں۔ تم سب کے تعلیمی اخراجات اور گھریلو اخراجات ہر ماہ پہاڑ کی طرح سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ اپنے باپ کی جان پر ترس کھاؤ۔ اپنے شوق کی خاطر کیا ان کی جان لے لو گی؟"

وہ بولی۔ "امی! یہ صرف شوق ہی نہیں ہے' ضرورت بھی ہے۔ ملازمت کے لئے نکلوں گی تو سب سے پہلے کمپیوٹر کے کورس کے بارے میں ہی پوچھا جائے گا۔"

ماں نے تعجب سے کہا۔ "ملازمت؟ یہ تم سے کس نے کہا کہ تم ملازمت کرو گی؟ اب ہمارے حالات اتنے بھی برے نہیں ہیں کہ ہم بیٹی کی کمائی کھائیں گے۔"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "بادشاہوں پر بھی مصیبتیں آجاتی ہیں ایسے وقت بیٹوں کا سہارا تلاش کیا جا سکتا ہے تو بیٹیاں بھی سہارا بن سکتی ہیں۔ گھر میں جتنے افراد کھانے والے ہوں' اتنے ہی کمانے والے بھی ہوں تو زندگی خوشحالی سے گزرتی ہے۔"

"اچھا بس! میری دادی اماں نہ بنو۔ کل کی بچی ہمیں بتائے گی' کیا برا ہے اور کیا اچھا ہے؟ دس جماعتیں پڑھ لو۔ یہی غنیمت ہے۔ تمہیں کہیں ملازمت نہیں کرنی ہے۔ تم لڑکیاں تو شادی کے معاملے میں پہاڑ بن جاتی ہو۔ ہمیں پہاڑ سر سے اتارنا ہے۔ اپنے اپنے گھر کی ہو کر جو جی میں آئے کرتی رہنا۔"

وہ منہ بسور کر بولی۔ "ٹھیک ہے' میں ابو سے بات کروں گی۔"

"خبردار! یہ بات ان کے سامنے نہ کرنا۔ وہ سنتے ہی بھڑک جائیں گے کہ تم آگے چل کر ملازمت کرنا چاہتی ہو۔"

"یہ سوچ آپ کی ہے' ابو ایسے نہیں ہیں۔"

"میں بات گھما کر سمجھا رہی ہوں لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ سیدھی سی بات ہے' وہ کمپیوٹر کورسز کی بھاری فیس ادا نہیں کر سکیں گے۔ کیوں ان پر اور بوجھ ڈالو گی؟ تم سب کو ان کا احسان مند ہونا چاہئے کہ وہ اس عمر میں بھی محنت کر رہے ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ بوڑھے باپ کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آگیا۔ ایسے میں ان کا سہارا بننے کا جذبہ شدت اختیار کر گیا۔ مگر یہ ملازمت کی صورت میں ہی ممکن تھا جس کی ابھی سے مخالفت کی جارہی تھی۔ ابھی وہ آٹھویں جماعت میں تھی یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ میٹرک کے بعد گھر والوں کو کسی نہ کسی طرح راضی کر لے گی۔ عین ممکن تھا کہ بھائی بھی مخالفت کرتے۔

کال بیل کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو کھلے ہوئے دروازے کے باہر شعیب کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "شعیب بھائی آپ؟ بڑے دنوں بعد آئے ہیں۔ اندر آئیں۔"

وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ شعیب نے اندر آکر شکیلہ بیگم کو سلام کیا۔ کچن میں سبزی بناتی ہوئی فرح اس کی آواز سن کر ایک دم سے کھل اٹھی۔ آج وہ پورے ایک ہفتے بعد آیا تھا۔ وہ سوچنے لگی' کس بہانے سے ڈرائنگ روم میں جائے؟ ایسے میں ندا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "فرح جلدی آؤ .... دیکھو شعیب بھائی کیا لائے ہیں؟"

ندا کی آواز کیا تھی' صنم کا سندیسہ تھا' بہار کا جھونکا تھا' روبرو ہونے کا ایک بہانہ تھا۔ وہ اٹھ کر لباس درست کرتی ہوئی ڈرائنگ روم کی طرف جانے لگی۔ چال میں عجب خمار سا تھا۔ تصورات کی خودفریبی کے حقیقت میں ڈھل جانے کا نشہ تھا۔ وہ نرم رو جذبات میں ڈولتی ہوئی دروازے کے پاس آکر رک گئی۔ وہیں سے نظریں مل گئیں۔ وہ مسکرانے

لگا۔ اس نے سر جھکا کر سلام کیا پھر اندر آکر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

ندا نے اسے ایک موبائل فون دکھاتے ہوئے کہا۔ "شعیب بھائی اب موبائل بوائے ہو گئے ہیں۔"

فرح بظاہر موبائل فون کو دیکھ رہی تھی لیکن شعیب کی نگاہیں آنچ دے رہی تھیں۔ وہ ماں کی موجودگی میں اس سے نظریں چراتی تھی' اس سے شرماتی تھی۔ یہ حیا کا تقاضہ تھا ورنہ ماں ان کے چور معاملات سے اچھی طرح واقف تھی مگر انجان بن کر بات آگے بڑھا رہی تھی۔ بیٹی کو خاندان میں ہی بیاہنے کا راستہ ہموار کر رہی تھی۔ لڑکیوں کی دنیا میں لڑکے بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔ والدین بیٹیوں کو ڈھیل دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نامحرم کو محرم بنانے کے راستے اسی طرح ہموار کرتے ہیں۔

شکیلہ بیگم کچھ دیر ان کے درمیان بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "شعیب کو چائے پلاؤ۔ میں پڑوسن کی طرف جا رہی ہوں' بے چاری کل سے بیمار ہے۔ ذرا اس کی طبیعت پوچھ کر آتی ہوں۔ وہ بھی ہمارے دکھ سکھ میں شریک رہتی ہے۔"

وہ بولتی ہوئی باہر چلی گئی۔ ندا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی ایسے وقت وہ اندر ہی اندر الجھ جایا کرتی تھی' سمجھ نہیں پاتی تھی کہ شعیب کے آتے ہی ماں کو کوئی نہ کوئی کام کہاں سے یاد آجاتا ہے؟

ماں کے جاتے ہی گلے شکووں کے بند ٹوٹ گئے۔ فرح نے شکایت کی۔ "اتنے دنوں بعد ہمارا خیال کیسے آگیا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "صبح کام پر اور رات بستر پر......... میں تو دفتر سے واپس آکر دوستوں کے پاس بھی نہیں جاتا۔ اوور ٹائم کرتے کرتے حالت خراب ہو گئی ہے۔ بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کرنا معمولی بات نہیں ہے۔"

وہ ذرا ناگواری سے بولی۔ "چھوٹی پھوپھی کے گھر جاتے ہوئے تھکن محسوس نہیں ہوئی' وہاں جانے کے لئے کیسے وقت نکال لیا تھا؟ مجھے سب خبریں ملتی رہتی ہیں۔ تم بڑی پھوپھی کے ساتھ وہاں گئے تھے۔"

وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ فرح کے شکایت بھرے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔ اس کی پیار بھری بدگمانی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ ابھی مزید اس سے خفا رہنا چاہتی تھی لیکن شعیب کی مسکراہٹ نے اس کے تیور بدل دیئے۔

وہ ایسا ہی تھا۔ بڑی خاموشی سے مسکراہٹ کی چوٹ دے کر تمام شکوے دور کر دیتا

تھا۔ وہ بھی سر جھکا کر مسکرا دی۔ وہ دو کنارے تھے۔ ایک دوسرے کے قریب ہونا چاہتے تھے۔ بیچ میں بہتی ندیا ایسا موقع نہیں دیتی۔ وہ چور نظروں سے ندا کو دیکھ رہے تھے۔

شعیب نے ندا کو دس روپے دیتے ہوئے کہا۔ "فرح چائے بنائے گی' تم بسکٹ لے آؤ۔"

وہ منہ بنا کر بولی۔ "مجھے آپ سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔ میں باہر نہیں جاؤں گی۔ ویسے بھی بسکٹ گھر میں موجود ہیں۔"

شعیب نے بیزار ہو کر فرح کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "اچھا جاؤ' اپنے لئے چاکلیٹ لے آؤ۔"

وہ بچی نہیں تھی لیکن چاکلیٹ اس کی کمزوری تھیں وہ خوش ہو کر بولی۔ "میں ابھی گئی اور ابھی آئی۔ شعیب بھائی! آپ کے لئے بھی لاؤں؟"

"نہیں .... میں چائے پیوں گا۔"

وہ پیسے لے کر چلی گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر فرح کو دیکھا۔ وہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہی شرما گئی۔ اپنے اندر سمٹنے لگی۔ وہ قریب آ کر بیٹھ گیا۔ تنہائی تھی' کوئی ان کی باتیں سننے والا موجود نہیں تھا پھر بھی وہ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔

ندا نے دروازے سے باہر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دو پڑوسنیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں' چند بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ وہ ان میں سے کسی بچے کو بھیج کر چاکلیٹ منگوانا چاہتی تھی لیکن سب کھیل میں مگن تھے۔ کسی نے اس کی آواز پر کان نہیں دھرا۔ مجبوراً وہ دروازہ بند کر کے گلی میں آئی۔ پھر یعقوب چاچا کی دکان کی طرف بڑھنے لگی۔ گلی کے موڑ پر دو نوجوان کھڑے ہوئے تھے' وہ سر جھکائے آگے بڑھنے لگی۔

ایک منچلے نے ہانک لگائی۔ "اوہو........" پھر وہ اپنے ساتھی سے بولا۔ "یار! ہمارے سامنے کی کلی ہے' دیکھتے ہی دیکھتے کِھل رہی ہے۔"

دوسرے نے سیٹی بجا کر اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن وہ انہیں نظر انداز کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ ان کی باتیں سمجھا رہی تھیں کہ عمر بھی آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ اکثر ایسے فقرے اس کے کانوں سے ٹکراتے تھے' اسے احساس دلاتے تھے کہ اب وہ چاکلیٹ کھانے والی بچی نہیں رہی ہے۔ سراپا چاکلیٹ بنتی جا رہی ہے۔ کبھی یہ آوازیں جانے کیوں گدگدانے لگتی تھیں؟ اور کبھی جی چاہتا تھا کہ بولنے والوں کا منہ نوچ لے لیکن ماں نے ہدایت کی تھی کہ جب کبھی ایسا موقع آئے تو سر جھکا کر آگے بڑھ جایا کرو۔

وہ دل ہی دل میں انہیں برا بھلا کہتی ہوئی یعقوب چاچا کی دکان پر پہنچ گئی۔ وہ بولے۔ "ضرور چاکلیٹ لینے آئی ہو گی؟"

اس نے سر ہلا کر ڈبے میں رکھی ہوئی چاکلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"دو چاکلیٹ دے دیں۔"

"تاڑ کے درخت کی طرح بڑھتی جا رہی ہے مگر چاکلیٹ کھانے کا شوق ختم نہیں ہوا۔ اتنی نہ کھایا کر دانتوں میں کیڑے لگ جائیں گے۔ میرے تو پیسے بنتے ہیں لیکن تیرا نقصان ہو گا۔"

وہ ہمیشہ اسے مشورے دیتے تھے اور وہ چاکلیٹ کھانے کے بعد سوچتی تھی' آئندہ نہیں کھائے گی۔ مگر پھر بھی اسی طرف کھنچی جاتی تھی۔ وہ ایک ریپر کھول کر کھانے لگی۔ بڑا مزہ آ رہا تھا۔ شوق پورا ہو رہا تھا۔ اندر سے ذوق ابھر رہا تھا۔ "یہ لوگ کیسے ذوق والے ہیں؟ مجھے دیکھ کر بھی آہیں بھرتے ہیں کبھی گھما پھرا کر باتیں کرتے ہیں۔ مجھ سے نہ کچھ بولتے ہوئے بھی بہت کچھ بول دیتے ہیں۔ کچھ سمجھ میں آتا بھی ہے مگر میں سمجھنا نہیں چاہتی .... اونہہ........."

وہ سر جھٹک کر گھر کی طرف جانے لگی۔ "امی بھی میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ دوپٹہ سر پر اوڑھو' تنگ لباس نہ پہنو۔ دیکھنے والے تنگ کرنے لگتے ہیں۔ جسے دیکھو مجھے ہی نصیحتیں کرتا رہتا ہے۔ شاید میں اسی لئے بڑی ہوئی ہوں کہ نصیحتوں کے پہاڑ اٹھاتی پھروں۔"

پھر وہ ایک دم سے چونک گئی گہری سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ "شعیب بھائی جب بھی آتے ہیں میرا پتا کاٹ دیتے ہیں۔ پانچ دس روپے دے کر مجھے گھر سے باہر بھیج دیتے ہیں۔ فرح بھی ان کا ساتھ دیتی ہے۔ آخر یہ دونوں تنہائی میں کیا کرتے ہیں؟"

وہ اس سوال کا جواب چاہتی تھی لیکن کون بتاتا۔ اس نے فرح سے بھی پوچھا تھا مگر وہ آنا کانی کر گئی تھی۔ جب دل میں کسی چیز کی جستجو سما جائے تو ذہن میں ترکیبیں بھی آنے لگتی ہیں۔

اس کے دماغ میں بھی ایک آئیڈیا آیا۔ "کیوں نا بیرونی کھڑکی سے دیکھا جائے؟"

یہ سوچتے ہی وہ زیر لب مسکراتی ہوئی تیزی سے گھر کے قریب آئی۔ باہر بڑے بڑے پودوں نے بیرونی دروازے اور کھڑکی کو گھیرا ہوا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ بنی ہوئی کیاری میں آ کر دھیرے دھیرے کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ پودوں کی وجہ سے گلی میں

گزرنے والے کسی فرد کی نظر اس پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

وہ شاخوں سے بچتی بچاتی کھڑکی کے قریب آئی لیکن وہ بند تھی۔ ایک طرف سے ٹوٹے ہوئے شیشے کی جگہ لکڑی پھنسائی گئی تھی جو آوارہ بلیوں کو تو گھر میں داخل ہونے سے روک سکتی تھی لیکن اندر یا باہر کی آوازوں کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔

ندا نے ایک جھری سے اندر جھانکنے کی کوشش کی تو پردہ آڑے آ گیا۔ اس نے جھانکنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے سوچا۔ "ویڈیو نہ سہی' آڈیو ہی سہی۔"

وہ کان لگا کر غور سے سننے لگی۔ بڑی گہری خاموشی تھی جیسے اندر کوئی موجود ہی نہ ہو۔ وہ پریشان ہو گئی۔ ایسے ہی وقت فرح کی چوڑیاں کھنکیں پھر سرگوشی ابھری۔ "پلیز شعیب! ابھی نہیں.........."

"محبت میں ناپ تول نہیں ہوتا۔ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تو پکڑ سکتے ہیں۔ کب تک یوں دور دور رہیں گے؟"

"جب تک شادی نہیں ہو جاتی۔"

"یعنی شادی اہم ہے اور محبت غیر اہم ہے؟ یہ تو سراسر بے اعتمادی ہوئی۔ کیا تمہیں میری محبت پر بھروسہ نہیں ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"دور دور رہنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"اور لڑکیوں کی شرم و حیا سمجھ میں نہیں آتی؟ یہ فطری عمل ہے۔ ہم شادی سے پہلے اَن چھوئی سی رہنا چاہتی ہیں۔ شادی کے بعد تم ہی فخر کرو گے کہ مجھے غیر نے تو کیا کبھی تم نے بھی نہیں چھوا تھا۔"

"تم لڑکیاں دلائل اچھے پیش کرتی ہو مگر شادی میں تو بہت وقت لگے گا۔ میں کب تک صبر کروں گا؟"

"بڑے بے صبرے ہو۔"

ندا کان لگائے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ بہت کچھ سمجھ میں آ رہا تھا اور بہت کچھ تھا جو سر سے گزر رہا تھا۔ چوری چھپے حقیقت معلوم ہونے کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔ وہ لطف اندوز ہو رہی تھی لیکن دل میں کہیں کوئی چور جذبہ سر ابھار رہا تھا۔ کوئی دبی دبی سی خواہش تھی جو سر ابھار رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سنتی اور سمجھتی کسی نے زور سے اس کا کان مروڑا۔

اس نے ایک سسکاری لے کر گردن گھمائی' ماں نے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا کر رہی ہے' کیا دیکھ رہی ہے یہاں سے؟"

وہ اپنا کان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "دیکھوں گی کیا' کھڑکی تو بند ہے۔ میں تو صرف سن رہی تھی۔"

شکیلہ بیگم اسے کھینچتی ہوئی دروازے کے پاس لا کر بولی۔ "چھپ کر باتیں سن رہی ہے' تجھے شرم نہیں آتی۔ اتنی بڑی ہو گئی ہے اور حرکتیں بچوں جیسی کر رہی ہے۔"

درد کی شدت سے اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اس نے کنکھیوں سے ماں کو دیکھ کر تکلیف بھرے لہجے میں کہا۔ "امی کان تو چھوڑیں۔"

"میں تو کان چھوڑ ہی دوں گی لیکن تُو اپنا بچپنا چھوڑ دے۔"

ماں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوئی۔ دروازے کی آواز سنتے ہی وہ دونوں سنبھل گئے تھے۔ اس نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی پوچھا۔ "فرح تم نے چائے بنالی؟"

کمر پر ہاتھ رکھے ندا کا گھورنا فرح کو عجیب سا لگا۔ وہ گڑبڑا کر اٹھتے ہوئے بولی۔

"آں.......... ہاں.......... نن نہیں.......... ابھی بناتی ہوں۔"

اس نے ایک نظر شعیب پر ڈالی پھر تیزی سے چلتی ہوئی کچن میں آ گئی۔ دل میں چور تھا۔ ندا کا یوں ایک دم سے سر پر آ دھمکنا چغلی کھا رہا تھا۔ اس کا معنی خیز انداز میں گھورنا سمجھا رہا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ سمجھ گئی ہے۔ اب وہ چاکلیٹ سے بہلنے والی بچی نہیں رہی ہے۔

شکیلہ بیگم اسے کچن میں دیکھ کر وہیں چلی آئی۔ وہ چائے کا پانی چولہے پر چڑھا رہی تھیں ماں اسے ہٹاتے ہوئے بولی۔ "لاؤ میں بناتی ہوں۔ ایک تو پڑوسن کے بچوں نے سر میں درد کر دیا تھا۔ گھر آئی تو ندا کی حرکت نے پریشان کر دیا۔"

"ندا نے کیا کیا ہے؟"

"کیا پوچھتی ہو' اب یہ ایسی بچی بھی نہیں ہے کہ ہر بات سمجھانی پڑے۔ پتہ نہیں باہر کھڑکی سے کان لگائے کیوں کھڑی تھی' محلے پڑوس کے لوگ دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے کہ اپنے ہی گھر والوں کی ٹوہ میں رہتی ہے۔"

فرح ایک دم سے جھینپ گئی۔ وہ دونوں تو اسے بھیج کر مطمئن ہو گئے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ چھپ کر ان کی باتیں سن لے گی۔ ماں نے واضح الفاظ میں

نہیں کہا تھا۔ دبے لفظوں میں یہ بتایا تھا کہ ندا اب بچی نہیں رہی۔

فرح پریشان ہو کر سوچنے لگی' پتہ نہیں اس نے کیا کچھ سنا ہو گا۔ اس کا معنی خیز انداز میں گھورنا اب سمجھ میں آ رہا تھا۔ یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ اس نے کیا سنا ہے اور کیا سمجھا ہے۔

شعیب کے جانے کے بعد وہ سوچتی رہی کہ ندا اس سے کچھ پوچھے گی' کوئی بات چھیڑے گی' اسے کریدنا چاہے گی لیکن اس کی سوچ کے برعکس اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ ہنس بول رہی تھی۔ یہ اس کا لڑکپن تھا یا پھر جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔

وہ اپنے آپ میں مست تھی۔ اگرچہ فرح کے سلسلے میں اس کے اندر تجسس پیدا ہوا تھا مگر وہ اتنا شدید نہیں تھا۔ ابھی وہ گیلی لکڑی کی طرح تھی' رفتہ رفتہ آگ پکڑنے والی تھی۔

آخر کار فرح نے سوچا۔ "مجھے ہی اسے کریدنا ہو گا۔ توبہ ہے' یہ لڑکی تو پہیلی بن گئی ہے۔"

رات ہوئی تو وہ دونوں کام سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ ندا ٹیپ ریکارڈر آن کر کے فلمی گانے سننے لگی۔ فرح سوچ رہی تھی' کیسے بات چھیڑے؟

وہ بیڈ پر لیٹ گئی' خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگی۔ وہ بڑی محویت سے گانے سن رہی تھی اور دھیرے دھیرے تھرک رہی تھی۔

فرح نے الجھ کر کہا۔ "اب بس بھی کرو ندا لائٹ آف کرو اور سو جاؤ۔"

"ابھی سوتی ہوں' ایسی جلدی بھی کیا ہے؟"

"کیا صبح اسکول نہیں جانا ہے؟ چلو .... جلدی آ جاؤ ورنہ میں امی کو بلاتی ہوں' بند کرو اسے۔"

وہ منہ بسور کر ریکاڈر بند کرتی ہوئی بیڈ پر آ گئی۔ فرح نے گردن اٹھا کر پوچھا۔ "لائٹ کون بند کرے گا؟"

وہ لیٹتے ہوئے بولی۔ "تم کرو گی' مجھے سونے دو' صبح اسکول بھی جانا ہے۔"

"بڑی جلدی خیال آ گیا۔"

وہ ندا کو گھورتی ہوئی اور بڑبڑاتی ہوئی سوئچ بورڈ کی طرف آئی۔ "گانے سنتے ہوئے احساس نہیں تھا۔ لائٹ بند کرنے کو کہا تو نیند آنے لگی؟ بہت بہانے باز ہو گئی ہو۔ کسی کام کو کہہ دو مجال ہے جو کرتی ہو۔ آخر کب سدھرو گی؟"

وہ کمبل سے سر نکال کر بولی۔ "تم سدھر گئی ہو۔ اب میں بھی سدھر جاؤں گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی اس کے برابر آ کر لیٹ گئی۔ دونوں کے چہرے آمنے سامنے تھے۔ برآمدے کا روشن بلب کمرے کی تاریکی کو کم کر رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتی تھیں۔ ندا نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے آج میری طرف کروٹ لی ہے؟ تم تو منہ پھیر کر سو جاتی ہو؟"

اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے پیار سے سہلاتے ہوئے بولی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

وہ حیرت سے کبھی ہاتھ کو اور کبھی فرح کو دیکھ رہی تھی۔ پھر بڑے ڈرامائی انداز میں بولی۔ "میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی؟ ظل الٰہی! آپ اور مجھ کنیز سے محبت؟"

"ندا بی سیریس پلیز۔"

وہ بھی ڈھیٹ تھی۔ اسی لہجے میں بولی۔ "نہیں' میں آپ کی محبت میں سنجیدہ نہیں ہو سکتی ظل الٰہی خدارا' ہمارا ہاتھ چھوڑ دیں۔"

وہ دانت پیس کر بولی۔ "ندا تم میرے ہاتھ سے پٹو گی۔ اپنی کہے جا رہی ہو' میری نہیں سن رہی ہو۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "جی فرمایئے' میں سن رہی ہوں۔"

وہ ہچکچانے لگی۔ پھر سرگوشی میں بولی۔ "وہ .... یہ بتاؤ .... تمہیں شعیب کیسے لگتے ہیں؟"

"شعیب نہیں' شعیب بھائی کہو۔ وہ ہم سے دس سال بڑے ہیں۔"

فرح کو غصہ آ رہا تھا۔ ایک تو وہ بات کا صحیح جواب نہیں دے رہی تھی دوسرے دادی ماں کی طرح نصیحتیں کر رہی تھی۔ اب بھلا کیا میں شعیب کو بھائی کہوں گی؟ یہ تو رشتے ہی بدل رہی ہے۔ وہ جھنجلا کر بولی۔ "فضول باتیں نہ کرو' میں انہیں بھائی نہیں کہہ سکتی۔"

"کیوں نہیں کہہ سکتیں؟ میں بھی تو کہتی ہوں۔"

"سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ جب کسی کو بھائی نہ کہا جائے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے' فلمیں دیکھتی ہو اتنا نہیں سمجھ سکتیں؟"

وہ شوخی سے مسکرائی پھر رازدارانہ لہجے میں بولی۔ "میں سب سمجھ چکی ہوں۔"

اس نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا سمجھا ہے تم نے؟"

"وہ تمہارا ہاتھ پکڑنا چاہتے تھے' تم بے وقوف ہو۔ اپنا ہاتھ انھیں نہیں دے رہی تھیں۔ میں ہوتی تو جھٹ سے پکڑا دیتی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"اور نہیں تو کیا' بے چارے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر تمہاری قسمت کا حال بتانا چاہتے تھے اور تم انکار کر رہی تھیں۔"

وہ گہری سانس لے کر بولی۔ "مردوں کو تو ہاتھ پکڑنے کا بہانہ چاہئے۔ قسمت سنوارنا ہو یا بگاڑنا ہو۔ بس پکڑنے کا موقع ملنا چاہئے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"مطلب یہ ہے کہ شادی سے پہلے کسی نجومی کو بھی ہاتھ نہ پکڑنے دو' میری بات یاد رکھو۔ یہ تمہارے سیکھنے اور سمجھنے کی عمر ہے۔"

"مجھے تو شعیب بھائی بہت اچھے لگتے ہیں۔ تمہارے دل میں بدگمانی کیوں ہے؟"

"یہ بدگمانی نہیں' دانائی ہے۔ کوئی کتنا ہی اچھا لگے' اسے دور ہی دور سے چاہو۔ وہ قابلِ اعتماد تب ہوتا ہے جب شادی ہو جاتی ہے۔ جب وہ قسمت کا حال نہیں بتاتا' ہماری قسمت کا مالک بن جاتا ہے۔"

"تو پھر شادی ہو جانی چاہئے۔ میں امی سے بات کروں؟"

فرح نے اس کے سر پر ایک چپت لگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "دادی اماں نہ بنو' امی تم سے زیادہ سمجھتی ہیں۔ جب شعیب کی ملازمت پکی ہو جائے گی تب بات آگے بڑھائی جائے گی۔"

"بائی داوے' تم کب سے انہیں چاہنے لگی ہو؟"

"کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا' دو ڈھائی مہینے ہوئے ہوں گے۔"

وہ دیدے پھیلا کر بولی۔ "ہائیں' دو مہینے گزر چکے ہیں اور تم اب بتا رہی ہو۔ تنہا یہ بات کیسے ہضم کر رہی تھیں؟ تمہاری تو کوئی دوست بھی نہیں ہے۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ ہم دونوں ہی کافی ہیں۔"

ندا متجسس ہو رہی تھی۔ اس سلسلے کی ابتدا جاننا چاہتی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "اچھا یہ بتاؤ' پہلے آئی لو یو کس نے کہا تھا' تم نے یا شعیب بھائی نے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بے وقوف' ضروری نہیں کہ محبت کی شروعات ان ہی تین لفظوں سے ہو۔ صرف آئی لو یو کہنے سے محبت نہیں ہو جاتی۔ کسی کی کوئی ادا' کوئی ایک

بات دل کو چھو جائے اور دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے تو اسے محبت ہی سمجھو۔"

"پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ انہیں بھی تم سے محبت ہو گئی ہے' انہوں نے اظہار تو کیا ہو گا؟"

"ہاں.......... پہل تو انہوں نے ہی کی تھی۔"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ انہوں نے کیا کہا تھا اور کیسے کہا تھا؟"

وہ اسے ایک رات کی باتیں بتانے لگی۔ جب پورا خاندان ہیپی نیو ایئر منانے ساحل سمندر پر گیا تھا۔ اس رات نئے سال کی ابتدا ہوئی تھی اور اسی رات فرح نئے اور میٹھے جذبوں سے آشنا ہوئی تھی۔ شعیب نے چند جملوں میں ہی اسے اپنی محبت کے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی۔

گھر واپس آئی تو پہلی بار احساس ہوا کہ تنہائی بھی گنگناتی ہے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ شعیب اس کی طرف جھکے گا۔ خاندان کی لڑکیاں اس کے لئے آہیں بھرتی تھیں۔ اس کی گریس فل شخصیت اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ گو کہ اس کی ملازمت پکی نہیں تھی۔ کوئی بزنس کرنے کے لئے اس کے پاس سرمایہ بھی نہیں تھا۔ بس اپنی شخصیت سے ہی سب کو متاثر کرتا تھا۔ ایسے میں فرح خود کو خوش نصیب تصور کر رہی تھی تو کچھ غلط نہ تھا۔

شعیب بھی کم خوش نصیب نہیں تھا اُسے فرح جیسی خوبصورت لڑکی چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی۔ اس کی موہنی صورت پہلی نظر میں ہی دل کو بھا جاتی تھی۔ خاندان کے اندر اور باہر بہت سے پروانے تھے جو اس کے گرد چکر لگاتے رہتے تھے۔

رومانوی ماحول میں چاند بڑا خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ شاعر حضرات اسے اپنے محبوب کی صورت سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ حقیقتاً اس کے چہرے پر داغ ہوتے ہیں۔ فرح کو بھی چاند سے تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔ وہ واقعی چاند تھی کیونکہ اس کی ذات پر بھی داغ تھا —— غربت کا داغ —— جو اس کی خوبصورتی تو کم نہیں کرتا تھا البتہ اہمیت کم کر دیتا تھا۔ لڑکے والوں کو صرف خوبصورت اور سگھڑ لڑکی کی ضرورت نہیں ہوتی' اپنا گھر بھرنے کے لئے جہیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے وہ دن رات اولادِ نرینہ کی دعائیں مانگتے ہیں۔

کہتے ہیں —— چام پیارا نہیں ہوتا' کام پیارا ہوتا ہے —— لیکن بیٹوں کا رشتہ طے کرتے ہوئے نہ چام پیارا ہوتا ہے' نہ کام پیارا ہوتا ہے صرف جہیز پیارا ہوتا ہے۔

فرح اس رات ندا کے اندر جھانکنا چاہتی تھی۔ یہ تجسس تھا کہ اس نے کھڑکی کے باہر چھپ کر ان کی کیسی کیسی باتیں سنی ہیں اور اس سلسلے میں اس کے تاثرات کیا ہیں۔

بھلا ندا کے تاثرات کیا ہوتے۔ وہ تو کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کی عمر سے گزر رہی تھی۔ فرح نے اسے سمجھایا تھا کہ کسی کو بھی' کسی بھی بہانے سے اپنا ہاتھ پکڑنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ لڑکیوں کو صحیح معنوں میں شادی کے بعد ہی تحفظ حاصل ہوتا ہے اور شادی کے مسئلے پر فرح سنجیدہ ہو گئی تھی کہ نہ خوبصورتی کام آتی ہے' نہ خوب سیرتی کام آتی ہے۔ لڑکیاں جہیز کی سولی پر لٹکتی رہ جاتی ہیں۔

☆======☆======☆

برآمدے سے گزرتی ہوئی ندا ماں کی آواز سن کر ٹھٹک گئی وہ ڈرائنگ روم میں اپنے بیٹے سلمان سے کہہ رہی تھی۔ "تو فکر نہ کر میں بات کر لوں گی۔ کہیں نہ کہیں سے بندوبست ہو جائے گا۔"

سلمان نے کہا۔ "بندوبست ہو یا نہ ہو' کمپیوٹر سیکھنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ میں نے اپنے دوست سے بھی بات کر لی ہے۔ وہ دوسروں سے کم فیس پر مجھے کورس کرا دے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن .... تمہارے ابو کو راضی کرنے میں وقت تو لگے گا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ فی زمانہ کمپیوٹر ایک ضرورت بن گیا ہے۔ ابو کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ کمپیوٹر ڈپلومہ ہاتھ میں ہو گا تو ملازمت بھی بآسانی مل جائے گی۔"

کمپیوٹر کا سنتے ہی ندا چونک گئی' بغور سننے لگی' ماں کہہ رہی تھی۔ "یہ بات تو وہ بھی سمجھتے ہیں لیکن کیا کریں' لگی بندھی تنخواہ ہوتی ہے مگر بچوں کا مستقبل سنوارنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ آگے چل کر تم ہی ہمارا سہارا بنو گے۔"

ماں کی باتیں ندا کو صدمہ پہنچا رہی تھیں۔ وہ بڑے دکھ سے سوچ رہی تھی۔ "صرف بیٹوں کو ہی مستقبل کا سہارا کیوں سمجھا جاتا ہے؟ میں بیٹی ہوں' اس لئے میرا کمپیوٹر سیکھنا ضروری نہیں ہے۔ مجھے تو رخصت ہو جانا ہے۔ میری تعلیم و ہنر بے معنی ہیں۔ بیٹوں سے توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ ہماری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

وہ دل برداشتہ سی ہو کر فرح کے پاس آئی۔ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر فرح نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟"

وہ کافی دیر سے آنسوؤں کو ضبط کئے ہوئے تھی۔ فرح کے پاس آتے ہی رونے

لگی۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "ارے .... کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو' کیا امی نے ڈانٹا ہے؟"

وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا نا' میں کمپیوٹر سیکھنا چاہتی ہوں لیکن امی نے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ ابو فیس ادا نہیں کر سکیں گے۔"

"ہاں .... انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

وہ آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے بولی۔ "اگر میرے لئے پیسے نہیں ہیں تو پھر سلمان کو کمپیوٹر کورس کہاں سے کرایا جائے گا؟ اس کے لئے تو وہ فوراً راضی ہو گئی ہیں اور مجھے مجبوریاں گنوانے بیٹھ گئی تھیں۔"

فرح اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ سلمان کے لئے راضی ہیں؟"

"میں ابھی سن کر آ رہی ہوں' کہہ رہی تھیں کہ وہ ابو کو راضی کر لیں گی۔ اگر ایسا ہوا تو میں بھی ضد کروں گی' ابو کو مناؤں گی۔"

"ابھی صرف امی راضی ہوئی ہیں۔ اصل مسئلہ تو ابو کا ہے۔ چاہے تم ضد کرو یا سلمان' وہ اپنی جیب دیکھ کر ہی اجازت دیں گے۔"

"جس کام کے لئے امی ہاں کہہ دیں وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ تم دیکھ لینا ابو انکار تو کیا کوئی بہانہ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

اس نے تائید میں کہا۔ "یہ تو ہے۔"

"اگر یہ ہو گا تو میں بھی پیچھے نہیں رہوں گی۔"

فرح پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی' وہ بڑی تھی' باپ کے مالی مسائل اور گھریلو پریشانیوں کو خوب سمجھتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح سلمان کو کمپیوٹر کورس میں داخلہ دلوا دیتے۔ ایسے میں ندا کی ضد گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔ مجبور اور بوڑھا باپ کہاں تک بوجھ برداشت کرے گا۔ وہ انہیں شرمندہ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ندا کو سمجھانے لگی۔ "ہو سکتا ہے ابو کسی سے ادھار لے کر سلمان کو داخلہ دلوا دیں۔ تمہیں ضد نہیں کرنی چاہئے' انتظار کرنا چاہئے۔ اسے سکھانا ضروری ہے۔"

"کیوں ضروری ہے' کیا کمپیوٹر ہمارے لئے ایجاد نہیں ہوا ہے؟"

"سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ ابھی تم آٹھویں میں ہو۔ پہلے میٹرک تو کر لو پھر کمپیوٹر بھی سیکھ لینا۔"

"جب میٹرک کر لوں گی تو کہا جائے گا۔ بی بی! اب اپنے گھر کی ہو جاؤ' وہاں جا کر شوق پورے کرتی رہنا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ مجھے دیکھو' میٹرک کئے ہوئے ایک برس گزر چکا ہے۔ کیا میری شادی ہو گئی ہے؟"

"یہ بات امی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر تم نے تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی سیکھا ہوتا تو آج کہیں نہ کہیں ملازمت کر کے ابو کا ہاتھ بٹا رہی ہوتیں۔ پڑھائی کے بعد تو تم صرف کچن کی ہو کر رہ گئی ہو۔ میں ایسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔"

"مجبوری ہو تو مرضی کو نظرانداز کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"سلمان نے تو نہیں کیا۔ وہ اپنا مطالبہ پیش کر چکا ہے اور اسے منوا کر ہی رہے گا۔"

"وہ ابو امی کی مجبوری کو نہیں سمجھ رہا ہے۔ تو کیا تم بھی انہیں پریشان کرو گی؟"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے فرح کو دیکھنے لگی۔ اس کا مقصد ماں باپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔ وہ تو صرف اپنی اہمیت جتانا چاہتی تھی۔ ان پر یہ بات واضح کرنا چاہتی تھی کہ جو چیز بیٹوں کے لئے ضروری ہے' وہ بیٹیوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ مستقبل کا سہارا صرف بیٹوں کو نہ سمجھا جائے' ہم بھی مضبوط سہارا بن سکتی ہیں۔

فرح نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ندا! ضد نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے' نعمان اور سلمان نے ہی آگے چل کر اس گھر کو سنبھالنا ہے۔ اس لئے امی ابو ان پر توجہ دے رہے ہیں۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "اسی سوچ کو تو میں بدلنا چاہتی ہوں۔ نعمان بھائی کی تعلیم پر ابو نے خوب پیسہ لگایا مگر انہوں نے کیا کیا؟ ایک لڑکی کے چکر میں پڑ کر امتحان ہی نہیں دیا۔ گھر سے فیس لے جا کر اس پر خرچ کرتے رہے۔ ہم گورنمنٹ اسکول میں پڑھنے کے باوجود انگریزی اور اردو تقاریر کے مقابلے میں حصہ لے کر انعامات جیتتی رہی ہیں اور وہ پرائیویٹ اسکول کی بہترین اور معیاری تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی انگریزی اخبار نہیں پڑھ سکتے۔"

فرح اسے گہری سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ چھوٹی اب واقعی بڑی ہو گئی تھی۔ وہ بولی۔ "نعمان نے جو کیا' وہ بھگت رہا ہے۔ اس کی قسمت میں تعلیم نہیں تھی' ہنر لکھا تھا۔ ورکشاپ میں جاتا ہے۔ کچھ سیکھ ہی لے گا مگر سلمان تو ایسا نہیں ہے۔ وہ اپنی پڑھائی پر بھرپور توجہ دے رہا ہے۔"

وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں بھی تو بڑی لگن اور محنت سے پڑھ رہی ہوں۔"

"تو بس ٹھیک ہے' میٹرک کے بعد میں خود تمہارے لئے امی ابو سے بات کروں گی مگر تم وعدہ کرو' ابھی ابو سے کچھ نہیں کہو گی۔"

اسے ایک بار پہلے بھی چپ کرا دیا گیا تھا اس بار بھی خاموش ہونا پڑا۔ بیٹیاں شاید پیدا ہی صبر کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔

نہ جانے شکیلہ بیگم نے اپنے شوہر حیات انصاری کو کس طرح راضی کیا۔ بہرحال ایک ہفتے بعد ہی سلمان نے ایک انسٹیٹیوٹ میں ایڈمشن لے لیا۔ ندا کے اندر کوئی ہنر سیکھنے کی لگن بدستور کلبلا رہی تھی۔ اسے سلائی کا شوق تھا۔ کسی نے بتایا' ایک فاؤنڈیشن میں بہت کم فیس پر سلائی کڑھائی سکھائی جاتی ہے۔ ڈھائی ماہ کا کورس ہوتا ہے۔ سیکھ لو گی تو ماں کے سر سے سلائی کا بوجھ اتر جائے گا۔ پھر چاہو تو محلے پڑوس کے کپڑے سلائی کر کے اپنا جیب خرچ نکالتی رہنا۔

یہ اچھا مشورہ تھا۔ فرح کو بھی پسند آیا تھا۔ وہ سینا جانتی تھی لیکن سلائی میں ابھی ہنرمندی نہیں آئی تھی۔ عید تہوار پر یا تو ریڈی میڈ سوٹ خرید لئے جاتے تھے یا درزن کو کپڑے دے دیئے جاتے تھے۔ سلائی سیکھنے سے یہ لاچاری ختم ہو جاتی۔

لیکن ندا دوسرے زاویے سے سوچ رہی تھی۔ وہ اس ہنر کو آمدنی کا ذریعہ بنانا چاہتی تھی۔ اس نے فرح سے کہا۔ "ہم یہ ہنر سیکھ کر محلے والوں کے کپڑے سلائی کریں گے اور ان پیسوں سے خوب جی بھر کے کپڑے بنائیں گے۔ میں تو کوئی چھوٹی کمیٹی ڈال لوں گی اور جب وہ کھلے گی تو میں ایک بوتیک کھول لوں گی۔"

فرح مسکرا کر بولی۔ "شیخ چلی نہ بنو۔ گاؤں بسا نہیں ہے اور چور پہلے سے آ گئے۔ ابھی تم نے کچھ سیکھا نہیں ہے۔ ہر کام میں وقت لگتا ہے۔ تم نے تو خیالوں ہی خیالوں میں کمیٹی بھی ڈال لی اور محل بھی بنا لیا۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔"

"اوہو .... دوراندیشی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں' ہر کام میں وقت درکار ہوتا ہے لیکن منصوبہ بندی اور مستقبل بینی اچھی بات ہے۔"

"امی صحیح کہتی ہیں۔ تمہارے اندر کوئی بوڑھی روح سما گئی ہے۔ بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ مستقبل کی منصوبہ بندی کرنا اچھی بات ہے لیکن خیالی پلاؤ سے پیٹ نہیں بھرتا۔ ہمیں پہلے امی سے بات کرنی ہو گی۔"

"امی سے تم بات کرو گی۔"

پھر وہ خلا میں تکتے ہوئے ہاتھ لہرا کر بولی۔ ”میں نے تو اپنے بوتیک کا نام بھی سوچ لیا ہے۔“

فرح نے چونک کر تعجب سے پوچھا۔ ”کس کا بوتیک‘ کون سا بوتیک؟“

”ہمارا بوتیک ــــ ایف این سسٹرز بوتیک ــــ یہی نام ہو گا اس کا۔“

وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ”ندا! واپس آ جاؤ۔“

وہ جیسے ایک دم سے چونک گئی پھر بیزار ہو کر بولی۔ ”کچھ دیر ٹھہر نہیں سکتی تھیں۔ ابھی ایک کسٹمر آئی تھی‘ سودا تو ہو جانے دیتیں۔“

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”اچھا .... تو آپ کا بوتیک اسٹارٹ بھی ہو چکا ہے۔ بھئی! مبارک ہو آپ کو۔“

”مذاق مت اڑاؤ۔ یہ ناممکن نہیں ہے۔ تم دیکھو گی‘ ایک دن میری یہ لگن رنگ لائے گی مگر اس کے لئے امی کو راضی کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔“

”میں ابھی جا کر امی سے..........“

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازے پر کسی نے ایسے دستک دی جیسے دھماکے کر رہا ہو۔ انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ندا ناگواری سے بولی۔ ”کوئی جاہل لگتا ہے‘ دستک دینے کی تمیز نہیں ہے۔“

ایک بار پھر دروازے کو پیٹا گیا۔ وہ صحن سے گزر کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ”یہ کوئی حویلی تو نہیں ہے‘ جہاں ہلکی دستک پر دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔ چھوٹا سا گھر ہے‘ باہر گلی میں بچہ روتا ہے تو اندر آواز آ جاتی ہے۔“

اس دوران میں ایک بار اور دروازے پر دستک دی گئی تھی۔ ماں نے کمرے سے نکل کر کہا۔ ”بڑبڑائے جائے گی یا دروازہ بھی کھولے گی۔“

اس نے ہاتھ بڑھا کر کنڈی کھول دی‘ باہر کوئی اجنبی میلا سا شخص دکھائی دیا۔ اس نے پوچھا۔ ”نعمان ہے؟“

ندا نے پلٹ کر ماں کو دیکھا‘ وہ دروازے کے پاس آ کر بولی۔ ”وہ تو اس وقت ورکشاپ میں ہو گا۔ آپ کون ہیں؟“

”میں اُس ورکشاپ کے مالک کا بھائی ہوں۔ نعمان تین دن سے ڈیوٹی پر نہیں آ رہا ہے۔“

ماں بیٹی نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر ماں نے کہا۔ ”لیکن وہ تو روز جا

رہا ہے۔ اس وقت بھی..........“

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ”دیکھیں خالہ جی وہ ورکشاپ میں آئے یا نہ آئے‘ ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ فکر تو ہمیں ان اوزاروں کی ہے جنہیں وہ دکان سے لے گیا ہے۔ وہ اوزار کم از کم چھ سات سو روپے کے ہیں۔“

ماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ بھائی! تم کون سی ورکشاپ سے آئے ہو؟“

”اس علاقے میں دو ورکشاپ ہیں‘ میں مین روڈ والی قادر آٹو ورکشاپ سے آیا ہوں۔“

ندا نے ماں سے کہا۔ ”نعمان بھائی جہاں جاتے ہیں اس ورکشاپ کا نام قادر آٹوز ہی ہے۔“

ندا بولی۔ ”لیکن میرا بچہ تو باقاعدگی سے جا کر کام سیکھ رہا ہے۔“

”او خالہ جی! وہ دکان پر ٹک کر بیٹھے گا تو کام سیکھے گا ناں۔ روز ہی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لئے کہیں غائب ہو جاتا ہے اور اب تو تین دن گزر گئے ہیں اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ قادر بھائی نے کہا ہے وہ آتا ہے تو آئے ورنہ اوزار لے آؤ۔“

ندا نے کہا۔ ”ٹھیک ہے‘ نعمان بھائی جیسے ہی آئیں گے ہم انہیں آپ کے پاس بھیج دیں گے۔“

وہ بولا۔ ”جی! مسئلہ نعمان کا نہیں‘ اوزاروں کا ہے۔ آپ اس کا بیگ مجھے دے دیں۔ پھر جب وہ آئے تو اسے قادر بھائی کے پاس بھیج دیں۔ وہ اس سے بات کر لیں گے۔“

ماں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن وہ تو بیگ اپنے ساتھ ہی لے کر جاتا ہے۔“

ندا نے کہا۔ ”آپ بے فکر رہیں‘ ہم بیگ سمیت انہیں بھیج دیں گے۔“

وہ چلا گیا۔ شکیلہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔ ”نہ جانے یہ لڑکا کیا کرتا پھر رہا ہے۔ ہم سے تو یہی کہہ کر جاتا ہے کہ کام پر جا رہا ہے۔“

ندا بولی۔ ”یہ تو ان کے آنے پر ہی معلوم ہو گا کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔“

ماں صحن میں بچھے ہوئے ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ دل کو دھڑکا سا لگا تھا۔ رہ رہ کر اوزاروں کا خیال آ رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ انہیں ٹھکانے لگا چکا ہو گا۔ اس سے یہی امید کی جا سکتی تھی۔ ایک لڑکی کے عشق نے اسے دیوانہ بنایا ہوا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے اخبار والے نے تقاضہ کیا تھا کہ نعمان اس سے پانچ سو روپے بطور قرض لے گیا تھا۔ ایک ماہ گزر جانے کے باوجود واپس نہیں لوٹائے تھے۔

حیات انصاری پہلے ہی بیٹے سے نالاں تھا۔ اس پر یہ خبر جو سنی کہ وہ لوگوں سے ادھار لے کر کھانے لگا ہے تو آگ بگولا ہو گیا۔ غصے نے یہ بات ذہن سے محو کر دی کہ بیٹا جوان ہو چکا ہے۔ اُس نے اُسے ایک کمرے میں بند کر کے پلاسٹک کے پائپ سے روئی کی طرح دھنک ڈالا تھا۔

شکیلہ بیگم نے چونک کر ندا اور فرح سے کہا۔ "تم دونوں اس معاملے میں مت بولنا۔ میں خود ہی نعمان سے بات کروں گی۔ تمہارے ابو کو تو ہوا تک لگنے نہیں دوں گی۔ پچھلی بار انہوں نے اسے صرف مارا تھا۔ اس بار ممکن ہے وہ اسے گھر سے ہی نکال دیں۔ اس کم بخت کی دیوانگی عذابِ جان بن گئی ہے۔ نہ جانے کب سدھرے گا۔"

ندا نے پوچھا۔ "یعنی نعمان بھائی کی تعلیم سے تو چھٹی ہوئی اب ورکشاپ سے بھی چھٹی ہو جائے گی؟"

فرح نے کہا۔ "اور نہیں تو کیا' ایسے کام چور کو کون کب تک برداشت کرے گا؟"

ماں سر کو تھام کر بولی۔ "سوچا تھا' دو چار ماہ میں یہ کام سیکھ لے گا تو کچھ اضافی رقم گھر میں آنے لگے گی لیکن یہ تو گھر سے نکلتے ہی آمدنی کے بجائے خرچ بڑھا دیتا ہے۔"

ندا نے مسکرا کر کہا۔ "میں لکھ کر دے سکتی ہوں' قادر بھائی کے اوزار ہماری ہونے والی بھابی کے کانوں میں جھمکے بن کر جھول رہے ہوں گے۔"

فرح اس کی بات پر منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ ماں نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میری جان پر بنی ہے۔ اگر اس نے اوزاروں کو آگ لگا دی ہو گی تو میں غریب کہاں سے ان کا خمیازہ بھگتوں گی؟ مجھے باندھ کر بھی مارو تو ایک پیسہ نہیں گرے گا۔"

ندا نے ناگواری سے سوچا۔ "یہ لڑکے نہ تو اپنے مستقبل کی فکر کرتے ہیں اور نہ ہی والدین کی عزت و وقار کا خیال کرتے ہیں۔ بس اپنی مرضی سے زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ ایسے من موجیوں کو والدین مستقبل کا سہارا سمجھتے ہیں .... اونہہ۔"

رات ہوئی تو نعمان حسب معمول ہاتھ میں بیگ لٹکائے گھر میں داخل ہوا۔ ماں باپ کو سلام کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فرح دسترخوان پر کھانے کے برتن چن رہی تھی۔ ندا نے نعمان کو دیکھا پھر معنی خیز نظروں سے فرح کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

ماں نے ندا کی چور مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "ندا! جاؤ پانی لے کر آؤ۔"

وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ ماں کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہا تھا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس کے باعث بات کھل جانے کا خدشہ ہو۔ فرح بھی اس کے پیچھے پیچھے کچن میں چلی آئی۔ ندا دبی زبان میں بولی۔ "لو .... آ گئے کماؤ پوت۔ بے چارے تھک گئے ہوں گے۔"

دونوں نے کچن کی کھڑکی سے دیکھا شکیلہ بیگم بیٹے کے کمرے میں جا رہی تھی۔ ایک نے کہا۔ "امی اس کی تھکن اتارنے جا رہی ہیں۔"

ندا پانی کا جگ رکھنے آئی تو نعمان کے کمرے سے دبی دبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ خبرنامہ سننے میں محو تھا۔ وہ ماں بیٹے کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگی لیکن سلمان کو وہاں آتا دیکھ کر کچن میں چلی گئی۔

معاملہ بڑی رازداری سے نمٹایا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شکیلہ بیگم باہر آئی۔ چہرے پر غصے کے اثرات نمایاں تھے۔ یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آ رہی تھی کہ ان تینوں نے جو قیاس آرائی کی تھی وہ سچ ثابت ہوئی ہے۔

نعمان صاحب نے اپنے مستقبل کو نظرانداز کر کے عاشقوں کی لاج رکھ لی تھی —— ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں —— نعمان نے تعلیم کے امتحانات میں کامیابی حاصل نہیں کی تھی لیکن عشق کے امتحان میں سرخرو ہو رہا تھا۔

ماں نے ندا کو آواز دی۔ "نعمان کو کمرے میں ہی کھانا دے دو۔"

باپ نے چونک کر پوچھا۔ "کیوں' وہ ہمارے ساتھ نہیں کھائے گا؟"

شکیلہ بیگم کا موڈ آف تھا' شوہر کے سوال پر الجھ کر تیز لہجے میں بولی۔ "اس کی مرضی ہے' ویسے بھی وہ ہمارے ساتھ نہیں کھائے گا تو قیامت نہیں آ جائے گی۔"

باپ نے ندا کو پکارتے ہوئے کہا۔ "نعمان کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کو بھی جلدی کھانا دے دو ورنہ یہ ہمیں کاٹ کھائیں گی۔"

شکیلہ بیگم نے گھور کر شوہر کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے' کچھ الجھی ہوئی لگ رہی ہو؟"

فرح کھانا نکال رہی تھی۔ ندا کان لگا کر ماں کی باتیں سننے لگی۔ وہ دھیمی آواز میں شوہر سے کہہ رہی تھی۔ "یہ ورکشاپ والے بڑے عجیب ہیں۔ بچے سے سارا دن کام لیتے

ہیں مگر سکھا تو کچھ نہیں رہے ہیں۔ اسے پھرکی کی طرح اِدھر سے اُدھر گھماتے رہتے ہیں۔ پٹرول اور گریس سے اس کی رنگت ہی بدلتی جا رہی ہے۔ میں تو کل سے اُسے نہیں بھیجوں گی۔"

باپ نے کہا۔ "اس کی حالت دیکھ کر مجھے بھی دکھ ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے۔ اس کی حرکتیں ہی اسے مٹی میں ملا رہی ہیں۔"

"میں مانتی ہوں' اس نے نادانیاں کی ہیں لیکن سیکھنے کے لئے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے' اس نے کسی الیکٹریشن سے بات کی ہے۔ صاف ستھرا کام ہے' پھر دو پیسے آنے کی بھی امید ہے۔ کام بھی سکھائے گا اور روز پچیس روپے بھی دے گا۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

ندا نے پلٹ کر فرح سے کہا۔ "سنا تم نے؟ امی کیسے نعمان بھائی کی غلط حمایت کر رہی ہیں۔ میں نے ضرورتاً ایک خواہش ظاہر کی تھی تو مجھے ڈانٹ دیا تھا۔ ابو سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ تسلی کے لئے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ میٹرک کے بعد سیکھ لینا۔ میرے جائز معاملے میں انہوں نے ساتھ نہیں دیا تھا اور بیٹے کی غلط حرکت پر کیسی لیپا پوتی کر رہی ہیں۔"

فرح نے کھانے کی ایک ٹرے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "دل برداشتہ نہ ہو' حالات کبھی نہ کبھی بہتر ہو ہی جائیں گے۔ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے اب اسی کے متعلق سوچنا چاہئے۔ یہ لو.......... اسے کھانا دے آؤ۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "اونہہ.......... وہ نئی نئی مصیبتیں کھڑی کرتے رہیں اور ہم ان کی خدمت میں ہی لگے رہیں۔ محبوبہ کے لئے شاپنگ کر کے تھک گئے ہیں۔ کمرے سے باہر نہیں آ سکتے۔"

وہ منہ بسورتی ہوئی ٹرے اٹھا کر کچن سے چلی گئی۔

☆------☆------☆

فرح بارہا ماں کے کمرے تک جا کر پلٹ آئی تھی۔ ندا اسکول جانے سے پہلے تاکید کر کے گئی تھی کہ وہ امی سے سلائی سیکھنے کی اجازت لے لے۔ اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن پڑوسن' ماں کی جان چھوڑتی تو وہ بات کرتی۔ وہ تو جیسے گھر سے بالکل فارغ ہو کر آئی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے گزر چکے تھے مگر وہ جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس دوران میں دو بار چائے کا دور چل چکا تھا اور پان پر پان چبائے جا رہے تھے۔

فرح نے الجھ کر سوچا۔ "توبہ ہے امی تو ہر پڑوسن سے یوں ملتی ہیں جیسے وہ کافی عرصے بعد دبئی سے آئی ہو۔ لوگ رشتہ داروں اور خاص مہمانوں کی بھی اتنی آؤ بھگت نہیں کرتے جتنی کہ وہ پڑوسنوں کی کرتی ہیں۔ ہر گھنٹے بعد چائے کا آرڈر دیتی رہتی ہیں۔"

کچھ دیر بعد شکیلہ بیگم پڑوسن کے ساتھ کمرے سے باہر آئی۔ فرح نے سکون کی ایک گہری سانس لی۔ ماں کہہ رہی تھی۔ "کچھ دیر اور بیٹھ جاتیں۔ ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہو۔ آتے ہی جانے کی فکر کرنے لگتی ہو۔"

"بچے اسکول سے آتے ہوں گے۔ ورنہ میں کچھ دیر اور بیٹھ جاتی۔ بس تمہارے ساتھ دو گھڑی گزار کر جی ہلکا ہو گیا ہے۔ میں پھر کسی وقت آؤں گی۔"

شکیلہ بیگم پڑوسن کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ فرح نے موقع غنیمت جانا۔ فوراً ہی وہاں چلی آئی مگر ماں کو چادر اوڑھتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ "امی! کہاں جا رہی ہیں؟"

اس نے پلٹ کر بے بسی سے کہا۔ "اولاد نہ ہو تو مصیبت' ہو تو مصیبت۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں۔"

ماں نے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ ہتھیلی پر سونے کی بالیاں دھری ہوئی تھیں۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "انہیں بیچنے جا رہی ہوں۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "لیکن کیوں؟ آپ کے پاس سونے کی ایک ہی چیز رہ گئی ہے اسے بھی بیچنے جا رہی ہیں۔"

"زندگی رہی اور قسمت نے ساتھ دیا تو اس سے اچھی بالیاں بنوا لوں گی۔"

"چوڑیاں بیچتے ہوئے بھی یہی کہا تھا۔ پھر کیا ہوا؟ آج چار برس گزر چکے ہیں۔ چوڑیاں تو دور کی بات ایک انگوٹھی بھی نہ بن سکی۔ پہلے تو ابو کی بیماری نے مجبور کیا تھا۔ اب.........."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "اب بیٹے کی مجبوری ہے۔ قادر کو اس کے اوزاروں کے پیسے نہ دیئے گئے تو وہ ایک ہنگامہ برپا کر دے گا۔ بات تمہارے باپ کے کانوں تک پہنچے گی تو وہ الگ ایک ٹنٹا کھڑا کر دیں گے۔"

"آپ نعمان کی حرکتوں پر پردہ ڈالیں گی تو اسے اور شہہ ملے گی۔ ورکشاپ میں رہ کر کچھ ہنر ہاتھ آ جاتا۔"

"ہنر تو تب آئے گا جب وہ قادر کچھ سکھائے گا۔ تم نے اسے دیکھا ہے' شکل سے

ہی بدمعاش لگتا ہے؟ نعمان بتا رہا تھا کہ شاگردوں سے بڑی بدتمیزی سے باتیں کرتا ہے۔ سکھاتا کچھ نہیں ہے۔ بس رعب جھاڑتا پھرتا ہے۔ نعمان اس ماحول میں رہ کر صرف تن کا نہیں من کا بھی میلا ہو جاتا۔ اچھا ہی ہے جو اس نے جانا آنا چھوڑ دیا۔ اب الیکٹریشن کے پاس جائے گا تو سیکھنے کے ساتھ ساتھ کما کر بھی لائے گا۔"

ماں بول رہی تھی اور وہ بڑے دکھ سے اس کے خالی کانوں کو دیکھ رہی تھی۔ مستقبل کی جھولی بھرنے کے لئے حال کا دامن خالی کرنا پڑتا ہے' حال سے بے حال ہونا پڑتا ہے۔

وہ بالیاں بیچ کر ورکشاپ میں پہنچی' بیٹا بھی موجود تھا۔ اسے کرسی پر بٹھا کر رسیوں سے باندھا گیا تھا' قادر اس کے زانو پر پاؤں رکھے کھڑا تھا۔ گالیاں دے کر اوزاروں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ ماں اس کی حالت دیکھ کر تڑپ گئی۔ سینہ پیٹ کر بولی۔ "ہائے میرا بچہ۔"

نعمان کے چہرے پر تھپڑوں کے نشانات تھے' ایک آنکھ سوج کر تقریباً بند ہو گئی تھی۔ اس نے دوسری آنکھ سے ماں کو دیکھا۔ وہ قادر کو دھکا دے کر ہٹاتے ہوئے بولی۔ "اے ہے' تم لوگوں نے میرے بچے کا کیا حشر کر دیا ہے؟ ظالمو! کچھ تو خدا کا خوف کرو' معصوم پر ہاتھ اٹھا رہے ہو۔"

قادر نے غصے سے کہا۔ "یہ معصوم تھا' بچہ تھا تو اسے پالنے میں ہی رہنے دیا ہوتا۔ ہمارا نقصان کرنے کے لئے گھر سے باہر کیوں نکالا ہے؟"

وہ نعمان کی رسیاں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے کیا پتہ تھا میرا بچہ تم جیسے درندوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ دیکھو تو .... کیسا کس کر باندھا ہے؟ اے لڑکے یہ رسیاں کھول۔"

اس نے قریب کھڑے ہوئے لڑکے سے کہا۔ وہ قادر کا شاگرد تھا۔ استاد کے حکم کے بغیر رسیاں نہیں کھول سکتا تھا۔ قادر نے کہا۔ "جب تک میرے اوزار نہیں ملیں گے' تب تک اسے آزادی نہیں ملے گی۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "ارے .... ہم تھوکتے ہیں تیرے اوزاروں پر۔ چار ٹکے کی چیز پر میرے بچے کو قیدی بنا رہا ہے۔ کھول اسے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولا۔ "وہ چار ٹکے کے نہیں' پورے آٹھ سو کے اوزار ہیں جنہیں تمہارا لاڈلا ہضم کر گیا ہے۔"

اس نے قادر کا ہاتھ کھینچ کر اس کی ہتھیلی پر سو سو کے نوٹ رکھتے ہوئے کہا۔ "لے پکڑ .... اور کھول میرے بچے کو .... آٹھ سو کے لئے کیوں مرا جا رہا ہے؟"

قادر انگلی پر تھوک لگا کر نوٹوں کی گنتی کرنے لگا۔ پھر اپنے شاگرد سے بولا۔ "چھوٹے کھول دے اسے۔"

وہ کبھی آنچل سے بیٹے کے چہرے کو پونچھ رہی تھی' کبھی ماتھے کو چوم رہی تھی اور بڑبڑانے کے انداز میں قادر کو باتیں بھی سناتی جا رہی تھی پھر بیٹے کی نقاہت دیکھ کر بولی۔ "میں ابھی رکشہ پکڑتی ہوں' تم یہیں بیٹھو۔"

قادر کی معمولی سی مار نے اس کی یہ حالت کر دی تھی کہ اسے رکشہ میں گھر تک لانا پڑا تھا۔ رات کو باپ نے اس کی حالت دیکھ کر پوچھا۔ "اسے کیا ہوا ہے؟"

وہ بولی۔ "میں شروع سے ہی کہتی تھی یہ قادر پکا بدمعاش ہے۔ ایک شاگرد کو اس بری طرح مار رہا تھا۔ نعمان سے برداشت نہ ہوا۔ بیچ بچاؤ کرنے میں اس کو بھی دو تین ہاتھ لگ گئے۔ اب میں اپنے بچے کو ہرگز ایسے ظالم کے پاس نہیں بھیجوں گی۔ کل کو اس پر بھی ہاتھ اٹھایا تو مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔"

حیات انصاری نے کہا۔ "یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نعمان کو ان کے معاملات میں نہیں الجھنا چاہئے تھا۔ پڑھائی میں جی لگایا ہوتا تو ایسے جاہلوں کی صحبت سے محفوظ رہتا۔"

"اسی لئے تو میں نے اسے وہاں سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب طبیعت سنبھلنے کے بعد یہ بجلی کا کام سیکھنے جائے گا۔"

ندا چائے کی پیالی باپ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "ابو! نعمان اور سلمان دونوں ہی کچھ نہ کچھ سیکھ رہے ہیں۔ میں اور فرح بھی سلائی کا کورس کرنا چاہتی ہیں۔"

فرح جو بات ماں سے نہیں کہہ پائی تھی' وہ ندا نے براہ راست باپ سے کہہ ڈالی تھی۔ وہ چائے کی ایک چسکی لے کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ لڑکیوں کو سلائی کڑھائی آنی چاہئے۔ تب ہی وہ سگھڑ کہلاتی ہیں۔"

ندا نے خوش ہو کر فرح کو دیکھا' ماں نے کہا۔ "سگھڑ بننے کے لئے دونوں کا جانا اور ڈبل فیس بھرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک سیکھ کر آئے اور دوسری کو سکھا دے' یوں بھی تم ابھی پڑھ رہی ہو۔ پڑھائی میں دل لگاؤ اور بچت کرنا سیکھو۔"

فرح تنہا باہر جانے سے گھبراتی تھی۔ ندا نے اسے پریشان دیکھ کر کہا۔ "امی! یہ کوئی

مہنگا کورس نہیں ہے۔ ایک ہی بار تین سو روپے دینے ہیں اس کے بعد تو سیکھنا ہی سیکھنا ہے۔ ہم بھی بچت کرنا جانتے ہیں۔ اسی لئے ایسے سستے انسٹیٹیوٹ میں جانے کا سوچا ہے۔ ورنہ یہی کورس مہنگے اداروں میں بھاری فیس لے کر بھی سکھایا جا رہا ہے۔"

فرح نے کہا۔ "اس فاؤنڈیشن تک بس میں جانا پڑے گا اور سب ہی جانتے ہیں' میں تنہا سفر نہیں کرتی۔ کسی ایک کے سیکھنے کا معاملہ ہے تو تم ایڈمیشن لے لو میں تم سے سیکھ لیا کروں گی۔"

بات ہوتے ہوتے اس نتیجے پر پہنچی کہ ندا کا ایڈمیشن کرایا جائے گا۔ اس فیصلے سے اس کے اندر مچلنے والے جذبے کی کسی حد تک تسکین ہو گئی۔

☆------☆------☆

گھر کی چاردیواری میں دنیا کا اصلی چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔ اسے جاننے کے لئے گھر سے باہر لامحدود دنیا میں قدم رکھنا پڑتا ہے جہاں کچھ بدنصیب ڈگمگا جاتے ہیں اور کچھ سنبھل کر خوش نصیب بن جاتے ہیں۔

وہ سلائی کڑھائی سیکھنے نکلی تھی لیکن دنیا والے اسے زندگی کے جوڑ توڑ سکھانے والے تھے۔ اسے پہلا سبق یہ ملنے والا تھا کہ آگ صرف پانی سے نہیں بجھتی' آگ سے بھی آگ بجھائی جاتی ہے اور ایسا صرف جوانی کے دور میں ہوتا ہے۔ اس پر یہ بھی انکشاف ہونے والا تھا کہ وہ جوان ہو چکی ہے' چاکلیٹ کھانے والی بچی نہیں رہی ہے۔

اس نے فارم پُر کر کے میڈم آرزو کی طرف بڑھایا۔ وہ تمام کوائف پڑھنے کے بعد ذرا تعجب سے بولی۔ "اوہ .... تم آٹھویں کلاس کی اسٹوڈنٹ ہو۔ میں تو سمجھ رہی تھی..........."

اس نے فقرہ ادھرا چھوڑ دیا۔ ادھورا پن بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "کیا سمجھ رہی تھیں آپ؟"

اس نے مسکرا کر ذرا سوچنے کے انداز میں کہا۔ "میں جو سمجھ رہی تھی' تم وہ نہیں ہو اور جو ہو' وہ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتی۔"

یہ کہہ کر وہ اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگیں ندا اس کی باتوں سے الجھ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر ایک بار پھر فارم کو دیکھا۔ "تم نے فون نمبر نہیں لکھا۔"

ندا نے کہا۔ "ہوتا تو ضرور لکھتی۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر فارم کو ایک فائل میں رکھ دیا۔ پھر ایک طرف رکھے

ہوئے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگی۔ ندا کسی نادان بچی کی طرح بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ میڈم آرزو نے اسے دیکھا پھر مسکرا کر کہا۔ "جب تم آئی تھیں تو تمہاری آنکھوں سے سنجیدگی جھلک رہی تھی لیکن اس وقت لڑکپن دکھائی دے رہا ہے۔ معصوم سی بچی نظر آ رہی ہو۔ کمپیوٹر سے دلچسپی ہے؟"

"جی ہاں .... بہت زیادہ .... لیکن یہ جتنا دلکش اور دلچسپ ہوتا ہے اتنا ہی مہنگا ہوتا ہے۔"

اس کے لہجے میں افسردگی اُمنڈ آئی تھی۔ سلمان روزانہ شام کے وقت کمپیوٹر کورس کی کلاس اٹینڈ کرنے جاتا تھا اور ندا حسرت سے اسے دیکھتی رہتی تھی۔ اسی وقت اس نے فیصلہ کیا تھا کہ سلائی کڑھائی سیکھ کر محلے والوں کے کپڑے سلائی کرے گی اور وہ رقم جمع کر کے کمپیوٹر کورس کرے گی تاکہ بوتیک کھولے اور کاروبار میں ترقی ہو تو ترقی کے مراحل میں کمپیوٹر کا علم کام آ سکے۔

آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں' ان میں اترنے والے خواب بڑے ہوتے ہیں۔ ایسے خوابوں کی تعبیر بڑی مشکل سے ملتی ہے اور مشکل تب ہی حل ہوتی ہے جب حکمت عملی اختیار کی جائے۔ میڈم آرزو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ پھر ایک کاغذ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ "کلاس کل سے اسٹارٹ ہو گی۔ یہ سامان کی فہرست ہے۔ کل لے آنا۔ ویسے صبح کی کلاس میں آؤ گی یا دوپہر کی؟"

اس نے فہرست پڑھنے کے بعد اُسے پرس میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں تین وقت کلاسز ہوتی ہیں۔ میں شام کی ٹائمنگ میں آ سکوں گی۔ صبح سے دوپہر تک اسکول کی مصروفیات ہوتی ہیں۔"

"تم سے مل کر مجھے اچھا لگا۔ میں صبح اور دوپہر کی کلاسز کو سلائی سکھاتی ہوں۔ کچھ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم دوپہر میں یہاں آیا کرو؟"

"اسکول کا مسئلہ نہ ہوتا تو میری بھی خواہش تھی کہ میں آپ سے سلائی سیکھوں۔"

میڈم آرزو ذرا سوچ میں پڑ گئی۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "اب میں چلتی ہوں .... خدا حافظ۔"

وہ پلٹ کر جانا چاہتی تھی۔ میڈم آرزو نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میل ملاقات کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ مصافحہ کرنے سے فاصلے کم ہو جاتے ہیں۔"

میڈم آرزو نے مختصر مگر گہری بات کہی تھی اور یہی ندا کا پہلا سبق تھا۔ کامیابی وہ سیڑھی ہے جس کا پہلا پائدان تو ہوتا ہے مگر آخری نہیں ہوتا اور عین ممکن تھا کہ وہ مصافحہ کرنے والا ہاتھ پہلا پائدان بن جاتا۔

وہ بلاناغہ سینٹر جاتی آتی رہی۔ بڑی توجہ سے بہترین کٹنگ اور سلائی کے گُر سیکھتی رہی۔ کوئی بھی کام بھرپور لگن سے سیکھا جائے تو جلد ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ وہ پرانے میگزین خرید کر ماڈل گرلز کے ملبوسات دیکھتی تھی۔ پھران کے مطابق اپنے کپڑوں کی کاٹ چھانٹ کرتی تھی اور ان کی ڈیزائننگ میں مشرقیت پیدا کرتی تھی۔ فرح بھی اس سے بہت کچھ سیکھ رہی تھی مگراس میں ندا کی طرح لگن نہیں تھی۔

☆======☆======☆

نعمان الیکٹریشن کے پاس جا رہا تھا۔ بقول اس کے کام بھی سیکھ رہا تھا لیکن اب تک پچیس روپے کیا اس نے پچیس پیسے بھی ماں کے ہاتھ پر لا کر نہیں رکھے تھے۔ ماں نے پوچھا تو وہ بولا۔ "وہ مجھے کام سکھا رہا ہے' میرے لئے یہی کافی ہے' رہی پچیس روپے کی بات تو شاید آگے چل کر دینے لگے۔"

"تین ہفتوں سے یہی ہو رہا ہے۔ نہ تم مانگتے ہو' نہ وہ دیتا ہے۔ اسے خود ہی خیال کرنا چاہئے۔"

"یہ بہت چھوٹی بات لگتی ہے کہ میں اس کا احسان بھول کر معمولی سی رقم کا مطالبہ کروں۔" نعمان نے کہا۔

"رقم ایک دو دن کی ہوتی تو معمولی ہوتی۔ ایک ہفتہ پہلے میں نے تمہارے آسرے پر دکان والے سے سودا لیا تھا۔ اب وہ تقاضہ کر رہا ہے۔ بولو' میں کہاں سے بھگتوں؟ میرے پاس تو اب کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جسے بیچ کر اس گھر کا بھرنا بھروں۔"

فرح کچن کے دروازے میں کھڑی ماں اور بھائی کو دیکھ رہی تھی' ان کی باتیں سن رہی تھی اور اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی۔ ایسے وقت اُسے اپنی ماں پر بڑا ترس آ رہا تھا جس نے اس امید کے سہارے اولاد کو جوان کیا تھا کہ وہی آئندہ اس گھر کا سہارا بنیں گے۔ بڑا بیٹا اپنی حرکتوں کی وجہ سے سب کو مایوس کر رہا تھا لیکن ماں اپنی اولاد کی طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوتی۔

نعمان نے ایک ذرا لاپرواہی سے کہا۔ "سودا لیتے وقت آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا۔ اب رقم دینے کے لئے مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں کہ کہاں سے بھگتیں گی۔ جیسے پہلے

گزارہ ہو رہا تھا ویسے اب بھی کریں۔"

ماں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "آدھی روٹی کھانے والے کو پوری کی امید ہو جائے تو بھوک بڑھ ہی جاتی ہے۔ میں نے تمہارے لئے منت مانی تھی کہ تم ایک جگہ ٹک کر کام کرتے رہو گے تو میں زردہ پکا کر محلے میں بانٹوں گی اور اسی لئے دکان سے ادھار سودا اٹھایا تھا۔"

"منت پوری ہو گئی .... سب دیکھ رہے ہیں کہ میں مسلسل تین ہفتوں سے ایک ہی جگہ جا رہا ہوں۔ دل لگا کر کام سیکھ رہا ہوں۔ اب مجھ پر یہ دباؤ نہ ڈالیں کہ میں اُس سے رقم کا تقاضہ کروں۔ وہ خود سے دیتا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ اس وقت پیسوں کی نہیں' جو کام میں سیکھ رہا ہوں اس کی اہمیت ہے۔ یہ ہنر ہاتھ آتے ہی میں دکان کھولوں گا۔ پھر جتنے چاہے روپے مانگنا۔ میں دوں گا۔"

وہ شیخ چلی بن رہا تھا۔ ماں نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "جس دن تمہاری کمائی اس گھر میں آئے گی وہ دن بہت اہم ہو گا۔ کل کی امید آج کی مشکلات کو قدرے آسان کر دیتی ہے۔ میں تو دن رات دعائیں مانگتی ہوں کہ تم جلد ہی اس گھر کو سنبھالنے کے قابل ہو جاؤ تاکہ تمہارے بوڑھے باپ کو آرام تو ملے۔"

بیٹے نے خواب دکھائے' ماں بہل گئی۔ پانی میں چینی ملاؤ تو وہ میٹھا ہو جاتا ہے مگر پانی ہی رہتا ہے شربت نہیں کہلاتا۔ نعمان اس گھرانے کے لئے ایسا ہی میٹھا پانی تھا جسے شربت بننے کے لئے محنت کی ضرورت تھی۔ پانی ہو یا زندگی ہو' محنت سے ہی رنگ بھرتا ہے۔

فرح نے پریشان ہو کر سوچا۔ "نعمان نے بات گھما کر صاف جواب دے دیا ہے کہ اس کی طرف سے فی الحال آمدنی کی امید نہ رکھی جائے لیکن اس ادھار کا کیا ہو گا جو امی کے سر پر سوار ہے۔ وہ اوپر سے بہل گئی ہیں لیکن اندر سے ضرور پریشان ہوں گی۔"

وہ سوچتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ بس جی یہ چاہ رہا تھا کہ کسی بھی طرح ماں کی' باپ کی اور اس گھر کی تمام پریشانیاں دور کر دے۔ ایسے وقت اس نے سوچا۔ "کاش میں لڑکا ہوتی تو کہیں نہ کہیں محنت مزدوری کر کے اتنا تو لے آتی کہ ماں کے آنسو پونچھ سکتی۔ اس وقت میرے ملازمت کرنے پر نہ گھر والوں کو اعتراض ہوتا' نہ خاندان والوں کو اور نہ ہی محلے والوں کو۔ سامنے والی رخسانہ باجی ملازمت کرتی ہیں۔ بھائی بہنوں اور بوڑھی ماں کا سہارا بنی ہوئی ہیں۔ مگر لڑکی ہیں ناں۔ گھر سے باہر جاتی ہیں اسی لئے لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ لڑکا ہوتیں تو ایسے حالات سامنے نہ آتے۔"

وہ سوچتی رہی' ٹہلتی رہی پھر اچانک ہی آئینے کے سامنے آ کر رک گئی۔ اپنی ناک میں جھولنے والی سونے کی نتھنی کو دیکھنے لگی۔ شعیب کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ "تمہاری ناک کی یہ بالی مجھے بہت اچھی لگتی ہے' چمکتی ہے تو لگتا ہے مجھے اشارے کر رہی ہے۔ اس نے تمہارے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔"

وہ ذرا منہ بسور کر بولی۔ "اچھا.......... تو میں اسے پہن کر اچھی لگتی ہوں' اتاروں گی تو بری لگنے لگوں گی؟"

"خبردار.......... اسے اتارنے کی بات نہ کرنا۔ اس کا گھنگرو تمہارے چہرے کو چھوتا ہے۔ مجھے جلاتا ہے مگر یہ رقیب تمہارے حسن کو ظالم بناتا ہے اور مجھے مظلوم بننا اچھا لگتا ہے۔ وعدہ کرو' اسے نہیں اتارو گی۔"

"وعدہ.......... نہیں اتاروں گی۔"

وہ آئینے میں بالی کو دیکھ رہی تھی۔ انگلی سے چھو رہی تھی۔ وہ دو سو روپے میں خریدی گئی تھی۔ ڈیڑھ سو میں بیچی جا سکتی تھی۔ دکان والے کا ادھار اتارا جا سکتا تھا۔ اس نے بالی کو کھولنا چاہا تو شعیب کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ "وعدہ کرو.......... اسے نہیں اتارو گی۔"

محبوب کا وعدہ یاد آتے ہی بالی کو کھولنے والے ہاتھ شکست خوردہ انداز میں نیچے کی طرف آنے لگے۔ آئینے میں اپنے عکس کے بجائے ماں کا پریشان چہرہ دکھائی دینے لگا۔ جس نے بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر اسے جنم دیا تھا۔ پال پوس کر جوان کیا تھا۔ کیا اس لئے کہ وہ جوانی کے نشے میں صرف محبوب کو' اس کی خواہش کو اہمیت دے اور ماں کی پریشانی کو یکسر نظرانداز کر دے؟

وہ انکار میں سر ہلا کر دوبارہ بالی کو کھولنے لگی۔ شعیب کا عکس پھر شکایت کرنے لگا۔ وہ اس کی نفی کرتے ہوئے سوچنے لگی۔ "پلیز شعیب! مجھے مت الجھاؤ۔ جو ماں اپنے بیٹے اور شوہر کے لئے اپنے زیورات بیچ سکتی ہے۔ کیا میں اس ماں کے لئے ایک ذرا سی قربانی نہیں دے سکتی؟ میں اسے ضرور بیچوں گی۔ اگر تمہیں میری ناک میں یہ اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو دوسری بنوا دینا۔ امی ہمارے معاملے میں بہت ساتھ دیتی ہیں۔ تمہیں اتنا موقع دیتی ہیں کہ تم میرے قریب بیٹھ کر میری اور اس بالی کی تعریفیں کر سکو۔ آج میں ان کا ساتھ دے رہی ہوں۔ پلیز' ناراض نہ ہونا۔"

بالی کھل گئی' وعدہ ٹوٹ گیا مگر اترنے کے معاملے میں وہ بالکل شعیب بن گئی۔ ضدی

اور اڑیل۔ اس نے بڑی مشکل سے اسے اتار کر ایک ڈبیہ میں رکھا۔ نعمان جا چکا تھا۔ ماں اپنے کمرے میں تھی۔ وہ وہاں آ کر ڈبیہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "امی! یہ لیں۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے ڈبیہ کو دیکھا پھر پوچھا۔ "اس میں کیا ہے؟"

کہنے کو بات آسان تھی مگر وہ ذرا ہچکچا گئی۔ اس لئے کہ وہ ناک کی بالی نہیں تھی' شعیب کی پسند تھی۔ محبت ہو جائے تو اپنی ہر چیز محبوب کی امانت لگنے لگتی ہے اور وہ اس وقت امانت میں خیانت کر رہی تھی۔ اس نے خاموشی سے وہ ڈبیہ ماں کے ہاتھ میں تھما دی۔

اس نے کھول کر اسے دیکھا پھر چونک کر پوچھا۔ "ارے.......... تم نے یہ بالی کیوں اتار دی؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "اس لئے کہ آپ اپنا کچھ بوجھ اتار سکیں۔"

اس نے بڑی محبت سے بیٹی کو دیکھا پھر مسکرا کر کہا۔ "اس سے کیا بوجھ اترے گا؟ پہن لو اسے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں امی! میں جانتی ہوں اس سے کچھ زیادہ بھلا نہیں ہو گا مگر اتنا تو ہو گا کہ آپ نے نعمان کی منت کے لئے جو سودا لیا تھا اس کا ادھار اتر جائے گا' آپ کی کچھ تو پریشانی کم ہو گی۔"

ماں نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔ مجبوری اسی طرح زبان بند کر دیتی ہے۔ بیٹی پلٹ کر جانے لگی پھر دروازے پر رک کر بولی۔ "ہم بیٹیاں آنسو پونچھنے کے لئے رومال نہیں بن سکتیں' ٹشو پیپر تو بن سکتی ہیں۔ رومال کو پونچھ کر رکھ لیا جاتا ہے' ٹشو پیپر کو پھینک دیا جاتا ہے۔"

آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ پھر وہ ایک پل کے لئے بھی وہاں نہ رک سکی۔ ایک تو بیٹی ہونے کا غم تھا' دوسرا امانت میں خیانت کرنے کا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ بستر نرم گداز ہوتا تو وہ اوندھے منہ اس پر گر پڑتی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی لیکن بستر ایسا نہیں تھا۔ اس لئے وہ گرنے کے بجائے اس کے سرے پر بیٹھ گئی' دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

جتنی تیزی سے آنسو گر رہے تھے' اتنی ہی تیزی سے دماغ یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟ باپ کی کمائی میں ایک پیسے کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے مگر اخراجات مسلسل بڑھ

رہے ہیں۔ آخر وہ کب تک بوڑھے اور کمزور ہاتھوں سے تنہا اس کنبے کو سنبھالتے رہیں گے؟ کسی کو تو ان کا بازو بننا چاہئے۔ نعمان لاپرواہ ہے' سلمان پڑھ رہا ہے اور ندا ابھی کم عمر ہے۔ سیکھنے اور پڑھنے کے دور سے گزر رہی ہے۔

اس نے آنچل سے چہرے کو پونچھتے ہوئے سوچا۔ "ایسے میں مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا لیکن کیا کرنا ہو گا؟ ملازمت کرنے کی اجازت تو کبھی نہیں ملے گی۔ امی رخسانہ باجی کا حوالہ دینے بیٹھ جائیں گی کہ محلے میں کوئی اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ سب یہی کہتے ہیں' بڑی بن ٹھن کر نکلتی ہے۔ نہ جانے باہر کیا گل کھلاتی ہو گی؟"

ندا نے کمرے میں آ کر اسکول بیگ کو ایک طرف رکھتے ہوئے فرح سے کہا۔ "امی راستے میں ملی تھیں۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہی ہیں تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اتنا کہا' تم گھر جاؤ میں ابھی آتی ہوں۔ کیا تمہیں کچھ بتا کر گئی ہیں؟"

فرح فوراً یہ سمجھ گئی کہ ماں ضرور وہ بالی بیچنے گئی ہے مگر ندا کو بتانے سے کترا رہی ہے۔ اس نے بھی بات بناتے ہوئے کہا۔ "گئی ہوں گی کسی کام سے۔ تمہیں اتنی جستجو کیوں ہے؟"

ندا اپنی چادر اتار کر اسے تہہ کرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "جستجو کیوں نہ ہو' امی جب بھی یوں بغیر بتائے کہیں جاتی ہیں تو میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی ہے کہ ضرور نعمان بھائی نے کہیں گڑبڑ کی ہے اور وہ پردہ ڈالنے جا رہی ہیں۔"

ندا باتوں کے درمیان دیکھ رہی تھی کہ فرح کچھ چپ چپ سی ہے۔ اس نے کہا۔ "تم کیوں بجھی بجھی سی ہو کیا شعیب بھائی یاد آ رہے ہیں؟"

فرح نے سر اٹھا کر شوخی سے اسے گھورا۔ ندا چونک کر بولی۔ "ارے یہ کیا .... تمہاری بالی کہاں گئی؟"

فرح ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "اتار دی۔"

"کیوں اتار دی؟ شعیب بھائی ناراض ہوں گے۔ پہنو اسے' کہاں ہے وہ؟"

فرح ضبط کر رہی تھی۔ آخر کو رو پڑی۔ ندا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔ "ارے ارے .... تم رو کیوں رہی ہو؟ کیا بالی کہیں گر گئی ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔"

فرح آنسوؤں کو روکتے ہوئے بولی۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کی سہیلیاں بھی ہیں اور رازدار بھی۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپا سکتی۔ ابھی تم نے پوچھا تھا کہ امی کہاں گئی ہیں

تو سنو۔ میں نے وہ بالی انہیں دی ہے اور وہ اسے بیچنے گئی ہیں۔"

ندا چونک کر بولی۔ "کیا .... تم نے شعیب بھائی کی پسند کو بیچ ڈالا مگر کیوں؟"

"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتی ہوں کہ ہماری پسند ناپسند سے زیادہ والدین کی پریشانی اہم ہے۔"

فرح اسے تفصیل سے بتانے لگی کہ اس نے بالی بیچنے کا فیصلہ کیوں کیا پھر اس سے پوچھنے لگی کہ باپ کا بازو بننے کے لئے وہ کیا کر سکتی ہے۔

ندا سر جھکا کر سن رہی تھی' سوچ رہی تھی پھر بولی۔ "کسی آفس میں ملازمت کرنے کا سوچو تو وہاں ہائی ایجوکیشن مانگی جاتی ہے اور تم نے صرف میٹرک کیا ہے۔ تمہیں تو کسی فیکٹری میں ہی ملازمت ملے گی اور وہاں کوئی تمہیں ملازمت کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔"

"جانتی ہوں۔ رخسانہ باجی نے بتایا تھا کہ وہ اس ماحول میں جبراً کام کرتی ہیں۔ میں خود بھی وہاں نہیں جانا چاہتی۔ یہ سوچ کر بھی پریشان ہو رہی ہوں کہ کہیں ملازمت کروں گی تو تنہا کیسے جاؤں گی؟"

"پھر تو لے دے کر ایک ہی ملازمت رہ جاتی ہے۔ جو صاف ستھری تو ہو گی مگر وہاں تنخواہ کم ہو گی۔"

فرح نے سوالیہ نظروں سے ندا کو دیکھا تو وہ بولی۔ "تم کسی اسکول میں جاب کر لو۔ ہمارے علاقے میں کئی پرائیویٹ اسکول ہیں۔ ٹیچنگ ہی ایسی ملازمت ہے جسے نہ کوئی برا سمجھتا ہے اور نہ ہی کوئی اس پر انگلی اٹھاتا ہے۔"

فرح خوش ہو کر بولی۔ "ہاں .... امی ابو بھی اعتراض نہیں کریں گے۔ میں رات کو ہی ان سے بات کرتی ہوں۔"

رات ہوئی' بات ہوئی' اعتراضات اٹھے آخر کار سلمان کی حمایت نے ماں باپ کو راضی کر لیا۔ ندا فرح سے زیادہ خوش تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ آئندہ باہر نکلنے کے راستے ہموار ہو رہے ہیں۔

☆======☆======☆

اسکول کی گھنٹی بجتے ہی سلمان کے دل میں گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں۔ گیٹ کھلتے ہی عمر کے مختلف دور سے گزرتی ہوئی ہر سائز کی لڑکیاں اپنے اپنے رنگ روپ سنبھالے اسکول کے باہر یوں بکھر جاتی تھیں جیسے جشنِ بہاراں میں آسمان پر پتنگیں ڈول رہی ہوں۔

وہ سڑک کے دوسری طرف بس اسٹاپ پر کھڑا اسکول گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی بے چینی سے ٹہل رہا تھا اور کبھی ایک جگہ ٹھہر کر کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی پتنگ کا انتظار تھا جو اسکول کی ڈور سے کٹ کر ڈولتی ہوئی اس کی طرف آنے والی تھی۔

اس نے ٹہلتے ٹہلتے ایک پتھر کو یوں ٹھوکر ماری جیسے وقت کو ٹھوکر مار رہا ہو' اسے آگے بڑھا رہا ہو۔ انتظار کرانے والی بھی وقت بڑھاتی رہتی تھی۔ یہ خوب جانتی تھی کہ انتظار جتنا طویل ہو گا' تڑپ اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ دشمن سے انتقام لینے کے لئے اسے تڑپایا جاتا ہے مگر محبوب کو تڑپانے کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔

صدف جان بوجھ کر دیر سے نکلتی تھی۔ یہ بھی اس کی ایک ادا تھی۔ وہ خود کو نمایاں رکھنا چاہتی تھی۔ سہیلی کے ساتھ گیٹ سے باہر آ کر اس کی نظر سب سے پہلے سڑک کے دوسری طرف کھڑے ہوئے سلمان پر پڑتی تھی۔ مسکراہٹ کا تبادلہ ہوتا تھا پھر صدف کی نظریں جھک جاتی تھیں اور جب دوبارہ اٹھتی تھیں تو ان میں ایسی اجنبیت در آتی تھی جیسے وہ سلمان کو جانتی تک نہ ہو۔ وہ بھی اس پر سے نگاہیں ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا تھا۔

شناسائی دل کی دھڑکنوں تک پہنچ جائے تب بھی دنیاداری کے لئے اجنبی بننا پڑتا ہے۔ وہ ایک دم سے قریب ہونا چاہتے تھے لیکن اس طرح بدنامی ان سے پہلے قریب آ جاتی۔ دور دور تک بے نیاز ہو کر جانے والی لڑکیاں ایسے موقعوں کی تاک میں رہتی ہیں۔ یہ ان کا محتاط رویہ تھا کہ ایک برس گزر جانے کے باوجود اب تک ان کا اسکینڈل نہیں بنا تھا۔

آج بھی وہ حسب معمول سہیلی کے ساتھ چلتی ہوئی آ کر بس اسٹاپ پر کھڑی ہو گئی۔ سلمان ان سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ چور نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نگاہوں کی تپش کو محسوس کر رہی تھی۔ بظاہر انجان بنی ہوئی تھی لیکن اندر ہی اندر پگھل رہی تھی۔ یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ کوئی نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے چرا رہا ہے۔

صدف نے ذرا اچک کر دیکھا۔ پھر مایوس ہو کر سہیلی سے کہا۔ "کیا مصیبت ہے' بس کا تو دور دور تک نام و نشان نہیں ہے۔"

سہیلی بولی۔ "تم اپنی گاڑی ہونے کے باوجود یہاں دھوپ میں جلتی رہتی ہو۔ بس میں لٹک کر آتی جاتی ہو۔ اچھی بھلی ڈرائیور کے ساتھ کار میں آیا کرتی تھیں۔ پتہ نہیں تمہارے دل میں کیا سمایا جو اب بس میں سفر کرنے لگی ہو۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو کبھی ایسی بے وقوفی نہ کرتی۔"

صدف نے مسکرا کر چور نظروں سے سلمان کو دیکھا پھر سہیلی سے کہا۔ "دل میں سمانے والے ایسی ہی الٹی سیدھی حرکتیں کراتے ہیں۔ بادشاہوں نے اپنی بادشاہت چھوڑ دی تھی اور میں نے تو ان کی خاطر صرف کار چھوڑی ہے۔"

صدف بے دھیانی میں بولتی چلی گئی۔ سہیلی سلمان کے اور اس کے درمیان چلنے والے سلسلے سے ناواقف تھی' چونک کر بولی۔ "کن کی خاطر؟"

صدف جیسے خیالوں سے نکل آئی پھر ذرا سنبھل کر بولی۔ "وہ............ میں خیالات کی بات کر رہی تھی۔ یہ یونہی دل میں سما جاتے ہیں۔ جیسے میرے دل میں یہ خیال سما گیا ہے کہ مجھے بس میں سفر کرنا چاہئے۔"

"اور تم اس احمقانہ خیال پر عمل بھی کر رہی ہو۔ آرام دہ سواری چھوڑ کر تکلیف دہ سواری کو قبول کر رہی ہو۔ لوگ آسائشوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور تم بسوں کے پیچھے بھاگ رہی ہو' وہ بھی جان بوجھ کے۔"

صدف نے مسکرا کر اسے دیکھا اب وہ اسے کیا بتاتی کہ کسی کی خاطر تکلیف اٹھا کر بھی سکون ملتا ہے۔ اس نے سہیلی سے نظر بچا کر سلمان کو دیکھا وہ بھی زیر لب مسکرا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہے۔

وہ مسکرا رہا تھا اور بڑی محبت سے سوچ رہا تھا۔ صدف نے اس کی خاطر ہی کار میں آنا جانا ترک کیا تھا۔ ان کی منزلیں الگ الگ تھیں لیکن بس کا روٹ نمبر ایک ہی تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک سلمان کے ساتھ رہنے کے لئے ویگن یا بس میں سفر کرنے لگی تھی۔

وہ بس کے پچھلے دروازے سے چڑھ کر اگلے دروازے کی طرف دیکھتا تھا اور وہ اگلے دروازے سے چڑھ کر پچھلے دروازے کو دیکھتی تھی۔ ایسے وقت ان کے درمیان آہنی جالیوں کی دیوار حائل رہتی تھی۔ بس کا اگلا حصہ عورتوں کے لئے مخصوص رہتا ہے۔ سلمان اِدھر سے دیکھتا تھا تو عورتیں اُدھر آہنی پنجرے میں قید نظر آتی تھیں۔ مرد بھی عجب درندہ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے عورتوں کو چلتے پھرتے پنجرے میں بند کر کے نہ رکھا گیا تو وہ موقع ملتے ہی ان کی تکا بوٹی کر دے گا۔

خدا خدا کر کے بس آئی۔ صدف نے سوار ہوتے ہوئے سرسری انداز میں پچھلے دروازے کی طرف دیکھا۔ سلمان بھی پائدان پر قدم رکھ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں مطمئن ہو کر بس کے اندر چلے گئے۔ بھیڑ کم ہونے کے باعث جلد ہی سیٹیں مل گئیں۔

صدف اپنی سہیلی کے ساتھ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

سلمان پچھلے حصے میں ہینگر تھامے کھڑا ہوا تھا۔ ایک شخص نے اس سے کہا۔ "سنو، پیچھے سیٹ خالی ہے، وہاں بیٹھ جاؤ۔"

وہ خالی سیٹ بس کے اس حصے میں تھی جہاں سے صدف اسے دکھائی نہ دیتی۔ اس نے اس شخص سے کہا۔ "نہیں انکل! بس مجھے آگے اترنا ہے۔"

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ اسے دیکھتے رہنے کے لئے کھڑے رہ کر سفر کرتا تھا۔ صدف نے سہیلی سے نظر بچا کر پیچھے دیکھا۔ رانجھا نے ہیر کی خاطر تخت ہزارہ چھوڑ دیا تھا اور وہ اس کی خاطر بس کی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ یہ بھی عجیب تبادلہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو خاموشی سے دل کے قریب کر دیتا ہے۔

وہ جیسے صدف کے پہلو میں مسکرانے لگا۔ وہ ایک دم سے چونک گئی۔ ذرا سنبھل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کچھ بھی تو نہیں تھا۔ مگر یوں لگ رہا تھا جیسے پل بھر میں آ کر گزر جانے والا اس کا وہم تمام مسافروں کی نظروں میں آ گیا ہے۔

ایسے معاملات میں یہی ہوتا ہے۔ اچھا خاصا انسان بیٹھے بٹھائے چور بن جاتا ہے۔ وہ سب سے نظریں چرا کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ ایسے ہی وقت ڈرائیور نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ بس میں فلمی گیت گونجنے لگا۔ "مجھے کوئی مل گیا تھا ـــــ سرِراہ چلتے چلتے ـــــ سرِراہ چلتے چلتے............"

گیت کے بول سنتے ہی صدف نے مسکرا کر سوچا۔ "یہ شاعر حضرات بھی خوب ہوتے ہیں۔ ایسے گیت لکھتے ہیں کہ سننے والوں کو ان گیتوں میں اپنی زندگی کا خلاصہ سنائی دینے لگتا ہے۔"

وہ سن رہی تھی۔ گیت کے ابتدائی بول اس کی انگلی پکڑ کر اسے ماضی میں لے جانے لگے۔ سلمان سے اس کی پہلی ملاقات سرِراہ ہی ہوئی تھی۔

اس روز وہ اپنا بیگ اور کتابیں سنبھالتی ہوئی کار سے اترنا چاہتی تھی مگر دروازہ کھولتے ہی ٹھٹک گئی۔ دروازے کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ ایک خوبرو نوجوان کار کے دروازے سے ٹکرایا تھا اور اب سڑک پر جھکا اپنی کتابیں سمیٹ رہا تھا۔

صدف کے ڈرائیور نے نوجوان سے کہا۔ "دیکھ کر چلا کرو۔ بی بی جی دروازہ کھول رہی تھیں تو سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

اس نے کتابیں اٹھانے کے بعد نظر بھر کر صدف کو دیکھا پھر ڈرائیور سے کہا۔ "میں دروازے کے سامنے نہیں آیا تھا۔ دروازہ میرے سامنے آ گیا تھا۔ ویسے چوٹ مجھے لگی ہے کتابیں میری گری ہیں، شکایت تو مجھے کرنی چاہئے۔ آپ کا یا آپ کی بی بی جی کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ پھر آپ کیوں شکایت کر رہے ہیں؟"

ڈرائیور اسے جواب دینا چاہتا تھا لیکن صدف نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کراتے ہوئے کہا۔ "ڈرائیور! رہنے دو، غلطی میری ہے۔ مجھے دروازہ کھولنے سے پہلے باہر دیکھ لینا چاہئے تھا۔"

ڈرائیور نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اکلوتی تھی، والدین کی سرچڑھی تھی۔ کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتی تھی۔ یہ تعجب کی بات تھی کہ آج اس ضدی لڑکی کا مزاج بدل گیا تھا۔ اس نے معذرت چاہنے والا انداز اختیار کیا تھا۔

اس وقت وہ بھی اپنے اندر کی تبدیلی کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ موج ساحلی چٹان سے ٹکرا کر اسی طرح بدحواس ہو جاتی ہے، پتہ نہیں چلتا کہ کہاں آ کر ٹکرائی ہے اور کیوں ٹکرائی ہے۔ بس اتنا جانتی ہے کہ وہ مجبور ہے ساحل پر ٹھہر نہیں سکتی۔

اسکول کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ وہ بھی اپنے ساحل پر زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکی۔ موج اپنا دامن ریت سے بھر لیتی ہے اور سمندر میں اتر جاتی ہے۔ صدف اپنے دامن میں اس پل بھر کی ملاقات کو سمو کر اسکول کی عمارت میں چلی گئی۔ وقت سے لمحے چرانا معمولی بات نہیں ہے لیکن جو ذہن میں نقش ہو جائے اسے بدلتا وقت بھی نہیں مٹا سکتا۔

وہ بھی پہلی ملاقات کو نہ بھلا سکی۔ دوسری طرف سلمان بھی عجب کشمکش میں مبتلا تھا۔ تنہائی میں نہ جانے کیوں صدف کا چہرہ سامنے آ جاتا تھا۔ سناٹے میں وہی کھنکتا ہوا لہجہ گونجنے لگتا تھا۔ اس نے الجھ کر سوچا ـــــ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، جسے میں جانتا تک نہیں وہ کیوں مجھے یاد آ رہی ہے، اسے ایک ہی بار دیکھا ہے۔ تب سے اب تک وہ کئی بار خیالوں میں کیوں چلی آ رہی ہے؟

اس سوال کا جواب اسے رفتہ رفتہ ملنے والا تھا۔ دوسرے دن صدف کار کا دروازہ کھولتے کھولتے ٹھٹک گئی۔ اسے لگا جیسے کوئی دروازے سے ٹکرایا ہے۔

اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ کبھی حادثہ اچانک ہی ہو جاتا ہے اور کبھی چاہو بھی تو نہیں ہوتا۔ یہ اس کے اندر کی خواہش تھی جو اسے دھوکا دے رہی تھی۔

اس نے کار سے اتر کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ وہ اپنا اپنا سا اجنبی چہرہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر اسکول کی عمارت میں چلی گئی۔

محبت کی شروعات اسی طرح ہوتی ہیں۔ آج وہ اسے نہ پا کر گہری سانس بھر رہی تھی۔ آئندہ آہیں بھرنے والی تھی۔

وہ اسکول کے اندر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو درخت کے پیچھے چھپا ہوا سلمان زیرِ لب مسکرا کر اپنے کالج کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اسے دیکھنے کے لئے وہاں چھپا ہوا تھا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پھر ایسا ایک دن نہیں، روز ہی ہونے لگا۔ وہ چھپ چھپ کر حُسن کی دھوپ سینکنے لگا۔

لیکن یہ آنکھ مچولی زیادہ عرصے تک نہ چل سکی۔ سو دن چور کے اور ایک دن شاہ کا ہوتا ہے۔ اس روز سلمان کافی دیر تک اس کی راہ تکتا رہا۔ صبح سویرے لڑکیاں مختصر سی ٹولیاں بنائے اسکول میں داخل ہو رہی تھیں مگر وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے دیکھنے کے لئے دوربین یا خوردبین کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی کار دور سے ہی نظر آ جاتی تھی۔

اسکول کی گھنٹی سنائی دی تو سلمان نے مایوسی سے سوچا—— اس نے چھٹی کی ہو گی، اسی لئے اب تک نہیں آئی ہے۔

اسکول کا گیٹ بند ہو گیا تھا اور لڑکیوں کی آمد کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی افسردگی سے اسکول کی عمارت کو دیکھا۔ سروس روڈ ویران ویران سی ہو گئی تھی۔

سلمان کالج جانے کے لئے درخت کی اوٹ سے نکلا۔ ایسے ہی وقت صدف کی کار اسکول کے سامنے آ کر رکی۔ لڑکیوں کی بھیڑ نہیں تھی۔ اس نے دور سے ہی سلمان کو درخت کے پیچھے سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔

وہ مایوسی سے پلٹ کر جا رہا تھا۔ صدف کو آج اسکول پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی لیکن "دیر آید، درست آید" وہ کار سے اتر کر اسے دیکھنے لگی۔ ذرا تعجب سے سوچنے لگی—— میں نے اسے ایک ہی بار دیکھا تھا۔ یہ وہی نوجوان ہے لیکن میں نے اسے اتنی دور سے کیسے پہچان لیا؟ میں ہزاروں چہرے دیکھتی ہوں اور بھول جاتی ہوں پھر یہ چہرہ کیوں یاد رہ گیا؟

وہ اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔ کوئی اور اسے بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ سلمان نے چلتے چلتے پلٹ کر دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ وہ اپنی کار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ بڑی گہری

نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آج سلمان کی چوری پکڑی گئی تھی۔ ایسے میں اُسے شرمندہ ہونا چاہئے تھا مگر شرمندگی پر یہ خوشی حاوی ہو رہی تھی کہ جسے دیکھنے کی خاطر وہ کالج سے لیٹ ہو رہا تھا آخر کار وہ چہرہ نظر آ ہی گیا تھا۔

وہ کچھ دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ صدف کو پہلی بار محسوس ہوا کہ صرف بارش نہیں برستی، کبھی کبھی مسرتیں بھی برسنے لگتی ہیں۔

بات کچھ بھی نہیں تھی لیکن بعض اوقات چھوٹی سی بات بہت بڑی خوشی کا سبب بن جاتی ہے۔ اسے یہ سوچ کر ہی اچھا لگ رہا تھا کہ وہ جسے دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہی تھی وہ اسے دیکھ دیکھ کر بے چین ہوتا رہا تھا۔

یہ خیال آتے ہی اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ دل پر حیا نے دستک دی۔ "شرمانے کے بجائے مسکرا رہی ہے۔ تیری حیا کہاں کھو گئی؟"

دل نے چپکے سے کہا۔ "کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔"

وہ ایک ادا سے لہرا کر پلٹی پھر اسکول کی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔ طلسم جیسے ٹوٹ گیا۔ سلمان نے ذرا چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر سر کھجاتا ہوا، مسکراتا ہوا، اپنے کالج کی طرف بڑھ گیا۔

پھر روز ہی ایسا ہونے لگا۔ صدف کی مسکراہٹ اور خاموش ادائیں اس کے حوصلے بڑھاتی گئیں۔ وہ نہ صرف صبح کے وقت بلکہ چھٹی کے وقت بھی اسکول کے باہر اس کا انتظار کرنے لگا۔ صدف اسے بس اسٹاپ پر دیکھ کر سمجھ جاتی تھی کہ وہ بس میں آتا جاتا ہے۔ پھر اس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ اس نے بھی کار چھوڑ دی، بس میں آنے جانے لگی۔ دور دور سے گزر جانے والی، بس کی چاردیواری میں آ کر قریب ہونے لگی۔ سلمان تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔ وہ فی الحال اس کے بس میں تو نہیں آئی تھی مگر اس کی بس میں آ گئی تھی۔

دور ہوں تو قریب ہونے کو، اور قریب ہو جائیں تو چھونے کو جی مچلتا رہتا ہے۔ وہ دونوں قریب ہوئے تھے مگر اتنے نہیں کہ دل میں چھو لینے کا ارادہ مچلنے لگتا۔ ان کی تو بس ایک چھوٹی سی تمنا تھی کہ وہ ایک دوسرے کو مخاطب کریں۔ چند باتیں کریں مگر یہ پبلک پلیس میں ممکن نہیں تھا۔

دل میں کوئی خواہش سچائی سے انگڑائی لے تو پوری ہو ہی جاتی ہے۔ وہ امیرزادی تھی، اکثر فائیو اسٹار ہوٹلوں اور ریسٹوران میں کبھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ اور کبھی تنہا آتی

جاتی رہتی تھی۔ باپ بزنس کے معاملات میں اور ماں سوشل پروگراموں میں مصروف رہے تو اولادیں اسی طرح تنہا بھٹکتی رہتی ہیں۔ اس روز بھی وہ تنہائی سے گھبرا کر ڈرائیور کے ساتھ ساحل سمندر پر چلی آئی تھی اور ایک پتھر پر بیٹھ کر ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھ رہی تھی۔

سورج ڈوبتا ہے تو چاند ابھرتا ہے۔ اُن دِنوں چاند کی آخری تاریخیں چل رہی تھیں۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ایسے دنوں میں اس کا چاند اس کی آنکھوں کے سامنے چلا آئے گا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ اس کی سرخی ختم ہونے اور شام کے سائے گہرے ہونے تک اس ساحلی پتھر پر بیٹھی رہی۔ ساحل پر بکھرے ہوئے لوگ دن کی روشنی کے بعد اب آرٹی فیشل لائٹس میں دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ وہ ایک بچے سے گلاب کی کلی خرید رہا تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔ دل نے دھڑک کر کہا۔ "وہ کوئی اور نہیں ہے' وہی ہے۔"

وہ سلمان کا نام نہیں جانتی تھی۔ وہ کلی خرید کر سڑک کی طرف بڑھنے لگا۔ صدف نے بے چین ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے پکارتی بھی تو کس نام سے' پھر اس نے دور کھڑے اپنے ڈرائیور سے کہا۔ "اکرم وہ .... اس طرف جو نوجوان جا رہا ہے ذرا اسے بلانا۔"

ڈرائیور نے صدف کے اشارے کی سمت میں دیکھا۔ سلمان کی پیٹھ نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک ایک قدم بڑھاتا ہوا ان سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ ڈرائیور تقریباً دوڑتا ہوا اس کے قریب گیا۔ پھر اس کے شانے کو تھپتھپا کر بولا۔ "سنو' تمہیں بی بی جی بلا رہی ہیں۔"

سلمان نے پلٹ کر اسے دیکھا تو ذرا چونک گیا۔ محبوبہ کے گھر کا کتا بھی سرِراہ مل جائے تو فوراً پہچان میں آ جاتا ہے اور وہ تو جانا پہچانا ڈرائیور تھا۔ اس نے بڑی خوشدلی سے پوچھا۔ "کہاں ہیں تمہاری بی بی جی؟"

ڈرائیور نے اپنے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ .... اس طرف۔"

سلمان نے اس کے نشاندہی کرنے پر اس طرف دیکھا۔ صدف دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنی کار کے قریب آ گئی تھی اور اب بڑی گہری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اسے دیکھ رہی تھی۔

سلمان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ "آپ .... یہاں؟"

سلمان نے کہا۔ "میں عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر آیا تھا۔ امی نے میرے اچھے رزلٹ کے لئے منت مانی تھی۔ مزار پر چادر چڑھانے کے بعد میں نے سوچا' ساحل کا بھی چکر لگا لوں۔ کیا تم بھی مزار پر آئی تھیں؟"

صدف نے انکار میں سر ہلا کر مختصر سا جواب دیا۔ "نہیں۔"

سلمان نے پہلے اس کی کار میں دیکھا پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اکیلی آئی ہو؟"

صدف نے پھر مختصر سا جواب دیا۔ "جی۔"

بہت سی باتیں تھیں جو دل میں دبی ہوئی تھیں اور منہ زور طوفان کی طرح باہر آنا چاہتی تھیں۔ مگر الفاظ نہ جانے کہاں گم ہو گئے تھے؟ سلمان نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم کہیں بیٹھ کر باتیں نہیں کر سکتے؟"

وہ لڑکا تھا' اپنے دل کی بات کہہ گیا۔ لڑکی کتنی ہی بولڈ کیوں نہ ہو ایسے موقع پر شرماتی ضرور ہے۔ وہ بڑے دھیمے لہجے میں بولی۔ "جی .... میں بھی آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں قریب ہی ایک ریسٹورنٹ ہے' وہاں چلتے ہیں۔"

سلمان فوراً ہی راضی ہو گیا۔ ڈرائیور نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا صدف نے سیٹ پر بیٹھنے کے بعد سلمان سے پوچھا۔ "آپ نے .... اپنا .... نام نہیں بتایا۔"

وہ اپنی طرف کا دروازہ بند کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "تم نے پوچھا ہی نہیں۔ اب پوچھ رہی ہو تو بتا دیتا ہوں۔ مجھے سلمان انصاری کہتے ہیں۔ فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ تمہارے اسکول سے ذرا فاصلے پر جو کالج ہے' وہاں پڑھتا ہوں۔ کمپیوٹر سیکھنے کا شوق ہے' بارہویں کے بعد کسی انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن لینے کا ارادہ ہے۔"

ڈرائیور کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھا رہا تھا۔ سلمان نے اپنے بارے میں بتانے کے بعد صدف سے کہا۔ "اب تم اپنا تعارف کراؤ۔"

وہ اس کے لہجے اور اس کی باتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ذرا چونک کر بولی۔ "آں .... ہاں .... میرا نام صدف ہے۔ نویں کلاس کی اسٹوڈنٹ ہوں اور والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔"

"واؤ .... پھر تو تم بہت خوش نصیب ہو۔"

صدف نے ایک ذرا افسردگی سے اسے دیکھا۔ پھر گہری سانس لے کر مسکرانے لگی۔ فی الحال وہ اس کے لئے اجنبی تھا اور وہ ایک اجنبی پر اعتماد کر کے اسے اپنے گھریلو حالات نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کس طرح تنہائیوں کے عذاب سے گزرتی رہتی ہے۔

کچھ دیر بعد ہی ریسٹورنٹ آ گیا۔ وہ دونوں کار سے اتر کر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ صدف نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ "وہ .... کارنر ٹیبل مناسب رہے گی۔"

سلمان نے تائید کی۔ پھر وہ دونوں وہاں آ کر آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا پھر سلمان نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر صدف سے کہا۔ "ارے .... بہت دیر ہو گئی ہے۔ تمہارے ممی ڈیڈی پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

وہ ذرا طنزیہ انداز میں بولی۔ "ان کی مصروفیت رات گئے تک جاری رہتی ہے۔ وہ ابھی خود گھر نہیں لوٹے ہوں گے تو میرے لئے کیا پریشان ہوں گے؟ ہاں .... پریشان تو آپ کے گھر والے ہو رہے ہوں گے۔ آپ کو جانا چاہیے۔"

"تم سے مل کر' باتیں کر کے بہت اچھا لگا۔ کیا پھر ملو گی؟"

"ملنے کی ایک شرط ہے۔"

سلمان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا' وہ بولی۔ "مجھے اسکینڈلز سے نفرت ہے۔ آپ کے ساتھ وقت گزار کر مجھے بھی بہت اچھا لگا ہے۔ ہم آئندہ ملتے رہیں گے مگر لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہ کر۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بس اسٹاپ پر بھی ہمارا آمنا سامنا ہو گا تو ہمارے درمیان اجنبیت رہے گی۔"

پھر سلمان نے اس بچے سے خریدی ہوئی کلی کو دیکھ کر کہا۔ "یہ میں نے اپنی چھوٹی بہن ندا کے لئے خریدی تھی۔ اس لئے تمہیں نہیں دے سکتا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں وہی کلی قبول کروں گی جو میرے لئے خریدی جائے گی۔ میں ایک بہن کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈالوں گی۔"

سلمان نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "چلیں؟"

سلمان چونک کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "آں .... ہاں .... چلو۔"

پہلی ملاقات میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہو گئے تھے۔ اب دوسری اور دوسری کے بعد تیسری ملاقات کی تمنا کرنے لگے تھے۔ یوں ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ ہفتے میں ایک بار ملتے تھے۔ پھر پورا ہفتہ اس ملاقات کے ایک ایک لمحے کو یاد کرتے ہوئے گزارتے تھے۔

اکیلے پن سے گھبرانے والی صدف کو اب اپنی تنہائیاں اچھی لگنے لگی تھیں۔ کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا تھا جب وہ یاد آنے والا تصور سے نکل کر اس کے سامنے چلا آتا تھا۔

مگر اس وقت تصور نہیں تھا' وہ حقیقتاً بس کا ہینگر تھامے اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ سہیلی نے اسے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ "اسٹاپ آ گیا ہے' اترنا نہیں ہے؟"

وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر کتابیں سنبھالتی ہوئی سلمان پر سرسری سی نگاہ ڈال کر بس سے اتر گئی۔ اس کے اترتے ہی سلمان کا چہرہ اتر جاتا تھا۔

☆======☆======☆

دولت انسان کو تاحیات اپنے پیچھے دوڑاتی رہتی ہے۔ کبھی وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے صراطِ مستقیم پر چلتا ہے اور کبھی اندھے راستوں پر چل نکلتا ہے۔ نعمان حد درجہ کاہل اور کام چور ہونے کے باوجود اب تک کسی اندھے راستے کی طرف نہیں لپکا تھا۔ شاید اس لئے کہ اسے دولت حاصل کرنے سے کوئی لگاؤ نہیں تھا مگر ماں کو اس سے خاص لگاوٹ تھی۔ وہ اپنے تمام بچوں پر ممتا نچھاور کرتی تھی مگر نعمان کے لئے اندھی ممتا رکھتی تھی اور ماں کا ایسا جذبہ بیٹے کے مستقبل کو اندھیروں میں ڈبو رہا تھا۔

بیرونی دروازہ کھولتے ہی شکیلہ بیگم کا منہ بھی کھل گیا۔ آنکھوں کے سامنے نعمان کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دو ساتھیوں نے اسے دائیں بائیں سے نہ سنبھال رکھا ہوتا تو شاید گر پڑتا۔

شکیلہ بیگم نے سینے پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ "ہائے اللہ! کیا ہوا ہے میرے بچے کو؟ نعمان .... نعمان!"

وہ اسے پکارتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو ایک ساتھی نے کہا۔ "آنٹی! اسے بستر تک لے جانے دیں۔ یہ نیم بے ہوش ہے۔ آپ کو کچھ نہیں بتا سکے گا۔ ہم آپ کو تفصیل بتائیں گے' پہلے اندر چلیں۔"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر پلٹ گئی۔ انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی ہوئی نعمان کے کمرے میں آ گئی۔ انہوں نے وہاں آ کر اسے سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا۔

نعمان نیم بے ہوشی میں کراہ رہا تھا۔ چہرہ سوجا ہوا تھا اور ناک سے خون کی لکیر بہہ کر جم گئی تھی۔ شکیلہ بیگم جلدی سے سرہانے بیٹھ کر دوپٹے سے اس کے چہرے کو پونچھنے لگی۔ روتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "آخر اسے ہوا کیا ہے' یہ کچھ بولتا کیوں نہیں؟"

ایک نے کہا۔ "آنٹی! اسے بڑی بے دردی سے مارا گیا ہے۔ اگر ہم اتفاق سے وہاں نہ پہنچتے تو نہ جانے وہ لڑکے اس کا کیا حشر کرتے؟"

وہ بیٹے کی حالت دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا ابھی کچھ کرنا باقی ہے؟ دیکھو تو .... مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ کون تھے وہ بدبخت؟ مجھے بتاؤ' میں ان کی گردن ناپوں گی۔ ان کے خلاف رپورٹ لکھواؤں گی۔"

دوسرے نے کہا۔ "آنٹی! ہم آپ کی حالت سمجھ رہے ہیں۔ آپ نعمان کو اس حال میں دیکھ کر تڑپ گئی ہیں۔ مگر یہ اپنی نادانی کے باعث ہی اس حالت کو پہنچا ہے۔"

ماں نے تعجب سے پوچھا۔ "نادانی .... کیسی نادانی؟"

"یہ کئی ہفتوں سے ایک لڑکی کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اس کے گھر کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ آخر اس لڑکی نے تنگ آ کر اس سے ملاقات کرنے اور دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا لیکن موصوف کو یہ نہیں بتایا کہ وہ تنہا نہیں آئے گی بلکہ اپنے بھائیوں اور ان کے دوستوں کے ساتھ آئے گی۔ ملاقات کے لئے آج کا دن مقرر کیا گیا اور یہ ایک مہنگا پرفیوم خرید کر مطلوبہ مقام پر پہنچ گیا۔"

ماں نے چونک کر پوچھا۔ "مہنگا پرفیوم .... لیکن یہ کیسے خرید سکتا ہے؟ اس کی جیب میں تو ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "آنٹی! اس کا پیسہ اس کی جیب میں نہیں ہوتا میرے پاس ہوتا ہے۔ یہ پچھلے چار ہفتوں سے روزانہ بیس روپے لاتا رہا ہے اور میرے پاس جمع کراتا رہا ہے۔ آج اس تمام جمع پونجی سے پرفیوم خرید کر اس لڑکی کو گفٹ دینے گیا تھا اور اپنی یہ حالت بنوا کر آ گیا ہے۔"

شکیلہ بیگم کے دماغ کو ایک جھٹکا لگا۔ بات واضح طور پر سمجھ میں آ رہی تھی کہ بیٹا آج تک ماں سے اپنی آمدنی چھپاتا رہا تھا۔ گھریلو پریشانیاں اور بوڑھے باپ کو محنت کرتا دیکھنے کے باوجود خودغرضی کا مظاہرہ کرتا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اب یہ بیٹے کی تکلیف پر نہیں بہہ رہے تھے بلکہ اس کا جھوٹ اور فریب کھل جانے پر بہہ رہے تھے۔ اس نے بڑے صدمے سے

نعمان کو دیکھا۔ ایک لڑکے نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آنٹی! ہم چلتے ہیں' شام کو آئیں گے۔"

وہ دونوں ساتھی اسے دلاسہ دے کر رخصت ہو گئے۔ شکیلہ بیگم کو تو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ بس شکایتی نظروں سے بیٹے کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔ پہلے دماغ کو جھٹکا لگا تھا۔ اب پچھلی باتیں یاد کر کے دل کو صدمہ پہنچ رہا تھا۔ اس نے ایک بار نہیں کئی بار کہا تھا کہ فلاں پریشانی ہے۔ الیکٹریشن سے کہو' وہ روزانہ پچیس روپے نہ سہی' بیس روپے ہی دے دیا کرے۔ کچھ تو آنسو خشک ہوں گے۔

مگر وہ ہمیشہ الجھ کر یہی کہتا تھا۔ "امی! مجھے سکون سے کام سیکھنے دیں۔ بیس پچیس روپے کا منہ نہ دیکھیں۔ ہنر ہاتھ آنے دیں۔ پھر اپنی دکان کھول کر اتنا کماؤں گا کہ نوٹ گنتے گنتے آپ کی انگلیاں تھک جایا کریں گی۔"

شکیلہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر منہ پھیرلیا۔ بیٹے کی باتیں یاد آئیں تو یوں لگا جیسے وہ اب تک اسے بے وقوف بناتا رہا ہے۔ وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو خشک کر کے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وجود بوجھ بن گیا ہے۔ وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی پھر کچھ دیر بعد ہی استری اور تولیہ لے کر واپس آ گئی۔

وہ اب تک بے سُدھ پڑا کراہ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ استری سے تولیہ گرم کر کے چوٹوں کی سینکائی کرنے لگی۔ جی چاہ رہا تھا کہ خوب جی بھر کے شکایتیں کرے' اسے خوب باتیں سنائے۔

پھر اس نے سوچا۔ "نہیں .... نہ شکایت کروں گی' نہ باتیں سناؤں گی۔ اس نے میرا دل دکھایا ہے' میں تو اس سے بات ہی نہیں کروں گی۔ ناراض رہوں گی۔ منا منا کر تھک جائے گا' تب بھی نہیں مانوں گی۔"

ذرا آرام پہنچا تو وہ گہری نیند میں ڈوب گیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ندا اسکول گئی ہوئی تھی اور فرح ملازمت کی تلاش کے لئے علاقے کے مختلف اسکولوں میں اپنی قسمت آزمانے گئی ہوئی تھی۔

اُس وقت وہ ایک اسکول کے پرنسپل روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پرنسپل موٹی موٹی آنکھوں والا ایک عمر رسیدہ شخص تھا۔ اس نے پوچھا۔ "ملازمت کے لئے آئی ہو؟"

فرح نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔ "درخواست لائی ہو؟"

یہ پہلا اسکول تھا جہاں یہ سوال کیا گیا تھا۔ وہ اپنے تعلیمی ڈاکومنٹس اس کی طرف

بڑھاتے ہوئے بولی۔ "جی نہیں سر! درخواست تو نہیں لائی ہوں۔ یہ میری مارک شیٹ ا
میٹرک کی سند ہے۔ آپ دیکھ لیں۔"

وہ ان ڈوکومنٹس کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔ "بی بی! ملازمت حاصل کرنے ا
پھر اسے لمبی مدت تک برقرار رکھنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور میں اصولوں کا سخت پا
ہوں۔ یہ میرا ذاتی اسکول ہے۔ لوئر سیکنڈری ہے۔ میں اسے ہائر سیکنڈری بنانا چاہتا ہو
اور اس کے لئے پورے اسٹاف کو اپنے اصولوں پر چلاتا ہوں۔ تب ہی اس اسکول
کارکردگی دوسرے اسکولوں سے کئی گنا بہتر ہے۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "جی .... جی میں جانتی ہوں۔ اسی لئے تو........."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مگر شاید تم مجھے نہیں جانتیں۔ میں ہر معاملے م
اسٹک ہوں۔ تم یہ دیوار گیر تصویر دیکھ رہی ہو؟"

اس نے ریوالونگ چیئر پر گھوم کر عقبی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا
فرح نے سر اٹھا کر ادھر دیکھا۔ تصویر اسی پرنسپل کی تھی۔ وہ جب سے آئی تھی، تب
بارہا اسے دیکھ چکی تھی۔ اس میں وہ پرنسپل فوج کے یونیفارم میں دکھائی دے رہا تھا۔

وہ کرسی کو پھر میز کی طرف کرتے ہوئے بولا۔ "یہ شوقیہ یونیفارم پہن کر نہیں اتا
گئی ہے۔ میں ایک ریٹائرڈ فوجی افسر ہوں۔ اسی لئے بااصول ہوں۔"

واقعی وہ اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ اس تصویر میں پہنا ہوا یونیفارم صرف دکھا
ہے۔ حقیقت معلوم ہوتے ہی اس نے بڑی عقیدت سے اور عظمت سے اسے دیکھا
سنبھل کر کہا۔ "سر! پھر میں کل درخواست لے کر حاضر ہوں گی۔"

وہ یہ کہہ کر اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پرنسپل نے ہاتھ کے اشارے
اسے روکتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ آج بھی نہیں
کروں گا۔ بیٹھ جاؤ۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ بولا۔ "تم سمجھ رہی ہو
کہ اب میں تمہارے ڈوکومنٹس دیکھوں گا، تمہارا انٹرویو لوں گا اور درخواست کی بات
فراموش کر کے تمہیں ملازمت پر رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ سنا دوں گا؟"

وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا۔ وہ نظریں چرانے لگی۔ پرنسپل نے
اور لیٹر پیڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم گھر جاؤ گی، درخواست لکھو گی، پھر کل
دوبارہ یہاں آؤ گی۔ اس طرح بہت سا وقت برباد ہو جائے گا۔ یہ بہت قیمتی شے ہے۔

جہاں تک ممکن ہو اسے بچانے کی کوشش کرو۔ یہ قلم اور کاغذ لو اور یہیں بیٹھ کر
درخواست لکھو۔"

فرح نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر قلم اور کاغذ سنبھال کر درخواست
لکھنے لگی۔ وہ صبح نو بجے گھر سے نکلی تھی اور اب دن کے بارہ بجنے والے تھے۔ اس نے
جلدی جلدی درخواست لکھ کر پرنسپل کی طرف بڑھا دی۔ اس وقت کچھ بچوں کے والدین
اسکول فیس جمع کرانے آئے ہوئے تھے۔

پرنسپل نے ان سے فارغ ہونے کے بعد اس کی درخواست پر ایک نظر ڈالی۔ پھر
ناگواری سے کہا۔ "اوہو .... یہ تم نے اردو میں کیوں لکھی ہے؟ بی بی! یہ انگلش
میڈیم اسکول ہے، درخواست انگریزی میں لکھو۔"

اس نے اردو میں لکھی ہوئی درخواست والا صفحہ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔
فرح کو اس کا یہ عمل بہت ہی برا لگا۔ وہ ایک بار پھر کاغذ اور قلم سنبھال کر درخواست لکھنے
لگی۔ اسے گھر واپس جانے کی جلدی تھی۔ جل کر سوچ رہی تھی۔ "اردو سے ہی کام چلا
لیتے، سامنے بیٹھی ہوئی ہوں جو پوچھنا ہو پوچھ لیں۔ اونہہ .... بااصول بن رہے ہیں۔
وقت بچانے کی باتیں بنا رہے ہیں اور پھر خود ہی اسے ضائع کرنا بھی سکھا رہے ہیں۔ چھٹی کا
وقت بھی ہونے والا ہے، درخواست پڑھ کر کہیں گے، بی بی! ٹائم اوور ہو گیا ہے۔ میں
اصولوں کا پابند ہوں، اسکول بند کر رہا ہوں۔ لہٰذا کل آنا........."

اس نے درخواست لکھ کر لیٹر پیڈ پرنسپل کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اس پر سرسری سی
نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "ہوں .... تو تمہارا نام فرح انصاری ہے۔ تعلیم ....
میٹرک، صرف میٹرک؟"

وہ ذرا جھینپ کر بولی۔ "جی .... جی سر!"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ارے بی بی! ابھی تو تمہیں خود پڑھنے کی ضرورت ہے اور تم
پڑھانے چلی آئیں۔"

وہ پہلو بدل کر بولی۔ "سر! میں اپنے بوڑھے والد کا تھوڑا سا سہارا بننے کے لئے گھر
سے نکلی ہوں۔ بھائیوں کی سپورٹ ہوتی تو ضرور اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتی۔"

"اوہ .... تو تم سوشل پرابلم کا شکار ہو۔ پھر تو کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔ میں سمجھ رہا
تھا، تم شوقیہ ٹیچنگ کرنے آئی ہو۔ یہ بتاؤ، کون کون سی کلاسز کو پڑھا سکتی ہو؟"

پرنسپل کا نرم رویہ دیکھتے ہی اسے ایک ذرا حوصلہ ملا۔ وہ بولی۔ "کلاس تھری تک تو

میں تمام مضامین پڑھا سکتی ہوں اور بڑی جماعتوں کو اردو یا اسلامیات۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ "اردو اور اسلامیات .... بی بی! اس کے لئے تو ہمارے پاس سینکڑوں لڑکیاں آتی ہیں۔"

"میں انگریزی بھی پڑھا سکتی ہوں۔"

"دیکھو' میں صاف طور پر بتا دوں۔ ہمیں کیمسٹری کے لئے ٹیچرز کی ضرورت ہے اور تم نے آرٹس سے میٹرک کیا ہے۔"

فرح کے چہرے پر ایک دم سے مایوسی چھا گئی۔ وہ میز پر ذرا جھک کر بولا۔ "ٹیچنگ کا بھوت سر سے اتارو۔ میں تمہیں ایک جاب آفر کرتا ہوں۔ اس کے ذریعہ تم ہر ماہ ایک معقول رقم اپنے گھر لے جاتی رہو گی۔"

"میں صرف اسکول کے صاف ستھرے ماحول میں ہی ملازمت کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی تمہیں اسکول کے لئے ہی یہ آفر کر رہا ہوں۔ بہت باسہولت جاب ہے۔ دن بھر بچوں کے ساتھ مغزماری نہیں کرنی پڑے گی۔"

"اچھا............ پھر مجھے کرنا کیا ہو گا؟"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ "کچھ بھی نہیں۔ جہاں بیٹھی ہوئی ہو بس روزانہ یہاں آ کر بیٹھنا ہو گا۔ فارغ بیٹھی رہو گی تو آنے جانے والوں کی نظروں میں آؤ گی۔ اس لئے ایک رجسٹر اور قلم تمہیں تھما دیا جائے گا جو صرف اور صرف دکھاوے کے لئے ہو گا۔"

اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ایسے ہی وقت گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ اسکول کی چھٹی ہو گئی تھی۔ بچے کاندھوں پر اپنے بیگ لٹکائے ہنستے کھیلتے' اچھلتے کودتے گیٹ سے باہر جا رہے تھے۔ ایک شور ہنگامہ برپا تھا۔ مگر فرح کے کانوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اسے اپنے اندر ایک ہی سوال کی بازگشت سنائی دے رہی تھی ـــــ کیا ہم لڑکیاں اب ان مدرسوں کے پاکیزہ اور صاف ستھرے ماحول میں بھی محفوظ نہیں ہیں؟ نقب زنوں نے یہاں بھی اپنا ہنر آزمانا شروع کر دیا ہے؟

اسکول کی عمارت دھیرے دھیرے خالی ہوتی جا رہی تھی۔ ٹیچرز بھی اپنی اپنی چادریں سنبھالتی ہوئی پرنسپل کو سلام کرتی ہوئی وہاں سے جا رہی تھیں۔ صرف ایک کلرک رہ گیا تھا جو اسٹاف روم کی مختلف الماریوں کو لاک کر رہا تھا۔

فرح کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ اپنے ڈاکومنٹس سمیٹتے ہوئے بولی۔ "سر! یہ ہو رہی

ہے' مجھے چلنا چاہئے۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی اور ویسے بھی چھٹی ہو چکی ہے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "چھٹی بچوں کی ہوئی ہے اور تمہارا تو کام ہی اب شروع ہوا ہے۔ اس کام کے کچھ اصول ہیں جنہیں ابھی یہاں بیٹھ کر سمجھنا ہو گا۔ پہلا اصول تو یہی ہے کہ تم یہاں آ کر اپنے گھر والوں کو بھول جاؤ گی' صرف ان کی محرومیوں اور مجبوریوں کو یاد رکھو گی۔ تب ہی دل لگا کر کام کر سکو گی۔"

فرح نے غصے سے اسے گھورا۔ وہ جن کی پریشانیاں دور کرنے گھر سے نکلی تھی وہ انہیں ہی بھول جانے کی بات کر رہا تھا۔ کیسے ظالم ہوتے ہیں یہ صاحبِ اقتدار اور دولت مند افراد جو روپوں کا لالچ دے کر والدین کو بھول جانے کا درس دیتے ہیں۔ کسی کی ضرورت خرید کر اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "سوری سر! آپ غلط سمجھ رہے ہیں' میں اتنی بھی مجبور نہیں ہوں۔"

وہ بڑی ڈھٹائی سے مسکرا کر بولا۔ "چلو' تم مجبور نہیں ہو تو نہ سہی۔ ہماری ضرورت کا ہی کچھ خیال کر لو۔"

اس نے شدید غصے سے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "غصہ حرام ہوتا ہے اور ہماری ملازمت کا دوسرا اصول یہی ہے کہ تمہیں اپنی انا اور غصے کو بھی بھول جانا ہو گا۔ ہر بات پر خوشدلی سے مسکرانا ہو گا۔"

اس کی باتیں برداشت سے باہر ہو رہی تھیں۔ وہ دانت پیس کر بولی۔ "میں تھوکتی ہوں آپ پر اور آپ کے اصولوں پر۔"

یہ کہہ کر وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر آئی اور تیزی سے چلتی ہوئی اسکول کی عمارت سے نکلتی چلی گئی۔ پھر کچھ یاد نہیں کہ اسکول سے گھر تک کا فاصلہ اس نے کیسے طے کیا۔

ندا ابھی اسکول سے گھر نہیں پہنچی تھی۔ فرح اپنے کمرے میں آ کر ہینڈ بیگ کو ایک طرف اچھالتی ہوئی دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ بڑی مایوسی سے سوچنے لگی ـــــ صبح سے تین اسکولوں میں بھٹکنے کے بعد بھی کوئی حوصلہ افزا بات سامنے نہیں آئی اور اس آخری اسکول کے پرنسپل نے تو دماغ ہی گھما کر رکھ دیا ہے۔ اب تو گھر سے باہر جانے کا سوچ کر ہی وحشت ہو رہی ہے۔ نہ جانے خدا ایسے درندوں کو اتنی ڈھیل کیوں دیتا ہے کہ اب وہ درس گاہوں میں بھی زہر گھول رہے ہیں اور شیطانیت کو پروان چڑھا رہے ہیں۔

وہ اب تک تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتی چلی آئی تھی۔ آج ضرورت مند بن کر نکلی تھی تو معاشرے کا گھناؤنا چہرہ سامنے آ گیا تھا جو اس کے عزم اور ارادے کو منتشر کر رہا تھا۔

وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ پانی سے چہرے کو بھگونے لگی۔

ایسے ہی وقت اسے پرنسپل کی چبھتی ہوئی نگاہیں یاد آئیں تو وہ چہرے کو صابن سے رگڑنے لگی۔ نہ جانے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ آج اسے میلی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے باہر آئی تو ندا آ چکی تھی۔ وہ جلدی سے اس کے قریب آ کر بولی۔ "فرح! یہ نعمان بھائی کو کیا ہوا ہے؟ اپنے کمرے میں بے سُدھ پڑے ہوئے ہیں۔ امی بھی اپنے کمرے میں منہ لپیٹے لیٹی ہوئی ہیں۔ باہر کے دروازے کی کنڈی بھی کھلی ہوئی تھی۔ کیا کوئی بات ہو گئی ہے؟"

فرح نے تعجب سے پوچھا۔ "نعمان گھر میں ہے؟"

"لو.......... تمہیں خبر ہی نہیں اور وہ بے خبر سو رہے ہیں۔ کیا آج کام پر نہیں گئے تھے؟"

"کام پر تو گیا تھا پھر واپس کب آیا مجھے علم نہیں۔ میں گھر میں نہیں تھی۔ آس پاس کے اسکولوں میں گئی تھی۔"

"ارے ہاں صبح تم تیاری کر رہی تھیں۔ پھر کیا ہوا کہیں بات بنی؟"

وہ منہ ہاتھ پونچھنے کے بعد تولئے کو ایک طرف رکھتے ہوئے بڑی مایوسی سے بولی۔

"بات یوں آسانی سے بنتی ہے تو پھر کیا ہی بات ہے؟"

"ارے اتنی مایوسی' آج تو پہلا دن تھا۔ ایک دو دن میں کہیں نہ کہیں بات بن ہی جائے گی لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ نعمان بھائی پھر کہیں بات بگاڑ کر آئے ہیں۔"

"اس کا اور کام ہی کیا ہے؟ تم منہ ہاتھ دھو لو۔ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔"

ندا تائید میں سر ہلاتی ہوئی واش روم میں گھس گئی اور فرح کچن میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں ماں بیٹیاں دسترخوان کے اطراف جمع ہوئیں تو ندا نے ماں سے پوچھا۔

"امی! نعمان بھائی بڑی گہری نیند میں ہیں۔ کام پر سے جلدی واپس آ گئے ہیں۔ خیریت تو ہے؟"

شکیلہ بیگم چاہتی تو بیٹے کی حقیقت بیٹیوں کے سامنے لا سکتی تھی' انہیں بتا سکتی تھی کہ وہ اب تک پورے گھر سے اپنی آمدنی چھپاتا رہا ہے۔ وہ کام چور ہے مگر اس بار اس نے کام چوری نہیں کی ہے بلکہ اس کام سے آنے والی آمدنی چُرا لی ہے۔

یہ ایسی حقیقت تھی کہ جسے سنتے ہی وہ گھر والوں کی نظروں میں مزید گر جاتا اور ایک ماں اولاد کی سُبکی ہرگز برداشت نہیں کرتی۔ خاص طور پر اپنوں کے سامنے۔

وہ حسب عادت بیٹے کی حرکتوں پر پردہ ڈالتے ہوئے بولی۔ "اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسی لئے کام پر سے واپس آ گیا ہے۔"

ندا اور فرح نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہو گئیں۔ ماں کا اترا ہوا چہرہ اور بجھا بجھا سا لہجہ انہیں سمجھا رہا تھا کہ نعمان کو شاید اس کام سے بھی نکال دیا گیا ہے اور ماں اس بار بھی اس کی نااہلی کو سب سے چھپا رہی ہے۔

☆======☆======☆

ندا شام کے وقت سینٹر پہنچی تو میڈم آرزو نے اسے اپنے روم میں بلا لیا۔ وہ اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "آؤ ندا! بیٹھو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ بولی۔ "میں اپنی تمام اسٹوڈنٹس کی مکمل رپورٹ رکھتی ہوں۔ مجھے یہ علم رہتا ہے کہ کون سی لڑکی کتنی لگن اور ذمہ داری سے کورس مکمل کر رہی ہے۔ مسز اعوان تمہاری بہت تعریفیں کر رہی تھیں کہ تم ہر نئی چیز بھرپور توجہ سے سیکھتی ہو۔"

وہ بولی۔ "ان کے سکھانے کا انداز ہی ایسا ہے کہ لگن بڑھتی جا رہی ہے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "میں نے اسی لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ اس ادارے میں تم جیسی سمجھدار لڑکیوں کے لئے ایک اسپیشل کلاس ہوتی ہے۔ وہاں بوتیک کے ملبوسات کی کٹنگ اور سلائی سکھائی جاتی ہے۔ نت نئے ڈیزائن تخلیق کرنے کا طریقہ کار سمجھایا جاتا ہے۔ جو آئندہ مستقبل میں ان کے بہت کام آتا ہے۔ یہاں سے یہ کورس مکمل کر کے جانے والی کئی لڑکیوں نے اس ہنر کو اپنا ذریعہ آمدنی بنا لیا ہے۔ میں چند ایسی لڑکیوں کو بھی جانتی ہوں جنہوں نے اپنی آمدنی جمع کر کے بوتیک کھول لئے ہیں اور آج ماہانہ ہزاروں روپے کما رہی ہیں۔"

ندا کو تو جیسے اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنے کی امید مل رہی تھی۔ وہ بڑی توجہ سے میڈم کی باتیں سن رہی تھی اور خیالوں ہی خیالوں میں کورس مکمل کر کے ایک بوتیک کھول چکی تھی۔

لگن سچی ہو تو پھر خواب محض خواب نہیں رہتے' حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

وہ خیالوں سے واپس آ کر بولی۔ "میڈم! جذبہ تو میرا بھی یہی ہے۔ آپ بتائیں، مجھے اس کورس کے سلسلے میں کیا کرنا ہو گا؟"

"کچھ خاص نہیں۔ بس دو تین سوٹ پیس لانے ہوں گے اور میں تمہیں سکھاؤں گی کہ کپڑے کو کس طرح جدید اور منفرد انداز میں ڈھال کر اسے پرکشش لباس میں تبدیل کیا جاتا ہے؟"

وہ اس کی امید افزا باتیں سن کر خوش ہو رہی تھی لیکن سوٹ پیس کی بات پر ایک دم سے بجھ سی گئی۔ میڈم آرزو اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اپنے بیگ میں سے ہزار ہزار کے تین نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "انہیں رکھ لو، کل کپڑا لیتی ہوئی آنا۔"

اس نے حیرت سے ان نوٹوں کو دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "نن.......... نہیں میڈم! ان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں انہیں ضرورت سے نہیں، اپنی خوشی سے تمہیں دے رہی ہوں۔ رکھ لو، مجھے اچھا لگے گا۔"

اس نے آخری فقرہ بڑے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ ندا نے ایک نظر نوٹوں پر ڈالی پھر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کپڑا خریدنے کے لئے سب کو رقم دیتی ہیں؟"

وہ اسے میٹھی نظروں سے دیکھ کر مسکرانے لگی پھر بولی۔ "خود کو دوسروں میں شمار نہ کرو۔ میں تمہارے بارے میں اپنے احساسات ابھی تمہیں نہیں سمجھا سکتی۔ نہ جانے کیوں تم سے مل کر، باتیں کر کے مجھے عجیب سی مسرت حاصل ہوتی ہے۔"

وہ بڑے دھیمے اور میٹھے انداز میں بول رہی تھی۔ ندا کو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ دھیما لہجہ اس کے دل میں اتر رہا ہے اور جانے انجانے میں کسی جذبے کی تسکین کر رہا ہے۔ وہ اپنی کیفیت سے الجھ رہی تھی مگر اس الجھن میں عجیب سی سرشاری بھی محسوس کر رہی تھی۔

پھر میڈم آرزو خاموش ہو گئی۔ لفظوں کا جادو تھم گیا۔ ندا نے ایک ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس رقم کو اس کے ہاتھ میں رکھ کر نرمی سے دباؤ ڈالتے ہوئے بولی۔ "ابھی پیار سے دے رہی ہوں۔ انکار کرو گی تو میں زبردستی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔"

ندا ایک بار پھر الجھ گئی۔ وہ اتنے پیار سے کہہ رہی تھی، دل چاہ رہا تھا کہ فوراً اس کی

بات مان لے مگر کہیں یہ جذبہ بھی مچل رہا تھا کہ وہ زبردستی کرے، ضد کرے اور وہ اس کی ضد کے آگے ہار جائے۔ انسان کی زندگی میں ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں مات کھانے اور ہار جانے کو جی چاہتا ہے۔

میڈم آرزو نے ایک بار کہا، دو بار کہا۔ پھر بڑی محبت سے ضد کی تو وہ ایک دم سے ہار گئی۔ پھر بولی۔ "میڈم! آپ میرے ساتھ تعاون کر رہی ہیں، مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

"اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے میرا مان رکھ لیا۔ اگر تم یہ رقم نہ لیتیں تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔ سنو، میری ایک اور بات مانو گی؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ یکبارگی نگاہیں ملیں تو ندا کے اندر کچھ ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ میڈم سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا پاتی ہے۔ چند سیکنڈ بعد ہی پلکیں از خود جھک جاتی ہیں۔

میڈم نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے اندر بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو بڑی نرمی سے سہلاتے ہوئے بولی۔ "تم مجھے میڈم نہ کہا کرو۔"

وہ چور نظروں سے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ دھڑکنوں کی بے ترتیبی کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی بات سن کر تعجب سے بولی۔ "کیا مطلب؟ آپ کو میڈم نہ کہوں تو پھر کیا کہوں؟"

وہ اس کی ایک ایک انگلی کو سہلانے کے انداز میں چھو رہی تھی۔ ندا کو نہ جانے کیوں یہ سب کچھ اچھا بھی لگ رہا تھا اور عجیب بھی۔ میڈم نے بڑی آہستگی سے کہا۔ "تم مجھے آرزو کہا کرو، صرف آرزو۔"

ندا نے اسے ذرا حیرت سے دیکھا پھر کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ سب آپ کو میڈم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میں نام لوں گی تو عجیب سا لگے گا۔ یوں بھی بڑوں کو نام لے کر پکارنا گستاخی کہلاتا ہے۔"

"تم نے کبھی محبت کی ہے؟"

وہ اس اچانک سوال پر گڑبڑا گئی۔ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں۔"

وہ بولی۔ "اس رشتے میں کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا۔ نہ میں بڑی ہوں اس لئے تم مجھے نام سے پکار سکتی ہو۔"

ندا نے ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ اسے یاد آ رہا تھا' اس نے فرح کو ٹوکا تھا کہ وہ شعیب بھائی کا نام کیوں لیتی ہے؟ وہ عمر میں اس سے دس سال بڑے ہیں۔ تو فرح نے اسے سمجھایا تھا کہ جب کسی کو بھائی نہ کہا جائے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ فلمیں دیکھتی ہو اور اتنا نہیں سمجھ سکتیں؟

وہ اس وقت اس کی باتوں کو اور شعیب کے لئے اس کی چاہت کو سمجھ گئی تھی لیکن اس وقت میڈم آرزو کی باتیں اسے الجھا رہی تھیں۔ یہ بھی محبت کا حوالہ دے کر عمر کے فرق کو مٹا رہی تھی۔

میڈم اس کی انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔ اس کے اندر پیدا ہونے والی الجھن کو سمجھ رہی تھی اور زیر لب مسکرا رہی تھی۔ بعض اوقات اپنے رویے سے کسی کو الجھا کر بڑا مزہ آتا ہے۔ وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔ "تمہاری انگلیاں بہت خوبصورت ہیں۔"

تعریف سن کر کسے خوشی نہیں ہوتی؟ وہ بھی مسکرانے لگی۔ ایسے ہی وقت اسے فرح کی کہی ہوئی بات یاد آئی کہ کسی کو بھی' کسی بھی بہانے سے اپنا ہاتھ پکڑنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔

فرح نے یہ بات لڑکوں کے حوالے سے کہی تھی لیکن نہ جانے کیوں ندا کے اندر یہ خیال پیدا ہوا کہ اسے اپنا ہاتھ میڈم کی گرفت سے آزاد کرا لینا چاہئے۔ اس کا یوں ہاتھ تھامے رکھنا اچھا لگنے کے باوجود اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

وہ بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچتی ہوئی بولی۔ "اس کلاس میں میرے علاوہ اور کتنی اسٹوڈنٹس ہوں گی؟"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ اسپیشل کلاس ہے۔ فی الحال وہاں تمہارے علاوہ اور کوئی اسٹوڈنٹ نہیں ہو گی۔ میں تمہیں سکھاؤں گی اور تم سیکھو گی۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یعنی میں تنہا اس کلاس میں رہا کروں گی؟"

میڈم نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ "میرے ہوتے ہوئے تم وہاں تنہا کیوں رہو گی؟ ہم دونوں مل کر ایک نئی سوچ تخلیق کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی ریوالونگ چیئر سے اٹھ گئی۔ ندا کے قریب آ کر بولی۔ "تم اپنے کپڑے خود سلائی کرتی ہو؟"

پتہ نہیں کیوں وہ قریب آئی تو ندا کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے بولی۔ "جی .... اب سینے لگی ہوں۔ پہلے امی سلائی کیا کرتی تھیں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ جو سوٹ تم نے پہنا ہوا ہے' اسے خود سلائی کیا ہے؟"

وہ لباس درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی پھر بولی۔ "جی میڈم!"

وہ اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "ہوں .... کیا تمہیں اپنے بدن کا اندازہ نہیں ہے؟"

ندا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا' وہ مسکرا کر بولی۔ "نازک سی لڑکی ہو اور تنبو جیسی قمیض پہن رکھی ہے۔"

وہ ایک ذرا جھینپ کر مسکرائی۔ میڈم اس کی کمر کے گرد قمیض کو فٹ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ دیکھو' ایسے فٹنگ کے لباس پہنو گی تو کمر کا خم واضح ہو گا۔"

قمیض درست کرتے وقت میڈم کے ہاتھ اس کے بدن کو چھو رہے تھے۔ اسے ان ہاتھوں کا لمس اچھا لگ رہا تھا۔ پھر بھی وہ ان سے کترانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میڈم نے کہا۔ "ذرا دوپٹہ اتارو' میں آستینوں کی کٹنگ دیکھوں گی۔"

اس نے ہچکچا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "وہ میڈم! یہ قمیض اس وقت کی ہے جب مجھے سلائی بہت کم کم آتی تھی۔ اب جس طرح آپ سکھائیں گی میں اسی طرح کے لباس سلائی کر کے پہنا کروں گی۔"

اس کا یوں شرمانا اور ہچکچانا آرزو کو اچھا لگ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر بولی۔ "دوپٹہ اتارنے سے شرما رہی ہو؟ یہاں میرے علاوہ اور کون ہے جس سے تمہیں شرم آ رہی ہے؟"

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہ ایک عورت تھی۔ اس کے سامنے دوپٹہ اتارنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر گھر میں بھی بنا دوپٹے کے رہا کرتی تھی لیکن اس وقت میڈم آرزو کے سامنے کترا رہی تھی۔ اس کے دیکھنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ شرم خود بہ خود آڑے آ رہی تھی۔

میڈم نے کہا۔ "چلو آج رہنے دو لیکن آئندہ یہ سب نہیں چلے گا۔ کل میں تمہارا مکمل ناپ لوں گی۔"

اس نے آخری فقرہ بڑے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ ندا نے ذرا گڑبڑا کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "میڈم! میرا ناپ کس لئے؟"

"اس لئے کہ تم سیکھنے کے دوران میں جو بھی سوٹ سلائی کرو گی وہ ضائع نہیں جائے گا۔ تمہارے سائز کا ہو گا۔ تمہارے استعمال میں آئے گا۔ اس طرح تمہیں نئے نئے

سوٹ بھی ملتے رہیں گے اور ہنر بھی۔ بات سمجھ میں آئی؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔ "تو پھر کل ناپ دینے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لینا۔ اس کے بعد ہی کٹنگ اور سلائی شروع کی جائے گی۔"

اس نے ایک ذرا مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ دوپٹہ اتارنے کی بات عارضی طور پر ہی سہی لیکن ملتوی ہو گئی تھی۔

وہ وہاں سے رخصت ہو کر گھر پہنچی تو فرخ کو اپنا منتظر پایا۔ اسے نعمان کے بارے میں بہت سی تازہ ترین معلومات حاصل ہوئی تھیں اور وہ انہیں ندا تک پہنچانے کے لئے بے چین ہوئی جا رہی تھی۔

شام کے وقت نعمان کے دوست آئے تھے۔ ماں گھر پر نہیں تھی اور وہ گہری نیند میں تھا۔ فرخ نے ہی ان سے ملاقات کی تھی تو باتوں کے دوران میں نعمان کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔

اس نے وہ حقیقت ندا کو بتائی تو وہ تفصیل سننے کے بعد بڑی افسردگی سے بولی۔ "پتہ نہیں نعمان بھائی کب سدھریں گے؟ مستقل امی کی جان جلاتے رہتے ہیں۔ کہیں جا کر کام کرنے سے تو بہتر ہے کہ یہ گھر میں ہی رہا کریں۔"

"گھر میں رہ کر بھی تو امی کو پریشان کرتا رہتا ہے' کبھی ان سے پیسے مانگتا ہے اور کبھی کسی سے قرض لے لیتا ہے اور وہ قرض بھی امی کو ہی بھرنا پڑتا ہے۔"

ندا نے کہا۔ "مجھے تو امی پر بڑا ترس آتا ہے۔ وہ ممتا سے مجبور ہیں اور نعمان بھائی ان کی اسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔"

"امی تھوڑی سی سختی کریں تو شاید وہ سدھر جائے؟"

ندا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا اور یہ نہیں ہو سکتا اس لئے نعمان بھائی کبھی سدھر نہیں سکتے۔"

فرخ نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "بھائی ہے' افسوس بھی ہوتا ہے۔ کیا یہ اسی طرح ناکامی کی زندگی گزارتا رہے گا؟ والدین کو بیٹوں سے آس ہوتی ہے لیکن یہاں تو آثار ہی کچھ اور دکھائی دے رہے ہیں۔"

ندا نے الجھ کر کہا۔ "اچھا اب چھوڑو اس تذکرے کو' نعمان بھائی کی باتیں کر کے تو دل کڑھنے لگتا ہے۔ امی ابو ہمیں اپنا سہارا سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم اپنے والدین کے لئے بہت کچھ کریں گے اور اللہ ابھی سے ہماری مدد کر رہا ہے۔"

فرخ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے بیگ میں سے ہزار ہزار کے تین نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ دیکھو۔"

وہ حیرت سے دیدے پھیلا کر بولی۔ "اتنی بڑی رقم تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

وہ ان نوٹوں کو اپنے چہرے کے قریب لے جا کر پنکھے کی طرح ہلاتے ہوئے بولی۔ "ہائے کیسی ٹھنڈی ہوا ہے ان کی؟ میں امی ابو کو ایسی ہی ٹھنڈک میں رکھنا چاہتی ہوں مگر ابھی اس کے لئے بہت محنت کرنی ہو گی۔"

فرخ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "ندا! میں نے کچھ پوچھا ہے۔ سچ بتاؤ' یہ رقم کہاں سے آئی ہے' کس کی سخاوت ہے؟"

وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگی پھر بولی۔ "آج کل کے دور میں کوئی نیکی کرتا ہے تو بہت عجیب سا لگتا ہے ناں؟ مجھے بھی لگا تھا۔ اب تمہیں بھی لگ رہا ہے۔ ہم گھر میں مقید رہ کر باہر کی دنیا کو نہیں سمجھتے تھے۔ تم باہر نکلیں تو تلخ حقائق تمہارے سامنے آئے۔ مگر میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا ہے۔"

فرخ اس کی باتوں سے الجھ رہی تھی' وہ بول رہی تھی۔ "فرخ! تم یقین نہیں کرو گی۔ میں جس مستقبل کو خوابوں میں دیکھ رہی ہوں اس کی تعبیر تک پہنچانے والا ہاتھ مجھے مل گیا ہے۔"

فرخ الجھ کر بولی۔ "کھل کر بات کرو' پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟"

"میں نے تمہیں میڈم آرزو کے بارے میں بتایا تھا ناں؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ ندا بولی۔ "یہ روپے مجھے انہوں نے ہی دیئے ہیں۔ میری لگن دیکھ کر انہوں نے مجھے اپنی اسٹوڈنٹ بنا لیا ہے۔"

پھر ندا اسے تفصیل بتانے لگی۔ فرخ نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن .... تمہیں ان سے یہ روپے نہیں لینے چاہئے تھے۔"

"بتایا تو ہے کہ میں انکار کرتی رہی تھی مگر وہ اتنی محبت سے دے رہی تھیں کہ پھر مجھے لینے ہی پڑے۔"

فرخ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "یقین نہیں آتا کہ دنیا میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کمزوروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ انہیں ترقی کے مواقع دیتے ہیں۔ اب مجھے یہ بتاؤ' اس رقم کے بارے میں امی سے کیا کہو گی؟ بتاؤ گی بھی یا نہیں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟ کسی نے میری مدد کی ہے یہ چھپانے والی بات تو نہیں ہے پھر شاپنگ کے لئے مجھے امی کے ساتھ ہی جانا ہے۔ ان سے یہ بات چھپ ہی نہیں سکے پتہ ہے' میں نے کیا سوچا ہے؟"

"کیا سوچا ہے؟"

ندا نے چہک کر کہا۔ "شاپنگ کے لئے تین ہزار بہت زیادہ ہیں۔ میں نے سوچا ہے دو ہزار کی شاپنگ کروں گی اور ایک ہزار امی کو دوں گی۔"

"اچھی بات ہے لیکن تمہاری میڈم کیا سوچیں گی؟"

"اوہو .... انہیں کون بتائے گا کہ میں نے دو ہزار کی شاپنگ کی ہے یا تین ہز کی۔ وہ بہت مالدار ہیں۔ تین ہزار ان کے لئے بہت معمولی سی رقم ہے اور وہ اتنی سی ر کا حساب نہیں کریں گی۔ یوں بھی دو ہزار میں اچھے خاصے سوٹ آ جائیں گے۔"

فرح تائید میں سر ہلانے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "یہ بتاؤ' وہ سب لڑکیوں کو ا طرح روپے دیتی ہیں؟"

ندا ایک ذرا نخرے سے بولی۔ "جی نہیں' وہ صرف جینئس لڑکیوں پر مہربان ہوتی ہ اور فی الحال انہیں پورے سینٹر میں ایک میں ہی ذہین نظر آئی ہوں۔ وہ کہتی ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں میں شمار نہ کیا کروں۔"

وہ بولتی ہوئی دھیرے دھیرے چل کر آئینے کے سامنے آ گئی۔ دوپٹہ اتار کر اپنا جا لینے لگی۔ قمیض اس کے بدن کے لحاظ سے واقعی بہت ڈھیلی تھی۔

وہ اسے سینے اور کمر کے گرد فٹ کرتے ہوئے بولی۔ "ہم ایسی ڈھیلی ڈھالی قمیضیں کر کتنا کپڑا برباد کر دیتے ہیں ناں؟ ڈیزائن کی خوبصورتی کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ آئندہ ایسی قمیض نہیں پہنوں گی۔ میڈم کہہ رہی تھیں' فٹنگ کے لباس میں جسم کی خوبصو اجاگر ہوتی ہے اور دیکھو' یہی قمیض فٹ ہو کر کیسی لگ رہی ہے؟"

ندا آئینے کے سامنے زاویے بدل بدل کر دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اسے احسا ہوا تھا کہ چہرے کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ جسمانی بناوٹ کو بھی واضح کیا جائے شخصیت بڑی پُرکشش ہو جاتی ہے۔

فرح اسے دیکھ رہی تھی پھر مسکرا کر بولی۔ "اب بس بھی کرو' تم تو آئینے سے چپک کر ہی رہ گئی ہو۔"

آج وہ اپنے آپ کو ایک نئے انداز سے دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت اسے میڈ

خیال آیا۔ وہ اپنا سراپا دیکھتے دیکھتے ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ کمر کے گرد ان ہاتھوں کا لمس یاد آنے لگا۔

اس نے بڑی آہستگی سے اپنا ایک ہاتھ اس جگہ رکھا جہاں میڈم کے ہاتھ رینگتے رہے تھے۔ وہ اس حصے کو یوں سہلانے لگی جیسے ان ہاتھوں کو محسوس کر رہی ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ اس کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

بہت سوچنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ اسے میڈم کو یاد کرنا اور اس کے بارے میں سوچنا اچھا لگ رہا ہے۔

فرح اس کا شانہ تھپتھپا کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولی۔ "مس یونیورس! کپڑے بدل کر آ جاؤ۔ سب کھانے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

اس نے ایک ذرا چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر زیر لب مسکراتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ فرح کمرے سے باہر آئی تو شکیلہ بیگم ایک ٹرے میں کچھ پھل اور ایک گلاس میں دودھ لے کر نعمان کے کمرے میں جا رہی تھی۔

ایسے وقت فرح کو ماں پر ترس بھی آ رہا تھا اور پیار بھی۔ اولاد چاہے جیسا بھی سلوک کرے لیکن ماں کبھی اس سے متنفر نہیں ہوتی۔ اس پر اپنی ممتا نچھاور کرتی رہتی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتی کہ اس کی بے جا محبت اولاد کا مستقبل سنوار رہی ہے یا بگاڑ رہی ہے۔

اور یہ سب ہی دیکھ رہے تھے کہ شکیلہ بیگم کی اندھی ممتا نعمان کا مستقبل تباہ کر رہی تھی۔

رات کے کھانے پر سب جمع ہوئے تو حیات انصاری نے کہا۔ "میں نے اپنے ایک دوست سے نعمان کے لئے ملازمت کی بات کی تھی۔ مختلف فیکٹریوں میں اس کے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ آج اس سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے دو تین فیکٹریوں کے نام اور پتے دیئے ہیں۔ نعمان صبح وہاں چلا جائے کہیں نہ کہیں تو بات بن ہی جائے گی۔"

شکیلہ بیگم نے ذرا ناگواری سے کہا۔ "اب وہ دل لگا کر ایک جگہ کام سیکھ رہا ہے تو آپ اسے بھٹکا رہے ہیں۔ کمائی کے لئے ساری عمر پڑی ہے۔ اسے سکون سے سیکھنے دیں۔ ہنر ہاتھ میں ہو گا تو کسی کی محتاجی نہیں ہو گی۔ کسی کے سامنے ملازمت کے لئے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں .... یہ تو ہے۔"

ندا اور فرح ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ ماں نے نعمان کی حمایت کی تو ندا نے کہا۔

"لیکن امی! یہ تو بہت بعد کی باتیں ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا کام شروع کرنے کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابھی تو وہ کام سیکھ رہے ہیں۔ اسی میں نہ جانے کتنا وقت لگے گا؟ پھر اپنا کام لے کر بیٹھنے اور اسے جمانے میں بھی وقت لگے گا۔ کیا اس وقت تک تنہا محنت کرتے رہیں گے؟ کسی کو تو ان کا ہاتھ بٹانا ہو گا۔"

ماں نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "فرح نکلی تو ہے ہاتھ بٹانے کے لئے۔ تم سلمان پڑھ رہے ہو۔ نعمان کام سیکھ رہا ہے۔ کوئی بھی تو فارغ نہیں ہے۔"

فرح نے جل کر کہا۔ "فارغ ہے' نعمان فارغ ہے۔ وہ کوئی کام وام نہیں سیکھے گا خواہ مخواہ وقت برباد کرتا رہے گا۔ آپ ہی بتائیں' دو تین سال سے اِدھر اُدھر بھٹکا ہے۔ اب تک کیا سیکھا ہے اس نے؟"

آج بیٹیاں مداخلت کر رہی تھیں۔ ایسے سوال پوچھ رہی تھیں جن کے صاف سیدھے جواب تھے پھر بھی وہ بات گھما کر بڑی افسردگی سے بولی۔ "وہ بے چارہ کیا کرے دس جگہ ہاتھ مارتا ہے مگر قسمت ہی ساتھ نہیں دیتی۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے اور اس کا کام رک جاتا ہے۔"

ندا نے کہا۔ "سیکھنے کے معاملے میں قسمت رکاوٹ بن رہی ہے تو پھر انہیں کمانے کی طرف آ جانا چاہئے۔"

سلمان نے بہنوں کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "امی! یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ دو برس میں ہم سب نے اندازہ لگا لیا ہے کہ نعمان بھائی کچھ بھی نہیں سیکھیں گے۔ ان کی تعلیم بھی ادھوری ہے۔"

نعمان ان سب کے درمیان نہیں تھا۔ اپنے کمرے میں لیٹا سب کی باتیں سن رہا تھا۔ سلمان کی بات سنتے ہی باہر آ کر بولا۔ "میری تعلیم ادھوری رہ گئی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ابو کی ضد پر میں نے سائنس لی تھی۔ میرا دھیان اس سبجیکٹ کی طرف ہی نہیں تو میں پڑھتا کیا؟"

باپ نے کہا۔ "جب سائنس پسند نہیں تھی تو تم منع کر دیتے۔"

وہ بولا۔ "آپ پرنسپل کے سامنے مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ انکار کرتے ہوئے شرمندگی ہو رہی تھی۔ اس لئے میں نے ہامی بھر لی تھی۔"

"اچھا تو تم نے شرمندگی سے بچنے کے لئے اپنا مستقبل داؤ پر لگا دیا۔ عزتِ نفس ہی پیاری تھی تو چیلنج کو قبول کرتے۔ امتحان میں کامیاب ہو کر دکھاتے۔"

فرح نے کہا۔ "تم اپنی غلطی ابو کی گردن میں نہ ڈالو۔"

باپ نے کہا۔ "چلو میں مان لیتا ہوں کہ پڑھائی کے معاملے میں اسے میں نے ڈسٹرب کیا لیکن اب تو یہ اپنی مرضی پر چل رہا ہے۔ جو بہتر سمجھ رہا ہے' وہ کر رہا ہے۔ میں اس کے معاملے میں نہیں بولتا لیکن کوئی نتیجہ بھی تو سامنے آئے۔"

ماں نے بیٹے کی حمایت میں کہا۔ "نتیجہ بھی سامنے آ جائے گا۔ آپ ذرا صبر تو کریں۔ سب ہی ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ جاؤ بیٹا! جاؤ .... آرام کرو۔ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

حیات انصاری نے چونک کر پوچھا۔ "کیا ہوا اس کی طبیعت کو؟"

وہ بولی۔ "دوپہر سے بخار میں پھنک رہا تھا۔ برف کی پٹیوں سے افاقہ ہوا ہے لیکن آپ کی باتیں اسے پھر بیمار کر دیں گی۔"

نعمان پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فرح نے کہا۔ "امی! ہم اس کے دشمن تو نہیں ہیں۔"

شکیلہ بیگم فوراً ہی آنسو بہانے لگی پھر بولی۔ "یہ دشمنی نہیں تو کیا ہے؟ تم تینوں کو پتہ تھا کہ وہ بیمار ہے مگر کسی نے اس کے کمرے میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ بے چارا کماتا نہیں ہے تو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے؟"

ندا ماں کی طرف سے اس کی بے جا حمایت پر جل کر بولی۔ "امی! سیدھی سی بات ہے۔ کام سے ہی نام ہوتا ہے اور مان ملتا ہے۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "تم تو چپ رہو۔ یہ سارا فساد تمہارا اٹھایا ہوا ہے۔ تمہارے ابو مجھ سے بات کر رہے تھے۔ تمہیں بیچ میں بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کما نہیں رہا ہے مگر کمائی کے راستے تو ہموار کر رہا ہے۔"

ماں بیٹے کی اندھی حمایت کر رہی تھی۔ ندا نے بڑے افسوس سے اسے دیکھا پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ فرح بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ ندا نے کہا۔ "امی نعمان بھائی کی وجہ سے مصیبتیں اٹھاتی رہتی ہیں۔ پھر بھی ان کی حمایت کرتی ہیں۔ ہم میں سے تو کوئی انہیں کچھ کہہ ہی نہیں سکتا۔"

فرح نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔ "اب تو امی اس کی خاطر ہم سب سے جھگڑا کر لیتی ہیں۔ اس کی نااہلی کی وجہ سے چڑچڑی ہو گئی ہیں لیکن اسے کچھ نہیں کہیں گی۔"

"سچ پوچھو تو اب مجھے نعمان بھائی سے جیلسی ہونے لگی ہے۔ میں اس گھر میں سب

سے چھوٹی ہوں مگر امی میرے لاڈ اٹھانے کے بجائے ان کی ناز برداریوں میں لگی رہ
ہیں۔ ہر گھر میں چھوٹا بچہ لاڈلا ہوتا ہے مگر ہمارے گھر کا تو نظام ہی الٹا ہے۔"

فرح نے مسکرا کر کہا۔ "یہ الٹا نظام ہی ہمارے حق میں بہتر ہے ورنہ نعمان کے
بجائے تم کاہل اور کام چور بن جاتیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو' یہ بتاؤ' کل امی کے ساتھ مجھے شاپنگ پر
ہے لیکن وہ نعمان بھائی کے سلسلے میں ضرور مجھ سے ناراض ہو گئی ہوں گی۔ میں
کروں؟"

"اور کرو ان کے بیٹے کی برائی۔ بات چاہے کتنی ہی سچ کیوں نہ ہو مگر وہ نعمان
مخالفت میں ایک لفظ بھی نہیں سن سکتیں۔"

"امی چند روز پہلے تک تو ایسی نہیں تھیں۔"

فرح نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "وہ بے چاری کیا کریں۔ بیٹا روز ہی کسی
کسی سے مار کھا کر آ جاتا ہے۔ وہ اس کے زخم دیکھ دیکھ کر خود زخمی ہو گئی ہیں۔ وہ
غلطیوں کی وجہ سے تکلیفیں اٹھاتا ہے اور امی کی ہمدردی اسے مزید حوصلہ دیتی رہتی ہے۔
اس نے اپنی آمدنی امی سے بھی چھپائی ہے۔ کیا انہیں اس بات کا صدمہ نہیں پہنچا ہو گا؟
تم نے دیکھا' وہ کیسے اس کی حمایت کر رہی تھیں؟"

"وہ کمائی چھپا کر ہی سہی مگر کام تو سیکھ رہے ہیں ناں۔ بس امی اس بات سے مطمئن
ہیں۔ مگر میرا کیا ہو گا؟"

فرح نے ایک ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "ابھی ابو باہر جائیں گے۔ امی تنہا رہیں گی۔
ہم ان سے بات کریں گے۔ تم نعمان کے لئے ذرا سی ہمدردی ظاہر کرو گی تو دیکھنا' وہ فوراً
ہی پسیج جائیں گی۔"

ندا نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی تائید کی۔ پھر آنے والے دن کے بارے میں
سوچنے لگی۔ وہ بہت خوش تھی۔ زندگی میں پہلی بار مٹھی بھر رقم سے وہ صرف اپنے
شاپنگ کرنے جا رہی تھی اور دل ہی دل میں میڈم آرزو کی مشکور ہو رہی تھی جس کی
سے اسے یہ خوشی حاصل ہو رہی تھی۔ ابھی اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آنے والی
کہ کوئی کسی کی محرمی یا کمزوری کیوں دور کرتا ہے۔

حیات انصاری کے جاتے ہی وہ دونوں شکیلہ بیگم کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ اس کے
ماتھے کے بل انہیں سمجھا رہے تھے کہ وہ بیٹے کی مخالفت پر ابھی تک غصے میں ہے۔

بیٹیوں کو دیکھتے ہی اس نے بھنوئیں سکیڑ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ندا نے فرح
کو ٹھوکا دیا کہ وہ آگے بڑھ کر بات کرے۔ وہ ایک ذرا رکی پھر ماں کے سامنے آ کر بولی۔
"ام............ امی! آپ ہم سے ناراض ہیں؟"

شکیلہ بیگم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر منہ پھیر کر کہا۔ "ناراضگی کیسی؟ بھلا گھر کے
بڑوں سے کون ناراض ہو سکتا ہے؟"

فرح نے ایک نظر ندا پر ڈالی پھر ماں سے کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

شکیلہ بیگم نے سر گھما کر ان دونوں کو گھورا پھر کہا۔ "جو دیکھ رہی ہوں' وہی کہہ رہی
ہوں۔ اب تو تم دونوں ہی اس گھر کی بڑی بن گئی ہو۔ ہر معاملے میں بولنے لگی ہو۔ میری
تو کوئی حیثیت ہی نہیں رہی ہے۔ اب تو میں تمہارے ابو سے بھی تنہا بات نہیں کر سکتی۔
فوراً بیچ میں بول پڑتی ہو۔"

ندا نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "امی! ابھی گھر میں جو بھی بات ہوئی ہے وہ
نعمان بھائی کے حوالے سے ہوئی ہے۔ آپ کو تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔"

شکیلہ بیگم نے اسے غصے سے گھورا پھر کہا۔ "کیسے نہیں کہا؟ جب میں نے تمہارے
ابو سے یہ بات کہی کہ وہ فارغ نہیں ہے' کام سیکھ رہا ہے تو فرح کو مجھے جھوٹا بنانے کی کیا
ضرورت تھی؟"

فرح نے اپنی صفائی میں کہا۔ "وہ تو یونہی میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ آپ کو برا لگا
ہے تو میں معافی مانگ لیتی ہوں۔"

بیٹیوں کا رویہ دیکھ کر وہ ذرا نرم پڑتے ہوئے بولی۔ "خود ہی سوچو تمہاری باتیں
نعمان سن لیتا تو اسے کتنا دکھ پہنچتا؟ بہنیں تو بھائیوں کا پردہ رکھتی ہیں لیکن وہاں سب ہی
اس کی مخالفت کر رہے تھے۔"

ندا نے کہا۔ "ہم تو ابو کی حمایت کر رہے تھے۔ کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ انہیں اس
عمر میں کسی سہارے کی ضرورت ہے اور نعمان بھائی کو تو آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ وہ
کوئی کام دل لگا کر نہیں سیکھتے۔ اسی لئے فرح نے کہا تھا کہ وقت برباد کرنے سے بہتر ہے وہ
ابو کا سہارا بن جائیں۔ یہ کوئی ناجائز بات تو نہیں ہے۔"

وہ اپنی پیشانی پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "اے ہے .... وہ سہارا بننے کے
لئے ہی تو یہ پاپڑ بیل رہا ہے۔ تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟"

فرح نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ندا کو اشارہ کیا کہ وہ نعمان کی حمایت میں کچھ

بولے۔ اس نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا پھر ماں سے کہا۔ "ہم اپنی غلطی کا احساس کر کے ہی آپ کے پاس آئے ہیں۔ پلیز! ناراضگی چھوڑ دیں ناں۔ وہ صرف آپ کے بیٹے ہی نہیں' ہمارے بھائی بھی تو ہیں۔ وہ جس انداز سے زندگی گزار رہے ہیں ان کا وہ انداز دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ ہم ان کی بہتری کے لئے کچھ کہتے ہیں تو آپ بُرا مان جاتی ہیں۔"

ماں کا سر جھکا ہوا تھا۔ فرح نے ندا سے کہا۔ "چلو' اب وہ جہاں ہے خدا کرے وہاں دل جمعی سے کام سیکھتا رہے۔ امی مطمئن ہیں' یہی بہت ہے۔"

ماں نے سر اٹھا کر ہچکچاتے ہوئے فرح کو دیکھا۔ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ پھر ذرا توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا۔ "وہ بات اصل میں یہ ہے کہ .... تم تو جانتی ہو' وہ کتنا محنتی ہے؟ ورکشاپ کا کام کیسا گندا تھا مگر اس نے وہ بھی کیا۔ اب الیکٹریشن کا خطرناک کام بھی سیکھنے پر راضی ہو گیا تھا لیکن .... قسمت ساتھ نہ دے تو محنت رنگ نہیں لاتی۔"

دونوں بیٹیاں کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں ماں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "دو دن پہلے نعمان الیکٹریشن کے ساتھ کسی گھر کی وائرنگ درست کرنے گیا تھا۔ قسمت کی مار کہ الیکٹریشن کسی کام سے باہر گیا تو نعمان نے سوچا جب تک وہ واپس آئے' اس وقت تک چند ایک تار خود ہی جوڑنے کی کوشش کرے۔ پہلا ہی تار جوڑا تھا تو ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس شارٹ سرکٹ کی وجہ سے وہاں کوئی بڑی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

ان دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ شکیلہ بیگم اتنا کہنے کے بعد خاموش ہو گئی تھی۔ اسے آگے بولنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ بیٹیاں سمجھدار ہو گئی تھیں۔ وہ اس کی ادھوری باتوں کو سمجھ سکتی تھیں۔ ان کا بھائی حسبِ معمول اس کام سے بھی فارغ ہو چکا تھا۔

فرح نے بڑے دکھ سے پوچھا۔ "امی! جب آپ یہ بات جانتی تھیں تو اسے ملازمت ڈھونڈنے سے کیوں روک رہی تھیں؟ میں نے سچ کہا تھا کہ وہ فارغ ہے مگر آپ نے میری نہیں مانی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں درست کہہ رہی ہوں۔ آپ اسی کی حمایت کرتی رہیں۔ امی! آپ کب تک اس کے عیب چھپاتی رہیں گی؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں کیا کروں؟ نعمان نے تو میری عقل خبط کر دی ہے۔ اس کی طبیعت کی وجہ سے میں نے بات بنائی تھی۔ یہی سوچ کر ملازمت سے انکار کیا ہے کہ کل وہ غریب کہاں دھکے کھاتا پھرے گا؟ خدانخواستہ کہیں چکرا کر گر

تو........."

فرح اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "خدا کے لئے امی! اسے ہاتھ کا چھالہ نہ بنائیں۔ ویسے بھی دھکے کھانے والی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ ابو جو ایڈریس بتاتے اسے وہیں جانا تھا اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ نوکری گھر بیٹھے بٹھائے مل جائے۔ پلیز امی! یہ موقع ضائع نہ کریں۔ کل اسے جانے دیں۔"

ماں نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر کچھ الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیسے جانے دوں؟ وہ جو کام بگاڑ کر آیا ہے۔ وہاں .... وہاں کچھ پیسے بھرنے ہیں۔ وہ سارا دن ڈیوٹی کرے گا تو رقم کا بندوبست کون کرے گا؟"

رقم کا سنتے ہی ندا اور فرح نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فرح نے پوچھا۔ "پیسے بھرنے کی بات آپ کو کس نے بتائی؟"

وہ بولی۔ "اور کون بتائے گا' نعمان نے ہی بتایا ہے۔"

ندا ایک دم سے جل بھن کر بولی۔ "ہاں بھئی! وہ ماں سے اپنی آمدنی چھپا سکتے ہیں۔ محبوبہ کو دیا جانے والا گفٹ چھپا سکتے ہیں لیکن جہاں خرچے کی بات آتی ہے وہاں ماں کی آغوش میں آ کر منہ چھپا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی جیب سے رقم نکلواتے رہتے ہیں لیکن کبھی دو پیسے ہاتھ پر نہیں رکھتے۔ پھر بھی آپ ان کی کیسی اندھی حمایت کرتی ہیں؟"

ندا بولی تو کچھ زیادہ ہی بولتی چلی گئی۔ ماں نے غصے سے کہا۔ "آہستہ بولو۔ وہ سنے گا تو کیا سوچے گا؟ بڑا بھائی ہے تمہارا۔ تم چھوٹی ہو چھوٹی ہی رہو۔"

وہ بولی۔ "جب بڑے ہر بار کاہلی کا ثبوت دیتے رہیں تو پھر چھوٹے بھی ان کا مان نہیں کرتے۔"

شکیلہ بیگم بیٹے کی مزید مخالفت سنتے ہی آگ بگولہ ہو کر بولی۔ "تو نہ کرو مان .... وہ کون سا تم سے خوشامدیں کرتا ہے؟ وہ تو بے چارہ نہ کسی سے کچھ کہتا ہے' نہ شکایت کرتا ہے۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں سب کی نظروں میں کھٹکتا رہتا ہے؟"

فرح گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چپ تھی لیکن ندا پے در پے جواب دے رہی تھی۔ "نعمان بھائی فطرتاً کام چور ہیں۔ اس پر آپ کی اندھی حمایت مزید ان کے حوصلے بڑھاتی رہتی ہے۔ یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ ہم پر ہی چڑچڑاتی رہتی ہیں۔ اگر اتنا غصہ نعمان کو دکھائیں تو شاید وہ سُدھر جائیں۔"

ماں نے بپھر کر کہا۔ "زیادہ دادی اماں نہ بنو اور تم یہ کس انداز میں مجھ سے بات کر

رہی ہو؟ بچوں کو تربیت دینے کا سلیقہ اب تم مجھے سکھاؤ گی۔ بڑے بھائی کو سدھارنے کے طریقے بتا رہی ہو۔ پہلے خود تو بڑوں سے بات کرنے کی تمیز سیکھ لو۔"

شکیلہ بیگم اپنی بے جا حمایت سے پیدا ہونے والی غلطیوں کو سمجھنے اور ماننے پر تیار ہی نہیں تھی۔ ندا نے ایک نظر ماں پر ڈالی پھر پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

پیچھے سے ماں کی آواز سنائی دی۔ "جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اسے سینٹر جاتے آتے۔ ان چند دنوں میں محترمہ کے انداز ہی بدل گئے ہیں۔ زیادہ ٹرٹر کرو گی تو گھر میں بٹھا دوں گی۔"

ماں کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ تیزی سے صحن عبور کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ بات بننے کے بجائے مزید بگڑ گئی تھی۔ وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ نعمان کے بارے میں نئے انکشافات سن کر وہ ایک دم سے پھٹ پڑی تھی۔ مگر اب پریشانی سے سوچ رہی تھی۔ "کیا مصیبت ہے؟ کیا اب اس گھر میں یہی ہو گا کہ امی سے کوئی بات کہنے یا منوانے کے لئے نعمان بھائی سے ہمدردی جتانی ہو گی۔ ان کی کوئی بھی بات چھڑتی ہے تو نیا کارنامہ سامنے آتا ہے۔"

وہ بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگی' سوچنے لگی ـــــ میں نے امی کو کچھ زیادہ ہی ناراض کر دیا ہے۔ کل کپڑا نہ خرید سکی تو میڈم سے کیا کہوں گی؟ نعمان بھائی جانے انجانے میں میرے لئے رکاوٹ بن رہے ہیں۔

ندا ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ زیر لب بڑبڑانے لگی ـــــ ہم سب ہی امی کے مزاج سے واقف ہیں۔ وہ آسانی سے نہیں مانیں گی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر ادھر ادھر دیکھا پھر دھپ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایسے ہی وقت فرح کمرے میں داخل ہوئی۔ ندا نے اسے دیکھ کر پوچھا۔ "امی کا پارہ ہائی ہو گا؟ مجھے تو خوب باتیں سنا رہی ہوں گی؟"

فرح اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے مسکرانے لگی۔ اس نے ایک ذرا تعجب سے پوچھا۔ "خلاف توقع مسکرا رہی ہو' کیا بات ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب بیٹھ گئی پھر بولی۔ "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ جب تم نعمان کی حمایت میں بولو گی تو وہ فوراً ہی ناراضگی ختم کر دیں گی۔"

وہ کندھے اچکا کر بولی۔ "لیکن ایسا نہیں ہوا' بات ناراضگی سے شروع ہو کر ناراضگی پر ہی ختم ہو گئی ہے۔"

فرح نے مسکرا کر کہا۔ "وہ نعمان کی وجہ سے ناراض ہوئی تھیں اور میں نے اسی کو مہرہ بنا کر انہیں راضی کر لیا ہے۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا' وہ بولی۔ "وہ تمہیں بلا رہی ہیں۔ کل کی شاپنگ کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہیں۔"

اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ "ہائیں یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے معافی نہیں مانگی' نعمان بھائی کی حمایت نہیں کی' پھر تم نے ایسا کیا چکر چلایا کہ وہ راضی ہو گئیں؟"

فرح ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں کیا چکر چلاؤں گی؟ بس .... نعمان کی پیدا کردہ مشکل امی کو راضی کرنے کا سبب بن گئی۔ وہ جہاں کام بگاڑ کر آیا ہے' وہاں بارہ سو روپے جرمانے کے طور پر دینے ہیں۔ میں نے امی کو بتایا کہ تم انہیں ایک ہزار روپے دینے والی ہو۔ یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے کِھل گئیں۔ کہنے لگیں' میں نے مخواہ ندا کو ناراض کر دیا۔ وہ تو تم سے بات کرنے کے لئے یہاں آنے والی تھیں لیکن میں نے روک دیا۔"

ندا گہری سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر بولی۔ "انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاس یہ ایک ہزار روپے کہاں سے آئے؟ کیوں آئے؟ کس نے دیئے؟ کسی نے دیئے تو کیوں دیئے؟"

"انہوں نے تو نہیں پوچھا تھا' میں نے ہی سرسری طور پر تمہاری میڈم کا ذکر کیا تھا۔ وہ تو بیٹے کی مشکل حل ہونے کا سن کر ہواؤں میں اڑ رہی ہیں۔ کل تمہیں شاپنگ پر جانا ہے۔ اس لئے میں نے انہیں بقیہ رقم کے بارے میں بھی بتا دیا ہے۔ ٹھیک کیا ناں؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "ہوں .... امی نعمان بھائی کی پریشانی دور کرنے کے لئے نہ کچھ دیکھتی ہیں' نہ سوچتی ہیں۔ پچھلی بار رقم کی ضرورت تھی' تم نے اپنی نتھنی دی تو انہوں نے بیٹے کی خاطر بیٹی کی چیز بیچ ڈالی۔ نعمان بھائی کے علاوہ انہیں اور کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ اب تو وہ ان کے سامنے ابو کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں۔ انہیں ابو کا سہارا بنانے کے بجائے آرام طلبی سکھا رہی ہیں۔"

فرح نے کہا۔ "ارے ہاں' وہ کل نعمان کو بھیجنے پر راضی ہو گئی ہیں۔ خدا کرے کہیں بات بن جائے۔ وہ ملازمت کے جھمیلوں میں الجھا رہے گا تو الٹی سیدھی حرکتوں سے محفوظ رہے گا۔"

ندا ذرا اداسی سے مسکرائی پھر بولی۔ "میں جانتی تھی' یہ ایک ہزار نعمان بھائی کے ہی کام آئیں گے۔ امی اپنی جان پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کر سکیں گی۔"

فرح نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو .... تم نے تو امی کو ہی رقم دینی ہے۔ اب وہ اسے جہاں بھی خرچ کریں مگر اس سے فائدہ یہ ہوا کہ وہ خوش بھی ہو گئیں اور نعمان کی ملازمت کے لئے راضی بھی۔ اب اٹھو' وہ ایک ہزار روپے نکالو اور امی کے پاس چلو۔ وہ انتظار کر رہی ہوں گی۔"

اس نے اٹھ کر الماری میں سے ہزار کا نوٹ نکالا پھر اسے ہاتھ میں دبا کر فرح کے ساتھ ماں کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

نعمان دروازے سے کان لگائے ان کی باتیں سن رہا تھا' انہیں باہر آتا دیکھ کر فوراً ہی دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ خوش ہو کر سوچنے لگا۔۔۔ "واہ رے میرے مولا! تُو نے تو بیٹھے بٹھائے کام بنا دیا۔ ندا کے پاس روپے نہ ہوتے تو مجھے پتہ نہیں کس کس کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس ادھار کو امی ہی بھرتیں۔ مگر خوار تو مجھے ہی ہونا تھا۔ ریحانہ نے دھوکا دے کر اچھا نہیں کیا۔ شاہدہ ایسی نہیں ہے۔ وہ نو سو روپے والی ریسٹ واچ میں شاہدہ کو دوں گا۔ تو وہ خوش ہو جائے گی۔

وہ خوشی سے زیرِ لب مسکراتا ہوا کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے ماں کا انتظار تھا جو کچھ ہی دیر میں آ کر اس کی جیب گرم کرنے والی تھی۔ وہ بے چاری یہ نہیں جانتی تھی کہ بیٹے نے روپے حاصل کرنے کے لئے جرمانہ ادا کرنے کا جھوٹ بولا تھا۔ اس نے کوئی کام نہیں بگاڑا تھا بلکہ اس کام کو ہی خیرباد کہہ دیا تھا۔

☆======☆======☆

آرزوئیں مچلتی ہیں' پوری ہونے کے لئے لیکن وہ کچھ عجیب سی آرزو کر رہی تھی۔ اس کا نام آرزو تھا۔ مگر ندا اس کی آرزو بن گئی تھی۔ جب بھی اسے دیکھتی تھی تو ایک انجانی سی کشش محسوس کرنے لگتی تھی۔

اس وقت بھی اس کی مسکراہٹ' اس کا چہرہ' اس کی آنکھیں آرزو کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ وہ صوفے پر سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ آج وہ علیحدہ کلاس میں اس سے ملنے والی تھی۔ ایسے میں ان کے درمیان صرف تنہائی رہتی اور یہی خیال اسے مسرتوں سے بھر رہا تھا۔

اس نے ایک جگہ رک کر قدِ آدم آئینہ میں خود کو دیکھا۔ اس دنیا میں صرف آئینہ ہی ایسا ہے جو منہ پر سچ بولتا ہے۔ وہ اسے بتانے لگا کہ وہ پینتیس سال کی ایک بھرپور عورت ہے۔ مطلقہ ہے۔ ایک جوان بیٹے کی ماں ہے۔ مگر ندا کے لئے کیا ہے؟ ایسا کون سا

جذبہ ہے جو اسے دیکھنے اور ملنے کے لئے اسے تڑپاتا رہتا ہے؟

وہ اس سوال پر ذرا چونک گئی۔ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اپنے دل کو ٹٹولنے لگی۔ وہ نادان بچی نہیں تھی جو اپنے اندر انگڑائی لینے والے جذبے کو سمجھ نہ پاتی یا الجھ کر رہ جاتی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر مسکرائی۔

ایسے ہی وقت موبائل کا بزر سنائی دیا۔ وہ نمبر پڑھتے ہی ایک دم سے کِھل گئی۔ فوراً ہی اسے آن کر کے کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو میری جان! کیسے ہو؟"

دوسری طرف سے اس کے بیٹے کاشف کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو مما! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں میرے بغیر اداس ہوں گی؟"

پہلے آئینے کے سوال نے چونکا دیا تھا۔ اب بیٹے کے سوال نے اسے چونکا دیا۔ وہ ایک ماہ پہلے یو کے تعلیم کے سلسلے میں روانہ ہوا تھا اور وہ ائرپورٹ پر اُسے رخصت کرتے وقت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ پھر اس کے جانے کے بعد اکثر تنہائی میں روتی رہتی تھی۔

کاشف ہی اس کی کُل کائنات تھا۔ شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے بعد وہ اسی کے لئے جی رہی تھی لیکن اب ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تیسری ہستی ان دونوں کے درمیان آ رہی ہے۔

کاشف نے پوچھا۔ "ہیلو مما! کیا ہوا؟"

وہ چونک کر بولی۔ "آں .... کچھ نہیں .... یہ بتاؤ' واپسی کب تک ہے؟"

"اوہ مما! ابھی تو اسٹڈی شروع بھی نہیں ہوئی ہے اور آپ واپسی کی باتیں کر رہی ہیں۔ یہ بھول رہی ہیں کہ میں چھ ماہ کے بعد آ سکوں گا۔ کیا خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہیں؟ آپ کہتی ہیں تو میں واپس آ جاتا ہوں۔"

تنہائی کا خیال آتے ہی اس کی نگاہوں میں ندا کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ مسکرا کر بولی۔ "نہیں میری جان! نادانی کی باتیں نہ کرو۔ تمہیں اپنا مستقبل بنانا ہے اور جہاں تک میری تنہائی کی بات ہے تو میں تنہا نہیں ہوں۔ تمہاری شرارت بھری یادیں میرے ساتھ ہیں۔ اپنی پڑھائی پر بھرپور توجہ دیتے رہو۔"

وہ ماں بیٹا کچھ دیر ایک دوسرے کو محبتیں دیتے رہے۔ پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ ایسے وقت دل میں ممتا ہی ممتا بھری ہوئی تھی۔ کاشف شدت سے یاد آ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کے دو بج رہے

تھے۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ ندا سے ملنے والی تھی۔ وہ ایک ذرا کھِل سی گئی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر سینٹر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

تیاری تو ندا بھی کر رہی تھی لیکن ذرا بوکھلائی ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ آج وہ اس کے قریب آئے گی۔ اسے ہر زاویے سے دیکھے گی۔ فرح کمرے میں آتے ہی ٹھٹک گئی۔ ناک کے نتھنے پھلا کر بولی۔ "ارے کیا پرفیوم کی بوتل الٹ لی؟"

آج آرزو نے قریب آنا تھا۔ وہ خود کو خوشبو میں بسا رہی تھی۔ دوپٹہ سر پر رکھتے ہوئے بولی۔ "ذرا ادھر آنا۔"

فرح اس کے قریب آ گئی۔ وہ بولی۔ "ذرا میرا دوپٹہ اتار دو۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر بولی۔ "ابھی تو اوڑھا تھا اور پھر مجھ سے کیوں اتروا رہی ہو؟"

"بتاتی ہوں۔ تم اتارو تو سہی۔"

فرح کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کا دوپٹہ اتارنے لگی۔ پھر ندا بولی۔ "اب میرے بازو اوپر اٹھاؤ اور کمر پر قمیض فٹ کرو۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "کیا کروا رہی ہو؟"

"اوہو۔ تم الجھ کیوں رہی ہو؟ جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔"

فرح ایک جھٹکے سے اس کے بازو اوپر کر کے اس کی قمیض درست کرتے ہوئے بولی۔ "یہ لو۔ اب بولو۔ یہ سب کیوں کروا رہی ہو؟"

"تم میرے قریب ہو۔ یہ بتاؤ میرے لباس میں پرفیوم کی مہک ہے؟"

"تم نے یہ پوچھنے کے لئے یہ سب کچھ کروایا ہے؟"

ندا نے ہاں کے انداز میں سر کو ہلایا۔ فرح نے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "پرفیوم کی مہک تو کمرے میں آتے ہی ناک میں گھس رہی ہے۔ بائی داوے۔ یہ اتنی تیاری کس لئے ہو رہی ہے؟"

"آج میڈم میرا ناپ لیں گی۔ میرے قریب آئیں گی۔ اس لئے پرفیوم لگایا ہے۔" "کیا تیاری کی ہے؟"

"جب سے شاپنگ کر کے آئی ہو۔ تب سے کبھی منہ دھو رہی ہو۔ کبھی ہاتھ دھو رہی ہو۔ پھر مطمئن نہیں ہوئیں تو نہانے گھس گئیں۔ اب پرفیوم میں نہائی ہوئی ہو۔ یہ تیاری نہیں تو کیا ہے؟"

وہ اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے بولی۔ "یہ تیاری نہیں۔ صفائی ہے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔"

وہ گھر سے نکل کر اسٹاپ پر آئی۔ پھر بس میں بیٹھ کر سینٹر کی طرف جانے لگی۔ فاصلہ جیسے جیسے کم ہو رہا تھا۔ ویسے ویسے اس کی دھڑکنیں بڑھ رہی تھیں۔ اسے میڈم کی نگاہیں یاد آنے لگیں۔ وہ محظوظ ہونے کے باوجود عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

فاصلہ طے ہو گیا۔ وہ بس سے اتر کر سینٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ دل میں ہونے والی گدگدی اس کے ہاتھ پاؤں پھلا رہی تھی۔

دوسری طرف میڈم آرزو اپنے روم میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ انتظار کا مرحلہ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے اور یہ تکلیف اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھ کر سوچا۔ "یہ لڑکی کہاں رہ گئی؟ کیا آج نہیں آئے گی؟"

ایسے ہی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر کہا۔ "یس۔ کم ان۔"

دروازہ دھیرے دھیرے کھلتا چلا گیا۔ ندا نے اندر آ کر میڈم کو سلام کیا۔ وہ سلام کا جواب دے کر چہک کر بولی۔ "میں سمجھ رہی تھی کہ تم نہیں آؤ گی۔"

ندا بھی جواباً مسکرا دی۔ اس سے پوچھ سکتی تھی کہ وہ ایسا کیوں سمجھ رہی تھی؟ لیکن اس کے سامنے آ کر تو جیسے زبان ہی گنگ ہو جاتی تھی۔ میڈم آرزو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر کہا۔ "آؤ۔ بیٹھو!"

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ میڈم آرزو اپنی ریوالونگ چیئر کے بجائے اس کے سامنے میز پر ہی بیٹھ گئی۔ ندا نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے بڑے سے شاپنگ بیگ کو اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "اس میں تین سوٹ پیس ہیں۔ دیکھ لیں پتہ نہیں آپ کو پسند آئیں گے بھی یا نہیں؟"

وہ اس بیگ کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔ "تمہاری پسند میری پسند ہے انہیں دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ یہ بتاؤ۔ چائے پیو گی یا کولڈ ڈرنک؟"

ندا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "نہیں میڈم! میں کچھ نہیں پیوں گی۔"

میڈم آرزو نے اسے ایک ذرا خفگی سے دیکھا پھر کہا۔ "میں نے تمہیں کل کچھ کہا تھا؟"

ندا نے سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔ میڈم آرزو بولی۔ "میں نے کہا تھا۔ آئندہ مجھے میڈم نہ کہنا۔"

ندا کا سر جھک گیا۔ اسے یہ بات یاد تھی' لیکن وہ جان بوجھ کر کترا رہی تھی۔ وہ عمر میں اس سے ڈگنی تھی۔ اسے آنٹی خالہ یا باجی کچھ بھی کہا جا سکتا تھا' لیکن نام سے مخاطب کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اور اس کا نام بھی کچھ عجیب سا تھا۔ آرزو!

آرزو نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر جھکے ہوئے سر کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ندا! میں تمہاری ہچکچاہٹ سمجھ رہی ہوں۔ تم عمر کے فرق کو دیکھ رہی ہو۔ میں اس فرق کو تمہارے دماغ سے مٹانا چاہتی ہوں۔ محبت میں آپ جناب یا احترام نہیں ہوتا ہے۔ جس طرح تم میرے لئے ندا ہو۔ اسی طرح میں تمہاری آرزو ہوں۔"

ندا گردن اٹھائے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ کبھی نظریں ملا رہی تھی۔ کبھی چرا رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں۔ اس کی باتیں سمجھ میں آنے کی باوجود اسے الجھا رہی تھیں۔ وہ میز سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی۔ "میں جانتی ہوں۔ میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ تم ابھی نادان ہو۔ میں تمہیں الجھانا نہیں چاہتی۔ بس اتنا سمجھ لو کہ آئندہ مجھے میڈم نہیں کہو گی۔ صرف آرزو کہہ کر پکارو گی۔"

ندا نے تائید میں سر ہلایا۔ آرزو دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "وہ بیگ لے کر میرے پیچھے آؤ۔"

ندا فوراً ہی شاپنگ بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ آرزو نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اوپر ایک ہی کمرہ ہے۔ وہاں ہمیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

ندا اس کے پیچھے پیچھے زینہ طے کر کے اوپر آ گئی۔ وہ ایک کشادہ چھت تھی۔ آرزو نے ایک طرف بنے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔ "آؤ۔ یہی تمہارا کلاس روم ہے۔"

ندا اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی کمرے میں آئی تو ایک ذرا ٹھٹک گئی۔ وہ کلاس روم نہیں۔ ایک مکمل بیڈ روم تھا۔ آرزو نے دروازہ بند کر کے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

وہ تعجب سے کمرے کی چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔ بڑا سا بیڈ' صوفے' الماری' ڈائننگ ٹیبل' ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کمرے کو کسی نئی نویلی دلہن کے جہیز سے سجایا گیا ہے۔ آرزو ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "سلائی کا سارا سامان وہاں رکھا ہوا ہے۔"

ندا نے اِدھر دیکھا پھر کہا۔ "لیکن۔ یہ کمرہ تو کہیں سے بھی کلاس روم نہیں لگ رہا

ہے؟"

آرزو مسکراتی ہوئی بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "سیکھنے یا سکھانے کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی۔ ہم کمرے میں ہیں۔ کچھ لوگ تو اپنے استادوں سے ان کا فن سیکھنے کے لئے صحراؤں اور جنگلوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔"

ندا نے قائل ہو کر اسے دیکھا۔ آرزو نے کہا۔ "ایزی ہو کر بیٹھو۔ دوپٹہ اتار کر گلے میں ڈال لو۔ یہاں میری اجازت کے بغیر کوئی نہیں آئے گا۔"

ندا نے ذرا ہچکچا کر آرزو کی طرف دیکھا۔ پھر دوپٹے کو اتار کر دونوں شانوں پر ڈال لیا۔ آرزو نے پوچھا۔ "کیا تم گھر میں بھی اسی طرح چپ چپ رہتی ہو؟"

ندا نے مسکرا کر انکار میں سر ہلایا۔ آرزو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا واقعی؟ تو پھر یہاں کیوں خاموش رہتی ہو؟"

ندا شاپنگ بیگ میں سے سوٹ پیس نکالتے ہوئے ذرا ٹھٹک گئی آرزو کے سوال نے اسے ذرا سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنا محاسبہ کرنے لگی۔ گھر میں باتونی کہلانے والی اس کے سامنے آ کر کم گو کیوں بن جاتی ہے؟ اس کی باتیں کہاں گم ہو جاتی ہیں؟ بہت سوچنے کے بعد یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ وہ اس کے سامنے شرماتی ہے' لیکن کیوں شرماتی ہے؟ اس سوال کا جواب اسے نہ مل سکا۔

ابھی تو یہ سوچ سوچ کر گھبرا رہی تھی کہ وہ کچھ ہی دیر میں اس کا ناپ لے گی۔ اسے دوپٹہ اتارنے کو کہے گی اور اسے اس کی مرضی کے مطابق ہی عمل کرنا ہو گا۔ وہ سوچتے سوچتے ایک دم سے چونک گئی۔ آرزو اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھ رہی تھی۔ "کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

ندا اس کے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ آج اس کے چھونے سے بے چینی نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ عجیب سی مسرت حاصل ہو رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ تو دل جیسے سینے میں دھماکے کرنے لگا۔ وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ "وہ۔ کام شروع کریں؟"

وہ بڑے میٹھے انداز میں بولی۔ "شروعات تو کرنی ہی ہو گی' لیکن اس سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ ہمارے درمیان بے تکلفی کی فضا قائم ہو جائے۔ تم مجھ سے یوں کتراؤ گی' چپ چپ رہو گی' صرف میں بولتی رہوں گی تو بات نہیں بنے گی۔ تمہیں میرے ساتھ ہنسنا بولنا ہو گا۔"

ندا اس کی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی اور اپنے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کو دیکھ رہی

تھی۔ آرزو نے ذرا دباؤ ڈال کر پوچھا۔ "سمجھ رہی ہو ناں۔ میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

ندا نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "میں بھی چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ باتیں کروں، لیکن پتہ نہیں کیوں؟"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ آرزو مسکرا کر بولی۔ "میرے سامنے آتے ہی تمہاری زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ کیوں۔ یہی بات ہے ناں؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ آرزو نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کی پیٹھ پر رکھ کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ رفتہ رفتہ یہ جھجک ختم ہو جائے گی۔ تم مجھے اپنا سمجھنے لگو گی اور اپنائیت ہمیں ایک دوسرے کے بہت قریب لے آئے گی۔"

وہ بول رہی تھی اور دھیرے دھیرے اس کی پشت کو سہلا رہی تھی۔ ندا کی سانس جیسے رک رہی تھی۔ وہ اسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی۔ آرزو اس کی حالت سمجھ رہی تھی۔ پھر بھی انجان بن کر بولی۔ "کیا بات ہے؟ تم اچانک پریشان کیوں گئیں؟"

ندا جبراً مسکرائی پھر انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں۔ میں پریشان تو نہیں ہوں۔ آپ کی باتیں سن رہی ہوں۔"

"صرف سنو نہیں۔ سمجھنے کی بھی کوشش کرو۔"

وہ بڑی فرمانبرداری سے سرہلانے لگی۔ آرزو نے مسکرا کر سوچا۔ "اگر میں اس ساتھ بیٹھی رہوں گی تو یہ اسی طرح پریشان ہوتی رہے گی۔ نہ میری باتوں کو غور سے گی نہ سمجھے گی۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر الماری کے پاس جا کر بولی۔ "میں تمہیں اپنے بوتیک کے ڈیزائنوں کی البم دکھاتی ہوں۔"

وہ الماری کھول کر البم نکالنے لگی۔ ندا کی تو جیسے جان میں جان آگئی۔ وہ سنبھل بیٹھ گئی۔ آرزو نے البم لا کر اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھو! اور کی کوشش کرو۔ ہر ڈیزائین کے سامنے اس کی تفصیلات ہیں۔"

وہ اس البم کو کھول کر دیکھنے لگی اور آرزو اسے دیکھنے لگی۔ ندا تصویری ڈیزائنوں تفصیلات پڑھ رہی تھی۔ جب کہ آرزو ایک جیتی جاگتی تصویر کا سر سے پاؤں تک لے رہی تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے طور پر مصروف تھیں۔

☆======☆======☆

دل میں جذبے کروٹیں لینے لگیں تو نرم و گداز بستر پر بھی چین نہیں آتا۔ وہ کبھی اس کروٹ کبھی اس کروٹ بستر پر ایسے مچل رہی تھی جیسے دل میں رہنے والے کو پہلو میں تلاش کر رہی ہو۔ تڑپانے والے یوں آسانی سے نہیں ملتے۔ وہ کافی دیر تک تکئے سے الجھتی رہی۔ کمبل میں بھٹکتی رہی پھر تنگ آ کر اٹھ بیٹھی۔ دل تھا کہ صرف خیال سے بہلنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بستر کو گھورنے لگی۔ وہاں کی ایک ایک شکن سلمان کو پکار رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر زیرو پاور کے بلب کو آف کر دیا۔ بستر کی شکنیں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ کمرے میں مکمل تاریکی چھا گئی۔

وہ دھپ سے اوندھے منہ بیڈ پر گر پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ روشنی نہیں رہے گی تو وہ سکون سے سو سکے گی۔ اس نے دائیں طرف کروٹ لے کر آنکھیں موند لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ایسے ہی وقت کسی نے سرگوشی میں اسے پکارا۔ "صدف! صدف! سو گئیں کیا؟ صدف!"

پکارنے والے کا لہجہ دل میں اتر رہا تھا۔ کوئی پکار رہا تھا۔ اسے چونک کر اٹھ بیٹھنا چاہئے تھا۔ لائٹ آن کر کے کمرے کا جائزہ لینا چاہئے تھا' لیکن اس آواز نے تو جیسے اس پر نشہ طاری کر دیا۔ پلکوں پر ایسا خمار کا بوجھ آن پڑا تھا کہ وہ اٹھنا تو دور کی بات آنکھیں بھی کھول نہیں پا رہی تھی۔ پکار پھر سنائی دی۔ "صدف!"

وہ ایک ذرا کسمسا کر کروٹ بدلنا چاہتی تھی۔ مگر ٹھٹک گئی۔ سانسوں کی آنچ نے اسے پگھلا کر رکھ دیا۔ وہ بے خود سی ہو کر جہاں تھی' وہیں تھم گئی۔ وہ سانسیں کان کی لو سے رینگ کر گردن پر پھیل رہی تھیں۔ اسے مدہوش کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے زیر لب کہا۔ "سلمان! یہ تم ہی ہو ناں۔"

کان میں سرگوشی ابھری۔ "ہاں۔ تمہاری تنہائی میں بھلا کون آ سکتا ہے؟"

وہ آنکھیں موندے شکایت بھرے لہجے میں بولی۔ "اب تک کہاں تھے؟ میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہی تھی؟"

"تم مجھے باہر ڈھونڈ رہی تھیں جب کہ میں تمہارے اندر تھا۔"

"تم مجھے بہت تڑپانے لگے ہو۔"

"تڑپ ہی تو محبت میں شدت پیدا کرتی ہے۔"

"مجھے شدت نہیں........ تمہارا ساتھ چاہئے۔ سلمان!"

ایک گہری سانس ابھری پھر سرگوشی سنائی دی۔ "میں بھی تمہارا ساتھ چاہتا ہو لیکن اس کے لئے ہمیں ذرا انتظار کرنا ہوگا۔"

اس کا لمس اس کے شانے سے پھسل کر اِدھر سے اُدھر ہو رہا تھا۔ پھر کہیں، بھٹک کر کہیں ہو رہا تھا۔ گہری تاریکی میں یہی ہوتا ہے۔ سب ہی بھٹکتے ہیں۔ لمس بھٹکا بھٹکا؟ اس نے بڑی کمزور سی آواز میں پوچھا۔ "کتنا انتظار سلمان!؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی کی زبان بولتا رہا۔ وہ ایسی میٹھی بولی تھ سماعت کو کھنکائے بغیر اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ اس نے جذبوں سے نڈھال لہجے کہا۔ "کچھ تو بولو سلمان!؟"

ادھر وہ اپنے بستر پر تکیئے پر جھکا ہوا تھا۔ غنودگی میں بڑبڑایا۔ "کیا بولوں؟ تمہا قربت میری قوت گویائی چھین رہی ہے۔"

ادھر یہ مچل کر بولی۔ "اور تمہاری خاموشی میری جان لے رہی ہے۔"

اس کا ہاتھ تکیئے پر اِدھر سے اُدھر گیا۔ صدف کسمسا کر پلٹی۔ شدت خیال نے دو کو ہی اسیر کر رکھا تھا۔ پھر وہ اپنے اپنے بستر پر بھٹکنے لگے۔ ایک دوسرے کو تلاش کر لگے۔ پالینے کے جنون اور ہاتھ نہ آنے کی ضد نے جھنجھوڑ ڈالا۔

صدف ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول کر اٹھ بیٹھی۔ اپنے اردگرد نظریں دوڑا لگی۔ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی ٹیبل لیمپ آن کر تاریکی دور ہوتے ہی بات سمجھ میں آنے لگی۔

دوسری طرف سلمان بھی اٹھ بیٹھا تھا اور بڑی حسرت سے اپنے خالی بستر کو دیکھ تھا۔ چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں۔ وہ تصور میں آکر بہلا رہی تھی ایسے حسین دھوکے سے کون باز آسکتا ہے؟

وہ ایک بار پھر بستر پر گر پڑا۔ چوری نہیں کر سکتا تھا تو ہیرا پھیری کرنے لگا۔

☆=====☆=====☆

آگ سے صرف لکڑی نہیں............ آگ سے آگ بھی جل جاتی ہے، لیکن آرزو اسے جلا نہیں رہی تھی۔ صرف سلگا رہی تھی۔

ندا نے اپنے برابر لیٹی ہوئی فرح کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ندا نے ایک گہ سانس لے کر کروٹ بدل لی۔ حالات بھی کروٹ بدلتے ہیں۔ وہ بے خبر ہو کر سونے آج نہ جانے کیوں جاگ رہی تھی؟

نیند نہ آئے تو بستر چبھنے لگتا ہے۔ وہ کچھ دیر تک کروٹیں بدلتی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میڈم آرزو کسی نہ کسی بہانے سے خیالوں میں چلی آرہی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ بالی عمریا کی سوچ بھی کم نہیں ہوتی ہے۔ بہت دور تک سوچنے کے بعد بھی آرزو کا انداز اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

وہ فرش کو تک رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ایک دم سے چونک گئی۔ سر گھما کر کرسی کی پشت کو دیکھنے لگی۔ ذرا دیر پہلے ایسا لگا تھا جیسے اس کی پیٹھ پر کچھ رینگ رہا ہے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر اپنے لباس کو جھاڑنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔ خیالات اچانک ہی وہم کا روپ دھار لیتے ہیں۔

اس وقت وہ میڈم کے لمس کو یاد کر رہی تھی جب میڈم نے اپنا ہاتھ اس کی پشت پر رکھا تھا اور باتوں کے دوران سہلانے کے انداز میں اسے کبھی اوپر اور کبھی نیچے لے جا رہی تھی۔

ان لمحات میں وہ سمجھ نہ سکی تھی کہ وہ ہاتھ اس کے بدن پر اپنا تعارف پیش کر رہا تھا، اپنی پہچان کروا رہا تھا اور اب تنہائی میں وہ ٹھہر ٹھہر کر اسے یوں پہچان رہی تھی، یوں یاد کر رہی تھی جیسے بھولے ہوئے سبق کو ہجے کر کے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر سبق تو یاد ہوتا جاتا ہے لیکن اس کا مفہوم پلے نہیں پڑتا۔

وہ کچھ سمجھتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ میڈم کے ہاتھ کا لمس کیوں لاشعوری طور پر بھلا لگ رہا تھا؟ یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے۔ چوری چوری رینگ کر آنے والوں کو ایک دم سے سمجھ نہیں پاتی۔

فرح نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ "وہاں کیا کر رہی ہو؟"

ندا نے پلٹ کر فرح کو دیکھا پھر بات بناتے ہوئے کہا۔ "وہ کھٹکا ہوا تھا۔ میں دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں باہر کون ہے۔"

"یہ سلمان ہوگا............ رات کو اٹھ اٹھ کر کھاتا پیتا رہتا ہے اور صبح امی ہم سے پوچھتی ہیں، دودھ کی بالائی کہاں گئی؟"

ندا مسکراتی ہوئی اس کے برابر آکر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ ندا چھت کو تکتے ہوئے سوچنے لگی۔ "یہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ میں میڈم آرزو سے کتراتی کیوں ہوں؟ وہ بے چاری میرا اتنا خیال رکھتی ہیں۔ اس کے باوجود میں ان سے

ریزرو رہتی ہوں کہ انہیں شکایت کرنا پڑی۔ مجھے آئندہ اپنی طرف سے انہیں ایسا موقع نہیں دینا چاہئے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ صرف وہ بولیں اور میں سنتی رہوں۔ مجھے اپنی جھجک کو ختم کرنا ہی ہو گا۔"

اس نے کروٹ بدلی تو میڈم آرزو کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس نے کہا تھا کہ رفتہ رفتہ یہ جھجک ختم ہو جائے گی۔ تم مجھے اپنا سمجھنے لگو گی اور یہ اپنائیت ہمیں ایک دوسرے کے بہت قریب لے آئے گی۔

ندا نے زیر لب دہرایا۔ "بہت قریب؟"

میڈم آرزو کے قریب جانے کا سوچ کر ہی دل بے اختیار دھڑکنے لگتا تھا۔ اس وقت بھی پہلو میں دھماکے کرنے لگا۔ اس نے الجھ کر سوچا۔ "توبہ ہے.......... یہ میڈم آرزو بہت ہی الجھی ہوئی باتیں کرتی ہیں۔ میرے سر سے گزر جاتی ہیں' لیکن پھر بھی پتہ نہیں کیوں دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔"

وہ سوچتی رہی.......... الجھتی رہی۔ کبھی سوتی رہی.......... کبھی جاگتی رہی بعض حالات میں راتیں یوں بھی گزرتی ہیں۔ نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی رت جگا ہوتا ہے۔ ان کے اُلجھنے سے بات سلجھنے والی نہیں تھی۔

☆======☆======☆

دوسری صبح صدف سو کر اٹھی تو آنکھوں میں نیند کی خماری چھائی تھی۔ رات بھر وہ اس کے سائے میں جلتی رہی تھی۔ اس نے آئینے میں دیکھ کر ذرا شرما کر سوچا۔ "سلمان!.......... تم اسی طرح میرے خوابوں خیالوں میں آتے رہے تو ایک دن چٹک کر کلی سے پھول بن جاؤں گی۔ جس طرح تم مجھے ترساتے ہو کیا اسی طرح میرا تصور بھی تمہارے ساتھ رہتا ہے؟"

یہ سوچتے ہی وہ خیالوں میں کھو گئی کہ پتہ نہیں وہ اس کے خیالوں میں کس انداز سے آتی ہو گی؟ اسے کیسے تڑپاتی ہو گی؟ وہ تڑپ کر اسے آواز دیتی ہے' کیا وہ بھی اسے پکارتا ہو گا؟

یہ ایسے سوالات تھے جن کے جواب سلمان ہی دے سکتا تھا' لیکن وہ پوچھنے سے کتراتی تھی۔ کیوں کہ جو حق اسے تھا۔ وہی حق اسے بھی حاصل تھا۔ وہ بھی اس سے ایسے ہی سوالات پوچھ سکتا تھا۔ تو یہ کیا جواب دیتی؟ اس کے سامنے کیسے اپنی تنہائی کو بیان کرتی؟

وہ منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی تو گھڑی میں وقت دیکھ کر چونک گئی۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے اور وہ اسکول سے لیٹ ہو چکی تھی۔ سر تھام کر دھپ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ پل پل کی ملاقات ہو اور اس میں بھی ناغہ ہو جائے تو جھنجلاہٹ ہوتی ہے۔ وہ خود پر غصہ کرنے لگی۔

پھر انٹرکام پر ڈرائیور سے بولی۔ "ہیلو ڈرائیور!.......... گھڑی میں وقت دیکھو۔ صبح کے آٹھ بج رہے ہیں اور اسکول کا ٹائم ساڑھے سات بجے ہے۔ میں سوتی رہ گئی تو کیا تم بھی سوتے رہے تھے؟ کیا صبح کسی ملازم کے ذریعے مجھے جگا نہیں سکتے تھے؟ تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ چھٹی کسی وجہ سے بھی ہو مجھے جھنجلاہٹ ہوتی ہے۔ اب بولو میں کیا کروں؟ تمہاری اس نااہلی کی کیا سزا دوں؟ تمہیں پتہ نہیں میرا ریگولر جانا کتنا ضروری ہے؟"

وہ بولتی چلی جا رہی تھی اور اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ ذرا سانس لینے کو رکی تو ڈرائیور جلدی سے بولا۔ "بی بی جی!.......... آپ نے وقت تو دیکھ لیا' لیکن دن اور تاریخ نہیں دیکھی۔ کیلنڈر دیکھیں۔ آج اتوار ہے اور آج کے دن اسکول کی چھٹی ہوتی ہے۔"

صدف نے کیلنڈر دیکھا۔ موٹے موٹے سرخ حروف میں لکھی سولہ تاریخ اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس نے ریسیور کو کان سے ہٹا کر گھورا۔ پھر کچھ کہے بغیر کریڈل پر پٹخ دیا۔ عشق کی گھاتیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ اچھے بھلے انسان کو بے وقوف بنا دیتی ہیں۔

وہ کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگی پہلے تو اسکول سے لیٹ ہونے پر جھنجلا رہی تھی اور اب اپنی بے وقوفی پر غصہ کر رہی تھی۔ ایک ملازم نے دروازے پر دستک دے کر اندر آتے ہوئے کہا۔ "بی بی جی!.......... ناشتہ تیار ہے۔"

"ہاں.......... یہیں لے آؤ۔"

ملازم پلٹ کر چلا گیا۔ وہ کچھ دیر ٹہلتی رہی' پھر لباس تبدیل کرنے واش روم میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر آئی تو ملازم ناشتہ لا چکا تھا۔ وہ صوفے پر آ کر بیٹھی تو ملازم نے پوچھا۔ "اور بی بی جی!..........؟"

وہ میز پر رکھے ناشتے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "بس ٹھیک ہے.......... جاؤ۔"

ملازم چلا گیا۔ وہ ایک توس پر جام لگا کر کھانے لگی۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ادھر دیکھا پھر کہا۔ "کم اِن.........."

اس کی ممی بی پاشا بیگم دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے بولی۔ "او مائی ڈرالنگ!.......... تم اٹھ گئیں؟"

وہ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے ناشتہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ظاہر ہے ممی! اٹھ چکی ہوں۔ تب ہی ناشتہ کر رہی ہوں؟"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "اوہ میری جان!.......... تم کتنی جینئس ہو؟ اتنی بڑی ہو گئی ہو کہ اپنی ممی کی غلطیاں پکڑنے لگی ہو۔"

وہ چائے کا گھونٹ حلق سے اتار کر بولی۔ "بڑوں کی غلطیاں چھوٹے ہی پکڑتے ہیں۔ یہ بتائیے اتنی صبح آپ میرے پاس کیوں آئی ہیں؟ آپ کے تو دن سوتے ہیں اور راتیں جاگتی ہیں؟ پھر آپ اتنی صبح کیسے جاگ گئیں؟"

وہ بڑی ادا سے مسکرا کر بولی۔ "اوہ مائی لٹل بے بی!.......... کچھ بزنس ڈیلنگز دن کے اجالے میں بھی ہوتی ہیں اور جہاں کروڑوں کی بات ہو۔ وہاں تو نیندیں ہی اڑ جاتی ہیں۔"

بی پاشا بیگم اکثر ہی کروڑوں اور اربوں کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ صدف اس کو نظرانداز کر کے ناشتہ کرتی رہی۔ اس نے پوچھا۔ "تم میری باتیں سن رہی ہو ناں؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "جی.......... سن رہی ہوں۔ آپ بولتی رہیں۔"

"یو نو..........؟ میں ساری رات جاگتی رہی ہوں۔ سلیپنگ پلز بھی لی تھیں۔ مگر نیند آئی ہی نہیں۔ پھر کافی دیر انٹرنیٹ سے دل بہلاتی رہی۔ اپنی فرینڈ سے باتیں کرتی رہی۔ بس جی چاہ رہا تھا کہ جلدی سے رات گزرے اور صبح ہو جائے۔"

صدف ایک ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔ "ایسی کیا بات ہے جس نے آپ کا سکون چھین لیا ہے؟"

"اوہ نو مائی ڈرالنگ!.......... میرا سکون تباہ نہیں ہوا تھا۔ میری نیند تو خوشی کے مارے اڑی ہوئی تھی۔"

یہ کہہ کر وہ صوفے پر سے اٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں کو مٹھیوں کی صورت بھینچ کر بڑے جوش سے بولی۔ "آج میں بہت خوش ہوں.......... بہت زیادہ.........."

صدف نہ تو اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھی اور نہ ہی کسی تجسس میں مبتلا ہو رہی تھی۔ ضرور کوئی نیا بزنس ہاتھ آنے والا ہو گا۔ یا یہ شروع کرنے والی ہو گی اور ایسا ہر مہینے میں ایک دو بار ضرور ہوتا تھا۔ صدف صوفے پر سے اٹھ کر آئینے کے سامنے آ گئی۔

بالوں میں برش کرنے لگی۔ بی پاشا بیگم نے اس کے پیچھے آ کر اس کے دونوں شانوں کو تھام لیا۔

پھر کان میں جھک کر کہا۔ "تم سوئیٹ سکسٹین (Sweet Sixteen) ہو اور میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہاری اس عمر میں کوئی تمہیں پسند کر لے گا۔"

وہ ایک دم سے چونک کر پلٹی سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ "انہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اور سلمان ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں؟"

اس نے پوچھا۔ "ممی..........! آ.......... آپ.......... کہنا کیا چاہتی ہیں؟ مجھے کس نے پسند کیا ہے؟"

وہ اس کی پیشانی کو چوم کر بولی۔ "میں نے تمہاری ایک تصویر ای میل کے ذریعے اپنی ایک کزن کو بھیجی تھی۔ وہ فرینکفرٹ میں رہتی ہے۔ تم سنتی ہی رہتی ہو میں اکثر زبیدہ کا ذکر کرتی ہوں۔"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔ "زبیدہ کو ہی میں نے تصویر بھیجی ہے۔ اس کے بیٹے جبران نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ بہت ہی ہینڈ سم اور اسمارٹ بوائے ہے۔ مجھے اور تمہارے ڈیڈی کو تو بہت ہی پسند آیا ہے۔ تم بھی اسے دیکھو تو تمہیں بھی پسند آئے گا۔ میں نے اسے تمہارا ای میل ایڈریس دیا تھا۔ کیا کل رات تم نے اپنا کمپیوٹر آن کیا تھا؟"

صدف خاموش تھی۔ اس نے انکار میں سر ہلا کر ماں کو دیکھا۔ وہ بولیں۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں کوئی خاص ای میل بھیجنے والا ہے۔"

وہ ماں کی طرف سے منہ پھیر کر دوبارہ برش کرنے لگی۔ بی پاشا نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "مجھے لگتا ہے۔ تم میری باتوں کو غور سے سن نہیں رہی ہو۔"

وہ ایک ذرا لاپرواہی سے بولی۔ "سن تو توجہ سے رہی ہوں۔ مگر اہمیت نہیں دے رہی ہوں۔"

ماں نے ایک دم سے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "وٹ ڈو یو مین۔ میری باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ کوئی کسی کو پسند کرے تو یہ سن کر اچھا لگتا ہے، لیکن تم بے زاری ظاہر کر رہی ہو۔"

صدف آئینے میں ماں کو دیکھ کر بولی۔ "ممی!.......... پسند جبران نے مجھے کیا ہے۔ میں نے تو انہیں پسند نہیں کیا؟"

ماں اسے دونوں بازوؤں کی گرفت میں لے کر بولی۔ "اوہ میری جان! یہ تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہے۔ تم اس کا ای میل پڑھو۔ اس کی تصویر دیکھو۔ پھر اپنا فیصلہ سنا دو' لیکن خواہ مخواہ ریجیکٹ کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ ہم نے بھی اسے کچھ سوچ کر ہی پسند کیا ہو گا۔"

صدف نے ناگواری سے سوچا۔ "اونہہ۔ آپ کی پسند پیسہ............ آپ کی سوچ پیسہ............ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ آپ نے جبران کو نہیں بلکہ اس کی دولت' بزنس اور جائیداد کو پسند کیا ہو گا۔ ادھر جبران نے بھی مجھے نہیں............ ڈیڈی کی تمام دولت و جائیداد کو پسند کیا ہو گا۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ اس حوالے سے یہ سب کچھ میرا ہی ہو گا اور وہ مجھے اپنا کر میری دولت کو اپنانا چاہتا ہے۔ یہی ہائی سوسائٹی کے رولز ہیں' لیکن میں ان اصولوں کو نہیں مانوں گی۔"

بی پاشا نے پوچھا۔ "اوہ جان!............ تم کہاں کھو گئی ہو؟"

وہ چونک کر بولی۔ "آں............ کہیں نہیں............ یہیں ہوں آپ کے پاس۔"

"تو میری جان!............ جلدی سے کمپیوٹر آن کر کے اس کا ای میل پڑھو۔ اس کی تصویر دیکھو۔"

وہ تنہائی چاہ رہی تھی۔ ماں کی کاروباری باتیں اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر بولی۔ "ٹھیک ہے۔ آپ جائیں۔ میں دیکھ لوں گی۔"

ماں ہاں کے انداز میں سر ہلا کر جانے لگی۔ پھر دروازے پر رک کر بولی۔ "سنو ڈارلنگ!............ دل سے دیکھنا۔ وہ ضرور پسند آئے گا۔ بیسٹ آف لک۔"

اس نے ناگواری سے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر منہ پھیر لیا۔ ایسے وقت سلمان شدت سے یاد آ رہا تھا۔ اتوار کے دن آمنا سامنا نہیں تھا' لیکن فون کے ذریعے لمبی باتیں ہوتی تھیں۔ اس کے گھر فون نہیں تھا۔ وہ پی سی او کے ذریعے اس سے رابطہ کرتا تھا۔ وہ اپنے ٹیلی فون کو بے بسی سے دیکھ کر بولی۔ "اوہ سلمان!............ کہاں ہو؟"

وہ وقت دیکھنے لگی ابھی نو بجے تھے اور وہ دن کے بارہ بجے کے بعد فون کرتا تھا۔ ابھی تین گھنٹے باقی تھے۔ وہ بے بسی سے ٹہلنے لگی۔ اپنے طور پر اس سے کوئی رابطہ نہیں کر سکتی تھی۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے بی پاشا بیگم کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ڈیئر!............ کیسا لگا جبران؟"

وہ بے زاری سے بولی۔ "اوہ ممی!............ آپ کو ایسی جلدی کیا ہے؟"

"اوہ جان!............ تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ میں بہت خوش ہوں۔"

اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "جبران نے مجھے پسند کیا ہے' لیکن مجھ سے زیادہ آپ خوش نظر آ رہی ہیں۔ پلیز ممی!............ اپنی خوشی سے مجھے پریشان نہ کریں۔"

"تمہیں ایک اچھا لائف پارٹنر مل رہا ہے۔ تو کیا ہمیں خوشی نہیں ہونی چاہئے؟"

"مگر ممی!............ ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟"

"بات عمر کی نہیں ہے اور ہم کون سا ابھی تمہاری شادی کرنے والے ہیں۔ ابھی تو تمہیں اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "تو پھر یہ سب کچھ کیوں ممی؟"

"اوہ جان!............ تم ابھی معصوم اور نادان ہو۔ ایسے معاملات نہیں سمجھتی ہو۔ زندگی میں جب کوئی سنہری موقع ملے تو اسے فوراً کیچ کر لینا چاہئے۔ جبران ایک جینئس لڑکا ہے۔ وہ آئندہ ہمارے کاروبار میں بہت سپورٹ فل ثابت ہو گا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہاری طرح اکلوتا ہے۔ بگ فیملی کا جھنجھٹ بھی نہیں ہے۔ تم اس سے دوستی کرو۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "ممی!............ پلیز آپ جانتی ہیں مجھے یہ سب کچھ پسند نہیں ہے۔"

"جانتی ہوں............ لیکن ڈارلنگ!............ ایک دوسرے کا مزاج جاننے کے لئے دوستی تو کرنی پڑتی ہے۔ تم اپنے کسی کزن سے فری نہیں ہوتی ہو۔ ہر کوئی تمہاری طرف جھکتا ہے' لیکن تم انہیں نظرانداز کر دیتی ہو۔ بلکہ اکثر پارٹیز تو اٹینڈ ہی نہیں کرتی ہو۔ یہ ہماری سوسائٹی کے خلاف ہے' لیکن میں برداشت کرتی ہوں۔ تم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالتی ہوں۔ تم جو کہتی ہو مان لیتی ہوں' لیکن جبران کے معاملے میں تمہیں میرے مشوروں پر عمل کرنا ہو گا۔"

وہ ایک گہری سانس بھر کر سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ "بقول آپ کے وہ اپنے ڈیڈی کا بزنس سنبھال رہے ہیں۔ تو ان کی عمر کیا ہو گی؟"

"وہ تم سے آٹھ نو سال ہی بڑا ہے اور شادی کے لئے یہ فرق بالکل صحیح ہے۔ میری جان!............ ہم تمہارے لئے کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ ہم پر بھروسہ رکھو۔ کیا اپنی ممی کے کہنے پر صرف دوستی کا ہاتھ بھی نہیں بڑھاؤ گی؟"

"ٹھیک ہے............ لیکن ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط.........؟"

"آپ مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گی۔ وہ مجھے پسند آئیں گے تو ہی بات آگے بڑھائیں گی۔ بولیں۔ منظور ہے؟"

"منظور ہے............ لیکن انکار کی کوئی ٹھوس وجہ ہونی چاہئے۔"

اس نے کچھ دیر سوچ کر او کے کہا پھر ریسیور رکھ دیا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ اس کے ڈیڈی کو ایک پکے بزنس مین داماد کی ضرورت تھی جو ان کے کاروبار کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ کا باعث بھی بنتا۔ اکثر بڑے لوگوں کو اپنا بزنس وسیع کرنے کا ایک ہی راستہ سجھائی دیتا ہے۔

وہ ایک گہری سانس بھر کر کمپیوٹر کو دیکھنے لگی۔ پھر اسے آن کر کے آپریٹ کرنے لگی۔

☆======☆======☆

جس طرح سیارے سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اسی طرح سے بچے اپنے والدین کے گرد گردش کرتے رہتے ہیں، لیکن نعمان ایسی اولاد تھا جو خود مرکز بن کر اپنی ماں کو گردش میں رکھتا تھا۔

پرسوں رات کو اس کی ماں نے اس کے ہاتھ پر بارہ سو روپے رکھے تھے کہ وہ جرمانے کی رقم ادا کر دے۔ اس کی دوسری صبح وہ جاب کی تلاش میں نکلا تھا اور رات گئے گھر لوٹا تھا۔ ماں سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ اس کے کمرے میں آئی تو بستر خالی تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر بیٹا کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ "یہ اتنی صبح کہاں جا سکتا ہے؟"

وہ کمرے سے باہر آ کر اسے سب جگہ تلاش کرنے لگی۔ اتوار کی وجہ سے ندا اور فرح ابھی تک سو رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے میں آ کر بولی۔ "دن سر پر چڑھا آ رہا ہے اور یہ لڑکیاں ابھی تک پڑی سو رہی ہیں۔ میں کہتی ہوں اٹھو!............ صبح کے نو بج رہے ہیں۔"

وہ دونوں نیند میں کسمسائیں۔ ندا نے فرح کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ "اٹھو!............ امی بلا رہی ہیں۔"

وہ کروٹ بدل کر بولی۔ "وہ مجھے نہیں............ تمہیں بلا رہی ہیں۔"

شکیلہ بیگم ان کی تکرار سن رہی تھی۔ ڈانٹتے ہوئے بولی۔ "میں کسی ایک کو نہیں۔ تم دونوں کو جگا رہی ہوں۔ اٹھو! کیا............ نیستی پھیلا رکھی ہے؟"

ندا کسمسا کر بولی۔ "اوہ امی!............ کیوں اتنی جلدی جگا رہی ہیں؟ آج تو اتوار ہے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "کیوں............ اتوار کو کیا سورج نہیں نکلتا؟"

پھر اس نے فرح کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "نعمان کب آیا تھا؟"

"پتہ نہیں امی!............ جب تک میں جاگ رہی تھی۔ تب تک تو نہیں آیا تھا۔"

ماں نے یہی سوال ندا سے کیا۔ وہ بولی۔ "مجھے بھی نہیں پتہ .... آپ نعمان بھائی سے ہی پوچھ لیں کہ وہ کب آئے تھے؟"

"وہ ہو گا تو پوچھوں گی ناں؟ پتہ نہیں اتنی صبح کہاں گیا ہے۔"

فرح اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بالوں کو لپیٹ کر بولی۔ "کہیں کام سے گیا ہو گا۔ آجائے تو پوچھ لیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے......... لیکن تم لوگ تو اٹھو اور سلمان کو بھی اٹھاؤ۔ چھٹی کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ دن چڑھے تک سوتے رہو۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی ان کے کمرے سے چلی گئی۔ ندا بولی۔ "آج صاحب زادے جلدی اٹھ گئے ہیں تو ہمیں بھی جلدی اٹھا رہی ہیں۔ نیند کا مزا تو چھٹی کے دن ہی آتا ہے۔"

فرح بستر سے اترتے ہوئے بولی۔ "نیند کا چٹخارہ زندگی تباہ کر دیتا ہے۔ میں ناشتہ تیار کرنے جا رہی ہوں۔ دو منٹ میں اٹھ کر میرے پیچھے آجانا۔"

وہ انگڑائی لیتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "ہفتے بھر کی نیند پوری کرنے کا ایک دن ہی ملتا ہے۔"

فرح واش روم میں چلی گئی تھی۔ وہاں سے بولی۔ "دوپہر کو نیند پوری کر لینا ابھی اٹھ جاؤ۔"

ندا بستر سے اتر کر بالوں کو لپیٹ کر آئینے کے سامنے آئی۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی رات تھی جو سوچتے اور جاگتے ہوئے گزری تھی۔ فرح واش روم سے آواز دے کر بولی۔

"اٹھ گئی ہو تو سلمان کو جگا دو۔"

ندا اپنے کمرے سے نکل کر سلمان کے کمرے کی طرف جانے لگی۔ تو وہاں سے ماں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی۔ فرح واش روم سے باہر آکر ہات منہ پونچھ رہی تھی۔ ندا بولی۔ "آج کی باسی خبر' امی معمول کے مطابق نعمان بھائی کے لیے پریشان ہیں۔ میں تو سوچتی ہوں اگر وہ اتنا تمہارے لئے پریشان ہوتیں تو تمہاری شادی ہو چکی ہوتی۔"

فرح اسے پیار سے گھورتے ہوئے بولی۔ "صبح صبح فضول باتیں نہ کرو۔"

وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "اوہو فضول باتیں؟ دل میں ان ہی باتوں سے لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔"

فرح شرما کر مسکرائی پھر بولی۔ "اچھا مجھے چھوڑو......... ناشتے کو دیر ہو رہی ہے؟

منہ ہاتھ دھو کر فوراً کچن میں آجاؤ۔"

فرح خود کو ندا کی گرفت سے آزاد کروا کے کچن میں آگئی۔ شادی کی بات پر شعیب کی یاد اچانک ہی شدت اختیار کر گئی۔ وہ پندرہ روز پہلے آیا تھا۔ فرح نے الجھ کر سوچا۔ "شعیب ملاقات کے معاملے میں بہت ہی کنجوس ہے۔ لڑکا ہے۔ کسی بھی بہانے سے آسکتا ہے۔ ہم لڑکیوں کی طرح پابند تو نہیں ہے۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں......... اتنے دنوں بعد آتا ہے؟ اس بار آئے گا تو اچھی طرح پوچھوں گی۔ کیا میری یاد اسے نہیں تڑپاتی ہے؟ آج اتوار ہے ہو سکتا ہے آج وہ آجائے۔"

ماں کی آواز پر وہ چونک گئی۔ وہ اسے پکارتی ہوئی کچن میں آکر بولی۔ "تم لوگوں کو کچھ خبر بھی ہے؟"

ماں گڑبڑائی ہوئی تھی۔ ذرا سانس لینے کے لئے رکی تو فرح نے پوچھا۔ "کیا ہو گیا؟ اتنی پریشان کیوں ہیں؟"

"بات ہی پریشانی کی ہے۔ وہ نعمان رات سے گھر نہیں آیا ہے۔"

فرح نے چونک کر پوچھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ بھلا رات کہاں گزارے گا؟"

"پتہ نہیں......... میرا تو دل ہول رہا ہے۔ گھبراہٹ سی ہو رہی ہے ذرا دو گھونٹ پانی تو پلاؤ۔"

ماں دل تھام کر کچن کی دہلیز پر ہی بیٹھ گئی۔ فرح نے پانی کا بھرا گلاس اسے دے کر پوچھا۔ "آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ رات کو گھر نہیں آیا ہے؟"

ماں ایک ہی سانس میں گلاس کا پانی ختم کر کے بولی۔ "میں سلمان کو جگانے گئی تھی۔ تو پتہ چلا۔"

فرح سوچ میں پڑ گئی۔ شکیلہ بیگم دونوں ہاتھوں سے سینہ تھام کر بولی۔

"یا اللہ!......... میں کیا کروں؟ اسے کہاں ڈھونڈوں؟ تمہارے ابو بھی گھر پر نہیں ہیں۔"

ندا نے وہاں آتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا امی؟"

فرح اسے بتانے لگی۔ ندا نے پوری بات سننے کے بعد کہا۔ "وہ کل جاب کی تلاش میں نکلے تھے۔ تعجب ہے گھر کیوں نہیں آئے؟"

شکیلہ بیگم روتے ہوئے بولی۔ "تم سب کی ضد تھی ناں......... کہ وہ جاب ڈھونڈے؟ اب بولو اس ملازمت ڈھونڈنے والے کو میں کہاں تلاش کروں؟ پتہ نہیں میرا

بچہ کہاں اور کس حال میں ہو گا؟"

وہ دونوں بھی تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ فرح بولی۔ "سلمان کو اس کے دوستوں کے پاس بھیجیں۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دوست کے گھر ہو۔"

شکیلہ بیگم آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بولی۔ "اس نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔ نے سلمان سے کہا ہے۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر جائے گا۔"

ندا ماں کے برابر بیٹھ گئی۔ پھر اس کے شانے کو تھپک کر بولی۔ "امی آپ پریشان ہوں۔ خدا خیر کرے گا۔"

ماں بولی۔ "سب اپنی اپنی چلاتے ہیں۔ میں نے پرسوں رات ہی کہہ دیا تھا کہ اسے ملازمت کے لئے نہ جانے دو' لیکن ماں کے دل کو کون سمجھتا ہے؟ میرا دل تو اس وقت گھبرا رہا تھا' لیکن تم لوگوں کے سامنے مجبور تھی۔ چپ رہی۔"

فرح بولی۔ "امی!.......... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ملازمت ڈھونڈنے تو سب جاتے ہیں۔"

ماں ہاتھ نچا کر بولی۔ "ہاں.......... جانتی ہوں۔ جاتے ہیں پھر واپس بھی آتے ہیں' لیکن بری گھڑی کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ ماں کا دل تڑپتا رہا۔ انکار کرتا رہا۔ مجھے قدرت کی طرف سے اشارہ مل رہا تھا' لیکن میں تم لوگوں کے کہنے میں آ گئی۔"

سلمان اپنے کمرے سے تیار ہو کر باہر آیا۔ پھر بیرونی دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "امی! .... میں نعمان بھائی کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔"

وہ دہلیز پر سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر بولی۔ "ہاں بیٹا!.......... جاؤ خدا تمہیں کامیاب کرے اور دیکھنا.......... کسی ایک دوست کے گھر کو بھی نظر انداز نہ کرنا۔ صبح تمہارے ابو نے مجھے ناشتے کے لئے جگایا ہوتا تو یہ بھاگ دوڑ اسی وقت شروع ہو جاتی اور اب تک اس کا پتہ بھی چل چکا ہوتا۔"

سلمان دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ شکیلہ بیگم اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ندا اور فرح کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ نعمان اچانک کہاں چلا گیا؟

سلمان دو گھنٹے تک بھٹکتا رہا' لیکن نعمان کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ "گھر جانے سے پہلے صدف کو فون ہی کر لوں۔ دن بھر نعمان بھائی کے چکر میں الجھا رہوں گا۔ تو وہ ناراض ہو جائے گی۔"

وہ ایک پی سی او میں آ کر صدف کے فون نمبر ڈائل کرنے لگا رابطہ ہونے پر اس کی

آواز سنائی دی۔ "ہیلو.......... کون..........؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اور کون ہو سکتا ہے..........؟"

صدف خوشی سے چہک کر بولی۔ "کیا بات ہے۔ بڑی جلدی فون کر لیا..........؟"

"ہاں.......... یہاں ہمارے گھر میں ٹینشن ہے۔ میرے بڑے بھائی کل رات سے گھر نہیں آئے ہیں۔ امی بہت پریشان ہیں۔ میں نعمان بھائی کو ہی تلاش کرنے نکلا تھا۔ دو گھنٹے سے بھٹک رہا ہوں' لیکن ان کا اب تک کچھ پتہ نہیں چلا۔"

محبوب کسی مشکل میں ہو تو محبوبہ کے دل پر اثر ہوتا ہی ہے۔ وہ بولی۔ "میں نعمان بھائی کو جانتی تو نہیں ہوں' لیکن تمہارے حوالے سے ان کی گمشدگی پر پریشان ہو گئی ہوں۔ تم مجھے فون کرنے کے بجائے گھر جاتے۔ ہو سکتا ہے' وہ تمہارے پیچھے وہاں آ گئے ہوں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' لیکن' تمہیں فون نہ کرتا تو تم بھی تو پریشان ہوتیں۔"

صدف اس سے جبران کے سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی' لیکن اس کی پریشانی سن کر خاموش رہی۔ سلمان بولا۔ "تم خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"میں سوچ رہی ہوں کہ ایسے وقت تمہیں اپنے گھر والوں کے درمیان رہنا چاہئے۔"

"ہاں.......... یہ تو ہے۔ مگر تم سے بات کر کے ذرا ذہن فریش ہو گیا ہے۔"

صدف مسکرا کر بولی۔ "کوئی بات نہیں.......... تم مجھ سے شام کو رابطہ کر لینا اور اپنے بھائی کے متعلق بتانا پھر میں بھی تم سے کچھ ضروری باتیں کروں گی۔"

سلمان ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "بات ہوئی بھی لیکن ادھوری.......... تشنگی رہ گئی ہے۔ میری کال کا انتظار کرنا۔"

"ٹھیک ہے.......... میں ریسیور رکھ رہی ہوں۔ اب تم گھر جاؤ۔"

☆======☆======☆

صدف نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور کمپیوٹر کی اسکرین کو دیکھنے لگی۔ جبران عرف ہنی کا پیغام وہاں لکھا ہوا تھا۔ اس نے بڑے موٹے موٹے الفاظ استعمال کر کے اس سے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

اس کی تحریر سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ اسے دیکھنے اور ملنے کے لئے سات سمندر پار بے چین ہو رہا ہے۔ وہ شعوری طور پر نہ سہی لیکن لاشعوری طور پر اندر ہی

اندر خوش ہو رہی تھی۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کو تڑپا کر خوش ہوتا ہے
صدف لاشعوری طور پر اس محبت بھرے پیغام کی طرف جھک رہی تھی۔ مگر شعوری
طور پر اس سے نفرت کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جبران اس کے اور سلمان
درمیان آ رہا ہے۔

اور وہ واقعی وہ آنے والا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ کل رات کی فلائٹ سے پاکستان
رہا ہے۔ لہٰذا وہ اسے لینے کے لئے ایئرپورٹ ضرور آئے۔

صدف نے ایک نظر اس کی تصویر کو دیکھا۔ اچھا خاصا خوبرو نوجوان تھا۔ کسی
لڑکی کا آئیڈیل بن سکتا تھا' لیکن وہ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہی تھی۔ اس کی سو
محور صرف سلمان تھا۔ اس کی پہلی محبت اور آخری بھی لیکن موت سے پہلے آخری کچھ
نہیں ہوتا۔

☆======☆======☆

سلمان گھر پہنچا۔ تو ماں کو گھر کی دہلیز پر پاتے ہی سمجھ گیا کہ نعمان ابھی تک نہیں
ہے شکیلہ بیگم لپک کر اس کے قریب آئی۔ پھر بولی۔ "کیا ہوا.......... میرے نعمان کا
پتہ چلا؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر ماں کو دیکھا۔ اس کی مایوسی بھری ناں نے شکیلہ بیگم
جیسے تڑپا دیا۔ وہ روتے ہوئے اس کا بازو تھام کر بولی۔ "یااللہ!.......... میرا بچہ کہاں
گیا؟"

سلمان گلی میں تماشہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ ماں سے بولا۔ "امی!.......... اندر چلیں۔"
ماں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "میں اندر کیا جاؤں؟ میرا نعمان باہر بھٹک
ہے۔ مجھے اندر چین کیسے آئے گا۔ اپنے ابو کو بلاؤ۔ وہی کچھ کریں گے۔"

ماں بلک بلک کر رونے لگی۔ سلمان سے اس کا رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ
شانوں سے تھام کر گھر میں لے آیا۔ ندا اور فرح صحن میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھی
تھیں۔ سلمان نے ماں کو وہاں بٹھا کر فرح سے کہا۔ "امی کے لئے پانی لے آؤ۔"

فرح اٹھ کر چلی گئی۔ وہ بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں چلے گئے؟ ان
دوست بھی انہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

فرح نے پانی کا گلاس لا کر ماں کو دیا۔ وہ گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارنے لگی۔
نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔ "رشتہ داروں کا سوچنا تو فضول ہی ہے۔ وہ کسی کے گھر

جاتے ہیں۔ سلمان!.......... تم اور ان کے دوست مختلف ہسپتالوں میں جا کر.........."

اس کی بات مکمل نہ ہو سکی۔ شکیلہ بیگم کو ایک زور کا ٹھسکا لگا وہ بری طرح کھانسنے
لگی۔ سلمان جلدی سے اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔ کچھ دیر بعد ذرا دم میں دم آیا تو وہ ندا کو
گھور کر بولی۔ "کیوں بد فالیں منہ سے نکال رہی ہو..........؟ اس کی خیریت سے واپسی کی
دعائیں مانگنے کے بجائے ہسپتالوں کا نام لے رہی ہو۔"

سلمان نے ندا کی حمایت میں کہا۔ "امی!.......... یہ غلط نہیں کہہ رہی ہے۔ نعمان
بھائی کچھ دیر اور نہ آئے تو ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔ ان کے دوستوں نے بھی مجھے یہی
مشورہ دیا ہے۔"

شکیلہ بیگم دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ کر بولی۔ "یااللہ!.......... یہ کیا ہو رہا ہے؟
یہ کیسی آزمائش ہے؟ میرا تو کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔"

پھر اس نے فرح کو دیکھ کر کہا۔ "جاؤ.......... میری چادر لے کر آؤ۔"

سلمان نے پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "ماں کی پکار تو ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔ میری صدا
میرے بچے تک بھی جائے گی۔ میں اسے ڈھونڈوں گی.........."

سلمان نے بڑی محبت سے ماں کو دیکھا پھر کہا۔ "نہیں امی!.......... میں ہوں
ناں.......... میرے ہوتے ہوئے آپ کہیں نہیں بھٹکیں گی۔ میں انہیں پھر تلاش کرنے
جاؤں گا۔ آپ گھر میں رہ کر ان کی واپسی کی دعا کریں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"یااللہ!.......... میرے بچے کو خیر خیریت سے گھر پہنچا دے۔"

سلمان ایک بار پھر نعمان کو تلاش کرنے گھر سے نکل گیا۔ ماں اپنے کمرے میں جا کر
جاء نماز پر بیٹھ گئی۔ گھر میں عجیب سوگواری سی چھا گئی تھی۔ وہ دونوں بھی اپنے کمرے میں
آ گئیں۔ ندا نے فرح کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "نعمان بھائی کے غائب
ہونے کے پیچھے ضرور کوئی وجہ ہے۔"

"کیسی وجہ..........؟"

ندا گہری سنجیدگی سے بولی۔ "شہر میں چھوٹے بڑے حادثات تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔
امی اس پہلو سے کبھی نہیں سوچیں گی' لیکن ہمیں دانش مندی سے سوچنا ہو گا۔ ایک وجہ
تو ایسی کوئی ناگہانی آفت ہی نظر آتی ہے اور دوسری وجہ جو مجھے پریشان کر رہی ہے۔ وہ یہ

کہ ہم سب ہی جانتے ہیں۔ نعمان بھائی بہت بڑے ڈرامہ باز ہیں۔ وہ یا تو کسی ... چھپا رہے ہیں۔ یا پھر امی کے جذبات سے کھیل کر آئندہ ملازمت کے سلسلے میں باہر ... کے راستے ہموار کر رہے ہیں۔"

فرح کچھ سوچ کر بولی۔ "نہیں............ نہیں اب وہ ایسا بھی شاطر دماغ نہیں ... ملازمت سے بچنے کے لئے ایسا لمبا ڈرامہ پلے کرے گا۔ میرا دماغ تو اغوا کی طرف ... ہے۔"

ندا مسکرا کر بولی۔ "کیوں مذاق کرتی ہو؟ اگر ایسا ہوتا تو اغوا کرنے والے اب ... انہیں گھر پہنچا چکے ہوتے۔ نعمان بھائی ہر نئے بندے سے ادھار مانگنے کے عادی ہیں ... ان کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔"

فرح اسے گھور کر بولی۔ "اچھا............ بس گھر میں پریشانی ہے اور تمہیں مذاق ... رہا ہے۔"

ندا گہری سانس بھر کر بولی۔ "اس گھر میں پیسہ اتنی پرابلم کا باعث نہیں ہے جتنا نعمان بھائی ہیں۔ امی بتاتی ہیں ان کی پیدائش ہوتے ہی شہر میں دو جگہ بم دھماکے ہو... تھے اور ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی تھی۔"

"ندا!......... باز آجاؤ......... سلمان گیا ہوا ہے۔ دعا کرو اچھی خبر لائے۔"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ پھر کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ تم پیو گی؟"

"ہاں......... امی کے لئے بھی بنا لینا۔"

ندا چلی گئی۔ نعمان جیسا بھی تھا۔ آخر کو بھائی تھا۔ یوں اچانک گم ہو جانے سے سب کی نظروں میں اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ فرح اس کی واپسی کے لئے دل سے دعا مانگ رہی تھی۔ سلمان ناشتہ کیے بغیر گھر سے باہر بھٹک رہا تھا۔ ممتا کی ماری شکیلہ بیگم ہلکان ہوئی رہی تھی۔ بیٹے کی سلامتی کے لئے خدا کے حضور گڑگڑا رہی تھی۔ ندا کے دل سے بھی نعمان کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں، لیکن وہ گھر کی سوگواری کو ذرا کم کرنے کے لئے فرح سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں آتے ہوئے بولی۔ "میں چائے ... کر امی کے پاس گئی تھی۔ وہ کمرے میں نہیں ہیں۔"

فرح بولی۔ "ضرور نعمان کو تلاش کرنے نکلی ہوں گی۔ سلمان نے منع بھی کیا تھا"

ندا اس کی طرف چائے کا کپ بڑھا کر بولی۔ "وہ نعمان بھائی کے سلسلے میں کسی کی بھی نہیں سنیں گی۔"

"وہ سنیں گی بھی کیسے۔ دوپہر ہونے کو ہے اور اب تک نعمان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا ہے۔ نہ جانے وہ کہاں ہے؟"

ندا نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد کہا۔ "میں تو کہتی ہوں تھانے میں رپورٹ درج کروا دیں۔"

فرح پریشان ہو کر بولی۔ "ابو تو اتوار کے دن بھی چھٹی نہیں کرتے ہیں۔ ایک سلمان ہی ہے۔ وہ تھانے کچہری کے معاملات کو نہیں سمجھتا ہے۔ بے چارہ صبح سے خالی پیٹ اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا ہے اور ناکام ہو رہا ہے۔"

"ممتا کی تڑپ بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ تم دیکھ لینا۔ امی گئی ہیں تو ضرور انہیں ڈھونڈ کر ہی لائیں گی۔"

"خدا تمہارا کہا سچ کر دے۔"

بیرونی دروازے پر ہونے والی دستک نے دونوں کو ہی چونکا دیا۔ دروازے کی کنڈی نہیں لگی تھی۔ گھر کا کوئی فرد ہوتا تو بلا جھجک اندر آتا۔ وہ دونوں اٹھ کر باہر آئیں۔ ندا نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ "میں ہوں۔"

فرح کی دھڑکنیں ایک دم سے تیز ہو گئیں۔ چاہنے والے کو بھرپور سچائی سے یاد کیا جائے تو وہ روبرو آ ہی جاتا ہے۔ ندا نے دروازہ پوری طرح کھولا تو وہ نظروں کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ کچھ بدلا بدلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک طرف ہو کر بولی۔ "آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ کنڈی کھلی ہوئی تھی۔ بلا جھجک اندر آ جاتے۔"

شعیب اندر آیا تو وہ دونوں اسے ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔ ندا ذرا خفگی سے بولی۔ "پورے پندرہ دن کے بعد آئے ہیں۔ کہاں بزی تھے؟"

فرح اسے شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا، لیکن بڑی محبت سے، پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "زندگی نے مصروف کر رکھا ہے۔ یہ بتاؤ گھر میں بڑی خاموشی ہے۔ آنٹی کہاں ہیں؟"

وہ دونوں اس سے مل کر کچھ دیر کے لئے گھر کی پریشانی بھول گئی تھیں۔ ندا اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔ "فرح آپ کو بتائے گی۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

گھر میں ندا کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ بیرونی دروازے کی بھی کنڈی لگی ہو
تھی۔ کسی کے آنے کا خدشہ نہیں تھا۔ ایسا موقع ملتے ہی شعیب اس کے قریب آجاتا
لیکن آج اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ دور ہی بیٹھا رہا۔ فرح کو حیرت بھی ہو رہی تھی اور
اہمیت کم ہو جانے کا احساس بھی۔

وہ اسے دیکھ تو رہا تھا' لیکن دیکھنے میں پہلے جیسی شدت نہیں تھی جو پہاڑوں
سرنگ بنا ڈالتی ہے اور آنکھوں کے ذریعے دل میں اتر جاتی ہے۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے دیکھنے کی رسم نبھا رہا ہو اور رسمی محبت کے اچھی
ہے؟ اسے اس کی بے نیازی پر تلملا جانا چاہئے تھا۔ غصے کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔ یا پھر
جانا چاہئے تھا۔

لیکن محبت میں یہ دل انسان کو بہت بے وقوف بناتا ہے' محبوب کی بے رخی کی
کوئی وجہ تلاش کر لیتا ہے۔ اس کا دل بھی اسے بے وقوف بنانے لگا۔ وہ سوچنے لگی۔
ضرور اپنی کسی پریشانی میں الجھا ہوا ہے۔ پھر بھی مجھ سے ملنے اور مجھے دیکھنے کے لئے یہاں
چلا آیا ہے۔ تو کیا ضروری ہے کہ وہ ہی میرے قریب آئے۔ میں بھی تو اس کے قریب
سکتی ہوں۔ وہ تو ہمیشہ پہل کرتا ہے۔ آج میں پہل کرتی ہوں۔"

دل نے بہلایا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ آگ قریب ہو تو
سینکنے کو دل کرتا ہی ہے۔ وہ اسے چھونے لگا۔ وہ اس کے لمس سے بہلنے لگی۔ پھر بولی
"کیا بات ہے کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے؟ شیو بھی بڑھی ہوئی ہے۔ لباس بھی صاف
نہیں ہے؟"

شعیب ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "زندگی میں آنے والا ہر موڑ انسان کو بدل
ہے۔"

"تمہاری زندگی میں کون سا نیا موڑ آگیا؟"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔ "آیا نہیں ہے........ آنے
ہے........ تم تو جانتی ہو مجھے ہمیشہ سے اپنا کاروبار کرنے کا شوق رہا ہے۔"

"ہاں........ جانتی ہوں........ تم یہ جاب بھی جبراً کر رہے ہو۔ کیا کوئی کار
شروع کرنے والے ہو؟"

وہ اسے گہری سنجیدگی سے دیکھ کر بولا۔ "ہاں........"

وہ چہک کر بولی۔ "یہ تو خوشی کی بات ہے۔ پھر تم بجھے ہوئے کیوں ہو؟"

وہ اس کی انگلیوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔ "بجھا ہوا نہیں ہوں۔ تھکا ہوا ہوں۔ بہت
سی نئی ذمہ داریاں سر پر آن پڑی ہیں۔"

"نئے معاملات کی ہر ذمہ داری نئی ہوتی ہے اور ہر نیا کام مشکل نظر آتا ہے۔ یوں
شروعات میں تھک جاؤ گے تو اپنے کام کو آگے کیسے بڑھاؤ گے؟"

وہ تائید میں سر ہلانے لگا۔ فرح نے پوچھا۔ "بائی دا وے........ کیا کام شروع کر
رہے ہو؟"

وہ گہری نظروں سے فرح کو دیکھ کر بولا۔ "کام تو پرانا ہی ہے' لیکن کرنا نئے انداز سے
ہے۔ سامنے والے کو زبردست طریقے سے متاثر کرنا ہے۔"

فرح مسکرا کر بولی۔ "اگر تمہارا عزم یہ ہے تو میں ابھی سے کہہ دیتی ہوں۔ تم اپنے
ارادے میں کامیاب رہو گے۔ جانتے ہو کیوں؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ "تمہاری شخصیت میں ایسا کھنچاؤ ہے کہ
تمہارے سامنے آنے والا فوراً ہی تم سے متاثر ہو جاتا ہے۔"

شعیب مسکرانے لگا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی پھر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے بولی۔ "جانتے ہو شعیب!........؟ تم اس بجھے ہوئے انداز میں بھی اچھے لگ رہے
ہو۔"

چائے لے کر آتی ہوئی ندا نے لقمہ دیا۔ "ہاں........ ایک دم کسی ہیرو کی
طرح........"

فرح اسے دیکھ کر اپنا دوپٹہ صحیح کرتے ہوئے بولی۔ "تم نے چائے بنانے میں اتنی دیر
کیوں لگا دی؟"

وہ چائے کا ایک کپ شعیب کی طرف بڑھا کر بولی۔ "سن رہے ہیں آپ........؟
ان کے ساتھ تو نیکی کر دریا میں ڈالنے والا حساب ہے۔ میں کچن میں دیر نہ کرتی تو کیا آپ
دونوں کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملتا؟"

فرح ایک دم سے شرما گئی۔ شعیب بولا۔ "ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔"

ندا نے فرح سے پوچھا۔ "تم نے نعمان بھائی کے بارے میں انہیں بتایا؟"

فرح چونک کر بولی۔ "اوہ گاڈ!........ ذہن سے بالکل ہی نکل گیا۔"

"میں جانتی تھی........ جہاں دل گل کھلا رہا ہو۔ وہاں دماغ کام نہیں کرتا۔"

شعیب بولا۔ "کیا ہوا نعمان کو........؟"

فرح بولی۔ "خدا کرے اسے کچھ ہوا نہ ہو۔ وہ کل صبح ملازمت ڈھونڈنے نکلا تھا اور اب تک واپس نہیں آیا ہے۔"

شعیب بھی یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ "کیا............؟ کل صبح سے گیا ہوا ہے............؟ پھر تم لوگ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو............؟"

"وہ جہاں مل سکتا ہے۔ سلمان اور امی اسے وہاں تلاش کر رہے ہیں۔ اس کے دوستوں نے بھی اب تلاش شروع کر دی ہے۔"

وہ بولا۔ "یہ تو بہت تشویش کی بات ہے۔ کیا تم لوگوں نے تھانے میں رپورٹ لکھوائی ہے؟"

ان دونوں نے انکار میں سر ہلایا۔ وہ بولا۔ "جب بھی کوئی یوں غائب ہوتا ہے تو اسے دوست احباب میں ڈھونڈنے کے بعد ہاسپٹل میں تلاش کرتے ہیں۔ یا تھانے میں رپورٹ کرتے ہیں۔"

ندا بولی۔ "میں نے یہ دونوں مشورے دیئے تھے، لیکن امی ہاسپٹل کا نام سنتے ہی مجھے ڈانٹنے لگیں۔ خدا نہ کرے کہ وہ وہاں ہوں، لیکن حادثات کی حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

شعیب اس کی تائید میں بولا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو، لیکن آنٹی تو ممتا کے جذبے سے سوچ رہی ہوں گی۔"

فرح بولی۔ "سلمان نے انہیں باہر نکلنے سے منع بھی کیا تھا، لیکن ممتا کی تڑپ نے انہیں بیٹھنے نہ دیا۔ نہ جانے کہاں بھٹک رہی ہوں گی؟"

وہ تینوں باتیں کر رہے تھے ایسے ہی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ندا نے باہر آ کر اسے کھولا تو سامنے سلمان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے کی مایوسی ندا کو سمجھا رہی تھی کہ وہ اس بار بھی ناکام لوٹا ہے۔"

وہ خاموشی سے ایک طرف ہو گئی۔ اس نے اندر آ کر پوچھا۔ "امی کہاں ہیں؟"

ندا دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔ "گھر میں نہیں ہیں۔ ہمیں کچھ بتائے بغیر باہر گئی ہیں۔"

فرح سلمان کی آواز سن کر ڈرائنگ روم کے دروازے پر آ گئی تھی۔ نعمان کے بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس کی کوئی خبر ملتی تو سلمان گھر میں داخل ہوتے ہی بتا دیتا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو ندا بولی۔ "سلمان!............ شعیب بھائی آئے ہوئے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔"

وہ اچھا کہتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ وہ دونوں بھی وہاں آ گئیں۔ وہ چاروں مختلف صوفوں پر بیٹھ کر اپنے اپنے طور پر مشورے دینے لگے۔ سب ہی اس بات پر متفق تھے کہ نعمان کو ہاسپٹل میں ڈھونڈنا چاہئے پھر تھانے میں رپورٹ درج کرنی چاہئے۔

شعیب بولا۔ "وہ ملازمت کے لئے جس شخص کے پاس گیا تھا۔ ہمیں اس سے معلومات حاصل کرنا چاہئیں۔"

سلمان بولا۔ "ارے ہاں............ اس پہلو پر تو ہم نے سوچا ہی نہیں، لیکن اس فیکٹری کا ایڈریس لینے کے لئے ہمیں ابو کے پاس جانا ہو گا۔"

شعیب بولا۔ "تو پھر چلتے ہیں۔ ویسے بھی تھانے کے سلسلے میں ماموں کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر جانے لگے۔ فرح بولی۔ "راستے میں کہیں امی ملیں تو انہیں تسلی دے کر گھر بھیج دینا۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ ندا اور فرح بیرونی دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ نعمان اچانک غائب ہو کر سب کو بھٹکا رہا تھا اور خود نجانے کہاں بھٹک رہا تھا؟

☆======☆======☆

ہر جاندار کی ایک عمر ہوتی ہے۔ انسان کے علاوہ جانور، پودے حتیٰ کہ موسم کی زندگی کی بھی ایک حد مقرر ہے، لیکن محبت کی نہ کوئی حد ہوتی ہے اور نہ ہی عمر ہوتی ہے۔ یہ ایسا بے اختیار جذبہ ہے جو کسی کے اندر کسی بھی وقت کسی کے لئے اچانک ہی بیدار ہو سکتا ہے۔

جس طرح محبت کی عمر نہیں ہوتی۔ اسی طرح محبت کرنے کی بھی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ دل کی دھڑکنوں سے زندگی کا پتہ ملتا ہے۔ جوانی ہو یا بڑھاپا، دل تو دھڑکتا ہے اور جب تک دھڑکتا ہے تب تک چاہنے اور چاہے جانے کی آرزو کرتا رہتا ہے۔

آرزو کے دل میں بھی ایسی ہی آرزو مچل رہی تھی۔ وہ ندا کی طرف مائل ہو رہی تھی۔ ہم جنس کی طرف جھکنا بہت ہی عجیب سی بات لگتی ہے، لیکن یہ دنیا تو عجائب خانہ ہے اور عجوبے عجائب خانوں میں ہی ہوتے ہیں۔

شروع شروع میں اپنے دل کی بات آرزو کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ وہ کیوں

بے اختیار ندا کی طرف کھنچی چلی جاتی ہے؟

پھر جب دھیرے دھیرے بات سمجھ میں آنے لگی تو اس نے اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے اور قریب رہنے کے لئے ایک الگ کلاس کا انتظام کیا۔ یہ ایسا بہانہ تھا جہاں وہ نہ صرف اس کے قریب ہی رہے گی بلکہ تنہائی میں اسے اپنے دل کی بات بھی سمجھا سکے گی۔

اور وہ ایسا ہی کر رہی تھی۔ بہت ہی دھیرے دھیرے اس کے دل میں اتر رہی تھی اور اس کا یہ انداز ندا کے اندر الجھن پیدا کر رہا تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی سمجھنے کی کیفیت سے دو چار تھی۔ جس وقت میڈم اسے چھو رہی ہوتی تھی۔ اس وقت اسے اپنے اندر کی بے چینی سمجھ میں نہیں آتی تھی' لیکن تنہائی میں وہی لمس اسے بہلانے لگتا تھا اور دل میڈم آرزو کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا۔

نعمان کو غائب ہوئے دو دن دو راتیں ہو چکی تھیں۔ اس کی گمشدگی سے سب گھر والے پریشان تھے۔ ایسے میں نہ سلمان اپنے کالج جا سکا تھا اور نہ ہی ندا سینٹر جا سکتی تھی۔ سلمان نے اتوار کی رات ہی صدف کو فون پر کہہ دیا تھا کہ وہ دوسرے دن کالج نہیں آئے گا۔

یہ سن کر صدف نے بھی چھٹی کر لی تھی۔

ندا کا دل سینٹر کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ گھر کی ایسی پریشانی میں بھی وہ سینٹر کا ناغہ نہ کر سکی۔ وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئی۔ میڈم آرزو اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ ندا اپنے دل میں یہ تہیہ کر کے آئی تھی کہ وہ آج میڈم سے بالکل نہیں کترائے گی۔ اس کے ساتھ ہنستی بولتی رہے گی۔ اسے شکایت کا موقع نہیں دے گی۔

وہ دونوں اپنی مخصوص کلاس میں آ گئیں۔ ندا نے ایک ذرا جھجک کر اسے دیکھا۔ پھر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی دوپٹہ سر سے اتار کر شانوں پر ڈال لیا۔

آرزو اس کی اس تبدیلی پر حیران بھی تھی اور خوش بھی پھر بھی انجان بنی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا ذرا سا ٹوکنا اس کے اندر پھر سے جھجک پیدا کر دے گا۔

اور واقعی اس کی خاموشی نے ندا کو ذرا حوصلہ بخشا تھا۔ آج وہ کسی حد تک بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ آرزو اندر ہی اندر خوشی سے کِھل رہی تھی۔ اس نے پوچھا "اگر میں تمہیں اپنے بوتیک لے کر جاؤں تو کیا چلو گی؟"

ندا کے اندر بہت پہلے سے ہی اس کا بوتیک دیکھنے کی خواہش مچلتی رہی تھی۔ اس

نے کچھ اسٹوڈنٹس اور ٹیچر کے ذریعے اس کی بہت تعریف سنی تھی اور اندازہ کیا تھا کہ وہ بوتیک اس کی سوچ سے بھی زیادہ شاندار ہو گا اور آج اس کو دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

وہ جلدی سے بولی۔ "انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے ہی نہیں.......... آپ جب کہیں گی میں چلوں گی۔"

"ٹھیک ہے.......... جس دن جانا ہو گا۔ اس سے ایک دن پہلے میں تمہیں بتا دوں گی۔"

پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "ندا!.......... میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے آرزو کہہ کر مخاطب کیا کرو' لیکن تم نے ایک بار بھی ایسا نہیں کیا۔ کیا میرا نام اچھا نہیں ہے؟"

وہ جلدی سے بولی۔ "نہیں یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں..........؟ آپ کا نام تو بہت اچھا ہے۔"

وہ ذرا خفگی سے بولی۔ "بہت اچھا ہے۔ اسی لئے تم اسے اپنی زبان پر نہیں لاتی ہو؟ کوئی چیز اچھی ہو تو اسے اپنانے کو دل کرتا ہے۔ کیا تم آرزو کو اپنانا نہیں چاہتیں؟"

ندا اس کے سوال پر چونک گئی۔ ایسے گھبرا گئی۔ جیسے کسی دلہن سے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ لیا جا رہا ہو کہ وہ اس کے سوال کا جواب ہاں میں دے گی تو فوراً ہی اس کے نام سے منسوب ہو جائے گی۔

آرزو اسے اپنی معنی خیز باتوں میں الجھا کر محظوظ ہوتی تھی' لیکن آج محسوس ہو رہا تھا کہ ندا الجھی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کچھ گھبرا گئی تھی۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ الجھنے کے بجائے اس کی باتوں کو سمجھنے لگے۔

ہر معاملے میں ترقی ہوتی ہے' لیکن رفتہ رفتہ' یوں بھی جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ ندا اپنے رویے پر غور کر رہی تھی۔ میڈم سے بے تکلف ہو کر باتیں کرنے کا ارادہ کمزور پڑ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ "کیا بات کروں؟ میری خاموشی انہیں پھر شکایت کا موقع دے گی' لیکن بات کرنے پر بھی انہیں شکایت ہو رہی ہے۔"

آرزو کو احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اسے ٹوک کر اچھا نہیں کیا' لیکن وہ کرتی بھی کیا۔ اس کی زبان سے اپنا نام سننے کی بے چینی نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "کس سوچ میں گم ہو..........؟"

اسے خاموش نہیں رہنا تھا۔ باتیں کرنی تھیں۔ اس نے نظریں اٹھا کر آرزو کو دیکھا۔ اسے ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس موضوع پر بات کرے؟

نظریں مل رہی تھیں اور جیسے اس کے اندر جذب ہو رہی تھیں۔ ندا ان کی جاذبیت سے گھبرا کر بے اختیار بولی۔ "وہ............ میں سوچ رہی تھی۔ آج کیوں نہ کٹنگ اسٹارٹ کی جائے؟"

آرزو مسکرا کر بولی۔ "ہاں کیوں نہیں............ لیکن کٹنگ سے پہلے ناپ لینا ہو گا............؟"

ندا بے اختیار بولتے وقت یہ بھول گئی تھی کہ کٹنگ سے پہلے اس کا ناپ لیا جائے گا۔ دوسری طرف آرزو کو اس کی ذرا سی بے تکلفی سے حوصلہ مل رہا تھا۔ وہ انچی ٹیپ لے کر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "یہ ناپ لینے کا مسئلہ ایک بار کا ہی ہے۔ میں ڈائری میں نوٹ کرلوں گی۔ تو آئندہ کے لئے آسانی ہو گی۔"

موت بھی ایک بار ہی آتی ہے۔ ندا کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس نے تائید بھی نہیں کی تھی اور کھل کر انکار بھی نہیں کیا تھا۔ بس چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

آرزو اس کے ذرا اور قریب آگئی۔ پھر بڑے ہی دھیمے لہجے میں بولی۔ "یہ دوپٹہ ہٹاؤ۔"

عجیب لہجہ تھا۔ ندا ایک معمول کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ دل مل رہے ہوں تو نظریں ملائی نہیں جاتیں۔

پھر آرزو کے ہاتھوں کا لمس انچی ٹیپ کے ساتھ بہت ہی دھیرے دھیرے اس کے بدن پر بھٹکنے لگا۔ عجیب مسافر تھا۔ منزل تک پہنچ کر بھی بھٹک رہا تھا۔ آرزو ناپ لینے کے دوران دھیرے دھیرے کچھ بول رہی تھی' لیکن ندا کو تو جیسے کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دم سادھے کھڑی تھی۔ اندر اجنبی طوفان کا اس قدر شور تھا کہ اس کو اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

آرزو اس کی کمر کا ناپ لینے کے لئے انچی ٹیپ کو اس کی پشت کی طرف سے لائی تو ایک لمحے کے لئے یوں لگا جیسے وہ اس کے گلے لگ گئی ہے۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔

وہ ناپ لے رہی تھی اور ڈائری میں نوٹ کر رہی تھی۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا پھر آرزو نے انچی ٹیپ لپیٹتے ہوئے کہا۔ "ایک مرحلہ تو طے ہو گیا۔ اب دوسرے کی باری ہے۔"

ندا نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے حواس پر چھایا ہوا سحر ٹوٹ چکا ہے۔ اس نے پلکیں جھپکا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ آرزو ایک میز پر کٹنگ کا سامان رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "یہاں آؤ!............ تمہیں کسی حد تک تو کٹنگ آگئی ہے' لیکن میرا انداز ذرا ساہٹ کر ہے۔ آسان ہے۔ تم جلد ہی میرے انداز سے کپڑے کاٹنے لگو گی۔"

وہ دھیرے دھیرے ادھریوں جانے لگی۔ جیسے میڈم مقناطیس ہو اور اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ ایک دیدہ زیب لباس اس وقت تک تیار نہیں ہوتا۔ جب تک کہ کپڑے کو تراشا نہ جائے۔ ندا کو یوں لگ رہا تھا جیسے میڈم بڑی ہنرمندی سے اسے تراش رہی ہے۔

قینچی چل رہی ہے۔ کھلا گریبان تیار ہو رہا ہے۔ قینچی چل رہی ہے۔ سینے کی اٹھان پکار رہی ہے۔ قینچی اور آگے چل رہی ہے۔ کمر کا خم بن رہا ہے۔ کولہے کا ابھار چیخ رہا ہے۔ ہاتھوں کی قینچی وہاں وہاں چلتی ہے۔ جہاں جہاں بدن کا اٹھان بلاتا رہتا ہے۔

ندا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ پہلے دن کی ہی ٹریننگ میں کوزے سے دریا بننے کا سبق حاصل کرلے گی۔ اس کے باوجود وہ بہت کچھ سمجھتے ہوئے بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میڈم کی محتاج ہو گئی ہے۔ کمان میں الجھے ہوئے تیر کی طرح ہے۔ خود نہیں چل پائے گی۔ اسے میڈم ہی چلائے گی اور جب چلائی جائے گی تو پتہ نہیں کس نشانے پر جا کر رکے گی۔

☆======☆======☆

بیٹے کی جدائی نے شکیلہ بیگم کو تڑپا کر رکھ دیا تھا اور یہ تڑپ اسے کسی طور چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ بھوکی پیاسی نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ نعمان تین دن سے لاپتہ تھا۔ گھر والوں کی تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ یوں اچانک کہاں گیا ہو گا؟

ایک دن پہلے سلمان شعیب کے ساتھ شہر کے بڑے ہسپتالوں کے ایمرجنسی وارڈز اور شعبہ حادثات میں نعمان کو تلاش کرنے گیا تھا' لیکن ناکام لوٹا تھا۔ حیات انصاری آج صبح اس شخص کے پاس گیا تھا' جہاں نعمان کو ملازمت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ وہ اس سے ملنے آیا ہی نہیں تھا۔

ہر طرف سے مایوسی اور ناکام مل رہی تھی۔ سلمان نے باپ سے کہا۔ "ابو!............ آپ کل سے انکار کر رہے ہیں۔ میری مانیے تھانے میں رپورٹ کروا ہی دیں۔"

حیات انصاری بولا۔ "اسے ڈھونڈنے کے لئے اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑ رہا ہے۔ کرائے

میں ویسے ہی اچھی خاصی رقم اٹھ رہی ہے۔ تھانے میں صرف ایف آئی آر لکھوانے پر
ہی جیب خالی ہو جائے گی۔ پھر پولیس والے بڑے کائیاں ہوتے ہیں اضافی آمدنی کے
چھوٹے سے چھوٹے ذریعے کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور پھر بار بار دروازے پر
آئیں گے۔ گھر میں تمہاری ماں اور بہنیں ہوتی ہیں۔ ان سب پریشانیوں کو سوچتے ہوئے
ہی میں نے اس معاملے میں پولیس کو نہیں ڈالا ہے۔"

فرح نے اس کی تائید میں کہا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں ابو!......... لیکن ہماری اتنی
دوڑ بھاگ کے بعد میں کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا ہے ایسے میں تو پولیس کی مدد لینی ہی ہو
گی۔"

ندا بولی۔ "نہ تو ہماری کسی سے دشمنی ہے اور نہ ہی یہ کوئی اغوا کا معاملہ لگتا ہے۔
اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اغوا کرنے والے ضرور رابطہ کرتے۔ لہٰذا اس معاملے میں پولیس
کی مداخلت بے معنی ہے۔"

شکیلہ بیگم سب کی باتیں سن رہی تھی۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس بھر کر بولی۔
"ہائے میرا بچہ......... نہ جانے کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟"

پھر وہ حیات انصاری سے بولی۔ "آپ نے گم کیا ہے میرے نعمان کو......... بڑے
چلے تھے میرے بیٹے سے جاب کروانے۔"

وہ بولا۔ "سب ہی لڑکے گھر سے ملازمت کے لئے نکلتے ہیں۔ نعمان جوان ہے۔
کمانے کی عمر میں ہے۔ میں نے اسے کمانے کے لئے کہا تو کیا برا کیا؟ لیکن یہ بھی تو
دیکھو!......... اسے جہاں بھیجا تھا وہ وہاں نہیں گیا ہے وہ آدمی اس کا انتظار ہی کرتا رہ
گیا۔"

وہ بولی۔ "وہ جھوٹ بول رہا ہے......... میرا نعمان وہاں گیا ہو گا۔ اس کی گمشدگی کا
سن، کر وہ آدمی اپنا دامن بچا رہا ہے۔ میں کیسے اس کی بات کا یقین کروں؟ جب کہ نعمان
جاتے جاتے مجھ سے کہہ کر گیا تھا کہ امی دعا کرنا جہاں جا رہا ہوں۔ وہاں بات بن جائے۔"

حیات انصاری بولا۔ "یعنی اس نے واضح طور پر نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟"

"واضح طور پر کیا کہتا؟ آپ نے جہاں بھیجا تھا۔ وہیں تو گیا ہو گا۔ اب وہ بندہ ہی
جھوٹ بول رہا ہے تو اس کا کیا کیا جائے؟"

سلمان بولا۔ "امی!......... آپ بے وجہ ابو سے بحث کر رہی ہیں۔ آخر وہ بندہ
جھوٹ کیوں بولے گا؟"

وہ بولی۔ "تھانے کچہری سے بچنے کے لئے اور کس لئے؟"

بات کا رخ بدل چکا تھا۔ اب سب کو یہ تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ وہ فیکٹری نہیں
گیا ہے تو کہاں گیا ہے؟ ایک شکیلہ بیگم ہی تھی جو یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ بیٹے کو جہاں
بھیجا تھا وہ وہاں نہیں گیا ہے۔

وہ چادر اوڑھتی ہوئی باہر جا رہی تھی۔ حیات انصاری نے پوچھا۔ "تم کہاں جا رہی
ہو؟"

وہ بولی۔ "گھر میں بیٹھ کر باتیں بنانے سے وہ نہیں ملے گا۔ گم ہونے والے کو ڈھونڈنا
پڑتا ہے۔ میری ممتا مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی ہے۔"

"چین تو تمہیں نعمان کے یہاں آجانے سے ملے گا۔ یوں در بدر بھٹکنے سے کچھ
نہیں ملے گا۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "بد فالیں تو منہ سے نہ نکالیں۔ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل
جاتا ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ میری ممتا کی تڑپ میرے نعمان کو تڑپائے گی۔ وہ جہاں بھی ہو
گا۔ فوراً آجائے گا۔"

وہ بولتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ایسے ہی وقت دستک سنائی دی۔
سب نے چونک کر ادھر دیکھا۔ شکیلہ بیگم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ تو اس کی نند یعنی
شعیب کی ماں اپنی بیٹی کے ساتھ کھڑی تھی۔

شکیلہ بیگم اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھِل کر بولی۔ "ارے ثریا!......... تم.........؟
آؤ......... اندر آؤ........."

گو کہ ابھی رشتے کی کوئی بات نہیں چلی تھی۔ پھر بھی شکیلہ بیگم نے اسے ہونے
والی سمدھن اور فرح نے اسے اپنی ہونے والی ساس مان رکھا تھا۔ ندا نے آگے بڑھ کر
اسے سلام کیا۔ فرح بھی آنچل درست کرتے ہوئے اس کی قریب آکر بولی۔ "اسلام علیکم
پھوپھی جان!........."

وہ ان دونوں کے سلام کا جواب دے کر حیات انصاری کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئی۔
شکیلہ بیگم نے اس کی بیٹی غزالہ کو ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"بیٹی!......... آؤ......... بیٹھ جاؤ۔"

سلمان پھوپھی کو سلام کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ندا اور فرح غزالہ کی برابر
والی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ شکیلہ بیگم نے اپنی نند کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور

سناؤ........... سب خیریت تو ہے ناں؟"

"ہاں بھابی!........... ہمارے ہاں تو سب خیریت ہے۔ شعیب نے بتایا تھا کہ یہ خیریت نہیں ہے۔ حیات بھائی! کیا نعمان ابھی تک نہیں ملا ہے؟"

وہ ایک گہری سانس بھر کر بولا۔ "نہیں........... کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ کہاں چلا گیا ہے؟ آج تیسرا دن گزر گیا۔ مگر اس کی کوئی خیر خبر ہی نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آ اسے کہاں ڈھونڈوں؟"

شکیلہ بیگم کے آنسو بہنے لگے۔ وہ چادر کے کنارے سے انہیں صاف کر کے بولی "کون سی ایسی جگہ ہے جہاں اسے تلاش نہیں کیا ہے۔ جہاں سے بھی اس کے ملنے ا تھی۔ وہاں وہاں بھٹکتے رہے ہیں' لیکن اس نے تو جیسے گمشدہ رہنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

ثریا اس کا شانہ تھپک کر بڑی ہمدردی سے بولی۔ "صبر کرو بھابی!........... یوں ا اُدھر رونے کے بجائے خدا سے مدد مانگو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔"

وہ ہمدردی ملتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور روتے ہوئے بولی۔ "میں تو کے سامنے گڑگڑا کر تھک گئی ہوں' لیکن وہ بھی میری نہیں سن رہا ہے۔ عبداللہ شاہ غاز کے مزار پر بھی گئی تھی۔ کسی نہ کسی کے وسیلے سے تو اوپر والا میری سنے گا۔"

ثریا نے اپنے بھائی حیات سے کہا۔ "حیات بھائی!........... آپ نے رپورٹ در کروائی ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ پھر اسے رپورٹ درج نہ کرانے کی وجہ تفصیل بتانے لگا۔ وہ تفصیل سے سننے کے بعد بولی۔ "ہاں........... آپ کہتے تو ٹھیک ہیں۔ اتنے دن گزر گئے ہیں۔ کچھ تو کرنا ہی ہو گا؟"

حیات دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا۔ "نعمان نے تو الجھا کر رکھ دیا ہے۔"

شکیلہ بیگم جلدی سے بولی۔ "اس نے کہا الجھایا ہے؟ وہ بے چارہ تو خود قسمت پھیر میں الجھا ہوا ہے۔"

حیات بولا۔ "اس گھر میں ایک نعمان ہی ہے جو ہمیشہ قسمت کے پھیر میں الجھا ہے۔ شکیلہ بیگم!........... قسمت بنانے سے بنتی ہے اور بگاڑنے سے بگڑتی ہے۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی قسمت خود بگاڑ رہا ہے؟"

ثریا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "آپس میں لڑنے سے کیا ہو گا پولیس رپورٹ کروا ہی دیں۔"

فرح اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔ "میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

بیٹے کی گمشدگی نے پریشان کر رکھا تھا۔ مگر شکیلہ بیگم ماں تھی۔ ایک طرف بیٹے کی فکر تھی تو دوسری طرف بیٹی کے مستقبل کی فکر بھی تھی۔ اس کی بھرپور کوشش تھی کہ نند کا رشتہ سمدھن میں بدل جائے اور جس گھر میں بیٹی کو رخصت کر کے بھیجنے کا ارادہ ہو۔ وہاں کے افراد کا مان رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

گھر میں بہت بڑی پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود جب فرح کچن کی طرف جانے لگی تو شکیلہ بیگم بولی۔ "سلمان سے کہو۔ ناشتہ کے لئے کچھ لے آئے۔"

ثریا نے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ارے رہنے دو بھابی!........... کوئی تکلف نہ کرو۔ بس چائے ہی کافی ہے۔"

اس کے منع کرنے کے باوجود فرح نے سلمان کو ناشتہ لانے کے لئے کہا اور خود کچن میں چلی گئی۔ ندا اور غزالہ باتوں میں معروف تھیں۔ شکیلہ بیگم اس جستجو میں تھی کہ نند جی رشتے کی کوئی بات چھیڑے۔ وہ بات بناتے ہوئے آخر اس نکتے پر آ ہی گئی۔ شعیب کی ماں سے بولی۔ "فرح نے تو سارا گھر سنبھالا ہوا ہے۔"

"سوچتی ہوں یہ رخصت ہو کر چلی جائے گی تو ساری ذمہ داریاں میرے سر آ پڑیں گی۔"

ثریا نے ندا کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "کیوں........... تمہارے سر پر کیوں آئیں گی؟ یہ ندا کس لئے ہے؟"

حیات انصاری ان کے درمیان سے اٹھ کر جاتے ہوئے بولا۔ "تم باتیں کرو۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

ندا نے ثریا سے کہا۔ "جی نہیں پھوپھی جان!........... میں ان جھمیلوں میں نہیں الجھوں گی۔"

وہ بولی۔ "تو پھر کون سنبھالے گا ان ذمہ داریوں کو؟"

ندا نے کہا۔ "پہلے امی سنبھالتی تھیں۔ پھر فرح سنبھالنے لگی ہے۔ آئندہ ہماری بھابی جان سنبھالا کریں گی۔"

غزالہ نے کہا۔ "میں تو خود امی سے کہہ رہی ہوں کہ ایک بھابی کا انتظام کریں۔"

شکیلہ بیگم نے فوراً ہی سر گھما کر ثریا کو بڑی پُر امید نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ "ہاں........... میں بھی چاہتی ہوں کہ اب گھر میں بہو آ جائے مگر دیکھو ناں........... بیٹے

کے مستقبل کا معاملہ ہے۔ سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا ہوگا۔"

شکیلہ بیگم نے ٹھوکا دیا۔ "ارے سوچنا سمجھنا کیا ہے۔ جیسے ہی اچھی لڑکی نظروں
آئے۔ فوراً اسے بہو بنا کر لے آؤ۔"

شعیب کی ماں نے کہا۔ "نہیں بھابی!........... مجھے صرف بہو نہیں چاہئے۔ بیٹے
مستقبل بنانے کے لئے سیڑھی چاہئے۔"

ندا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ شکیلہ بیگم نے پوچھا۔ "میں کچھ
نہیں۔"

ثریا بولی۔ "بھابی!........... تم نے شعیب کو دیکھا ہی ہے۔ کیسا اسمارٹ اور ہنڈ
لڑکا ہے۔ چہرے مہرے سے بھی ہیرو نظر آتا۔ ہزاروں اونچے نیچے خاندان کی لڑکیاں اس
دم دیتی ہیں۔ اب بتاؤ۔ ایسا لڑکا ملازمت کرتا ہوا اچھا لگے گا؟ اس کی شخصیت تو ایک
کہ اسے بزنس مین ہونا چاہئے۔"

شکیلہ بیگم نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو' لیکن بزنس کا سوچنا تو
کی بات ہے۔ آج کل تو ملازمت ہی مشکل سے ملتی ہے۔"

ثریا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تدبیر سے کام لیا جائے تو کوئی مشکل' مشکل نہیں رہ
بس ذرا منصوبہ بندی کرنی پڑتی ہے اور وہ میں کر چکی ہوں۔"

"ضرور تم نے کاروبار کے لئے کہیں کمیٹی ڈالی ہوگی؟"

ثریا نے ناگواری سے ناک چڑھا کر کہا۔ "اونہہ اتنا لمبا جھمیلا کون پالے' اللہ
عقل اسی لئے دی ہے کہ کم وقت میں انسان دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا
جائے۔"

شکیلہ بیگم اس کی باتیں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ندا بھی الجھی ہوئی تھی۔ فرح
چائے اور ناشتہ کا سامان لا کر اس کے سامنے رکھا۔

ثریا جانتی تھی کہ اس کا بیٹا فرح کو چاہتا ہے۔ اس نے کہا۔ "میرا شعیب دور اند
اور موقع شناس ہے۔ ابھی میں نے بتایا ناں بھابی!........... کہ اس پر ہزاروں اونچ
خاندان کی لڑکیاں دم دیتی ہیں۔ ان میں سے ہی اس نے ایک لڑکی کو پسند کر لیا ہے۔"

فرح اک ذرا شرما کر آنچل درست کرنے لگی۔ شکیلہ بیگم نے جلدی سے خوش
کہا۔ "اچھا؟"

وہ بیٹی کی بات بنانے کے لئے بیٹے کی گمشدگی کو کچھ دیر کے لئے بھول گئی تھی

اونٹ کو کسی کل بٹھا کر پھر بیٹے کی طرف توجہ دینا چاہتی تھی۔

ندا اور فرح کے درمیان معنی خیز مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا ثریا ان کے چہروں کی رونق
دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔

اس کی بات ادھوری تھی' لیکن ان تینوں نے اپنے اپنے اندازوں سے اسے مکمل
کر لیا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بیٹے نے ماں کو اپنی پسند بتائی ہے اور وہ اس کی پسند کو
اپنانے کے لئے ہی آئی ہے۔

سب ہی جانتے تھے کہ شعیب اور فرح ایک دوسرے کو چاہتے ہیں شعیب کی ماں
نے طنزیہ انداز میں مسکرا فرح کو دیکھا۔ پھر ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "میں نے اسے
دیکھا ہے' بہت ہی پیاری لڑکی ہے۔ گھرانہ بھی اچھا ہے۔ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن
ہے۔"

فرح' ندا اور شکیلہ بیگم نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کا
منہ تکنے لگیں۔

شکیلہ بیگم نے ذرا اٹکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "چار بھائیوں کی........... اکلوتی
بہن؟"

ثریا نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں........... اور چاروں بھائی اپنی بہن پر جان دیتے ہیں۔
ان کے والدین نہیں ہیں۔ باپ وراثت کے طور پر جوتیوں کا بہت بڑا کارخانہ چھوڑ گیا
ہے۔ شہر کے بڑے بڑے علاقوں میں ان کی دکانیں ہیں۔ لڑکی کے نام پر بھی طارق روڈ
میں ایک چلتی ہوئی دکان ہے۔ جو وہ اپنے ہونے والے بہنوئی یعنی شعیب کے نام کریں
گے۔"

فرح بڑے دکھ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ ایک جوتے بنانے والے کی بیٹی
چاندی کے جوتے مار کر شعیب کو اپنے پیر کی جوتی بنانے والی تھی۔

بیٹے کا رشتہ نہیں سودا طے ہوا تھا اور ماں بڑے فخر سے اس سودے کی تفصیلات بتا
رہی تھی۔

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "اے ثریا!........... جوتوں کا کاروبار کرنے والے تو موچی
ہوئے؟ کیا تم اپنے شعیب کو کسی موچی خاندان کا داماد بنانا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "دیکھو بھابی!........... اول تو میں اس اونچ نیچ کو نہیں مانتی۔ آج کل یہ
حساب ہے۔ جہاں دولت ہوتی ہے۔ وہاں عزت ہوتی ہے۔ لوگ شان و شوکت دیکھتے

ہیں۔ ذات پات کو نہیں۔ وہ موچی ہیں تو ہم جولاہے ہیں۔ اگر میں اپنے بیٹے کا رشتہ خاندان میں کرنے جاؤں گی تو کوئی ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالے گا اور پھر جب گھر بیٹھے قسمت مہربان ہو رہی ہے۔ تو اِدھر اُدھر کیوں بھٹکیں؟"

ندا بولی۔ "کیا شعیب بھائی راضی ہیں؟"

ثریا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اے لو.......... وہ راضی ہے لڑکی راضی ہے۔ لڑکی گھر والے راضی ہیں اور ہم بھی راضی ہیں۔ سب کی رضامندی سے ہی بات آگے بڑھ جارہی ہے۔"

فرح سے یہ باتیں برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ ندا اسے بڑے دکھ سے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

غزالہ نے چہک کر کہا۔ "میری ہونے والی بھابی اتنی پیاری سی ہیں۔ انہوں نے شعیب بھائی کو دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا۔"

ثریا نے کہا۔ "میرا بیٹا ہے ہی ایسا۔"

شکیلہ بیگم کو تو چپ لگ گئی تھی۔ ندا بڑی نفرت سے شعیب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ معصوم سے چہرے والا ایسا فراڈ کرے گا۔ ایسی بے وفائی دکھائے گا۔ یہ سوچا بھی نہ تھا۔

غزالہ نے کہا۔ "انہوں نے تو شعیب بھائی کو ایک موبائل فون بھی دیا ہے۔"

وہ دونوں کچھ دیر تک اس لڑکی کے گن گاتی رہیں۔ شکیلہ بیگم کو اب ان کا یہاں بیٹھنا بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ بات شروع ہوئے بغیر ختم ہو گئی تھی۔

اب اسے بیٹے کی فکر ستانے لگی۔ ایسے ہی وقت ثریا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا بھابی!.......... میں چلتی ہوں۔ نعمان کی کوئی خیر خبر ملے تو مجھے ضرور بتانا۔ حیات بھائی تو پتہ نہیں کب تک آئیں گے؟ انہیں سلام کہہ دینا۔"

وہ دونوں ماں بیٹی رخصت ہو گئیں۔ تو شکیلہ بیگم نے ناگواری سے کہا۔ "اونہہ.......... ایک موچی کی لڑکی کو بہو بنانے کی باتیں کر رہی ہے اور اترا ایسے رہی ہے جیسے وزیر کی بیٹی لا رہی ہے۔ پورے شہر میں ایک اسی کا بیٹا تو ہے جس پر ہزاروں لڑکیاں دم دیتی ہیں۔ وہ بھی اونچے اونچے گھرانوں کی..........؟ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر اسے موچن کو بہو کیوں بنا رہی ہے؟"

ندا نے کہا۔ "امی!.......... وہ چلی گئی ہیں۔ اب بولنے کا کیا فائدہ ہے؟ آپ

ساری باتیں ان کے منہ پر کہتیں تو کوئی بات تھی۔"

"خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ میں کچھ بول کر بری کیوں بنوں؟ وہ جوتوں والی آکر جب جوتے مارے گی ناں تب ثریا بیگم کو پتہ چلے گا۔ خاندان کی اچھی اچھی لڑکیاں چھوڑ کر اس نے باہر کی لڑکی سے رشتہ جوڑا ہے۔ دولت کو ترجیح دی ہے۔ تو کیا یہ کنواریوں کے دل دکھا کر خوش رہ لے گی؟ جب اس کے بیٹے کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے تو میری فرح کے لئے بھی لڑکوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

ندا نے کہا۔ "غصہ تو اسی بات کا ہے۔ شعیب بھائی نے آخر ایسا کیوں کیا؟"

ماں نے جل کر کہا۔ "ارے لعنت بھیجو اس پر.......... میں کہے دیتی ہوں۔ آئندہ وہ اس گھر میں کبھی قدم نہیں رکھے گا۔"

پھر وہ گھڑی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس کی وجہ سے میں اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے نہ جا سکی۔ خواہ مخواہ وقت برباد ہوتا رہا۔ بڑی آئی تھی میرے بیٹے سے ہمدردی جتانے؟ صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس نئے رشتے کی بڑائیاں مارنے آئی تھی۔"

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "میں جا رہی ہوں کنڈی لگا لو۔"

وہ چلی گئی۔ ندا نے آگے بڑھ کر کنڈی چڑھائی۔ پھر کچن میں آ گئی۔ فرح دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ندا نے قریب بیٹھ کر اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری دلی کیفیت کو سمجھ رہی ہوں۔ یہ لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مستقبل کو سنوارنے کے لئے محنت نہیں کرتے۔ شارٹ کٹ ڈھونڈتے ہیں۔ شعیب بھائی نے بھی ایک دم سے عروج حاصل کرنے کے لئے ایسا ہی کیا ہے۔ تم یہ سوچ کر انہیں بھولنے کی کوشش کرو کہ وہ تمہارے قابل ہی نہیں تھے۔"

فرح نے آنچل سے چہرے کو پونچھتے ہوئے کہا۔ "سمجھ نہیں آتی۔ شعیب نے مجھ سے کس بات کا بدلہ لیا ہے؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

"غربت.......... تنگ دستی.......... تمہارا یہی قصور ہے۔ تم نہ تو جہیز میں کوئی گھر لے جاتیں اور نہ ہی کوئی بزنس۔ انہیں ایک غریب لڑکی کو اپنی بہو بنانے یا بیوی بنانے سے کوئی فائدہ نہیں مل رہا تھا۔"

"پھوپھی جان نے جو کیا' مجھے اس کا دکھ نہیں ہے۔ وہ تو انجان تھیں۔ دکھ تو یہ سوچ کر ہو رہا ہے کہ شعیب اب تک مجھے دھوکہ دیتا رہا۔ میرے ساتھ محبت بھرا فراڈ کرتا رہا۔ یہ سوچ کر ہی گھن آ رہی ہے کہ اس نے جیسے جیسے میرے ساتھ وقت گزارا ہے'

ویسے ویسے اس لڑکی کے ساتھ بھی گزارہ ہو گا۔"

ندا نے کہا۔ "دو کشتیوں کے سوار کا بہت برا انجام ہوتا ہے۔ انہوں نے تمہارا [illegible] دکھایا ہے۔ کوئی ان کا بھی دکھائے گا۔ بس تم ایسے دوغلے شخص کو اور اس کی یادوں کو [illegible] ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرو۔"

شعیب اس کی پہلی محبت تھا اور پہلی محبت یوں آسانی سے بھلائی نہیں جاتی۔ وہ [illegible] آکر اس سے لپٹ جاتا۔ اپنی بے وفائی کی معافی مانگ لیتا تو وہ فوراً ہی نرم پڑ جاتی۔ اس [illegible] قربت سے بہل کر اس کی بے وفائی کو بھول جاتی' لیکن شاید ایسا کمزور لمحہ اس کی زندگی [illegible] آنے والا نہیں تھا۔ شکیلہ بیگم نے شعیب کا داخلہ گھر میں ممنوع کر دیا تھا۔

فرح پچھلی باتیں سوچ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ بیتے ہوئے دن یاد آ رہے [illegible] ابھی کل ہی کی بات ہے وہ اس کے سینے سے لگی اس کی دھڑکنوں کو سنتی رہی تھی۔ [illegible] کے سائے میں جلتی رہی تھی۔ یہ سوچ کر رونا آ رہا تھا کہ اب وہ قربت اسے کبھی نصیب نہیں ہو گی۔ شعیب کا بدلا بدلا سا رویہ اب سمجھ میں آ رہا تھا۔

فرح نے پوچھا تھا کہ وہ بجھا بجھا سا کیوں ہے؟ تو شعیب نے کہا تھا کہ وہ بجھا ہوا [illegible] ہے تھکا ہوا ہے۔

فرح نے ایک ذرا حقارت سے سوچا۔ "اونہہ........ ایک وقت میں دو لڑکیوں [illegible] محبت جتانا آسان کام نہیں ہے۔ واقعی تم تھک جاتے ہو گے۔ شعیب!........ جاؤ........ میں نے تمہیں اپنی محبت سے دستبردار کیا۔ تم میری چاہت کو نہ سمجھ [illegible] اسی لئے زیادہ دور تک میرے ساتھ نہ چل سکے۔"

ندا نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔ "کیا شعیب بھائی کے پاس پہنچی ہوئی [illegible] میں سمجھ سکتی ہوں انہیں اتنی جلدی بھلانا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے' پھر بھی میرا مشورہ ہے کہ جب انہوں نے تمہاری قدر نہیں کی تو تم بھی انہیں بھلانے میں دیر نہ کرو۔ [illegible] سراسر تمہاری انسلٹ ہے کہ وہ تمہیں دھتکار کر موچی کی اولاد کو گلے لگا رہے ہیں۔"

فرح نے ایک ذرا عزم سے کہا۔ "میں اپنی انسلٹ کا بدلہ ضرور لوں گی۔"

"تم کیا کرو گی؟ ایک کمزور سی لڑکی ہوتے ہوئے ایک بے وفا مرد سے کیسے بد[illegible] گی؟"

"جس کے ساتھ خدا ہو وہ کمزور نہیں ہوتا۔ اوپر والا جانتا ہے کہ میں نے اسے گہرائیوں سے چاہا تھا۔ وہ مجھے ٹھکرا سکتا ہے تو میں بھی انتقامی کارروائی کر سکتی ہوں۔"

"لیکن تم کرو گی کیا؟ پلیز........ کچھ ایسا نہ کرنا کہ تماشہ بن جاؤ۔"

"نہیں........ میں اتنی نادان نہیں ہوں۔ مجھے بس اب اس دن کا انتظار ہے جب وہ میرے بجائے کسی اور کو اپنے نام سے منسوب کرے گا۔"

ندا اس کی آنکھوں میں انتقام کے شعلے دیکھ رہی تھی۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ "پلیز فرح!........ مجھے بھی کچھ بتاؤ؟"

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ایسی انتقامی کارروائی کروں گی جس میں نہ میری بدنامی ہو گی اور نہ ہی میرے گھر والوں کی۔ اب وہ وقت آنے سے پہلے تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔"

"تم نے یقین دلا دیا ہے کہ تم دانش مندی سے کوئی فیصلہ کر رہی ہو۔ اس لئے اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔"

ایک محبوبہ اپنے بے وفا محبوب کی شادی پر کیا کرنے والی تھی؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

☆======☆======☆

نعمان نے تو جیسے نہ ملنے کی قسم کھا لی تھی۔ ہر اس جگہ تلاش کیا جا چکا تھا جہاں سے اس کے ملنے کی امید تھی۔ حیات انصاری اور سلمان تھک چکے تھے' لیکن ممتا کی ماری شکیلہ بیگم کو کسی کل قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہی تھی۔

گھر کے سب ہی افراد کو کسی حد تک یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ نعمان کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔ مگر شکیلہ بیگم یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اس کے اندر کی ممتا چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ اس کا بیٹا زندہ ہے۔ صحیح سلامت ہے۔

اور وہ ممتا کے اسی یقین کے ساتھ اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی۔

اس وقت رات کے نو بج چکے تھے۔ وہ تھک کر زیر تعمیر عمارت کے سامنے ایک بلاک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے عمارت بنانے والے مزدور محنت مشقت سے فارغ ہو کر رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔

کچھ اِدھر اُدھر بچھی ہوئی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ شکیلہ بیگم دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر سر گھما کر ایک مزدور کو مخاطب کر کے بولی۔ "اے بھائی!........ ذرا پانی تو پلا دینا۔"

وہ مزدور لکڑیوں کے چولہے پر سالن پکا رہا تھا۔ اپنے ساتھی سے بولا۔ "اے

چھورا!.......... جا اس مائی کو پانی دے آ۔"

اس ایریئے میں روشنی کم تھی۔ نامکمل عمارت کے کسی کسی حصے میں بلب کی روشنی ٹمٹما رہی تھی۔ سب ہی سایہ سایہ سے دکھائی دے رہے تھے۔

شکیلہ بیگم پھر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ خدا سے گڑگڑا کر بیٹے کے لئے دعا مانگنے لگی۔ ایسے ہی وقت ایک مانوس سی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "لو اماں!.......... پانی پی لو۔"

وہ اس لب و لہجے کو کیسے نہ پہچانتی؟ ماں تو اپنے بچے کے رونے کی آواز بھی پہچان لیتی ہے اور وہ تو پھر بول رہا تھا۔ شکیلہ بیگم نے ایک جھٹکے سے سر گھما کر اسے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ مدھم روشنی میں اس کا چہرہ صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا' لیکن وہ تو اپنے نعمان کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتی تھی۔

وہ ریت اور مٹی میں اٹا ہوا نوجوان کوئی اور نہیں نعمان ہی تھا۔ شکیلہ بیگم ایک جھٹکے سے اٹھی۔ پھر تڑپ کر بیٹے سے لپٹ گئی۔ اس کے جسم کو ہاتھوں سے یوں ٹٹولنے لگی جیسے اس کے مل جانے کا یقین کر رہی ہو۔ بیٹے کے گلے لگ کر بے چین ممتا کو قرار آگیا تھا۔

نعمان بلک بلک کر رو رہا تھا۔ آنسوؤں کا ایسا بہاؤ تھا کہ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ دو چار مزدوروں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

ماں نے بیٹے کے چہرے کو چومتے ہوئے پوچھا۔ "تو کہاں کھو گیا تھا۔ میرے بچے!.......... یہاں کیا کر رہا ہے؟ اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تُو نے اپنی؟"

وہ بے اختیار اس کے چہرے کو چومتی جا رہی ہے اور سوالات کرتی جا رہی تھی۔ ایک مزدور فوراً ہی ٹھیکیدار کو بلا کر لے آیا۔ وہ دور سے ان ماں بیٹے کو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھتے ہوئے ان کے قریب آ کر بولا۔ "اوئے!.......... کیا ہو رہا ہے یہاں؟"

نعمان ٹھیکیدار کی آواز سنتے ہی فوراً ماں سے الگ ہو گیا۔ شکیلہ بیگم نے بیٹے سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

ٹھیکیدار نے کہا۔ "مائی!.......... یہ سوال تو مجھے کرنا چاہئے۔ ویسے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اس کی ماں ہو۔ کیوں بے! صحیح کہہ رہا ہوں ناں؟"

نعمان نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "جی ٹھیکیدار جی!.......... یہ میری امی ہیں۔ مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی ہیں۔"

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہنچ گئی ہے۔ یا بلایا ہے؟"

وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں ٹھیکیدار جی!.......... میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ یہ خود ہی یہاں آئی ہیں۔"

ان دونوں کی باتیں شکیلہ بیگم کو سمجھ نہیں آ رہی تھیں کہ بیٹا اتنی عاجزی سے بات کیوں کر رہا تھا؟ اور وہ ٹھیکیدار کیوں اتنے کروفر سے اس پر دھونس جما رہا تھا؟

اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اے!.......... تم میرے بیٹے سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟"

نعمان نے کہا۔ "امی!.......... آپ تو چپ رہیں۔"

"ارے کیوں چپ رہوں؟ دیکھ نہیں رہے ہو۔ وہ کیسے اکڑ کر بات کر رہا ہے؟ کیا تم نے اس کی بھینس بھگائی ہے؟"

ٹھیکیدار نے نعمان سے کہا۔ "ابے بتاتا کیوں نہیں کہ تُو نے میرا کیسا نقصان کیا ہے؟"

شکیلہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "امی!.......... میں ہفتے کی صبح ملازمت کے لئے یہاں سے گزر رہا تھا۔ دو چار بچے غلیل سے کھیل رہے تھے۔ میں بھی یوں ہی شغل کے طور پر نشانے لگانے لگا۔ ایسے میں دو مزدور ایک بڑا سا شیشہ لے کر اس عمارت کے اندر جا رہے تھے۔ میرے غلیل کا پتھر اس شیشہ سے جا کر ٹکرایا تو وہ چکنا چُور ہو گیا اور میں یہاں اسی خطا کی سزا بھگت رہا ہوں۔"

ٹھیکیدار نے لقمہ دیا۔ "امپورٹڈ شیشہ تھا۔ پورے تین ہزار کا.......... جب تک وہ رقم پوری نہیں ہو گی۔ اس وقت تک اسے یہاں سے چھٹی نہیں ملے گی۔"

شکیلہ بیگم نے تڑپ کر کہا۔ "یعنی تم تین ہزار کے لئے میرے بیٹے کو حبس بے جا میں رکھو گے؟ میں تم پر کیس کروا دوں گی۔"

وہ بولا۔ "ہمیں بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہارے بیٹے کو اپنے پاس رکھنے کا۔ اسے لے جانا چاہتی ہو تو تین ہزار روپے ہتھیلی پر رکھ دو۔"

شکیلہ بیگم نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر ٹھیکیدار سے کہا۔ "ہم یکمشت تو یہ رقم ادا نہیں کر سکیں گے۔ یوں کرو!.......... قسطیں باندھ دو۔ ہر مہینے ایک ہزار روپے لے لیا کرنا۔ تین ماہ میں تمہاری رقم ادا ہو جائے گی۔"

نعمان نے پُرامید نظروں سے ٹھیکیدار کو دیکھا۔

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے دونوں ماں بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے.........."

لیکن جب تک رقم ادا نہیں ہو گی۔ تب تک تمہارا بیٹا یہیں رہے گا۔"

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "یہ سراسر بد معاشی ہے۔ جب ہم تمہاری رقم ادا کر رہے ہیں تو یہ یہاں کیوں رہے گا؟"

نعمان نے کہا۔ "تو اور کیا.......... یہ تو دھاندلی ہے۔ آپ مجھ سے کام کروائیں گے۔ مزدوری نہیں دیں گے اور اپنی رقم بھی ہر مہینے لیتے رہیں گے۔ جب رقم آپ کو مل رہی ہے تو میں یہاں مفت میں کام کیوں کروں؟"

ٹھیکیدار نے کہا۔ "اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہر مہینے مجھے رقم ملتی رہے گی؟ تم یہاں رہو گے تو تمہاری ماں ادائیگی میں ناغہ نہیں کرے گی اور جہاں تک مفت میں کام کرنے کی بات ہے۔ تو میں سب مزدوروں کو دو سو روپے دیہاڑی دیتا ہوں۔ تمہیں سو روپے ملیں گے۔ ملازمت یوں آسانی سے نہیں ملتی۔ تم تو خوش نصیب ہو۔"

ماں نے تڑپ کر کہا۔ "یہ کیسی خوش نصیبی ہے؟ تم اس سے کام پورا لو گے اور مزدوری آدھی دو گے؟"

نعمان نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں یہ ملازمت نہیں کروں گا۔"

ٹھیکیدار نے کہا۔ "تو نہ کرو.......... ابھی تین ہزار میرے ہاتھ پر رکھو اور اپنی ماں کے ساتھ چلے جاؤ۔ میں نہیں روکوں گا۔"

شکیلہ بیگم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "ارے کہا تو ہے تین ماہ میں، تمہیں پیسے مل جائیں گے۔ پھر اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو؟ ٹھیک ہے تم اس سے کام لینا چاہتے ہو تو لو لیکن اسے گھر تو جانے دو۔"

ٹھیکیدار نے حتمی لہجے میں کہا۔ "میں نے دو باتیں تمہارے سامنے رکھ دی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ابھی رقم دو اور اسے لے جاؤ۔ دوسری یہ کہ جب تک پوری رقم مجھے نہیں مل جائے گی تب تک یہ یہیں رہے گا۔ یہ تم جتنے بھی مزدور دیکھ رہی ہو۔ سب اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ تمہارے بیٹے کو بھی ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

نعمان نے ماں کو بے بسی سے دیکھا۔ پھر ذرا نرم لہجے میں ٹھیکیدار سے کہا۔ "چلو ٹھیک ہے۔ میں آپ کی شرط مان لیتا ہوں' لیکن مجھے میری مزدوری تو پوری ملنی چاہئے۔"

ٹھیکیدار نے کہا۔ "تم ان مزدوروں کی طرح کام نہیں کرتے ہو۔ بہت سست ہو۔ کام رفتار سے کرو گے تو معاوضہ بھی بڑھ جائے گا۔"

شکیلہ بیگم کا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ کیسے کہاں سے اور کتنی جلدی رقم کا

بندوبست کر سکتی ہے؟"

پھر اس نے ٹھیکیدار سے پوچھا۔ "اگر میں کل شام تک تمہارے تین ہزار تمہیں لوٹا دوں تو کیا تم میرے بیٹے کو جانے دو گے؟"

"چاہے یکمشت لا کر کل ہی دے دو یا قسطوں میں ادا کرتی رہو۔ جیسے ہی رقم پوری ہو گی۔ ویسے ہی تمہارا بیٹا تمہیں مل جائے گا۔"

ماں نے بیٹے کو تسلی دی۔ "نعمان بیٹا!.......... تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی جا کر تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کریں گے اور کل ہی تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔"

نعمان ماں کے جذبات سے کھیلنا خوب جانتا تھا۔ کام چور تو سدا کا تھا۔ اسے ایک طرف لے جا کر سرگوشی میں بولا۔ "امی!.......... جو بھی کرنا ہو جلدی کرنا۔ یہ لوگ مجھ سے بہت کام لیتے ہیں۔ میری دو دن میں ہڈیاں چیخ کر رہ گئی ہیں۔"

یہ سنتے ہی ماں کا دل تڑپ گیا۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ "تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہ ہو سکا تو میں تمہیں آزاد کروانے کے لئے گھر کی ایک ایک چیز بیچ ڈالوں گی۔ ان ظالموں پر خدا کی مار ہو۔ ہماری مجبوری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔"

وہ ماں بیٹا کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ایک دوسرے کو محبتیں دیتے رہے۔ پھر شکیلہ بیگم دل پر پتھر رکھ کر بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی گھر آ گئی۔

تین ہزار کوئی بڑی رقم نہیں ہوتی' لیکن بھرپور گھرانے میں آمدنی کم ہو تو سو روپے بھی پہاڑ لگتے ہیں۔ وہ تقریباً سب ہی جاننے والوں کی قرض دار تھی۔ کہیں سے قرض ملنے کی امید بھی نہیں تھی۔

ایک ہی حل سمجھ میں آ رہا تھا کہ حیات انصاری بیٹے کی رہائی کے لئے اپنی تنخواہ ایڈوانس میں لیتا اور ٹھیکیدار کو اس کی رقم ادا کر دیتا۔

مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ مہینے بھر کی کمائی اگر ٹھیکیدار کو ادا کر دی جاتی تو گھر میں فاقے کی نوبت آ سکتی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ایڈوانس تنخواہ اور قرض کے علاوہ شکیلہ بیگم کون سا تیسرا راستہ اختیار کرنے والی تھی؟

☆======☆======☆

جبران عرف ہنی سیٹ بیلٹ باندھنے کے بعد جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق رات کے دس بج رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں اتنی

بلندی سے سوائے ننھی ننھی جگمگاتی روشنیوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ مسکرا کر سیٹ کی پشت پر سر ٹیکتے ہوئے صدف کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ ابتدا ہی سے مشرقی حسن کا دیوانہ تھا۔ گوری اور گلابی چمڑی والیاں کبھی اسے اپنی طرف مائل نہیں کر سکی تھیں، لیکن صندلی رنگت والی صدف کو دیکھتے ہی وہ بے اختیار یہ سوچ رہا تھا کہ اس موہنی سی لڑکی کو ہی اس کی زندگی میں آنا ہے اور ضرور آنا ہے۔

یہ اس کی اپنی سوچ تھی، اپنا فیصلہ تھا۔ بعض اوقات انسان یہی کرتا ہے مستقبل کے محل کو صرف اپنی سوچ کے مطابق تعمیر کرتا چلا جاتا ہے۔ یکطرفہ فیصلہ اکثر مایوسی کا سبب بنتا ہے اور اس حقیقت سے ہنی بھی آشنا تھا، لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ اسے کسی مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ درست سوچ رہا تھا۔ اس میں کس بات کی کمی تھی؟ دولت، عزت، اعلیٰ خاندان، پُروقار شخصیت، تعلیم اور کاروباری ذہن۔ سب ہی کچھ تو تھا۔ یہ ایسی خصوصیات تھیں جن کی بدولت وہ زندگی کے ہر معاملے میں کامیابی حاصل کر سکتا تھا اور کرتا ہی رہتا تھا۔ صدف کے معاملے میں بھی اسے پوری امید تھی۔

اس نے پہلو بدلتے ہوئے سوچا۔ "لیکن اس نے مجھے کوئی جواب کیوں نہیں دیا؟ آنٹی نے بتایا تھا کہ صدف نے میرا ای میل پڑھا ہے، تصویر بھی دیکھی ہے اور مجھے پسند بھی کر لیا ہے۔ پھر.........؟"

اس نے دوبارہ پہلو بدلا۔ "پھر اس نے مجھ سے کوئی رابطہ کیوں نہیں کیا؟ بقول آنٹی کے، اب تو وہ ہر وقت میرا ہی ذکر کرتی رہتی ہے۔ میرے لئے شاپنگ کر رہی ہے۔ کمرہ سیٹ کر رہی ہے۔"

وہ صدف کی طرف سے خاموشی پر کچھ الجھا ہوا تھا۔ پھر ایک ذرا مسکرا کر سوچنے لگا۔

"ہو نہ ہو یہ مشرقی ادا ہے۔ اس کی شرم و حیا اسے ایسی بے باکی سے روک رہی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو میں نے بالکل صحیح لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ یعنی وہ ظاہری ہی نہیں، باطنی بھی ایشین گرل ہے۔" اس نے خوش ہو کر کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا۔ وہاں کچھ بھی تو نہیں تھا سوائے تاریکی کے، لیکن ہنی کی نظر سے دیکھا جاتا تو اس تاریکی میں ہی صدف جھلملا رہی تھی۔ شرما کر مسکرا رہی تھی۔

☆------☆------☆

وزیٹرز لابی میں بیٹھی بی پاشا بیگم نے صدف کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ "اسمائیل

ڈیئر!......... پلیز......... مسکراؤ۔ ویسے سنجیدگی میں بھی بہت پیاری لگ رہی ہو، لیکن کسی کو ویلکم کرنے کے لئے مسکرانا ضروری ہوتا ہے جاناں!"

اس نے ایک ذرا بے زاری سے ماں کو دیکھا۔ پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ بی پاشا بیگم نے اس کے بالوں کی ایک لٹ کو اپنی انگلی سے ہٹاتے ہوئے بڑے میٹھے انداز میں کہا۔ "ڈارلنگ!......... میں جو بھی کہہ رہی ہوں، تمہارے بھلے کے لئے ہی کہہ رہی ہوں۔ تمہیں مائنڈ نہیں کرنا چاہئے۔"

بی پاشا دوپہر سے اسے نصیحتیں کرنے پر تلی ہوئی تھی اور وہ اس کے مشوروں سے الجھ رہی تھی۔ بے زار ہو رہی تھی۔ بے زاری اسے ماں سے تھی۔ جبران سے ہوتی تو شاید وہ ائیرپورٹ نہ آتی۔

وہ اپنا محاسبہ کر رہی تھی کہ اسے جبران کے پاکستان آنے سے کوفت نہیں ہو رہی تھی بس ذرا جھنجلاہٹ سی ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کے اور سلمان کے درمیان آرہا ہے اور وہ اس بیچ میں آنے والے کو ریسیو کرنے ائیرپورٹ آئی ہوئی تھی۔

آنے سے پہلے لباس کا انتخاب کرتی رہی تھی کہ کون سا رنگ اس پر جچے گا؟ یہ ہر انسان کا فطری جذبہ ہوتا ہے، وہ سامنے والے کو متاثر کرنے کے لئے سو جتن کرتا ہے۔ وہ ائیرپورٹ جانے سے پہلے بہت اچھے انداز میں تیار ہوئی تھی......... کیوں؟

جب وہ سلمان کو چاہتی تھی، اسے پسند کرتی تھی تو جبران کے سامنے جانے کے لیے ایسی متاثر کن تیاریاں کیوں کر رہی تھی؟ جب اسے اپنی زندگی میں لانا نہیں چاہتی تھی تو پھر اسے ریسیو کرنے یہاں تک کیوں آئی تھی؟

وہ ان سوالات پر سنجیدگی سے غور کرنے لگی۔ ایک ہی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ فطری تقاضے سے مجبور ہے۔ انسان ہمیشہ سے دوسروں کو تڑپا کر ترسا کر بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ بھی جبران کو اپنے جلوؤں کی رعنائیاں دکھا کر ٹھینگا دکھانا چاہتی تھی کہ تم صرف مجھے دیکھ سکتے ہو۔ میری چاہت کر سکتے ہو لیکن مجھے چھو نہیں سکتے۔

یہ صرف اس کی سوچ نہیں تھی۔ سب ہی ایسا چاہتے ہیں ہر جگہ ہر محفل میں محبوب نہیں ہوتا۔ پھر بھی تقریب میں جانے سے پہلے خود کو بنایا سنوارا جاتا ہے اور اس کے پیچھے صرف ایک ہی جذبہ ہوتا ہے، مرکز نگاہ بننے کا اور یہ ہر ایک کی تمنا ہوتی ہے کہ سب اسے دیکھیں اسے سراہیں اور وہ انتخاب نظر بن جائے۔

ایسی تمنا کی تکمیل کی ذرا سی امید سے انسان کے اندر خوشیاں مچلنے لگتی ہیں۔

اور پھر صدف کو تو یہ معلوم ہی تھا کہ وہ سات سمندر پار کسی کا انتخاب بن چکی ہے۔ اس کے دل کے تار چھیڑ چکی ہے۔ پھر اس کے اندر مسرتیں کیوں نہ پھوٹتیں؟

وہ دوہری کیفیت سے گزر رہی تھی۔ یہ سب کچھ اچھا بھی لگ رہا تھا اور نہیں بھی۔

☆------☆------☆

طیارہ رن وے پر اتر چکا تھا۔ اناؤنس منٹ ہو رہی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے وزیٹر لابی اور لگیج ہال مسافروں سے بھرنے لگا۔ بی پاشا ریلنگ کے پاس آکر اچک اچک کر ایک ایک مسافر کی شکل دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف صدف کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی تو ہو گئی تھی مگر ریلنگ کے پاس آنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

ماں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلاتے ہوئے کہا۔ "وہ گلدستہ لے کر یہاں آجاؤ۔"

وہ کرسی پر رکھے ہوئے گلدستہ کو اٹھا کر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ماں کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ خوشی سے چہک کر بولی۔ "میرے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں۔ سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ اسے کیسے ریسیو کروں؟ کیا سب سے پہلے اس کی پیشانی چوموں؟........ نہیں........ ماتھا چومنے کا رواج پرانا ہو گیا ہے۔ میں تو اسے دیکھتے ہی سینے سے لگالوں گی ڈیئر!........ تم کیا کہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "ممی!........ جو مناسب سمجھیں وہ کریں لیکن اتنی کنفیوز تو نہ ہوں۔ جی خوشی سے ملیں گی تو آپ کا ہر انداز ہی انہیں اچھا لگے گا۔ اس معاملے میں چوائس کیسی؟"

وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر بڑے جذبے سے بولی۔ "اوہ ڈیئر!........ تم میرے اندر کی بات نہیں سمجھ رہی ہو۔ فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن' میں ہنی کو پہلی ہی ملاقات میں اپنا گرویدہ بنا لینا چاہتی ہوں اور تم سے بھی یہی امید کرتی ہوں۔ جان!"

صدف آنے والے مسافروں کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر ایک جانے پہچانے چہرے کی طرف گئی وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے ماں کو کہنی مار کر بولی "ممی!........ ادھر دیکھیں۔"

ماں نے بیٹی کی نظروں کا تعاقب کیا تو خوشی سے اچھل پڑی۔ "ارے........ یہ تو ہنی ہے۔"

"ہاں........ مجھے بھی وہی لگ رہے ہیں' لیکن تصویر سے ذرا مختلف نظر آرہے ہیں۔"

جبران کی نظریں خوش آمدید کہنے والوں کے چہروں پر بھٹک رہی تھیں۔ وہ اپنا سامان ایک ٹرالی میں رکھے اسے دھکیلتا ہوا باہر آرہا تھا۔ بی پاشا بیگم نے ذرا لہک کر اسے دور سے ہی پکارا۔ "ہنی!........ ڈیئر ہنی!"

اپنا نام سنتے ہی جبران نے چونک کر سر گھمایا۔ بی پاشا ہاتھ لہراتی ہوئی اس کے قریب آرہی تھی۔ "ہائے ہنی!........ میں ہوں تمہاری آنٹی بی پاشا۔"

جبران ٹرالی چھوڑ کر خوشی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں بازو پھیلا کر اس کے گلے لگ گئی۔ پھر اس کے چہرے کو چومتے ہوئے بولی۔ "میں نے تو تمہیں دور سے ہی پہچان لیا تھا۔ یہ بتاؤ۔ سفر کیسا رہا؟"

وہ اس کے سینے سے لگا ہوا تھا اور اس کے پیچھے کھڑی ہوئی صدف کو دیکھ رہا تھا۔ نوخیز کلی کی گود میں کھلے ہوئے پھول اسے مزید پُرکشش بنا رہے تھے۔ وہ بارہا اس کی تصویر کو دیکھتا رہا تھا' لیکن اب حقیقتاً دیکھ کر تو جیسے کھو سا گیا تھا۔

بی پاشا نے اس کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔ "کیا صرف مجھ سے ملنے آئے ہو؟ میری صدف سے نہیں ملو گے؟"

وہ مسکرا کر اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔ "ارے ہاں........ کہاں ہے صدف؟"

کچھ دیر پہلے دونوں کی نظریں ملتی رہی تھیں۔ نگاہوں کی اپنائیت سمجھا رہی تھی کہ وہ اسے پہچان گیا ہے پھر بھی انجان بن رہا ہے۔ صدف بے اختیار مسکرانے لگی۔ بی پاشا بیگم نے اپنا ایک بازو بیٹی کی کمر کے گرد حمائل کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے میری سویٹ ہارٹ........ صدف........ مائی ہارٹ پیس۔"

جبران نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر اپنا ایک ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو بے بی فلاور!"

صدف نے ذرا ہچکچا کر اسے دیکھا پھر اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ بی پاشا نے اسے کہنی مار کر ہاتھ ملانے کا اشارہ کیا۔ اس نے ایک نظر ماں پر ڈالی۔ گلدستہ جبران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسلام علیکم۔"

اس نے ذرا شرمندگی سے اپنے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر دوسرے ہاتھ کو بھی

بڑھا کر اس کے ہاتھ سے گلدستہ لیتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو!.......... میں بھول گیا
یہ پاکستان ہے۔"

بی پاشا بیٹی کو گھور رہی تھی۔ پھر جلدی سے بولی۔ "نو ڈیئر!.......... اب پاکستان
بھی وہ سب کچھ ہونے لگا ہے۔ جو ویسٹ میں ہوتا ہے' لیکن ہماری صدف کا مزا
مختلف ہے۔ تم مائنڈ نہ کرنا۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "سچ پوچھیں تو آنٹی!.......... مجھے مختلف مزاج والی کی ہی تا
ہے۔"

صدف اس کی بات پر ایک دم سے جھینپ گئی۔ بی پاشا خوشی سے نہال ہوتے ہو
بولی۔ "او اسمارٹ بوائے! تم بہت صاف گو ہو۔ مجھے امید ہے کہ ہم تمہارے ساتھ او
ہمارے ساتھ اچھا وقت گزارو گے۔"

وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے پارکنگ ایریا میں آئے۔ بی پاشا کار کی اگلی سیٹ پر
گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صدف کو جبران کے ساتھ بٹھانا چاہتی ہے
لامحالہ وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر آ گئے۔ ڈرائیور نے کار کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔

آگے بڑھتے رہنے کا نام ہی زندگی ہے اور صدف کی زندگی اسے آگے نہ جانے ک
نئے موڑ پر لے جانے والی تھی؟

اور نیا موڑ مڑتے ہی پچھلا راستہ نگاہوں سے گم ہو جاتا ہے۔

☆------☆------☆

شکیلہ بیگم جب سے گھر میں آئی تھی۔ تب سے چپ تھی۔ نہ بات بے بات پر
کا ذکر کر رہی تھی اور نہ ہی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہائیاں دے رہی تھی۔

شوہر اور بیٹے نے اس کی اس تبدیلی کو محسوس نہیں کیا تھا' لیکن بیٹیاں مسلسل ا
ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی تھیں۔

رات کے تقریباً بارہ بجنے والے تھے۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ کوئی سو
تھا اور کوئی جاگ رہا تھا۔ شکیلہ بیگم نے آنکھیں بند کیں تو بیٹے کی چھالوں بھری
نظروں کے سامنے آ گئیں۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

پھر دل ہی دل میں کہنے لگی۔ "یااللہ!.......... تُو نے میرے بچے کا کیسا نصیب بنا
ہے؟ وہ جہاں جاتا ہے۔ قسمت کی مار ہی کھاتا ہے۔ اس سے جو بھی خطا ہوتی ہے' انجا
میں ہی ہوتی ہے۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ اپنے سے چھوٹوں کی باتیں سنتا ہے ا

لگتا ہے؟ وہ بے چارہ تو سب کی ہی باتیں سر جھکا کر سنتا رہتا ہے۔ میرے مالک!.......... تُو
ایسے صبر کرنے والے کا کب تک امتحان لیتا رہے گا؟"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے ایک ہاتھ رکھ کر اپنے منہ دبا لیا۔
برابر میں حیات انصاری سو رہا تھا۔ وہ اسے جگانا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی سمجھ نہیں پائی تھی
کہ شوہر کو اس بار بیٹے کی غلطی کی کیا وجہ بتائے؟

جو بھی سنتا وہ یہی کہتا ہے کہ نعمان کو یوں راہ چلتے بچپنا نہیں دکھانا چاہئے تھا اور
حیات انصاری تو شاید یہ سنتے ہی کہ وہ اس ٹھیکیدار کی قید میں رہ کر کام کر رہا ہے اور کما رہا
ہے۔ اسے گھر ہی نہ لاتا۔

ایسے خدشات پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے بیٹے کے مل جانے کی خبر کسی کو نہیں
سنائی تھی' لیکن تین ہزار کا انتظام کرنے کے لئے اسے کچھ تو کرنا تھا۔ وہ ایک بار پھر دل ہی
دل میں گڑگڑانے لگی۔ "یااللہ!.......... تُو میرے بچے کی قسمت سنوار دے۔ ایک اس کی
الجھنیں مجھ سے دیکھی نہیں جاتیں۔ کیا تُو اسے پیدا ہونے کی.......... اس دنیا میں آنے کی
سزا دے رہا ہے؟ یا میرے مولا!.......... ایک بار.......... بس ایک بار تُو اس کا ہاتھ تھام
لے۔ میں کسی بھی طرح اسے ٹھیکیدار کی قید سے رہائی دلوادوں گی۔ مگر اس کے بعد یہ
تیری ذمے داری ہے کہ تُو اس کی قسمت سنوارے گا۔ اسے کمائی کے راستے پر ڈالے گا۔
یااللہ!.......... تُو سب کی سنتا ہے۔ اس ماں کی بھی سن لے۔"

وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ سوچتی رہی کہ تین ہزار کا بندوبست کہاں
سے کرے؟ ایسے ہی وقت اسے ندا کا خیال آیا۔ اس نے چند روز پہلے اسے ایک ہزار
روپے دیئے تھے۔ پھر اس کے ساتھ اپنے خرچے پر شاپنگ کے لئے بھی گئی تھی۔ یہ سب
کچھ سوچنے اور یاد آنے کے بعد اسے تشویش ہونی چاہئے تھی۔ بلکہ اسی روز ہونی چاہئے
تھی جس روز ندا نے اس کے ہاتھ پر ایک ہزار روپے رکھے تھے' لیکن کیسے ہوتی؟

اس دن بھی وہ بیٹے کے معاملے میں الجھی ہوئی تھی اور آج بھی یہی صورت حال
تھی۔ لہٰذا آج بھی وہ تشویش میں مبتلا ہونے کے بجائے یہ سوچنے لگی۔ "مجھے ندا سے بات
کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہ بھائی کے لیے کہیں سے رقم کا بندوبست کر دے۔ کہیں سے
ادھار لے گی تو نعمان سے کہوں گی تو وہ مہینے میں ایک ایک ہزار دے کر اس کا ادھار چکا
دے گا۔"

امید بڑی چیز ہے۔ بس انسان کے دل میں سچا عزم ہونا چاہئے۔ منزل مل ہی جاتی

ہے اور پھر وہ تو ایک ماں تھی۔ بیٹے کی واپسی کے لئے سوچ کے گھوڑے دوڑا رہی تھی
کسی حد تک کامیابی نظر آنے لگی تھی۔

وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ بیٹیوں کے
کمرے کا اندھیرا بتا رہا تھا کہ وہ دونوں سو چکی ہیں۔ ماں کو ان کی نیند سے زیادہ اپنے بیٹے
کی واپسی عزیز تھی۔ وہ عجیب ماں تھی۔ سب ہی بچوں کے لئے ممتا رکھتی تھی۔ مگر بیٹے
سے تو جیسے اسے عشق تھا۔

بیٹیوں کی جگہ اگر بیٹا سو رہا ہوتا اور کسی وجہ سے جگانا ہوتا تو وہ ایسا کبھی نہ کرتی
اس کی پُرسکون نیند کو کبھی نہ توڑتی۔

کمرے میں چونکہ بیٹے نہیں بیٹیاں تھیں۔ لہٰذا وہ انہیں جگانے ان کے پاس آ
گئی۔ فرح نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔ اسے نیم اندھیرے میں ماں کا چہرہ نظر نہیں
آ رہا تھا۔ پھر وہ اسے پہچان گئی۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "امی!.......... آپ اس وقت
یہاں؟ کیا بات ہے؟"

وہ بستر کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ "ذرا ندا کو اٹھاؤ۔"

فرح سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے ندا کو اٹھانے لگی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے
اٹھ کر بولی۔ "کیا بات ہے؟ اللہ اللہ کر کے ابھی نیند آئی تھی۔"

وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ پھر ماں کو دیکھ کر بولی۔ "امی!.......... آپ؟"

فرح نے بستر سے اتر کر لائٹ آن کی تو کمرے کا اندھیرا دور ہو گیا۔ شکیلہ بیگم بیٹیوں
کے پاس اسی لئے آئی تھی کہ اپنے بیٹے کی زندگی پر چھانے والے وقتی اندھیرے کو دور کر
سکے۔ اس نے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ندا!.......... ابھی دو تین روز پہلے تم نے
مجھے ایک ہزار روپے دیئے تھے۔"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ جواب کے لئے خود کو تیار کرنے لگی۔ شاید ماں یہ پوچھنے
آئی تھی کہ اسے وہ رقم کس نے دی تھی؟

مگر وہ اس کی سوچ کے خلاف بولی۔ "میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم وہ رقم کہاں
سے لائی تھیں؟ بس اتنا کہوں گی کہ آج مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

ندا کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ بولی۔ "کیوں نہیں پوچھیں گی آپ؟ میں نے کوئی
ملازمت نہ کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ پر ایک ہزار روپے رکھے تھے۔ آپ کو اسی دن مجھ
سے پوچھنا چاہئے تھا۔ چلیں.......... تب نہ سہی اب تو پوچھ سکتی تھیں۔ میں یہی سمجھ

تھی کہ آپ تمام جھمیلوں سے فارغ ہونے کے بعد اب مجھ سے اس رقم کے بارے میں
پوچھنے آئی ہیں۔"

ماں نے کہا۔ "جہاں اعتماد ہو۔ وہاں پوچھا نہیں جاتا۔ مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ اسی
لئے میں نے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نہ اب کروں گی۔"

وہ بولی۔ "اعتماد کرنا اچھی بات ہے، لیکن آپ تو اندھا اعتماد کر رہی ہیں۔"

ماں نے کہا۔ "یہ نہ کروں تو اور کیا کروں؟ اعتماد نہ ہوتا تو تم اسکول کیسے جاتیں؟
سینٹر کیسے جاتیں؟"

ندا نے کہا۔ "امی!.......... وہ بات الگ ہے۔"

فرح نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ندا!.......... بحث کیوں کر رہی ہو؟ امی نے نہیں
پوچھا ہے تو تم خود ہی انہیں بتادو کہ رقم تمہاری میڈم نے تمہیں دی تھی۔"

پھر فرح نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "امی!.......... اس کی میڈم بہت ہی
نیک دل اور محبت کرنے والی خاتون ہیں۔ اسے انہوں نے ہی رقم دی تھی تاکہ سیکھنے کے
دوران جو بھی کپڑا خریدنا ہو یہ خرید سکے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی کی مجبوری کو
سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے حالات جانتی ہیں۔ اسی لئے ندا کو سپورٹ کرتے ہوئے اسے ہنر سکھا
رہی ہیں۔"

شکیلہ بیگم نے خوش ہو کر ندا کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "اسے کہتے ہیں اعتماد۔ ایک ماں سے
زیادہ اپنے بچوں کو کون سمجھ سکتا ہے؟ میں کسی دن ملنے جاؤں گی تمہاری میڈم سے۔"

وہ کہتے کہتے رکی۔ پھر ذرا ہچکچا کر بولی۔ "وہ.......... وہ ایسی ہی ہمدرد خاتون ہیں
تو.......... کیا تم ان سے.......... تین.......... تین ہزار روپے لے سکتی ہو؟"

دونوں بیٹیوں نے ایک دم سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "لیکن
آپ کو تین ہزار روپے کس لئے چاہئیں؟"

"تم دینے کی بات کرو۔ پھر میں بتاتی ہوں۔"

ندا نے ہچکچا کر ماں کو دیکھا۔ ماں بولیں۔ "میں بھیک لینے کو تو نہیں کہہ رہی ہوں۔
ادھار لینا ہے۔ ہر ماہ ایک ہزار روپے لوٹاتے رہیں گے اس طرح تین ماہ میں ان کی رقم ادا
ہو جائے گی۔ سیدھی سی بات ہے، لیکن تم تو نہ جانے کس سوچ میں پڑ گئیں؟"

ندا کو تو یہ سوچ کر ہی شرم آ رہی تھی کہ وہ میڈم کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی۔ ان
سے قرضہ مانگے گی۔ جب انہوں نے سوٹ پیس کے لئے خود سے رقم دی تھی۔ تب بھی

یہ ان سے کترا رہی تھی۔ شرما رہی تھی۔

اس نے ماں سے کہا۔ "نہیں امی!.......... میں ان سے رقم نہیں مانگوں گی اور بھی یہ مناسب نہیں ہو گا۔ وہ اگر ہمدرد اور مہربان ہیں تو مجھے ان کی ہمدردی سے نا فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔"

"اس میں ناجائز کی کیا بات ہو گی؟ لوگ تو کروڑوں اور اربوں کا ادھار لیتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے ملکوں کے حکمران بھی ضرورت پڑنے پر ایسا کرتے ہیں۔ تم کرو گی تو اس میں نامناسب کیا ہے؟ صرف تین ہزار کی تو بات ہے۔ میں کون سا تمہا میڈم سے دس بارہ ہزار مانگنے کی بات کر رہی ہوں؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "بات سینکڑے یا ہزار کی نہیں ہے۔ بس میں ان سے ادھار مانگ سکتی۔"

فرح نے مداخلت کی۔ "امی!.......... ضرورت بھی تو بتائیں؟"

ماں نے کہا۔ "یہ صاف انکار کر رہی ہے، ضرورت کیا بتاؤں۔ میں تو بھرپور ا لے کر یہاں آئی تھی۔ مجھے بھی ادھار مانگنے کا شوق نہیں ہے کوئی مجبوری ہی ہے۔ تب تو کہہ رہی ہوں۔"

وہ ماں تھی۔ ممتا بھری سیاست سے کام لینا جانتی تھی۔ فوراً ہی آنسو بہانے لگی روتے ہوئے کہنے لگی۔ "میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ آج میرا شوہر گھر میں بھر آمدنی لا رہا ہوتا تو مجھے تمہارے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ ہم ماں با تمہاری خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے دوسروں کے سامنے ذلیل ہوں۔ وہ کوئی با نہیں لیکن تم ماں کی مجبوری دور کرنے کے لئے ایک عورت کے سامنے نہیں جھ سکتیں۔"

پھر وہ چادر سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "کوئی بات نہیں تم کسی کے سامنے شرم نہ ہو۔ میں خود ہی کوشش کر لوں گی۔ میرا کیا ہے۔ شادی کے بعد سے اب تک کسی کسی ضرورت کے لئے لوگوں سے ادھار قرض لیتی ہی آئی ہوں۔ اب بھی لے لوں گی ماں ذلیل ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔ تم اپنی ناک نیچی نہ کرنا۔"

وہ اٹھ کر وہاں سے جانے لگی۔ ندا نے صاف منع تو کر دیا تھا، لیکن اب ماں آنسو بھی اس سے دیکھے نہیں جا رہے تھے۔ وہ جلدی سے بولی۔ "امی!.......... رکیں سہی۔"

شکیلہ بیگم تو جیسے اس کی آواز کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ فوراً دروازے کے پاس رک گئی۔ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بولی۔ "آپ ادھوری بات کر کے جا رہی ہیں۔"

فرح نے کہا۔ "یہاں بیٹھ کر تفصیل سے بات کریں۔ ہمیں وہ مسئلہ تو بتائیں جو تین ہزار سے حل ہو گا اور جس نے آپ کو اتنی رات گئے پریشان کیا ہے۔"

شکیلہ بیگم اپنے طور پر پوری پلاننگ کر کے آئی تھی۔ بیٹیوں کے اس سوال کا جواب سوچ کر آئی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "مجھے یہ بتاؤ، نعمان تمہارا بھائی ہے۔ وہ کسی بھی مصیبت میں ہو گا تو کیا تم اس کی مدد نہیں کرو گی؟"

نعمان کے ذکر پر دونوں نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ پھر فرح نے کہا۔ "ظاہر ہے وہ مصیبت میں ہو گا تو ہم ہی کیا ابو اور سلمان بھی اس کی مدد کریں گے۔"

وہ بیٹی کی بات سن کر اک ذرا مطمئن ہوئی پھر بولی۔ "تو پھر سنو!.......... وہ مصیبت میں ہے اور اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

دونوں نے ایک بار پھر چونک کر ماں کو دیکھا۔ فرح نے پوچھا۔ "کیا آپ جانتی ہیں۔ وہ کہاں ہے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ہاں.......... لیکن یہ بات تم دونوں اپنے تک ہی رکھنا۔ باپ اور بھائی کو پتہ نہ چلے۔ ورنہ بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

ندا نے پوچھا۔ "کیسی گڑبڑ؟"

شکیلہ بیگم نے محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ پھر رازداری سے کہا۔ "اسے ایک جگہ قید کر کے رکھا گیا ہے۔ وہاں کا چوکیدار تین ہزار روپے لے گا اور چپ چاپ اسے میرے حوالے کر دے گا۔ وہاں اور بھی بہت سے قیدی لڑکے ہیں۔"

ندا نے تعجب سے پوچھا۔ "امی!.......... آپ کہاں کی بات کر رہی ہیں؟ نعمان بھائی کس کی قید میں ہیں؟"

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ بس اتنا سمجھ لو کہ وہ کوئی گروپ ہے جو یہاں کے نوجوان اور بے روزگار لڑکوں کو اسمگل کر کے دوسرے ممالک میں غیر قانونی طور پر پہنچاتے ہیں۔"

فرح نے پریشان ہو کر کہا۔ "نعمان تو واقعی بہت بڑی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ کیا آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہاں.......... تو اور کیا..........؟ اس چوکیدار نے ہی ہمیں ملوایا تھا۔"
ندا نے کہا۔ "تو پھر آپ یہ بات ابو سے کیوں چھپا رہی ہیں؟"
"وہ چوکیدار بہت ہی دیانتدار بندہ ہے۔ اسی نے مجھے منع کیا ہے کہ میں ا
اس مسئلے میں نہ الجھاؤں۔ جب معاملہ چپ چاپ ختم ہو رہا ہے تو بات اچھالنے
فائدہ ہے؟ ادھر میں تین ہزار اسے دوں گی ادھر وہ نعمان کو میرے حوالے کر دے گا
"اگر اس نے ایسا نہ کیا تو؟"
"ارے نہیں.......... وہ بہت نیک بندہ ہے۔ اسے پیسوں کی ضرورت ہے۔
ایمانی نہیں کرے گا۔"
"لیکن.......... لیکن آپ کو اس جگہ کا کیسے پتہ چلا..........؟ وہ چوکیدار آ
کہاں ملا؟ ہمیں کچھ تو بتائیں؟"
"اگر مجھے تفصیلات بتانے کی اجازت ہوتی تو میں ضرور بتا دیتی۔ تم صرف مجھے
کہ بھائی کو ان غنڈوں کی قید سے رہائی دلانے کے لئے تین ہزار کا بندوبست کر سکتی
نہیں؟"

ندا ماں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتیں حلق سے نی
رہی تھیں، لیکن ماں کی بات پر اعتبار تو کرنا ہی تھا۔ فرح نے سوالیہ نظروں سے
دیکھا۔ وہ ایک ذرا سوچنے کے بعد بولی۔ "ٹھیک ہے میں میڈم سے بات کروں گی۔ ان
پاس پیسوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ انکار نہیں کریں گی۔ مگر۔"
شکیلہ بیگم نے جلدی سے پوچھا۔ "مگر کیا؟"
وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "کچھ نہیں۔"
شکیلہ بیگم چہک کر بولی۔ "تو پھر جلدی کرنا۔ کوشش کرو کل ہی مل جائیں۔ اگر ا
گیا تو نعمان کل رات ہمارے درمیان ہو گا۔"
پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "اب تم دونوں سو جاؤ۔ میں جا رہی ہو
سے بات کر کے جی ہلکا ہو گیا ہے۔ شاید مجھے بھی نیند آ جائے۔"
وہ بولتی ہوئی دروازے تک پہنچی تو ندا نے ذرا ہچکچا کر کہا۔ "امی!.........."
وہ فوراً ہی پلٹ کر بڑے میٹھے انداز میں بولی۔ "ہاں بیٹی!.......... بولو..........؟"
ندا نے فرح کو دیکھا پھر ذرا اٹکتے ہوئے کہا۔ "وہ.......... امی!.......... صرف
ہی جگہ تکیہ نہ کریں۔ کسی اور سے بھی بات کر کے رکھیں۔ اگر میں میڈم سے نہ

سکی تو؟"
شکیلہ بیگم کے ماتھے پر ایک دم سے بل پڑ گئے۔ وہ تیوریاں چڑھا کر سخت لہجے میں
بولی۔ "ایک بات کہو، پٹڑیاں نہ بدلو۔ اگر میں کر سکتی تو تم سے کیوں کہتی؟ اور کچھ نہیں تو
اپنے بھائی کی مصیبت کا خیال کرتے ہوئے ہی اپنی میڈم کے سامنے جھک جاؤ۔"
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہ کر کچھ سوچنے لگی۔ شکیلہ بیگم زمانہ شناس
تھیں۔ خاموشی نیم رضامندی کو سمجھتی تھی۔ اس لئے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
ندا نے بڑی افسردگی سے فرح کو دیکھ کر کہا۔ "یہی وہ امی تھیں ناں.......... جنہوں
نے مجھے کمپیوٹر کورس کرنے کے لئے صاف منع کر دیا تھا؟ کیا اس وقت میرے لئے ایسے
راستے نہیں نکالے جا سکتے تھے۔ جو اب نعمان بھائی کو رہا کروانے کے لئے نکالے جا رہے
ہیں؟ اس مصیبت کے وقت امی کو کون یاد آیا بیٹے یا.......... بیٹیاں؟ ہمیں گھر کی عورتیں
کہہ کر ہر معاملے میں خاموش کروا دیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی عورتیں اپنا زیور بیچ کر گھر کے
مردوں کی ضروریات پوری کرتی ہیں اور یہ آنکھوں دیکھی بات ہے۔ تم نے اپنی ناک کی
بالی بیچی تھی اور امی نے اپنی کان کی بالیاں۔"
وہ حقیقت بیان کر رہی تھی۔ فرح سر جھکا کر سنتی رہی۔ پھر بولی۔ "تم ٹھیک کہہ رہی
ہو۔ ان دونوں چیزوں کی فروخت کے پیچھے نعمان کی ہی ضرورت تھی۔ وہ کبھی اس گھر میں
دو پیسے کما کر نہیں دے سکا۔"
"پھر بھی امی ان کے لئے کیسا تڑپتی ہیں۔ ابھی میں نے پیسوں کے لئے ذرا سی ہاں
کی تھی تو کیسے کِھل گئی تھیں اور جہاں ناں کی وہیں ماتھے پر بل آ گئے تھے۔"
فرح نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تمام باتیں درست ہیں، لیکن یہ
حقیقت بھی مسلم ہے کہ نعمان مصیبت میں ہے اور اسے نجات دلانے کے لئے ہمیں کچھ
کرنا ہی ہو گا۔"

ندا نے ذرا ناک چڑھا کر کہا۔ "انہیں تو کوئی اسمگل کر کے دوسرے ملک لے جائے
تو اچھا ہے۔ کم از کم وہاں ان اسمگلروں کے سائے میں رہ کر کچھ کام تو کر سکیں گے۔"
فرح نے ڈانٹ کر کہا۔ "بھائی کے لئے ایسے کیوں سوچ رہی ہو؟"
"اوہو.......... اب بھی یہ پوچھا جا رہا ہے کہ میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں؟ تمہیں
کسی سے قرض مانگنے کا کہا جاتا تو تم بھی ایسا ہی سوچتیں۔"
فرح نے قائل ہو کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "بولو.......... اب کرنا کیا ہے؟"

"وہی کرنا ہے جو امی کہہ گئی ہیں۔ ہم بہنیں ہیں کتنی بھی ٹرٹر کرلیں' لیکن بھائی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتیں۔ مگر ایک بات سچ کہہ دیتی ہوں۔ نعمان بھائی اپنی حرکتوں کی وجہ سے دھیرے دھیرے ہمارے دلوں سے اترتے جا رہے ہیں۔ بڑے بھائیوں کا جو مان مرتبہ ہوتا ہے' اسے کھو رہے ہیں۔"

پھر وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی۔ "میں بھی امی کی ہی بیٹی ہوں۔ مجھے تو اس سارے معاملے میں بھی ان کی سیاست ہی نظر آرہی ہے اور میں اپنے طور پر اس کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کروں گی۔ نعمان بھائی امی کو بے وقوف بناتے ہیں اور امی ہمیں۔"

فرح نے پوچھا۔ "اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو تم کیا کرو گی؟"

وہ بولی۔ "جب میں جھک کر کسی سے رقم مانگوں گی تو اسے یوں ہی ضائع نہیں ہونے دوں گی۔ امی نعمان بھائی کو لینے جائیں گی تو میں بھی جانے کی ضد کروں گی۔ آخر دیکھوں تو سہی کہ امی اسمگلروں کی خفیہ جگہ تک کیسے پہنچ گئیں؟"

وہ اپنی چھوٹی بہن کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ چھوٹی ہونے کے باوجود بڑی گہری باتیں سوچنے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر امی ایسا کچھ کر رہی ہیں تو وہ تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گی۔"

"اس کا حل بھی میرے پاس ہے۔ وہ نہیں لے جائیں گی تو میں ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان تک پہنچ جاؤں گی۔"

فرح نے ذرا پریشانی سے پوچھا۔ "اگر وہ جھوٹ بول رہی ہیں تو ڈھول کا پول کھل جانے سے ہمارے سامنے شرمندہ ہوں گی۔ کیا تم امی کو شرمندہ کرو گی؟"

"نہیں............ میں ان پر یہ بات ظاہر نہیں کروں گی اور اس معاملے میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ ہم دونوں چھپ کر ان کا پیچھا کریں گے۔"

فرح نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر تائید میں سر ہلایا۔ شکیلہ بیگم کی بیٹے کے لئے اندھی ممتا گھر والوں پر اس کا اعتماد کم کر رہی تھی لیکن اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

اس نے اپنے طور پر تین ہزار لینے کے لئے بیٹیوں کو بڑے مزے سے بے وقوف بنایا تھا اور وہ بے وقوف بننے والیاں آئندہ اس کا جھوٹ پکڑنے والی تھیں۔

☆======☆======☆

صدف اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کبھی بیٹھ جاتی تھی اور کبھی پھر

اٹھ کر ٹہلنے لگتی تھی۔ اندر کی بے چینی سمجھ میں نہ آئے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ زندگی میں پہلی بار اسے دوراہے پر کھڑے ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سامنے دو راستے ہیں اور اسے ان دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ کسی ایک کے سینے پر قدم رکھ کر منزل تک پہنچنا ہے۔ یہی وہ دہری کشمکش تھی جو اسے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔

جبران آتے ہی اپنے رویے سے دل میں اترا جا رہا تھا اور وہ اس سے مسلسل کترا رہی تھی۔ دل میں انجانا سا ڈر تھا اور وہ ڈر کس بات کا تھا؟ یہی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اس نے ذرا رک کر سوچا۔ "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ سلمان سے ملنے کے بعد یہ ایسا پہلا دن گزرا ہے جس میں مَیں نے اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں ہے۔ سوائے جبران کے میں کسی اور طرف دھیان ہی نہیں دے پا رہی ہوں۔ یہ تو دو تین ماہ کے لئے بزنس ٹور پر آئے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو سلمان مجھ سے خفا ہو جائے گا۔

نہیں............ میں اسے خفا نہیں ہونے دوں گی۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی نہیں آسکتا۔ میں مسلسل جبران کو نظر انداز کروں گی تو وہ خود ہی مجھ سے بدظن ہوتے چلے جائیں گے اور یوں رشتے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

اپنے طور پر سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ جبران کے دل میں نہیں جھانک سکتی تھی۔ جھانک سکتی تو اس کے دل میں اپنی چاہت کو سمجھ لیتی۔

لیکن کیسے سمجھ لیتی؟ ابھی تو اس کے الجھنے کے دن تھے۔ جبران محبت بھرے اشاروں میں اسے الجھا رہا تھا اور وہ نادان تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ دل میں اترنے والے ہزار طریقوں سے اپنی من مانی کر کے ہی رہتے ہیں۔

جبران ان لوگوں میں سے تھا جو یک طرفہ محبت کو دو طرفہ بنا ہی لیتے ہیں۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو۔"

دوسری طرف سے بی پاشا بیگم کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ڈیئر!............ کیا کر رہی ہو؟ میں اور جبران یہاں کافی پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ فوراً نیچے ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔"

وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ مگر ماں نے رابطہ ختم کر دیا تھا۔ اس نے ریسیور کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔ پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے سوچا۔ "ممی بھی خوب ہیں۔ میرا کافی پینا ضروری تو نہیں ہے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ وہ ماں سے رابطہ کر کے کافی پینے سے انکار کرنا

چاہتی تھی۔ مگر رک گئی ریسیور رکھ کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے سے نکل کر نیچے ڈرائنگ روم میں جانے لگی۔

بی پاشا بیگم اور جبران کے ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گھر کا ماحول کچھ بدل سا گیا تھا۔ کوٹھی پر ہر وقت مسلط رہنے والا سناٹا آج کچھ کم ہو گیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آکر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ملازم کھانے کی ٹرالی میں کپ اور کافی کے لوازمات لے کر آیا اور کافی بنانے لگا۔

بی پاشا نے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ "رہنے دو.......... میں بنالوں گی۔"

ملازم چلا گیا۔ وہ گرم دودھ میں کافی ملاتے ہوئے جبران سے بولی۔ "ہنی!.......... تمہیں کافی بنانی آتی ہے؟ ویسے یہ سوال لڑکوں سے نہیں پوچھا جاتا۔ میں تو بس یونہی پوچھ رہی ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ارے نہیں آنٹی!.......... پوچھیں.......... بلکہ سو بار پوچھیں.......... میں ان لڑکوں میں سے نہیں ہوں جنہیں گھر داری نہیں آتی۔ مجھ جیسی کافی تو کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔"

بی پاشا نے ہنس کر ذرا تعجب سے پوچھا۔ "کیا سچ؟ مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے کہ تم جیسا بزنس مین گھر داری بھی جانتا ہے۔"

"یقین نہیں آتا.......... تو ممی سے پوچھ لیں۔ وہ تو میری کافی کی دیوانی ہیں۔"

اس نے کافی کا ایک کپ جبران کی طرف بڑھایا تو اس نے وہ کپ صدف کی طرف بڑھا دیا۔ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتیں دل میں اترنے کے راستے ہموار کرتی ہیں۔ بی پاشا نے بڑی محبت سے مسکرا جبران کو دیکھا۔ صدف نے کہا۔ "نہیں.......... پہلے آپ لے لیں۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ "پیش کی ہوئی چیز واپس نہیں کی جاتی اور سامنے والے کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سامنے والے کا دل نہ توڑے۔ وہ جو دے رہا ہو اس کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرلے۔"

صدف کوئی جواب نہ دے پائی۔ نظریں جھکا کر رہ گئی۔ بی پاشا نے خوش ہو کر کہا۔ "ارے واہ ہنی!.......... تم تو پکے فلاسفر نکلے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "زندگی بہت کچھ سکھا دیتی ہے۔ اب یہی دیکھیں کہ میں فلاسفر نہ ہوتے ہوئے بھی فلسفہ بول لیتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان اپنے اپنے طور پر فلسفی

ہوتا ہے۔"

بی پاشا نے ایک کپ اس کی طرف بڑھایا۔ ایسے ہی وقت اس کے موبائل کا بزر بجنے لگا۔ وہ سی ایل آئی پر نمبر دیکھنے کے بعد جبران اور صدف سے بولی۔ "اہم کال ہے۔ تم کافی انجوائے کرو۔ میں ابھی بات کر کے آتی ہوں۔"

وہ جبران کا شانہ تھپک کر وہاں سے چلی گئی۔ تنہائی میں بات کرنے کے خیال سے ہی صدف کی سٹی گم ہو گئی۔ وہ پہلو بدل کر کافی کا گھونٹ بھرنے لگی۔ جبران نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر فرش کو تکنے لگا۔

وہ اسے اپنی نظروں سے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی جگہ کوئی نو عمر لڑکا ہوتا تو ایسی تنہائی ملتے ہی رومانٹک ڈائیلاگ بولنے لگتا۔ لڑکی کو جلد سے جلد متاثر کرنے کے لئے آسمان سے تارے توڑ لانے کی باتیں کرنے لگتا۔

وہ عمر کے اس دور میں تھا جہاں انسان ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے صدف کو پسند کرنے اور اسے زندگی بھر اپنانے کی بات ظاہر کرنے میں جلد بازی سے کام لیا تھا۔ دل کے معاملے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بوکھلا کر رکھ دیتے ہیں۔

اس نے جلد بازی میں یہ فیصلہ کیا تھا اور وہ اس حقیقت کو مان بھی رہا تھا کہ اس کا فیصلہ یک طرفہ ہے' ہو سکتا ہے۔ صدف اسے پسند ہے تو صدف کی بھی کوئی پسند ہو۔ وہ ہر پہلو پر غور کر کے اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر اسے اپنانا چاہتا تھا۔

صدف چور نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ذرا کھنکار کر بولی۔ "آپ کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

وہ چونک کر بولا۔ "چائے ہو یا کافی.......... میں ذرا ٹھنڈی کر کے ہی پیتا ہوں۔ گرم گرم چیزیں دل جلا ڈالتی ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ.......... لیکن ای میل سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آپ بہت جلد باز ہیں؟"

وہ بڑی سنجیدگی سے مسکرا کر بولا۔ "بعض معاملات میں انسان اپنے اختیار میں نہیں رہتا ہے۔ تمہیں پسند کرنے اور اس بات کو بزرگوں تک پہنچانے کے پیچھے ایسا ہی کوئی بے اختیار جذبہ تھا۔ شاید ہمارا معاملہ اسی انداز سے شروع ہونا تھا۔"

صدف نے ٹوکنے کے انداز میں کہا۔ "ہمارا نہیں.......... آپ کا۔"

جبران نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں یہ بات اچھی طرح

جانتا ہوں کہ میرا فیصلہ یک طرفہ ہے اور تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ میں اپنا ہاتھ
بڑھا چکا ہوں۔ اب اسے چاہو تو جھٹک دو۔ یا اپنا لو۔ آخری فیصلہ تو تمہارا ہی ہو گا۔"
وہ اس کے لہجے اور سنجیدہ گفتگو سے متاثر ہو رہی تھی۔ بہت ہی سیدھی اور صاف
باتیں کر رہا تھا۔ بے وجہ اپنی محبت سے متاثر کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔
صدف کو یہ سن کر خوشی ہوئی تھی کہ جبران نے آخری فیصلے کا اختیار اسے سونپ دیا
تھا۔ اسے ماں کے کہے ہوئے الفاظ یاد آنے لگے۔ جبران کو ریجیکٹ کرنے کی کوئی ٹھوس
وجہ ہونی چاہیے۔
وہ خوش تھی' لیکن ماں کے الفاظ یاد آتے ہیں ذرا سوچ میں پڑ گئی۔ جبران میں
ظاہری تو کوئی خامی نہیں تھی۔ وہ ایک اچھا اور سلجھا ہوا نوجوان تھا۔ سنجیدہ اور گہری گفتگو
اسے اور زیادہ پُروقار بنا دیتی تھی۔
صدف اس کی تصویر دیکھنے کے بعد ہی اس بات کی قائل ہو گئی تھی کہ وہ کسی بھی
لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے' لیکن اب ملنے کے بعد تو وہ اسے بھی اچھا لگنے لگا تھا۔ مگر پھر
بھی سلمان کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ وہ اسے ریجیکٹ کرنے کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔
جبران اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی دیر سے خاموش تھی۔ اس نے کہا
"صدف!.......... میں نہیں جانتا کہ تم میری طرف مائل ہو یا نہیں؟........ لیکن ایک
بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ.........."
اس نے سوالیہ نظروں سے جبران کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "جلد بازی سے کام نہ لینا۔ کوئی
بھی فیصلہ سنانے سے پہلے۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لینا۔ ہر پہلو پر غور کر لینا۔ میرا ہاتھ
جھٹکنے یا نہ جھٹکنے کا اختیار تمہارے پاس ہے' لیکن ایسا کرنے سے پہلے اتنا ضرور سوچنا کہ یہ
ہاتھ بڑھانے والا دل سے مجبور تھا۔ مگر میں اپنی نہیں تمہاری خوشی چاہتا ہوں۔ تم دل سے
مائل ہو کر میری زندگی میں آؤ گی۔ تب ہی میں تمہیں اپناؤں گا۔"
اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ صدف اسے جاتے ہوئے
دیکھنے لگی۔ بی پاشا کی کال بہت دیر پہلے ہی ختم ہو چکی تھی' لیکن وہ تنہائی میں انہیں باتیں
کرنے کا موقع دے رہی تھی۔
وہ جبران کو اپنے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر فوراً ہی بیٹی کے پاس آ گئی۔ اس کے
برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ہاں تو بھئی.......... خوب باتیں ہو رہی تھیں۔"
صدف نے ایک نظر ماں پر ڈالی۔ وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔ "کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

صدف بے زاری سے بولی۔ "ممی!.......... آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"
"میں نے کیا کیا ہے ڈیئر!..........؟ تمہاری قسمت ہی تم پر مہربان ہو رہی ہے۔"
صدف الجھ کر بولی۔ "اس سارے معاملے کی ابتداء آپ سے ہوئی ہے۔ اگر آپ
میری تصویر زبیدہ آنٹی کو نہ بھیجتیں تو ایسا کچھ بھی نہ ہوتا۔"
"جان!.......... یقین جانو۔ میں نے اس مقصد کے لئے تصویر نہیں بھیجی تھی اور
اب جب یہ سب ہو رہا تو کچھ غلط بھی نہیں ہو رہا ہے۔"
اب وہ ماں کو اپنے دل کی کیفیت کیسے بتاتی؟ وہ سلمان اور جبران کے درمیان
مقناطیس بن کر رہ گئی تھی اور مقناطیس کے قریب وہی لوہا پہلے آتا ہے جو اس کے نزدیک
ہوتا ہے۔ جبران سلمان کے برعکس بڑی تیزی سے اس کی طرف کھنچا آ رہا تھا۔
صدف مستقل اس سے کترا رہی تھی' لیکن وہ اس کی کشش سے مجبور تھا۔
وہ ماں سے کترا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ سلمان یاد آ رہا تھا لیکن خیالات منتشر ہو
رہے تھے۔ وہ کبھی سلمان کو یاد کر رہی تھی اور کبھی نہ چاہنے کے باوجود جبران کے بارے
میں سوچ رہی تھی۔
اکثر یہی ہوتا ہے۔ انسان جو نہیں چاہتا وہ ہونے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہو
رہا تھا۔

☆======☆======☆

مار ممتا کی ہو یا قسمت کی' بہت ہی بری ہوتی ہے۔ نعمان کے باپ دادا نے بھی ایسی
محنت مشقت کا کام نہیں کیا تھا' جو آج اسے کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ قسمت کا مارا تھا اور شکیلہ بیگم
ممتا کی ماری تھی۔ کرے کوئی بھرے کوئی والا حساب تھا۔
بیٹا غلطیوں پر غلطیاں کرتا چلا جا رہا تھا اور ماں اس کی کرنی کو بھرتی رہتی تھی۔ وہ
بیٹے کا حال دیکھ کر تڑپ گئی تھی۔ رات بھر بے چین رہی تھی۔ اسی لئے صبح ہی صبح اس
زیرِ تعمیر عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔
بیٹا ایک طرف کدال سے زمین کھود رہا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔ وہ لپک کر
اس کے قریب گئی اور کدال اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف پھینکتے ہوئے بولی۔
"نعمان!.......... یہ دیکھو میں تمہارے لئے ناشتہ لائی ہوں۔ پہلے اسے کھا لو۔ پھر کام
کرنا۔"
وہ ماں کو دیکھتے ہی مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ "امی!.......... مجھے ناشتے کی

ضرورت نہیں ہے۔ ندا کے لئے آپ ٹھیکیدار کے پیسوں کا انتظام جلد از جلد کریں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہوتا۔ میرا جوڑ جوڑ دُکھنے لگا ہے۔ رات کو ہاتھ کے چھالوں پر مرہم لگایا تھا۔"

بیٹے کی دکھ بھری باتوں سے ماں کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر بولی۔ "مرہم لگایا تھا' لیکن افاقہ تو نہیں ہوا؟"

"افاقہ کیسے ہو گا؟ صبح اٹھتے ہی تو پھر کام سے جت گیا ہوں۔ نہ دن میں چین ملتا ہے اور نہ ہی رات میں آرام.......... رات کے کھانے کے بعد ذرا ستانا چاہتا ہوں تو ٹھیکیدار بلا لیتا ہے اور دو تین گھنٹے تک پاؤں دبواتا رہتا ہے۔"

شکیلہ بیگم نے تعجب سے جل کر پوچھا۔ "کیا.........؟ وہ دن بھر تم سے محنت کرواتا ہے۔ پھر رات کو آرام کیوں نہیں کرنے دیتا؟ یہ تو کھلی زیادتی ہے۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔ وہ ہماری مجبوری سے ناجائزہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"ڈبل محنت کے بدلے آدھی مزدوری ملتی ہے۔ اس نے تین ہزار کی معمولی رقم کے عوض مجھے خرید لیا ہے۔"

وہ بڑی شفقت سے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔ "تمہیں کوئی نہیں خرید سکتا۔ فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد رقم کا انتظام کر لوں گی۔ مصیبت بھرے دن سدا نہیں رہتے۔"

"ایسا نہ ہو کہ رقم کا انتظام ہوتے ہوتے یہاں میرا حشر ہو جائے۔ کام کی زیادتی ایک طرف' یہ ٹھیکیدار بہت ہی جاہل انسان ہے۔ بات بے بات پر گالیاں دیتا ہے۔ میں ایسا ماحول کب تک برداشت کروں گا؟ کسی دن بہت بڑا پھڈا ہو جائے گا۔"

"یہاں تو اندھیر نگری چوپٹ راج والا حساب ہے' لیکن تمہیں جوش میں آکر کسی لڑائی جھگڑے میں نہیں پڑنا ہے۔ صبر سے کام لینا ہے۔ میں ابھی ٹھیکیدار سے بات کرتی ہوں۔ اسے سمجھاتی ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ نرمی اختیار کرے۔ کہاں ہے وہ؟"

ٹھیکیدار نے شکیلہ بیگم کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ان دونوں ماں بیٹے کی باتیں سنتا ہوا قریب آتے ہوئے بولا۔ "یہاں ہوں میں.......... کیا رقم کا بندوبست ہو گیا ہے؟"

وہ جل کر بولی۔ "اگر تمہیں مفت میں لڑکا مل رہا ہے تو تم اس کی کھال کیوں کھینچ رہے ہو؟ میں تمہیں تین ہزار روپے پورے کے پورے دوں گی۔ ایک پائی کم نہیں کروں گی۔ پھر تم میرے بیٹے کا حشر نشر کیوں کر رہے ہو؟ اس کی حالت دیکھو.......... اتنی محنت تو کسی گدھے سے بھی نہیں لی جاتی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اوہ مائی.......... تمہارا بیٹا گدھے سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہ اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ میں اسے گدھا کہتا ہوں تو میرا گدھا دولتی جھاڑنے لگتا ہے۔ غصہ دکھانے لگتا ہے۔"

نعمان نے بھنا کر کہا۔ "زبان سنبھال کر بات کرو۔"

وہ بولا۔ "مجھے زبان سنبھالنے کو کہہ رہے ہو۔ خود سے چار اینٹیں نہیں سنبھالی جاتیں۔ مائی!.......... پوچھو اس سے کل اس نے کتنے بلاک توڑے ہیں؟"

ماں نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "غلطی میری نہیں تھی۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں چھ بلاک نہیں اٹھا سکتا۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ "ہاں تُو چھ بلاک نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس لئے تجھے چار بلاک دیئے تھے۔ تُو نے وہ بھی گرا کر توڑ دیئے۔"

"شیشے کی طرح نازک بلاک بناؤ گے تو گر کے ٹوٹیں گے ہی.......... اگر ان کا مسالا اچھا ہوتا تو وہ یوں گر کر بکھر نہ جاتے۔"

ٹھیکیدار نے غصے میں ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے شکیلہ بیگم سے کہا۔ "دیکھ رہی ہو اماں!..........؟ کیسی باتیں بنا رہا ہے؟ غلطی نہیں مان رہا ہے۔ کام کے لئے ہاتھ نہیں چلتے۔ لڑنے کے لئے زبان بہت چلتی ہے اس کی۔"

وہ بیٹے کے آگے ڈھال بن کر بولی۔ "ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے اور اگر تم سے یہ برداشت نہیں ہوتا تو چھوڑ دو اسے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ دو ایک دن میں تمہاری پوری رقم لا کر تمہارے ہاتھ پر رکھ دوں گی۔"

ٹھیکیدار نے نعمان کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ایسا تو کبھی نہیں ہو گا۔"

شکیلہ بیگم ناگواری سے بولی۔ "ہاں.......... تمہیں تو مفت میں خدمت گار ملا ہوا ہے۔ تین ہزار کا بہانہ اچھا ہے۔ بھلا تم کیوں اسے چھوڑو گے؟ میں نے بھی کل ہی رقم لا کر تمہارے منہ پر نہ ماری تو میرا نام بھی شکیلہ بیگم نہیں۔"

ٹھیکیدار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "او مائی!.......... جو کرنا ہے کرو' لیکن یہاں بار بار چکر نہ کاٹو.......... دیکھ رہی ہو.......... تمہاری وجہ سے آدھے گھنٹے سے کام رکا ہوا ہے۔"

وہ بولی۔ "اب کیا تم ماں بیٹے کو بھی ملنے سے روکو گے؟ ایسے جلاد تو نہ بنو۔ حد ہوتی ہے ظلم کی۔"

وہ بولا۔ ”اگر یہاں ظلم ہو رہا ہے تو جلد از جلد رقم کا بندوبست کرو۔ یہاں کیا
آئی ہو؟“

”اپنے بیٹے سے ملنے آئی ہوں اور تم مجھے روک نہیں سکتے۔“

”آدھے گھنٹے سے مل رہی ہو۔ دل نہیں بھرا کاہل بیٹے سے؟“

وہ بھنا کر بولی۔ ”یہ تم کاہل کسے کہہ رہے ہو؟ کاہل ہو گے تم اور تمہارا خاندان“

وہ بولا۔ ”دیکھو اماں!.......... خاندان کو بیچ میں نہ لاؤ۔“

”کیوں نہ لاؤں؟ تم میرے ہی سامنے میرے بیٹے کو کاہل کہہ رہے ہو۔ ایک ما
دل دکھا رہے ہو اور پھر چپ رہنے کو بھی کہہ رہے ہو۔“

بات بڑھ کر بگڑنے والی تھی اور نعمان یہ جانتا تھا کہ ٹھیکیدار رقم لئے بغیر اسے نہ
چھوڑے گا۔ اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ”اماں!.......... خدا کے لئے خاموش
جاؤ۔ آپ تو باتیں سنا کر چلی جائیں گی' لیکن بھگتنا تو مجھے ہو گا۔ یہاں لڑائی جھگڑا کر
سے بہتر ہے رقم کا بندوبست کرنے گھر جائیں اور تب تک یہاں نہ آئیں جب تک
ہزار کی رقم آپ کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔“

تین ہزار روپے ایک ماں کو اس کے بیٹے سے جدا کر رہے تھے۔ وہ روتی تڑپتی
بیٹے سے جدا ہو کر گھر آئی تو فرح نے پوچھا۔ ”امی! آپ اپنا ناشتہ لے کر کہاں گئی تھیں“

وہ روتے ہوئے بولی۔ ”نعمان کے پاس لیکن اس چوکیدار نے منع کر دیا۔ کہتا ہے
وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے گا۔“

فرح نے بڑی محبت سے ماں کو دیکھا پھر قریب ہو کر کہا۔ ”اسی بات پر رو رہی
ہیں؟“

”نہیں .... رونا تو پیسوں کا ہے۔ چوکیدار بتا رہا تھا کہ وہ اسمگلر آج کل
لڑکوں کو لے جانے کے لئے آنے والے ہیں۔ جب سے یہ سنا ہے تب سے دماغ
ہتھوڑے برس رہے ہیں۔“

فرح بھی یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ پھر بولی۔ ”فکر نہ کریں۔ آپ نے ندا سے
ہے' میں بھی اس سے کہوں گی۔ وہ میڈم سے ادھار لے لے گی۔ اسکول سے آتی
میں بات کرتی ہوں۔“

”جو بھی کرنا ہے جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ خدا نخواستہ دیر ہو گئی تو..........“

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ فرح نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”امی! دو

رکھیں میں ندا سے کہوں گی۔ وہ آج ہی اپنی میڈم سے بات کرے گی۔ وہ بہت اچھی
خاتون ہیں' ندا سے بہت محبت کرتی ہیں' ضرور مدد کریں گی۔“

”وہ تو مدد کریں گی لیکن ہماری والی بھی تو زبان کو ہلائے۔ سنا نہیں تھا تم نے؟ ندا
نے کہا تھا کہ کوئی دوسرا انتظام بھی کر کے رکھوں۔ بہنیں بھائیوں کے لئے جان دے دیتی
ہیں اور ندا بیگم ایک عورت سے پیسے مانگنے پر اتنا ہچکچا رہی ہے۔“

”امی! برا نہ مانیں۔ اس کی ہچکچاہٹ اپنی جگہ درست ہے' وہ پہلی بار کسی سے ادھار
مانگنے والی ہے۔“

”زندگی سب کچھ سکھا دیتی ہے۔ ہر کام پہلی بار مشکل ہی نظر آتا ہے۔ کرتے چلے
جاؤ تو پھر عادت بن جاتی ہے۔“

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں امی! کیا آپ اس سے ایک بار قرضہ منگوا کر بار بار منگوانا
چاہتی ہیں؟“

”میں یہ کب کہہ رہی ہوں؟“

”آپ کے کہنے کا مطلب تو یہی ہے۔“

شکیلہ بیگم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ”تم میری بات کا غلط مطلب لے رہی ہو۔ اس گھر
میں تو کچھ سمجھانا بھی جرم ہے۔ بیٹے کی وجہ سے پہلے ہی دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔ اس پر
تمہاری الٹی سیدھی باتیں اور میرا ذہن خراب کر رہی ہیں۔“

ماں کی چڑچڑاہٹ سمجھ میں آ رہی تھی۔ فرح نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔ شکیلہ
بیگم اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ”ایک کپ چائے ہی پلا دو۔ سر میں درد ہو
رہا ہے۔“

وہ بولی۔ ”خالی پیٹ چائے نہ پئیں' پہلے تھوڑا سا کچھ کھا لیں۔“

”مجھے بھوک نہیں ہے' بس چائے پلا دو۔“

وہ جی اچھا کہہ کر کچن میں جانا چاہتی تھی' دروازے کی دستک نے اسے اپنی طرف بلا
لیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو باہر پچھلی گلی میں رہنے والی نگہت آنٹی کھڑی تھیں۔ وہ انہیں
سلام کر کے ایک طرف ہٹ گئی۔ آنٹی نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ ”شکیلہ باجی گھر پر
ہیں؟“

”جی.......... اپنے کمرے میں ہیں۔ آپ اندر ہی چلی جائیں۔“

وہ عورت صحن سے گزر کر شکیلہ بیگم کے کمرے میں پہنچی تو وہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی

تھی۔ نگہت نے کہا۔ ''شکیلہ باجی! ایسی افسردہ سی کیوں بیٹھی ہو؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''کچھ نہیں... جینے کی سزا پا رہے ہیں۔ تم بتاؤ' آج ہماری یاد کیسے آ گئی؟''

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں تو تمہارے لئے خوشی کا پیغام بن ہوں۔''

شکیلہ بیگم اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی' وہ بولی۔ ''بس یوں سمجھو کہ بوجھ کم کرنے آئی ہوں۔''

''الجھا کیوں رہی ہو؟ کھل کر بات کرو۔''

''تمہاری فرح کے لئے میری نظر میں ایک بہت اچھا رشتہ ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا برسرروزگار بھی ہے۔ گھرانہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ تم کہو تو میں بات آگے بڑھاؤں۔''

شکیلہ بیگم اس کی بات سن کر اپنے حالات پر نظر دوڑانے لگی۔ تین ہزار معمولی رقم اس وقت پہاڑ بنی ہوئی تھی۔ ایسے میں شادی کی بات کرنا اور وہ بھی شادی' بالکل ہی نامعقول سی بات تھی۔ لڑکے والے فرح کو دیکھنے آتے تو خرچہ ہو لوگ اگر لڑکا دیکھنے جاتے تو بھی خرچہ ہوتا۔ پھر رشتہ پسند آ جاتا تو منگنی کی چھوٹی سی ر بھی خرچہ ہی ہوتا اور اگر رشتہ پسند نہ آتا تو آنے جانے اور مہمانداری میں اٹھنے وال بالکل ہی بیکار جاتی۔

نگہت اُسے سوچ میں گم دیکھ کر بولی۔ ''ارے سوچتی کیا ہو؟ ہاں کر دو' اتنا اچھا پھر نہیں ملے گا۔''

فرح ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''ہاتھ میں کچھ نہیں ہے' ہاں کیسے کہہ دوں''

''ارے ابھی نہیں ہے' جب تک شادی ہوگی تب تک کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے ابھی تو بات چلے گی' رشتہ لگے گا' پھر کچھ وقت لیا جائے گا۔ ان کی طرف سے بھی ابھی تیاری نہیں ہے۔ دونوں گھرانے مل کر سال دو سال کا ٹائم لے لیں گے۔ فی الحال تم بھرو۔''

''اے بہن! سارا خرچ شادی پر ہی تو نہیں ہوتا۔ شادی سے پہلے کی مہمانداریاں ڈالتی ہیں۔ رشتہ لگے گا تو دیکھنا کبھی لڑکے کی پھوپھی لڑکی کو دیکھنے آ رہی ہو گی۔ کبھی آ رہی ہو گی۔ کبھی تائی آ رہی ہو گی۔''

نگہت نے کہا۔ ''اے بہن! ایسا تو ہوتا ہی ہے۔''

''ہوتا ہے لیکن میں اپنی چادر دیکھ کر ہی تو پاؤں پھیلاؤں گی۔ ایسے کام میں ہاتھ ہی کیوں ڈالوں جس کا مجھے پتہ ہے کہ میں نبھا نہیں سکوں گی۔''

فرح نے چائے کی ٹرے ان دونوں کے درمیان لا کر رکھ دی۔ نگہت نے تعجب سے کہا۔ ''لوگ بیٹی کے رشتے کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ موٹی موٹی رقمیں دے کر رشتہ لگواتے ہیں اور تم گھر آئے رشتے کو ٹھکرا رہی ہو۔''

فرح کو ان کی گفتگو سے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے درمیان کون سا معاملہ چل رہا ہے۔ وہ متجسس ہو کر دیوار کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ ان کی گفتگو سننے لگی۔ ماں کہہ رہی تھی۔ ''میں تمہارے لائے ہوئے رشتہ کو ٹھکرا نہیں رہی ہوں۔ ابھی گھر میں کچھ مسئلے مسائل چل رہے ہیں۔ ان سے نمٹنے کے بعد اس بارے میں سوچوں گی اور ویسے بھی فرح کی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے۔''

نگہت نے کہا۔ ''وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ لڑکی کی ذرا عمر بڑھتی ہے تو لڑکوں کے نہیں بوڑھوں کے رشتے آنے لگتے ہیں۔''

''اب میں اتنا وقت بھی نہیں لگاؤں گی کہ بیٹی بوڑھی ہی ہو جائے۔ انشاء اللہ جلد ہی کوئی بڑی کمیٹی ڈالوں گی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات کروں گی۔''

''سمجھانا میرا فرض تھا آگے تمہاری مرضی۔''

شکیلہ بیگم نے کہا۔ ''اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ بتاؤ تمہارا آج کل اس بنگلے والی کے ہاں آنا جانا ہے یا ختم ہو گیا؟''

''ختم کیوں ہو گا' تم تو جانتی ہو کہ وہ اس محلے میں میرے سوا کسی سے نہیں ملتیں۔''

''ہاں.......... ہاں جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ بے اولاد ہے۔ میاں اچھا خاصا کماتا ہے۔ خرچہ تو کچھ نہیں ہوتا ہو گا؟''

''ہاں.......... دو بندوں کا خرچہ تو کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ آئے دن رشتے داروں کو بلاتی رہتی ہے۔ ان کی دعوتیں کرتی رہتی ہے۔ دل کی بہت اچھی ہے۔''

شکیلہ بیگم نے ذرا ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ.......... تم سے ایک کام کہوں تو کر دو گی؟''

''ہاں.......... بولو' کر سکی تو ضرور کروں گی۔''

''کر سکتی ہو' جب ہی تو تم سے کہہ رہی ہوں۔ وہ.......... کیا تم اپنی اس سہیلی سے

مجھے تین ہزار روپے لا دو گی؟"

نگہت نے ذرا ناگواری سے کہا۔ "مانا کہ وہ دل کی بہت اچھی ہے لیکن ادھار محبت کی قینچی ہوتی ہے۔ آج تک میں نے اپنے لئے کبھی اس سے ادھار نہیں مانگا تو تمہارے لئے کیوں مانگوں گی؟"

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "اچھا .... اب میں چلتی ہوں۔"

وہ دونوں کمرے سے باہر آنے لگیں' فرح فوراً ہی پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شکیلہ بیگم نے نگہت کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اچھا...... اس سے نہیں لے سکتی ہو تو کہیں اور سے کر کے دے دو۔ میں جلد ہی لوٹا دوں گی۔"

وہ بولی۔ "دیکھو بہن! آج کل سب کا ہاتھ تنگ ہے۔ اپنا ہی پورا نہیں پڑتا ہے' کسی کو کیا ادھار دے گا؟"

وہ بیرونی دروازے کے باہر چلی گئی تھی۔ شکیلہ بیگم نے کہا۔ "پھر بھی تم کسی بات کر کے دیکھنا' شاید کوئی دے دے۔"

وہ جان چھڑانے کے انداز میں بولی۔ "اچھا .... ٹھیک ہے' کوشش کروں گی۔"

وہ چلی گئی۔ شکیلہ بیگم کچھ دیر دروازے پر کھڑی گلی میں جھانکتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ ندا کی منتظر تھی۔

فرح بھی ندا کا انتظار کر رہی تھی۔ دوپہر ایک بجے کے بعد وہ گھر آئی تو فرح نے پوچھا۔ "آج تم میڈم سے بات کرو گی ناں؟"

"آتے ہی یہ سوال کرنا ضروری تھا؟"

"دراصل امی صبح نعمان کے لئے ناشتہ لے کر گئی تھیں۔ چوکیدار نے انہیں بتایا کہ وہ اسمگلر آج کل میں ان قیدی لڑکوں کو کہیں لے جانے والے ہیں۔ رقم کا بندوبست جتنی جلد ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

ندا نے مسکرا کر کہا۔ "امی سے کہو' وہاں کے اتنے چکر نہ لگائیں۔ کسی اسمگلر کی نظروں میں آ گئی ناں تو وہ تمام قیدی لڑکوں کو چھوڑ کر انہیں اسمگل کر کے لے جائے گا۔"

فرح نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ندا! مذاق نہیں کرو۔ وہ صبح سے بہت پریشان ہیں۔ نگہت آنٹی آئیں تو انہوں نے ان سے بھی ادھار کی بات کی مگر وہ صاف انکار کر کے چلی گئیں۔"

"نگہت آنٹی کیوں آئی تھیں؟"

فرح نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر بڑے انداز سے کہا۔ "وہ مابدولت کے لئے کوئی رشتہ لے کر آئی تھیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "کیا سچ .... پھر امی نے کیا جواب دیا' ہم کب جا رہے ہیں لڑکا دیکھنے؟ اللہ کرے ہمیں لڑکا اور ان لوگوں کو تم پسند آ جاؤ تو مزہ آ جائے گا۔ شعیب بھائی سے پہلے بھلے تمہاری شادی نہ سہی' رشتہ ہو جائے تو اچھا ہے۔ بتاؤ ناں .... امی نے کس دن جانے کا کہا ہے؟"

اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔ ندا نے کہا۔ "اوہو .... اب شرمانے کی ڈرامے بازی نہ کرو۔ پہلی بار لڑکا دیکھنے جائیں گے مجھے تو عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں وہ کیسے ہوں گے؟ کیا شعیب بھائی جیسے ہوں گے؟ نہیں .... وہ ان جیسے نہ ہوں تو اچھا ہے۔ بس ہمیں پسند آ جائیں۔"

فرح چپ تھی۔ وہ اُسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "بی بنو! کچھ بولو ناں .... نہیں تو میں امی سے پوچھ کر آتی ہوں۔"

وہ پلٹ کر جانے ہی والی تھی' فرح نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "دیکھا .... لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ اب مجھے تفصیل سے پوری بات بتاؤ۔"

وہ دونوں بستر پر آ کر آمنے سامنے بیٹھ گئیں۔ فرح ماں اور نگہت آنٹی کے درمیان ہونے والی گفتگو تفصیل سے بتانے لگی۔ ندا خاموشی سے سن رہی تھی اور اس کی خوشی ہوا ہوتی جا رہی تھی۔

باتیں ختم ہو گئیں' دونوں کے ہی سر جھکے ہوئے تھے۔ ندا جو کچھ دیر پہلے چہک رہی تھی اب گہری سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماں غلطی پر ہے یا بھائی انجانے میں ان کی خوشیوں کے درمیان آ رہا ہے۔

اس نے سر اٹھا کر فرح کو دیکھا پھر کہا۔ "امی نے رشتے سے انکار کیا تو کیا لیکن انہیں آنٹی سے پیسے نہیں مانگنے چاہئے تھے۔"

فرح ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "انہیں تو جیسے ادھار مانگنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ نگہت آنٹی نے آج تک ہم سے ادھار وغیرہ نہیں مانگا۔ امی اس بات کا لحاظ کر لیتیں۔"

"جب ان سے میں نے کہہ دیا تھا کہ میں میڈم سے رقم لے آؤں گی تو پھر انہیں

آنٹی سے مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟ سچ پوچھو تو انہیں اپنا بیٹا بہت عزیز ہے۔ انہو
بیٹی کی بات بنانے کے بجائے اپنے بیٹے کے معاملے کو ترجیح دی۔ اس سے تو صاف
ہوتا ہے کہ ہم اور ہماری خوشیاں امی کی نظروں میں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ بیٹا ک
کا نہیں ہے لیکن امی اس کے لئے جان دینے سے بھی گریز نہیں کریں گی۔"

"نعمان کے لئے امی کی ایسی دیوانگی انہیں ہم سب سے دور کر رہی ہے او
سے بدظن کر رہی ہے۔ ماں کی ممتا تو سب بچوں کے لئے برابر ہوتی ہے لیکن وہ
حصے کی ممتا بھی نعمان پر نچھاور کر دیتی ہیں۔"

ندا نے ذرا ناگواری سے کہا۔ "نعمان بھائی ہی نہیں .... انہیں سلمان بھی
ہے۔ دونوں بیٹے ہیں ناں .... مستقبل کا سہارا ہیں .... ہم کیا ہیں؟ کچھ
نہیں۔ ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو امی آج تمہارے معاملے کو ا
دیتیں۔"

فرح گہری سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔ "
کو اپنے بیٹے سے بہت محبت ہے تو جائیں کریں رقم کا بندوبست۔ میں میڈم کے سا
نہیں جھکوں گی۔ ان سے ادھار نہیں مانگوں گی۔ مانگوں تو کس کے لئے؟ ایک ایسے
کے لئے جو ہماری خوشیوں میں رکاوٹ بنتا رہتا ہے؟ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج
ایسے بھائی کو تو اسمگل ہی ہو جانا چاہئے۔"

فرح نے پریشان ہو کر کہا۔ "نہیں ندا! ایسی سخت باتیں نہ کرو۔ نعمان اس
مشکل میں ہے۔ خدا نہ کرے اُسے کچھ ہو گیا تو امی پر کیا بیتے گی۔ انہیں نعمان عزیز
ہمیں امی کی سلامتی۔"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "کیا مصیبت ہے، ہم کب تک اسی طرح بلیک میل ہوں
امی سے کوئی بات منوانی ہو .... انہیں خوش کرنا ہو تو پہلے نعمان بھائی کو خوش کرنا
ہے۔ آخر یہ سب کچھ کب تک چلے گا؟"

فرح اس کے شانے کو تھپک کر بولی۔ "ایک بار نعمان کو گھر آ جانے دو پھر
سے بات کریں گے۔"

"ان سے کیا بات کرو گی؟ ایک ماں کی دیوانی ممتا کو روکنے کی کوشش کرو گی؟
ہمارے کہنے پر امی کو سمجھائیں گے تو کیا وہ سمجھ جائیں گی؟ نعمان بھائی سے محبت کرنا
دیں گی؟ نہیں فرح! .... ایسا کبھی نہیں ہو گا اور یہ بات بھی مان لو نعمان بھائی

نعمان سے صرف امی ہی نہیں ابو بھی بہت محبت کرتے ہیں۔ آخر وہ ان کے بھی بیٹے ہیں،
دونوں بازو ہیں۔"

یہ حقیقت تھی اور فرح اس سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ کمپیوٹر کورس کے معاملے
میں حیات انصاری نے بھی بیٹی کے بجائے بیٹے کو اہمیت دی تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی بیٹوں کو ہی سب کچھ مانتا ہے اور بیٹیوں کو
پرایا دھن سمجھتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں لیکن یہ درست نہیں
ہے کہ انہیں شادی سے پہلے ہی پرایا سمجھا جانے لگے۔

جب وہ بابل کے گھر کو سرائے نہیں سمجھتیں تو پھر انہیں مہمان کیوں سمجھا جاتا ہے؟
ان کی ہنرمندی اور قابلیت کو ابھارنے کے بجائے یہ کہہ کر گھر میں کیوں بٹھا دیا جاتا ہے کہ
لڑکیاں اتنی تعلیم حاصل کر کے اور جدید ٹیکنالوجی کو سمجھ کر کیا کریں گی؟

ردی بھی ایک وقت کام آ ہی جاتی ہے۔ والدین یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ کمزور سی
لڑکیاں، بیٹیاں بھی ان کے مضبوط بازو بن سکتی ہیں؟

دنیا کے تمام والدین شکیلہ بیگم اور حیات انصاری کی طرح نہیں سوچتے۔ اگر ایسا ہوتا
تو کوئی لڑکی پائلٹ نہ بنتی، ڈاکٹر نہ بنتی، کمپیوٹر انجینئر نہ بنتی۔ خدا کی مرضی یہی تھی کہ ندا کو
محدود سوچ رکھنے والے والدین نصیب ہوئے تھے۔

☆======☆======☆

شام کے وقت وہ سینٹر پہنچی تو مختلف سوچوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ میڈم آرزو سے
ادھار مانگتے ہوئے بہت شرم آ رہی تھیں آرزو نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بڑی کھوئی کھوئی
سی نظر آ رہی ہو، کیا کوئی پریشانی ہے؟"

ندا نے چونک کر کہا۔ "جی .... جی ہاں۔"

میڈم آرزو یہ سن کر جیسے تڑپ سی گئی۔ فوراً ہی اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ
تھام کر بولی۔ "مجھے بتاؤ .... کیا پریشانی ہے؟"

ندا نے ذرا حیرت سے آرزو کو دیکھا۔ وہ صرف اتنا سن کر کہ ندا کسی پریشانی میں
ہے، بے چین سی ہو گئی تھی۔ اُسے میڈم کا یہ انداز اچھا لگا تھا اس کا اپنائیت بھرا رویہ
سمجھا رہا تھا کہ وہ اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ رہی ہے۔

میڈم نے پھر پوچھا۔ "پلیز .... بولو ندا! کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی
ہوں؟"

ندا نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ ”میرے بھائی کو کچھ لوگوں نے قید ہے۔ انہیں وہاں سے رہا کروانے کے لئے تین ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ ہم کہیں رقم کا بندوبست نہیں کر پا رہے ہیں۔“

آرزو نے جلدی سے کہا۔ ”تمہیں کسی سے پیسے لینے کی ضرورت نہیں، میں ناں .... کیا میں تمہارے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتی؟“

ندا نے سر اٹھا کر بڑی محبت سے اسے دیکھا۔ ایسی اپنائیت تو اُسے کبھی اپنی ماں بھی نہیں ملی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ وہ جب سے اس سینٹر میں تھی تب سے آرزو اُسے اپنائیت دیتی رہی تھی۔ اب رونا اس بات پر آ رہا تھا کہ اس میڈم کو اپنا کیوں نہیں سمجھا؟

آج یہ حقیقت معلوم ہو رہی تھی کہ سچا پیار صرف اپنوں میں ہی نہیں ملتا۔ یہ بے اختیار جذبہ ہے جو غیروں کو بھی اپنا بنا دیتا ہے اور آج سے اسے آرزو غیر نہیں اپنی سی لگنے لگی تھی۔

☆======☆======☆

ندا شام کے بعد گھر پہنچی تو ماں اُسی کا انتظار کر رہی تھی لیکن وہ اس سے کترا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ماں نے پریشان ہو کر فرح کو دیکھا۔ پھر سرگوشی میں کہا۔ ”جا اس سے پوچھو رقم لائی ہے یا نہیں؟“

وہ بولی۔ ”امی! ذرا صبر تو کریں۔ ابھی وہ گھر میں آئی ہے۔ میں فوراً ہی پوچھوں گی وہ چڑ جائے گی۔“

شکیلہ بیگم نے جل کر کہا۔ ”تمہیں اس کے چڑ جانے کی فکر ہے، بھائی کی کوئی نہیں ہے؟ اگر نعمان کو کچھ ہو گیا تو اس کی ساری ذمہ داری تم دونوں پر ہو گی۔“

وہ الجھ کر بولی۔ ”امی! آپ تو بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔ جا رہی ہوں۔“

ماں ذرا نرم پڑتے ہوئے بولی۔ ”میں تو جلدی اس لئے کر رہی ہوں کہ اگر اس کوئی انتظام نہیں کیا ہو گا تو میں کہیں سے کچھ کر دوں گی۔“

وہ ایک نظر ماں پر ڈال کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ندا دوسری طرف منہ کھڑی تھی۔ فرح نے ذرا ہچکچا کر کہا۔ ”ندا! .... وہ .... وہ امی ....“

وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ ندا نے ایک دم سے پلٹ کر کہا۔ ”رک کیوں گئیں امی نے جو سوال کیا ہے وہ پوچھو۔ انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہو گی کہ بیٹی خیر

سے گھر پہنچ گئی۔ فکر تو صرف انہیں اپنے بیٹے کی ہوتی ہے۔ اس وقت بھی انہوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے تو صرف یہ پوچھنے کے لئے کہ میں رقم لائی ہوں یا نہیں؟“

فرح نے سر جھکا لیا۔ ندا روہانسی ہو کر بولی۔ ”امی نے آج ایک بیٹے کے لئے ایک بیٹی کو جھکایا ہے لیکن اس کے باوجود مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کی ہی وجہ سے آج مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس دنیا میں کوئی ایسی ہستی بھی ہے جو مجھ سے سچی محبت کرتی ہے۔ میری پریشانی پر تڑپنا جانتی ہے۔“

پھر اس نے اپنے بیگ میں سے ہزار ہزار کے تین نوٹ نکال کر فرح کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”کسی نے میری مشکل حل کی ہے، تم یہ پیسے امی کو دے کر ان کی مشکل دور کر دو۔ ان کا بیٹا آج ہی گھر آ جائے گا تو وہ رات بھر سکون سے سو سکیں گی۔“

فرح خاموشی سے پیسے لے کر ماں کے کمرے میں آ گئی۔ وہ اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔ فرح کے ہاتھ میں رقم دیکھ کر خوشی سے بولی۔ ”میں جانتی تھی ندا اپنے بھائی کی مدد کے لئے ضرور کوشش کرے گی۔“

پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ”تین ہزار ہیں ناں؟“

فرح نے ماں کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا پھر رقم دیتے ہوئے کہا۔ ”ابھی جائیں اور نعمان کو لے آئیں۔“

وہ نوٹوں کو گنتے ہوئے بولی۔ ”کہنے کی ضرورت نہیں ہے، میں بس ابھی جا رہی ہوں۔ انشاء اللہ سلمان اور تمہارے ابو کے آنے سے پہلے ہی نعمان کو گھر لے آؤں گی۔“

فرح کو یاد آیا ندا نے کہا تھا کہ وہ دونوں ماں کا پیچھا کریں گی۔ یہ یاد آتے ہی وہ فوراً پلٹ کر اپنے کمرے میں آئی پھر ندا سے بولی۔ ”کیا تم امی کے پیچھے نہیں جاؤ گی؟“

وہ آنسو صاف کر کے بولی۔ ”میں تو تیار ہوں۔ بس امی کے جاتے ہی ہم بھی گھر سے نکل پڑیں گی۔“

شکیلہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ ”فرح! کنڈی لگا لو، میں جا رہی ہوں۔“

فرح نے جی اچھا کہہ کر جلدی سے چادر اوڑھی پھر ندا کے ساتھ باہر آ گئی۔ ماں جا چکی تھی۔ وہ دونوں دروازے پر تالا ڈال کر ذرا فاصلے پر ماں کے پیچھے چلنے لگیں۔ بیٹے کے ملنے کی خوشی میں وہ لپک جھپک کر چلی جا رہی تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ ندا اور فرح اس کی بیٹیاں ہونے کے ناتے اس کے نقش قدم پر ہی چل رہی ہیں اور اس وقت پیچھے آ رہی ہیں۔

یوں بھی بزرگوں کے پیچھے چلنا ہماری روایت ہے اور وہ اس روایت کو پروان چڑھا کر کچھ غلط نہیں کر رہی تھیں۔

شکیلہ بیگم کچھ دیر بعد ہی اس زیر تعمیر عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ دونوں فوراً ہی ایک دیوار کی آڑ میں چھپ کر کھڑی ہو گئیں۔ فاصلہ اتنا تھا کہ وہ ماں کی آواز سن سکتی تھیں۔

شکیلہ بیگم کہہ رہی تھی۔ "نعمان! چھوڑو اس کام کو اب تمہیں کسی کی غلامی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

فرح اور ندا نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ دوسری طرف کی صرف آواز سن سکتی تھیں۔ جھانک کر دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ اگر ایسا کرتیں تو پکڑی جاتیں۔

نعمان کی آواز سنائی دی۔ وہ خوش ہو کر پوچھ رہا تھا۔ "کیا رقم کا بندوبست ہو گیا؟"

شکیلہ بیگم نے تن کر کہا۔ "ہاں .... کہاں ہے وہ ٹھیکیدار بلاؤ اسے .... میں یہ تین ہزار اس کے منہ پر دے ماروں گی۔"

نعمان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جیسے میں نے غلیل کا پتھر مارا تھا۔"

ماں نے پوچھا۔ "ویسے یہ بتاؤ کیا واقعی کوئی شیشہ تین ہزار کا بھی ہوتا ہے؟"

"ارے امی! بہت مہنگے مہنگے شیشے ہوتے ہیں۔ اس عمارت کے اندر جا کر دیکھیں اتنے بڑے بڑے شیشے رکھے ہوئے ہیں کوئی تین ہزار کا ہے' کوئی پانچ ہزار کا ہے۔"

ٹھیکیدار اپنے مزدوروں پر نظر رکھتا تھا۔ شکیلہ بیگم کو پھر نعمان کے پاس دیکھ کر جھنجلا گیا۔ ان کے قریب آتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔ "او مائی! تم پھر آ گئیں؟ کام بند کرنے کا وقت ہو رہا ہے۔ اسے جلدی جلدی ہاتھ چلانے دو۔"

دیوار کے پیچھے کھڑی ندا اور فرح سن رہی تھیں۔ بات ان کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "زیادہ اکڑ نہ دکھاؤ۔ تم نے تین ہزار روپے کے لئے پانچ دنوں سے میرے بیٹے کو قیدی بنایا ہوا ہے۔ یہ لو اپنی رقم .... نیا شیشہ خرید لینا۔"

اس نے پیسے لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو نیا شیشہ خرید ہی لوں گا لیکن تم اپنے بیٹے کو سمجھا دو کہ یہ اس عمر میں غلیل بازی چھوڑ دے۔"

نعمان نے کہا۔ "میں غلیل بازی کروں یا کبوتر بازی تمہیں اس سے کیا؟"

"میں نے تمہیں سبق سکھانا چاہا تھا لیکن تم تو کتے کی دم ہو۔" ٹھیکیدار بولا۔

شکیلہ بیگم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "اے .... زبان سنبھال کر بات کرو ورنہ منہ توڑ

دوں گی۔ پیسے مل گئے' اب باتیں کسے سنا رہے ہو؟"

ندا نے فرح کو دیکھا۔ بات پوری کی پوری سمجھ میں آ گئی تھی۔ اب وہ ماں بیٹا گھر جانے والے تھے۔ ان سے پہلے ان دونوں کو گھر پہنچنا تھا۔ وہ آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے گھر کی طرف جانے لگیں۔

ڈھول کا پول کھل چکا تھا۔

☆======☆======☆

جبران' بی پاشا بیگم اور راجہ اکبر نواز خان کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ کاروبار موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔ بی پاشا نے الجھ کر اپنے میاں سے کہا۔ "اوہو .... جب سے آئے ہیں' تب سے بزنس کی باتیں ہی کر رہے ہیں۔ ہنی سے یہ نہیں پوچھ رہے ہیں کہ اسے ہماری صدف کیسی لگی؟"

راجہ اکبر نے مسکرا کر جبران کو دیکھا۔ جبران بولا۔ "یہ بات تو آپ دونوں جانتے ہیں کہ میں نے اس کی تصویر دیکھتے ہی اسے پسند کر لیا ہے۔ پاکستان آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ بزنس ٹور بھی ہو جائے اور آپ لوگوں سے ملاقات بھی لیکن میں یہاں آ کر کچھ الجھ سا گیا ہوں۔"

راجہ اکبر نے پریشان ہو کر بی پاشا کو دیکھا پھر جبران سے پوچھا۔ "کیسی الجھن؟"

وہ بولا۔ "انکل! صدف کا رویہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ کل سے اب تک وہ مجھ سے کترا رہی ہے۔"

بی پاشا نے جلدی سے کہا۔ "او ہنی بوائے! یہ تو اس کی فطرت ہے۔ وہ کترا نہیں رہی ہے' شرما رہی ہے اور شادی جیسے معاملے میں تو ہر لڑکی ہی شرماتی ہے۔"

راجہ اکبر نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ "ہاں بیٹا! ہماری صدف بہت ریزرو رہنے والی لڑکی ہے۔ وہ تو پارٹیز بھی اٹینڈ نہیں کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری کمپنی میں رہ کر بہت جلد ہی فرینک ہو جائے گی۔"

ماں نے کہا۔ "ہاں سویٹ ہارٹ! وہ میری نہیں سنتی' اپنے ڈیڈی کی نہیں سنتی لیکن تمہاری ضرور سنے گی۔ پلیز ہنی! تم ہی اسے لوگوں سے ملنے اور پارٹیز میں جانے آنے پر مائل کر سکتے ہو۔"

بڑے لوگوں کی پارٹیز میں کیا کچھ ہوتا ہے جبران اس سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ جان کر خوش ہو رہا تھا کہ صدف ایسی پارٹیز اٹینڈ نہیں کرتی۔ وہ کچھ دیر تک ان کے

درمیان بیٹھا رہا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔

صدف بھی اپنے کمرے میں تھی۔ جبران نے کچھ سوچ کر ریسیور اٹھایا پھر نمبر پنچ کر کے رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ صدف کے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے واش روم سے باہر آ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو........."

دوسری طرف سے جبران نے پوچھا۔ "میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا ہے؟"

صدف اس کی آواز سن کر جیسے الرٹ ہو گئی۔ یہ توقع نہیں تھی کہ جبران اسے فون پر مخاطب کر سکتا ہے۔ وہ بولا۔ "ہیلو صدف!"

وہ بولی۔ "جی .... میں سن رہی ہوں۔"

"صرف سنو نہیں، جواب بھی دو۔ کیا میرے لئے تھوڑا سا وقت نکال سکتی ہو؟"

"وقت .... کیوں آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے کیا؟"

"دراصل کراچی میں میرا کوئی دوست نہیں ہے اور رشتہ داروں سے میں ملنا نہیں چاہتا۔ کیا ہم دونوں دوست نہیں بن سکتے؟"

جبران ذرا سوچنے کے بعد بولی۔ "آپ نے کل رات مجھ سے جیسی باتیں کی ہیں، ہمارے درمیان اگر آئندہ ایسی باتیں نہ ہوں تو دوستی ہو سکتی ہے۔"

جبران ذرا مایوس ہو گیا پھر بولا۔ "ایک اچھا دوست پانے کے لئے میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔"

انسان بھی خوب ہے، سامنے والے کو ہرا کر اپنی بات منوا کر، خوش ہو جاتا ہے۔ اسے بھی جبران کا یوں ہاں میں ہاں ملانا اچھا لگا تھا۔

ایسے وقت وہ شاید بھول گئی تھی کہ کبھی سلمان نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ صدف کو اسکینڈل سے سخت نفرت تھی۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں سلمان سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے ملے گی لیکن دنیا والوں کی نظروں سے محفوظ رہ کر۔

اس وقت سلمان نے اس کی بات مان لی تھی اور اب جبران اس کی بات مان رہا تھا۔

☆======☆======☆

سلمان اور حیات انصاری جب گھر پہنچے تو نعمان کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ باپ نے خوش ہو کر بیٹے کو گلے سے لگا کر پوچھا۔ "کہاں کھو گئے تھے؟ ہم سب تو تمہیں تلاش کرتے کرتے تھک گئے تھے لیکن تمہاری ماں کو چین نہیں مل رہا تھا۔"

وہ باپ سے الگ ہوا تو سلمان نے اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا۔ "مجھے تو یقین نہیں

آ رہا ہے۔"

نعمان الگ ہو کر بولا۔ "یقین تو مجھے بھی نہیں تھا کہ میں اُن لوگوں کی قید سے کبھی رہا ہو سکوں گا۔"

باپ نے پوچھا۔ "کون تھے وہ لوگ؟"

وہ پہلے سے سوچی سمجھی پلاننگ کے مطابق بولا۔ "پتہ نہیں .... کون تھے؟ بس قسمت اچھی تھی کہ میں ان کے چنگل سے نکل آیا۔ ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اسمگلر ہیں۔"

ماں نے بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "قسمت ساتھ کیوں نہ دیتی، میں نے منت جو مان رکھی تھی۔ اب تمہارے ساتھ عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر جا کر چادر چڑھاؤں گی۔"

ندا اور فرح بھی وہاں موجود تھیں۔ وہ خاموشی سے ماں بیٹے کی ڈرامے بازی دیکھ رہی تھیں۔ ماں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ باپ بھائی کے سامنے یہ نہ کہیں کہ وہی نعمان کو چھڑوا کر لائی ہے۔

حیات انصاری اور سلمان کو یہی بتایا جا رہا ہے کہ نعمان خود ہی اچانک گھر پہنچا ہے۔

رات کے کھانے پر حیات انصاری نے کہا۔ "شکیلہ بیگم! آج کارخانے میں تمہارے ہی بیٹے کا ذکر ہو رہا تھا۔ کل ایک لڑکا ملازمت چھوڑ کر گیا ہے۔ سیٹھ نے کہا کہ اگر تمہارا نعمان مل گیا ہوتا تو اس لڑکے کی جگہ میں اُسے رکھ لیتا اور خوش نصیبی دیکھو کہ آج ہی یہ گھر آ گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی نعمان کو کھاتے کھاتے ٹھسکا لگ گیا، وہ کھانسنے لگا۔ شکیلہ بیگم نے فوراً ہی پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آرام سے بیٹا! آرام سے، چھوٹا نوالہ لیا کرو۔"

وہ پانی پینے کے بعد ذرا سنبھل کر بولا۔ "اصل میں امی! گھر کا کھانا بہت دنوں بعد کھا رہا ہوں اسی لئے بے صبرا ہو کر بڑا نوالہ کھا لیا۔"

ماں نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر حیات انصاری سے پوچھا۔ "ہاں .... تو کیا کہہ رہے تھے آپ؟"

وہ اسے ملازمت کی تفصیلات بتانے لگا۔ ملازمت کا سن کر نعمان کی تو جیسے بھوک ہی اڑ گئی تھی۔

شکیلہ بیگم دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ خدا نے اس کی دعائیں سن لی ہیں۔ اب اس کا بیٹا کمانے لگے گا۔ کوئی اسے کام چور نہیں کہے گا۔ سب اس کی عزت کریں گے۔

وہ خوش ہونے والی ذرا بیٹے کے دل میں جھانک کر دیکھتی تو اسے پتہ چلتا کہ وہ ملازمت کا سن کر کیسا بجھ سا گیا ہے۔

☆======☆======☆

ایسے خوش نصیب بہت کم ہوتے ہیں جنہیں اپنے خوابوں کی تعبیر مل جاتی ہے۔ ویلنٹائن ڈے آنے والا تھا اور یہ سلمان اور صدف کی محبت کا پہلا ویلنٹائن ڈے تھا۔ وہ اس دن صدف کو اس کی پسند کا گفٹ دینا چاہتا تھا۔ وہ خوشبوؤں کی دیوانی تھی۔ طرح طرح کے کلون یوز کرتی رہتی تھی۔

لیکن مورینا اس کا من پسند پرفیوم تھا۔ جسے خریدنے کے لئے سلمان نے اپنی پاکٹ منی بچائی تھی اور ماں سے چار سو روپے بڑی مشکل سے حاصل کئے تھے۔ اس طرح اس کے پاس تقریباً سات آٹھ سو روپے جمع ہو گئے تھے۔

سوچا تھا پرفیوم خریدنے کے بعد جتنے پیسے بچیں گے اس میں اور کچھ نہیں تو ایک شرٹ خرید ہی لے گا۔

وہ صدر کی مارکیٹ میں تقریباً دو ڈھائی گھنٹے بھٹکتے رہنے کے بعد تھک ہار کر رک گیا۔ اس نام کا پرفیوم اس مارکیٹ میں کسی دکان پر نہیں ملا تھا۔

اس کے اندر سوال پیدا ہوا۔ "کہیں میں نام بھول تو نہیں گیا ہوں۔ صدف نے مورینا ہی کہا تھا ناں؟"

وہ ذہن پر زور ڈالنے لگا پھر زیر لب بولا۔ "ارے ہاں بھئی' مورینا ہی کہا تھا۔ صدف! تمہاری پسند اتنا دوڑا رہی ہے' نہ جانے تمہیں حاصل کرنے کے لئے کتنا دوڑنا پڑے گا؟"

اس نے ایک دو دکانوں میں اور معلوم کرنے کے بعد سوچا۔ "سلمان میاں! یہ اسٹینڈرڈ کے لوگوں کی پسند ہے۔ اس مارکیٹ میں نہیں ملے گی۔ لگتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے کسی اسٹینڈرڈ کی ہی مارکیٹ میں جانا پڑے گا۔"

وہ وہاں سے بس میں سوار ہو کر کلفٹن کے ایک بہت بڑے شاپنگ مال میں پہنچ گیا۔ وہ اکثر اس شاپنگ سینٹر کو باہر سے دیکھتا رہا تھا۔ آج پہلی بار اس میں قدم رکھا تو ایسا لگا جیسے

پاکستان میں نہیں بلکہ بیرون ملک کے کسی بہت ہی شاندار شاپنگ سینٹر میں ہے۔

کیا رنگا رنگی تھی؟ وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا' سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس سمت جائے۔ اس نے سوچا کہ پرفیوم تو خریدنا ہی ہے۔ پہلے کیوں نہ اس شاپنگ سینٹر کو گھوم کر دیکھ لیا جائے۔

وہ ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس کے چاروں طرف مختلف راہداریاں تھیں اور سامنے خودکار زینہ تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس زینے کے ذریعے اوپر جانے کا سوچا اور فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے ایک پائدان پر کھڑا ہو گیا۔ زینہ دھیرے دھیرے اسے اوپر کی طرف لے جانے لگا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے خوش ہو کر سوچا۔ "واہ.......... کیا بات ہے؟ امیر لوگوں کے بھی کیا مزے ہیں؟ انہیں کسی کام میں بھی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں ہوا میں اڑ رہا ہوں۔"

کچھ ہی دیر میں وہ ہواؤں میں اڑتا ہوا بالائی منزل پر پہنچ گیا۔ وہاں بھی مختلف راستے مختلف سمتوں میں گئے ہوئے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد ایک راہداری کی طرف بڑھ گیا۔ تین گھنٹے تک صدر کی آلودہ فضا میں رہنے کے بعد یہاں آ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے جنت میں آ گیا ہے۔

نہ گاڑیوں کا شور نہ دھواں' نہ گرد و غبار' کوئی گندگی نہیں تھی۔ ہر چیز شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ یہاں کے دکاندار بھی دھلے دھلائے سے نظر آ رہے تھے۔

وہ شیشے کا دروازہ کھول کر ایک دکان میں آیا۔ دکان کیا تھی' منی شاپنگ سینٹر تھا۔ ریڈی میڈ سوٹ پیس سے لے کر جیولری تک ہر چیز موجود تھی۔ لڑکا ہو یا لڑکی اپنے مطلب کی چیز پر لپکتے ہی ہیں۔ وہ بھی مختلف ڈمیز پر جدید انداز کی پینٹ شرٹ دیکھ کر اس طرف آ گیا۔

اس نے سوچا۔ "شرٹ تو خریدنا ہی ہے' فی الحال پرائز پوچھ لیتا ہوں۔"

وہ ہینگرز میں لٹکی مختلف شرٹس دیکھنے لگا۔ ہر شرٹ ایسی جاذب نظر تھی' جی چاہ رہا تھا کہ سب کی سب اٹھا کر گھر لے جائے۔ وہ ہینگر میں لٹکتی ہوئی ایک آسمانی رنگ کی شرٹ نکال کر بڑے سے شیشے کے سامنے آ گیا۔ پھر اسے سینے سے لگا کر دیکھنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسی کے لئے سلوائی گئی ہے۔

اس نے ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے ایک ملازم کو آواز دی۔ "ایکسکیوز می پلیز!"

وہ ملازم دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ سلمان نے وہ شرٹ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس کی کیا پرائس ہے؟"

ملازم نے شرٹ کے بازو میں لٹکتی ہوئی چٹ کو دیکھا پھر کہا۔ "نو سو ننانوے روپے۔"

سلمان نے تعجب سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "اس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟"

ملازم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر کہا۔ "یہ امپورٹڈ ہے۔ اس کی اصل قیمت تو بائیس سو روپے تھی لیکن اب یہ سیل پر لگی ہوئی ہے اس لئے نو سو ننانوے روپے کی ہے۔"

سلمان نے مسکرا کر ملازم کو دیکھا پھر شرٹ کو واپس اسی جگہ پر لٹکا دیا۔ ملازم نے کہا۔ "اس سے کم قیمت کی شرٹس دوسری طرف ہیں۔ آپ وہاں چلے جائیں۔"

سلمان نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر وہاں سے گھوم کر دوسری طرف آ گیا۔ وہاں بھی ایک سے بڑھ کر ایک سوٹ، پیس لٹکے ہوئے تھے۔ سلمان نے دو چار شرٹس پسند کیں لیکن قیمت دیکھ کر خاموشی سے انہیں واپس لٹکاتا چلا گیا۔

اس نے دور کھڑے ہوئے ملازم کو دیکھا پھر ناگواری سے سوچا۔ "سالا جھوٹ بولتا تھا۔ یہ کم قیمت کی شرٹس ہیں کوئی بھی سات آٹھ سو سے کم نہیں ہے۔ ایک شرٹ خریدوں گا تو جیب ہی خالی ہو جائے گی۔"

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر سوچا۔ "یہاں کم سے کم ٹی شرٹس تو سستی ہوں گی ویسے لگتا نہیں ہے۔"

وہ دکان کے اس حصے میں آ گیا تھا جہاں ٹی شرٹس اور ٹراؤزر وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ وہاں بھی قیمتوں کا وہی حال تھا۔ کسی ملازم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر آئٹم کے ساتھ اس کی پرائس چٹ لگی ہوئی تھی۔ اس نے غصے سے سوچا۔ "یہاں نوکروں کے بھی بڑے دماغ ہیں۔ بھئی .... گاہک بار بار انہیں بلا کر ڈسٹرب نہ کریں اس لئے قیمتیں لکھ کر لگا دی گئی ہیں۔ سلمان میاں! اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بہتر ہے جو چیز لینے آئے ہو وہ لو اور چلو یہاں سے۔"

اس نے سر اٹھا کر نظریں دوڑائیں ایک طرف کاسمیٹک کارنر تھا۔ وہ وہاں سے ہوتا ہوا اس کارنر میں آ گیا۔ پھر کاؤنٹر پر آیا۔ شاپ کیپر ایک لڑکی تھی۔ اس نے پوچھا "موورینا پرفیوم ہو گا؟"

اس لڑکی نے بڑی نفاست سے پوچھا۔ "لیڈیز یا جنٹس؟"

اس کے سوال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس دکان میں وہ پرفیوم ہے۔ وہ جلدی سے بولا۔ "لیڈیز۔"

لڑکی نے جھک کر شوکیس میں سے ایک بڑا سا ڈبہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ سلمان نے بوتل نکال کر اس کے ڈھکن کو سونگھا وہی جانی پہچانی خوشبو تھی جو اکثر صدف کے لباس سے ابھرتی رہتی تھی۔

اس نے بوتل کو بند کر کے ڈبے میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس کی پرائس کیا ہے؟"

وہ بولی۔ "آٹھ سو پچاس روپے۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "جی؟"

لڑکی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر کہا۔ "آٹھ سو پچاس روپے۔"

"یہ تو میں بھی سمجھ گیا ہوں مگر .... یہ کچھ زیادہ نہیں ہیں؟"

وہ بولی۔ "لاسٹ آٹھ سو پچیس روپے ہو جائیں گے۔"

اس کے جیب میں کل آٹھ سو بیس روپے تھے۔ وہ سامنے دیوار گیر ریک میں رکھی اشیاء پر نگاہ دوڑا رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا۔ "کم بخت دکان کے مالک نے شاپ کیپر بھی ایک لڑکی کو رکھا ہے۔ لڑکا ہوتا تو دوست یار یا بھائی کہہ کر قیمت کم کراتا۔ اب ایک لڑکی سے یہ کہنا کتنا عجیب لگے گا کہ بہن جی! میری جیب میں آٹھ سو بیس روپے ہیں' آپ پانچ روپے کم کر لیں تاکہ میرے پاس واپسی کا کرایہ بچ جائے۔"

لڑکی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "جی بولیں .... پیک کر دوں؟"

مرتا کیا نہ کرتا والی صورت حال تھی۔ سلمان نے کاؤنٹر پر جھک کر سرگوشی میں کہا۔ "کیا قیمت میں مزید کمی کی تھوڑی سی گنجائش ہے؟ میرا مطلب .... پانچ روپے کی؟"

لڑکی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ عجیب بندہ تھا۔ صرف پانچ روپے کم کرانا چاہتا تھا۔ وہ تائید میں سر ہلا کر اس پرفیوم کو پیک کرنے لگی۔ سلمان نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔ پھر جیب سے پیسے نکال کر گننے لگا۔

ویسے گننے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ صبح سے کئی بار انہیں گن چکا تھا اور وہ صبح سے اتنے کے اتنے ہی تھے۔ کاؤنٹر گرل نے ایک چھوٹا سا شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر پیسے دے کر جانے لگا۔

ایسے ہی وقت کسی نے پکارا۔ "سر! آپ کا سامان۔"

وہ ذرا رکا پھر آگے بڑھ گیا۔ اس نے جو سامان خریدا تھا وہ اس کے ساتھ تھا
آواز پھر سنائی دی۔ "سر! میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ سنئے یہ آپ کا سامان یہاں ہے۔"

اس بار وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ شاپ کیپر اسے ہی مخاطب کر رہا تھا۔ دو بڑے شاپنگ بیگ ہاتھ میں اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ "آپ اپنا سامان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

سلمان نے بے یقینی سے اپنے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا۔ وہاں چند عورتیں بچے تھے۔ شاپ کیپر کسی عورت یا بچے کو سر نہیں کہہ سکتا تھا۔ لامحالہ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کاؤنٹر پر آیا۔ پھر بولا۔ "آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں؟"

شاپ کیپر نے بڑی تابعداری سے جواب دیا۔ "جی سر! یہ سامان آپ کا ہے آپ سے ہی کہوں گا۔"

سلمان زیر لب بڑبڑایا۔ "میرا سامان؟"

پھر وہ دونوں شاپنگ بیگ میں سے سامان نکال کر دیکھنے لگا تو حیران رہ گیا۔ پینٹیں شرٹیں اور ٹراؤزر تھے جنہیں وہ پسند کرتا رہا تھا اور پرائس دیکھ کر واپس رکھتا رہا تھا۔

اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ "کہیں یہ یہاں کا اصول تو نہیں ہے کہ خریدار پسند کر کے رکھتا جائے ملازم اسے اٹھا کر کاؤنٹر تک لاتا رہے؟"

اس نے دکاندار سے کہا۔ "دیکھیں' آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں نے یہ پسند ضرور کی تھیں مگر خریدی نہیں تھیں۔ پلیز' آپ انہیں واپس رکھ دیں' میں سب نہیں خریدا ہے۔"

اس کے عقب سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "لیکن .... میں نے تو یہ خریدا ہے۔"

سلمان نے ایک دم سے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا۔ وہ ایک اٹھائیس برس کی لڑکی تھی۔ دوشیزہ تو نہیں لگ رہی تھی لیکن بہت ہی پُرکشش تھی۔ ایسی پُروقار شخصیت کی مالک تھی کہ سلمان کچھ دیر کے لئے اس سے مرعوب ہو گیا پھر بولا۔ "آپ ...... نے مجھ سے کچھ کہا؟"

وہ ایک ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس کے قریب آ کر بولی۔ "جی ...... آپ سے ہی مخاطب ہوں اور یہ سب کچھ میں نے ہی خریدا ہے .... آپ کے لئے"

سلمان الجھا ہوا تھا' کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

"دیکھیں میڈم! شاید آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کراتے ہوئے کہا۔ "کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔"

پھر وہ اسی آسمانی رنگ کی شرٹ کو اٹھاتے ہوئے بولی جو سلمان نے دکان میں آتے ہی پسند کی تھی۔ "یہ میرا فیورٹ کلر ہے اور تم نے سب سے پہلے اسی کو پسند کیا تھا ناں؟"

وہ کچھ عجیب سی صورت حال میں پھنسا ہوا تھا۔ ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگا۔ اس لڑکی نے سیلزمین سے کہا۔ "پلیز انہیں دوبارہ پیک کر دیں۔"

سلمان نے پریشان ہو کر اس سے کہا۔ "سنئے' میں یہ سب کچھ نہیں لے سکتا۔"

اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "کیوں؟"

"اس لئے کہ میں آپ کو جانتا نہیں ہوں' پتہ نہیں۔ آپ کس غلط فہمی کا شکار ہو کر مجھ پر یہ عنایت کر رہی ہیں؟"

وہ ہنسنے لگی' پھر بولی۔ "تم مجھے نہیں جانتے تو کیا ہوا؟ میں بھی تو تمہیں نہیں جانتی لیکن تمہاری طرح گھبرا نہیں رہی ہوں۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ دنیا ہے ینگ بوائے! یہاں جو ہو وہ کم ہے۔ پریشان مت ہو۔ ان شاپرز کو اٹھا کر میرے ساتھ آؤ۔ یہاں قریب ہی ایک کیفے ہے وہاں بیٹھ کر آرام سے باتیں کریں گے۔"

اس نے الجھ کر سوچا۔ "یااللہ! کہاں پھنس گیا؟ اچھا آیا امیروں کے شاپنگ سینٹر میں۔ پہلے پرائس دیکھ کر دماغ خراب ہو رہا تھا' اب یہ عورت پیچھے پڑ گئی ہے۔ پتہ نہیں کیا چکر ہے؟ مجھے اس کے ساتھ نہیں جانا چاہئے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ کہیں مجھے کسی الٹے سیدھے چکر میں نہ پھنسا دے؟"

وہ چونک گیا۔ سیلزمین اس کی طرف شاپنگ بیگ بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیجئے سر!"

اس نے گھور کر دکاندار کو دیکھا پھر ایک جھٹکے سے ان دونوں بیگ کو لیتے ہوئے کہا۔ "لائیے سر!"

وہ لڑکی اس کی جھنجھلاہٹ پر مسکرا رہی تھی۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "آؤ

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ دونوں راہداری سے گزر
زینے پر آئے۔ اب سلمان کو یہاں ایک پل گزارنا بھی بوجھ لگ رہا تھا۔ وہ سوچ
پتہ نہیں یہ لڑکی خواہ مخواہ مجھ پر مہربان ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں اس کی اس مہربانی
کیا مقصد چھپا ہوا ہے؟ مجھے اس کے ساتھ جانا چاہئے یا نہیں؟ ویسے چل کر دیکھنا
آخر یہ چاہتی کیا ہے؟

وہ لڑکی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔
کے دماغ میں ابھرنے والی باتوں کو فوراً ہی پڑھ لیتی ہوں۔ تم اس وقت میرے بار
سوچ رہے ہو کہ میں کون ہوں اور تم سے کیا چاہتی ہوں؟"

سلمان نے چونک کر تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی اس کے دل کی بات کہ
تھی۔ وہ زینے سے اتر کر شاپنگ سینٹر سے باہر جانے لگے۔ سلمان پہلے ہی اس کی
سے مرعوب تھا۔ اب یہ سننے کے بعد کہ وہ ٹیلی پیتھی بھی جانتی ہے' کچھ اور متا
تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے شاپنگ سینٹر کے پچھلے حصے میں بنے ہوئے ای
میں آ گئے۔ اس دوران میں اسے لڑکی نے مخاطب نہیں کیا تھا۔ وہاں چھوٹے چھو
کیبن بنے ہوئے تھے۔ لڑکی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کونے وال
صحیح رہے گا۔"

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ اس لڑکی نے اس کی سامنے والی نش
پر بیٹھتے ہوئے ایک ویٹر سے کہا۔ "دو کافی پلیز۔"

پھر وہ سلمان سے بولی۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"سلمان .... سلمان انصاری .... لیکن آپ تو ٹیلی پیتھی جانتی ہیں
میں ابھرنے والی باتوں کو پڑھ لیتی ہیں۔ آپ کو تو میرا نام از خود معلوم ہو جانا چاہئے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں جانتی تھی لیکن تمہاری زبان سے سننا چاہ رہی تھی۔"

وہ بولا۔ "میں نے ٹیلی پیتھی کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ جو یہ علم جانتے
اپنے سامنے والے کو اپنا معمول اور تابعدار بنا لیتے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنا معمول ب
ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ تو تمہارے ساتھ سراسر زیادتی ہو گی۔ میں ایسا نہیں کرو
ٹیلی پیتھی کے ذریعے کسی کو معمول اور تابعدار بنانا بہت آسان کام ہے اور مجھے

آسان کام اچھا نہیں لگتا۔ میں تجربات حاصل کرنے کے لئے اب تک عجیب اور دشوار
راستوں سے گزرتی رہی ہوں۔"

ویٹر نے کافی کے دو کپ ان کے سامنے لا کر رکھے۔ وہ کپ سے اٹھنے والی بھاپ کو
اپنی انگلی سے دائیں بائیں کرتے ہوئے بولی۔ "تم کبھی نیم مُردہ شخص کے ساتھ سوئے
ہو؟"

سلمان نے چونک کر اسے دیکھا پھر انکار میں سر ہلایا۔ وہ گہری سنجیدگی سے مسکرا کر
بولی۔ "ایسے تجربات کسی کسی کو نصیب ہوتے ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو' کافی پیو۔"

سلمان کو اب تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سے کیا چاہتی ہے۔ اس نے کافی
کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔ "آپ مجھے جانتی ہیں؟"

"نہیں۔"

وہ مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گئی۔ وہ ذرا الجھ کر بولا۔ "آپ نے اب تک
اپنی مہربانی کی وجہ نہیں بتائی؟"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "بہت جلد باز ہو۔ اتنا نہیں جانتے کہ
کچھ باتیں دھیرے دھیرے سمجھائی جاتی ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سمجھ میں
آتی ہیں۔ تمہارے لئے ابھی اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ کوئی کسی پر بھی بے وجہ مہربانی نہیں
کرتا۔"

"آپ خواہ مخواہ الجھا رہی ہیں۔ وجہ نہیں بتائیں گی تو میں بھی ان چیزوں کو قبول
نہیں کروں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تو میں نے وجہ بتانے سے انکار کب کیا ہے؟"

عجیب لڑکی تھی الجھائے چلی جا رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر
نشست سے ٹیک لگا کر بڑے پُرسکون انداز میں بولی۔ "پریشان مت ہو' بس اتنا سمجھ لو کہ
میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تم مجھ سے دوستی کرو گے؟"

"ٹیلی پیتھی کے ذریعے آپ میرے بارے میں بہت کچھ جان چکی ہوں گی لیکن آپ
نے اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا ہے۔ پھر میں اچانک یوں کیسے دوستی کر لوں؟"

"تم صرف اپنے اندازے سے سوچتے ہو' میں نے اپنے بارے میں تمہیں بتانے
سے انکار کب کیا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ بے اختیار مسکرانے لگی۔ وہ الجھ کر بولا۔ "آپ تو وہی کر رہی ہیں

"............وہ کیا کہتے ہیں؟"

وہ ذہن پر زور ڈالنے لگا۔ اس لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ "صاف چھپتے بھی ....سامنے آتے بھی نہیں۔"

"ہاں ....میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ ایک بات تو بتائیں۔ آپ واقعی ٹیلی جانتی ہیں؟"

اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے آپ نے مجھے اپنا معمول بنا لیا ہے۔ میں آپ کی ہوئی باتوں سے بے زار ہو کر جانا چاہتا ہوں مگر جا نہیں پا رہا ہوں۔"

"تمہیں میری ٹیلی پیتھی نہیں، تمہارا تجسس روک رہا ہے۔ تم میرے بارے بہت کچھ جاننا چاہتے ہو اور اب تک کچھ نہیں جان پائے ہو۔ اسی لئے جانا نہیں چاہتے۔"

"جب آپ یہ بات جانتی ہیں تو میرے لئے معمہ کیوں بنی ہوئی ہیں؟"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم بنا رہے ہو تو میں بھی بن رہی ہوں۔ غ تمہاری ہے۔ تم نے اب تک میرا نام بھی نہیں پوچھا ہے۔"

وہ اپنی غلطی پر جھینپ کر بولا۔ "دراصل .... آپ جب سے ملی ہیں، میں سے ہی الجھا ہوا ہوں۔"

لڑکی نے مسکرا کر اپنے بیگ سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکالا پھر اس کی طرف بڑھا ہوئے کہا۔ "اس میں میرے گھر کا ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر ہے۔ آفس کا ایڈریس اور ف نمبر بھی ہے۔ تم آئندہ جب چاہو، جہاں چاہو مجھ سے مل سکتے ہو۔ فون پر بات کر سکتے ہ اگر میں آفس یا گھر میں نہ ہوں تو اس پر میرا موبائل نمبر بھی ہے۔"

سلمان نے کارڈ پر سرسری سی نظر ڈالی۔ وہاں موٹے موٹے حروف میں نازلی جا لکھا ہوا تھا۔ بہت ہی پیارا اور مختصر سا نام تھا۔ وہ کارڈ کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بو "آپ کا نام بہت مختصر اور خوبصورت سا ہے۔"

نازلی اس سے آگے بھی کچھ سننا چاہ رہی تھی مگر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ وہ ذرا تو کے بعد بولی۔ "جانتے ہو تم میں ایک بری عادت بھی ہے؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ "تم چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر غ نہیں کرتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

وہ اپنا بیگ اٹھا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "ابھی میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی لیکن اسے سمجھنے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔ اپنا فون نمبر بتاؤ۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میرے گھر میں فون نہیں ہے۔"

نازلی نے تعجب سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "چلو .... ایڈریس ہی لکھ کر دے دو۔"

سلمان کاغذ اور قلم نکال کر ایڈریس لکھنے لگا۔ ایسے وقت نازلی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ نظروں سے تول رہی تھی۔ سلمان نے پتہ لکھنے کے بعد اس کی طرف کاغذ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ویسے آپ یہاں آئیں گی تو نہیں لیکن میں یہی کہوں گا کہ آیئے گا ضرور۔ میں آپ کو اپنی فیملی سے ملواؤں گا۔"

وہ ایڈریس کو پڑھنے کے بعد بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔ "تمہیں امید ہے کہ میں تمہارے گھر نہیں آؤں گی۔ ایسی ہی امید مجھے تم سے بھی تھی اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون کس کی امید پر پانی پھیرے گا؟"

سلمان مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر نازلی کے ساتھ چلتا ہوا کیفے سے باہر آ گیا۔ وہ پارکنگ ایریا کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "اگر تم اپنے گھر جا رہے ہو تو میں گلشن تک تمہیں لفٹ دے سکتی ہوں۔"

سلمان مسکرا کر بولا۔ "اتنی مہربانیاں نہ کریں۔ میرے کندھے کمزور ہیں۔ یہاں سے گھر تک سیدھی ایک بس جاتی ہے۔ میں اس میں چلا جاؤں گا۔ تھینک یو۔"

اتنا کہہ کر وہ بس اسٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔ نازلی بھی مسکرا کر اپنی گاڑی کی طرف چلی گئی۔ دونوں کے راستے الگ تھے، منزلیں جدا تھیں۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ اجنبیت ہی جان پہچان کا باعث بنتی ہے اور یہ نئی جان پہچان سلمان کو نہ جانے زندگی کے کس موڑ پر لے جانے والی تھی۔

☆======☆======☆

اس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے۔ یہی زندگی کا اصول ہے۔ پیسہ دو گے تو چیز ملے گی۔ محبت دو گے تو جواب میں محبت ملے گی۔

آرزو اب تک ندا کو محبت دیتی آئی تھی۔ یکطرفہ محبت زیادہ عرصے نہیں چلتی۔ یا تو ختم ہو جاتی ہے یا پھر دو طرفہ ہو جاتی ہے۔

سچی محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ وہ خوشبو کی طرح پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ پھر آرزو کی محبت ندا کے دل کو کیسے نہ چھوتی؟

اپنوں کے رویوں سے دل پر ذرا سی چوٹ لگتی ہے، تو غیروں کی محبت ایک دم
اہمیت اور شدت اختیار کر جاتی ہے۔ ندا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ ماں کے رویے
اُسے غیروں میں محبت تلاش کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ میڈم سے کترانے والی آج سینٹر پہنچی تو بہت بدلی ہوئی تھی۔ چہک چہک کر باتیں
کر رہی تھی اور آرزو کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی چہکار منزل مل جانے کی نوید سنا رہی
ہو۔

آرزو نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا۔ ”بھائی کے گھر آ جانے سے بہت خوش نظر
رہی ہو۔“

ندا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ایک دم سے غائب ہو گئی۔ پھر وہ جبراً ہاں کے انداز
میں سر ہلا کر بولی۔ ”امی ان کی جدائی سے بہت ڈسٹرب ہو گئی تھیں۔ پریشان تو ہم بھی تھے
لیکن ماں پھر ماں ہوتی ہے۔“

آرزو تائید میں سر ہلا کر بولی۔ ”ہاں .... یہ تو ہے لیکن مجھے تمہارے چہرے کی
رونق دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔“

ندا نے مسکرا کر آرزو کو دیکھا پھر سنجیدگی سے کہا۔ ”خوشیاں کب کیسے اور کہاں
مل جاتی ہیں کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ ایک بات کہوں؟“

آرزو نے سوالیہ نظروں سے ندا کو دیکھا وہ بولی۔ ”آپ .... آپ بہت اچھی
ہیں۔“

آرزو مسکرانے لگی پھر بولی۔ ”لیکن تم بالکل اچھی نہیں ہو۔ ایک بات دس بار کہہ
چکی ہوں تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔“

ندا نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ بولی۔ ”پلیز ندا! ہمارے درمیان میں
اس تکلف کو نکالو۔ تم نے میرے کہنے پر مجھے میڈم کہنا چھوڑ دیا ہے۔ میرا نام بھی
لیتی ہو لیکن میں یہ آپ جناب برداشت نہیں کروں گی۔“

ندا نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔ ”دراصل آپ کو تم سے مخاطب کرنا مجھے اچھا نہیں
لگے گا۔“

”بہت سے کاموں کی شروعات اسی طرح ہوتی ہے۔ دل مائل نہیں ہوتا ہے لیکن
رفتہ رفتہ سب کچھ اچھا لگنے لگتا ہے پہلے تم مجھ سے کتراتی تھیں لیکن اب دیکھو کیسے
مل کر باتیں کر رہی ہو۔ میں چاہتی ہوں ہمارے درمیان ایسی بے تکلفی ہو جائے کہ

میں تم سے کچھ کہنے کے لئے اور تم مجھ سے کچھ کہنے کے لئے بالکل نہ ہچکچاؤ۔“

”یعنی آپ میری .... دوست بننا چاہتی ہیں؟“

آرزو نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ”نہیں .... ندا! آج میں تمہیں اپنے اندر کی
بہت سی باتیں بتانا چاہتی ہوں۔“

ندا توجہ سے سننے لگی۔ آرزو نے کہا۔ ”تم اس سینٹر میں آئیں، مجھ سے ملاقات
ہوئی پھر میں نے دوسری ٹیچرز کے ذریعے تمہاری تعریفیں سنیں۔ تم جیسی اور بھی بہت سی
جینئس لڑکیاں اس سینٹر میں آئی اور گئی ہیں لیکن پتہ نہیں تم میں ایسی کیا بات ہے جو مجھے
اوروں میں نظر نہیں آئی۔ ذہین وہ بھی تھیں اور تم بھی ہو لیکن تمہارے لئے میں اپنے
اندر عجیب سی کشش محسوس کرتی رہتی ہوں۔ تمہارا چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا ہنسنا بولنا۔ تمہاری
ایک ایک ادا مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ میں آج تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ یہ بھی
نہیں چھپاؤں گی کہ تم مجھے تنہائی میں یاد آتی ہو۔“

ندا نے اُسے ذرا حیرت سے دیکھا۔ وہ نہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا
جو کچھ بول رہی ہے۔ اسے تصور کی آنکھ سے دیکھ بھی رہی ہے۔ پھر اس نے ایک گہری
سانس لے کر کہا۔ ”تم جانتی ہو میرا ایک بیٹا بھی ہے جو تعلیم کے سلسلے میں یو کے گیا ہوا
ہے۔ بیٹا ماں سے جدا ہو جائے تو کیا حالت ہوتی ہے۔ یہ تم اپنی امی کی تڑپ دیکھ کر سمجھ
سکتی ہو۔ میری بھی ایسی ہی حالت تھی۔ اس کی یاد میں راتوں کو جاگتی تھی لیکن اب ایسا
نہیں ہوتا، جانتی ہو کیوں؟“

ندا اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ”کیونکہ اب کاشف یاد
آتا ہے تو میں خود کو تمہارے خیال سے بہلانے لگتی ہوں کیا تنہائی میں کبھی تم نے مجھے یاد
کیا ہے؟“

ندا اس کے سوال پر اک ذرا گڑبڑا کر سوچنے لگی۔ وہ اکثر راتوں کو اس کے بارے
میں سوچتی رہی تھی۔ اس کے لمس کو محسوس کرتی رہی تھی۔ اب سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ
آرزو کو کیسے بتائے وہ اسے کس انداز میں یاد کرتی ہے؟

آرزو نے کہا۔ ”تم اندر ہی اندر الجھ رہی ہو۔ کچھ کہنے سے ہچکچا رہی ہو لیکن آج
میں نے تو تہیہ کر لیا ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ اپنے دل کی بات کہہ کر ہی
رہوں گی۔“

پتہ نہیں وہ کیا کہنے والی تھی۔ ندا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آرزو نے کہا۔

"تم نے ہیر رانجھا، سستی پنوں اور لیلیٰ مجنوں وغیرہ کے بارے میں تو سنا ہو گا۔ ہر لو اسٹوری میں ایک لڑکا اور لڑکی تھی جو ایک دوسرے کو زندگی بھر ٹوٹ کر چاہتے رہے اور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ میں بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہنے لگی ہوں۔ محبت کرنے لگی ہوں لیکن وہ کوئی لڑکا نہیں ہے۔ ایک لڑکی ہے۔ ہیر رانجھا وغیرہ اور میری محبت میں یہی فرق ہے۔ ورنہ جو شدت ان کی محبت میں تھی وہی چاہت اور شدت میری محبت میں بھی ہے۔"

ندا خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اس نے ذرا رک کر کہا۔ "تم پوچھو گی نہیں وہ کون ہے جس کی یادوں میں گم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے میں اپنے بیٹے کو بھی بھول جاتی ہوں؟"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "مجھے یہ سن کر بہت عجیب لگ رہا ہے کہ ہم جنس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "یہ دنیا عجائب خانہ ہے۔ یہاں سب کچھ ممکن ہے۔ میری جگہ کوئی مرد ہوتا اور وہ اس لڑکی سے محبت کرتا تو تمہیں عجیب نہیں لگتا۔"

ندا نے تائید میں سر ہلایا آرزو نے کہا۔ "کیوں عجیب نہیں لگتا؟ مرد ٹوٹ کر محبت کرنا جانتا ہے تو عورت بھی وفا کی پتلی ہوتی ہے اور میرے خیال سے ایک عورت ہی دوسری عورت کو اور اس کے جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہے۔"

پھر اس نے ایک ذرا توقف کے بعد پوچھا۔ "کیا تم میرے جذبات کو نہیں سمجھتیں؟"

ندا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے سہلا رہی تھی۔ "میں تمہیں الجھا کر تمہارے ننھے سے دماغ پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی۔ تم ہو بھی تو کم سن سی۔ گہری باتوں کو جلدی سے سمجھ نہیں پاتی ہو۔ ویسے .... شروع سے اب تک تم نے میرے رویے سے کچھ تو اندازہ لگایا ہو گا؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جی .... آپ دل کی بہت اچھی ہیں۔ بناء کسی غرض کے میری مشکلیں حل کرتی رہتی ہیں۔"

آرزو انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں ندا! ہر شخص اپنی ذات میں تھوڑا بہت خودغرض ضرور ہوتا ہے۔ میں نے تمہارے لئے اسپیشل کلاس کا بندوبست کیا۔ سیکھنے کے دوران میں استعمال ہونے والے کپڑوں کے لئے رقم دی۔ پھر تمہارے بھائی کے معاملے میں تمہاری مدد کی۔ ان سب باتوں کے پیچھے میری غرض چھپی ہوئی تھی۔ میں تمہیں

حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہوں اور اس کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

ندا نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا۔ آرزو اس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے بولی۔ "شاید تمہیں عجیب سا لگے لیکن میں کیا کروں؟ مجھے .... مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے ندا!"

ندا کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے شدید حیرت سے پوچھا۔ "کیا .... یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ؟ہے؟ محبت تو لڑکی اور لڑکے کے درمیان ہوتی ہے؟"

"تمہاری حیرت بجا ہے۔ شروع شروع میں مَیں بھی حیران ہوتی رہی تھی۔ اپنے پاگل دل کو سمجھاتی رہی تھی لیکن تم تو میرے لئے جیسے مقناطیس بن گئی ہو۔ میں بے اختیار تمہاری طرف کھنچی چلی آتی ہوں۔"

ندا دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر بیٹھ گئی۔ آرزو، اس کی باتیں سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اب تک اس کی طرف سے کی گئی کرم نوازیاں ایک ایک کر کے اسے یاد آ رہی تھیں۔ اس کی نظریں اس کی باتیں اس کا لمس آج تک ندا کو الجھاتا رہا تھا۔

اور اب جب کہ اس کی الجھن دور ہو رہی تھی تو پھر بھی جانے کیوں وہ الجھ رہی تھی؟ آرزو نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "پلیز ندا! میری محبت کو نہ ٹھکرانا۔ میں نے تم سے ایک بار کہا تھا ناں کہ ہم دونوں مل کر ایک نئی سوچ تخلیق کریں گے؟ تم بوتیک کھولنا چاہتی ہو۔ تمہارے اس خواب کو پورا کرنے کے لئے میں تمہاری مدد کروں گی۔"

ندا سوچ میں پڑ گئی آرزو نے کہا۔ "میرے جذبے کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں زندگی کی ہر خوشی دینا چاہتی ہوں اور صلے میں صرف محبت چاہتی ہوں۔"

وہ خاموش تھی۔ ایک انوکھی صورت حال سے گزر رہی تھی۔ ایسے میں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے؟ آرزو اتنے جذبے سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی کہ اس کی ایک ایک بات دل میں اتر رہی تھی۔

آرزو نے پوچھا۔ "ندا! کیا سوچ رہی ہو؟ کچھ تو بولو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں کیا بولوں؟ آپ نے تو مجھے الجھا دیا ہے۔"

"اگر اس وقت تمہارے سامنے میرے بجائے کوئی لڑکا ہوتا تو تم ہرگز نہ الجھتیں۔ میں جانتی ہوں۔ تمہیں میری طرف مائل ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ مجھے اپنی چاہت

پر بھروسہ ہے۔ میں تمہیں اتنی خوشیاں دوں گی کہ تم میری طرف مائل ہونے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

مائل تو وہ اسی وقت ہو گئی تھی جب آرزو اس کی پریشانی پر تڑپ گئی تھی۔ آرزو نے اس کی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "میرے دل میں جو بھی تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ اب میں بڑے صبر سے اپنی محبت کے جواب کا انتظار کرتی رہوں گی۔ میں جبراً تمہیں حاصل کرنا نہیں چاہتی۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ ندا تو پہلے سے ہی چپ تھی۔ پھر آرزو نے اس کا دھیان بٹانے کے لئے باتوں کا رخ بدلا۔ "ایک ماہ کے بعد تمہارا ٹیسٹ ہے اور مجھے امید ہے تم اس میں کامیاب رہو گی۔ تمہیں اس سینٹر سے ایک سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد تم یہاں نہیں' میرے بوتیک آیا کرو گی۔ وہاں ہم دونوں مل کر کام کیا کریں گے۔ اس طرح تمہیں بوتیک چلانے کا بھی تجربہ ہوتا رہے گا۔"

ندا سن رہی تھی اور وہ بول رہی تھی۔ آرزو کی تمام باتیں ندا کے مستقبل سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ ندا کی بنیاد بن رہی تھی اور وہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔ "عمارت اپنی بنیاد پر ہی کھڑی رہ سکتی ہے۔ ترقی کی بلندی تک پہنچنے کے لئے آرزو میری بنیاد بن رہی ہے اور میں ایسی مضبوط بنیاد سے الگ ہو کر شاید اپنے خوابوں کی بلندی کو کبھی چھوڑ نہ سکوں۔ یہ میرا مستقبل سنوارنے کے صلے میں کیا چاہتی ہے؟ صرف محبت ....

محبت تو خوشبو ہوتی ہے۔ جتنا بانٹو اتنا ہی پھیلتی ہے اور اگر میں اسے محبت دوں گی تو کیا ہو جائے گا؟ لڑکے اور لڑکی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ مگر ان کی چاہت کا انجام شادی نہیں ہوتا۔ شعیب بھائی اور فرح کا تجربہ میرے سامنے ہے۔ آرزو سے محبت کرنے میں کم از کم ایسا تو کوئی خدشہ نہیں ہو گا۔ لڑکیاں لڑکوں کی محبت میں پڑ کر بدنام ہو جاتی ہیں لیکن ہماری محبت میں تو بدنامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ اس کے دل نے کہا۔ "آرزو کو محبت دینے سے تمہارا مستقبل سنور سکتا ہے۔ تم بڑی عزت و آبرو سے اپنے خوابوں کی تکمیل کر سکتی ہو کچھ دے کر ہی کچھ حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ محبت کی پیاسی ہے۔ تم اس کی پیاس بجھاؤ تو وہ تمہارے مستقبل کی راہوں میں کامیابی کے دیپ جلا دے گی۔ یہی زندگی کا اصول ہے ندا!"

آرزو کافی دیر پہلے ہی چپ ہو گئی تھی اور خاموشی سے ندا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ خیالوں سے چونک کر بولی۔ "آپ نے ابھی میرے سرٹیفکیٹ کی بات کی تھی لیکن بوتیک

جیسے بڑے کام کے لئے تو ڈپلومے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "محدود ہو کر مت سوچو۔ تمہیں صرف بوتیک نہیں کھولنا ہے بلکہ اس ملک کے بہترین ڈریس ڈیزائنرز کی صف میں شامل ہونا ہے اور اس کے لئے تمہیں بہت سے امتحانوں سے گزرنا ہو گا لیکن تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ تمہارے پاس تجربات کی بھٹی میں پکنے اور کندن بننے کے لئے بہت وقت ہے۔"

جس طرح پتھر کو تراشا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح وہ ندا کو تراشنا چاہتی تھی اور اسے اپنے جذبے کی شدت سے اندازہ تھا کہ وہ ندا کو جس مقام پر پہنچانا چاہتی ہے وہاں پہنچا کر ہی دم لے گی۔

☆======☆======☆

نعمان کو حیات انصاری کے ساتھ کام پر جاتے ہوئے چار دن ہو گئے تھے اور ان چار دنوں میں وہ دس بار ماں سے کہہ چکا تھا کہ اس کا اس کام میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ لیکن باپ کی وجہ سے وہ اس کام کو کسی بہانے سے خیرباد بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ شکیلہ بیگم دعائیں مانگ رہی تھی کہ بیٹے کا دل کسی بھی طرح کام میں لگا رہے۔ وہ ماں تھی۔ گھر میں بیٹے کی اہمیت منوانا چاہتی تھی اور اس کے لئے اس کا ملازمت سے لگا رہنا بہت ضروری تھا۔ وہ آمدنی کا ذریعہ بنتا رہتا تو گھر والوں کی نظروں میں اس کی اہمیت بڑھتی رہتی۔

اس وقت بھی وہ ان سوچوں میں ہی گھری اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ پڑوس کی ایک بزرگ خاتون نے اندر آتے ہوئے کہا۔ "اے شکیلہ! تم نے تو بتایا ہی نہیں کہ نعمان واپس آ گیا ہے۔ کل اسے حیات کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ آج پھر اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ میں بیمار تھی پھر بھی ہمت کر کے آ گئی ہوں۔ جبکہ فرض تمہارا بنتا تھا کہ بیٹے کی خوشخبری سنانے میرے گھر آتیں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے انہیں ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ارے خالہ! کیا کھڑے کھڑے شکایتیں ہی کرتی چلی جاؤ گی' بیٹھو گی نہیں؟"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "صرف بیٹھوں گی ہی نہیں چائے بھی پیوں گی اور مٹھائی بھی کھاؤں گی۔ بیٹا خیر خیریت سے گھر آ گیا اور تم نے کسی کو خبر بھی نہیں دی۔ مٹھائی کا خرچہ بچانا چاہ رہی تھیں؟"

وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "بس کوئی نیکی کام آ گئی ہے اور خوش نصیبی دیکھو .... آتے ہی اسے ملازمت بھی مل گئی۔ اپنے ابو کے ساتھ ہی کام پر جانے لگا ہے۔"

"پھر تو ڈبل مٹھائی کھاؤں گی۔"

"ہاں ہاں .... کیوں نہیں۔ بس خالہ! دعا کرو کہ وہ کام سے لگا رہے۔ تم تو جانتی

ہی ہو کہ وہ کیسے تقدیر کے پھیر میں الجھا رہتا ہے۔ جہاں بھی جاتا ہے کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔"

پڑوسن خالہ تائید میں سر ہلانے لگیں۔ شکیلہ بیگم نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "خالہ! مجھے تو لگتا ہے میرے بیٹے پر کسی نے تعویذ کروا رکھا ہے۔ یا تو کام نہیں لگتا ہے یا پھر دو چار دنوں میں ہی چھوٹ جاتا ہے۔ تم تو دیکھ ہی رہی ہو۔ ہنر سیکھنے کے معاملے میں بھی کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ بہت سوچنے کے بعد یہی بات سمجھ میں آئی ہے کہ کسی نے میرے نعمان پر بندش کروا دی ہے۔"

پڑوسن خالہ نے کہا۔ "ایسی الٹی سیدھی باتیں نہ سوچا کرو۔ اگر کسی نے بندش کرائی ہوتی تو اسے سرے سے ملازمت ہی نہ ملتی۔ بس دعا کرتی رہو کہ اب جس کام سے لگا ہے اس پر جما رہے۔"

"تعویذ گنڈوں کو تو میں بھی نہیں مانتی ہوں لیکن جب بار بار ایک ہی بات ہوتی رہے تو پھر سوچ بھٹکتی ہی ہے۔"

پڑوسن خالہ نے ذرا جھجک کر رازداری سے پوچھا۔ "کیوں اس بار بھی کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے کیا؟"

"ہاں .... رات کو آتا ہے تو بہت بجھا بجھا سا رہتا ہے۔ پوچھتی ہوں تو کہتا ہے کہ کام کرنا چاہتا ہے مگر ایسا لگتا ہے جیسے کوئی اسے روک رہا ہے۔ جب تک کارخانے میں رہتا ہے تب تک ذہن پر بوجھ محسوس کرتا رہتا ہے۔ جیسے جبراً وہاں کام کر رہا ہو۔ خالہ! ایسے میں دماغ میں یہی بات آتی ہے کہ کوئی میرے بیٹے پر کچھ کروا رہا ہے۔"

خالہ کچھ دیر سر جھکا کر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "دیکھو .... میں تعویذ گنڈوں کو تو نہیں مانتی مگر انسانی فطرت کو خوب سمجھتی ہوں۔ یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔ تمہارا نعمان کمائی کے معاملے میں کشش چاہتا ہے۔"

شکیلہ بیگم نے اسے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں دیکھا۔ وہ بولی۔ "جیسے بچے کو چاکلیٹ دکھا کر کہا جاتا ہے کہ فلاں کام کرو تو وہ اس چاکلیٹ کو حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ تمہارے صاحبزادے کی ذہنیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "خالہ! فلسفہ کیوں بول رہی ہو؟ کھل کر بات کرو۔"

"بھئی' سیدھی سی بات ہے۔ آج کے لڑکے نوکری تب ہی کرتے ہیں جب انہیں چھوکری ملنے کی آس ہوتی ہے۔ نعمان کو بھی ایسی آس ہو گی پھر دیکھنا کیسے جم کر کام کرے

گا؟"

شکیلہ بیگم اس کی بات پر غور کر رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "اے کیا اب
تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آئی؟ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اُسے رشتہ لگا
لالچ دو اور کہو کہ وہ دل لگا کر کام کرتا رہے گا تو تم جلد ہی اس کی شادی کر دو گی۔"

"بات سمجھ میں تو آ رہی ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اسے شادی کا لالچ ہو گا تو
لگے یا نہ لگے وہ کام پر جاتا رہے گا۔"

خالہ نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ آزمودہ حربہ ہے' آزما کر دیکھو پھر تم بھی اپنی خالہ
مان جاؤ گی۔"

وہ قائل ہو کر سر ہلانے لگی۔ خالہ نے کہا۔ "اتنی دیر سے بیٹھی ہوں' چائے مٹھائی
دور کی بات .... تم نے تو پانی بھی نہیں پوچھا۔"

وہ جھجک کر بولی۔ "ارے خالہ! میں باتوں میں بھول گئی' ابھی بنواتی ہوں چائے
مٹھائی تو نہیں ہے' سوجی کا حلوہ کھاؤ گی؟"

"ارے کچھ بھی مل جائے' بس میٹھا ہونا چاہئے۔"

شکیلہ بیگم نے فرح کو بلا کر دونوں چیزیں تیار کرنے کو کہا۔ وہ کچن میں چلی گئی تو خالہ
بولی۔ "تم نے فرح کے لئے کوئی لڑکا دیکھا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "گھر کے مسئلوں سے فرصت ملے تو اس طرف
بھی دھیان دوں۔"

"مسئلے تو زندگی بھر چلتے رہتے ہیں۔ تم جلد سے جلد بیٹی کے فرض سے سبکدوش
ہونے کی کوشش کرو۔ لڑکیوں کی عمر گزرتے دیر نہیں لگتی۔"

"چادر دیکھ کر ہی تو پاؤں پھیلاؤں گی۔ جیب میں نہیں دانے اماں چلیں بھنانے
حساب مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"بیٹیوں کی قسمت سے سب کچھ ہو جاتا ہے اور پھر لڑکی کی شادی میں تو رشتہ
دوست احباب بھی ساتھ دے دیتے ہیں۔"

شکیلہ بیگم نے منہ بنا کر کہا۔ "ارے رہنے دو خالہ! ہمارے خاندان میں تو
کھانے والے ہیں۔ مصیبت میں کوئی کام نہیں آتا۔"

بیرونی دروازے پر ہونے والی دستک نے دونوں کو چونکا دیا۔ دروازے کے کھلنے
بند ہونے کی آواز آئی۔ کچھ دیر کے بعد فرح چائے اور سوجی کا حلوہ لے کر وہاں آئی

بیگم نے پوچھا۔ "دروازے پر کون تھا؟"

وہ ٹرے کو سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔ "نعمان آیا ہے۔"

ماں نے چونک کر پوچھا۔ "خیریت .... وہ اس وقت کہاں سے آ گیا؟"

فرح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پلٹ کر کمرے سے چلی گئی۔ بہنیں بھائی کی فطرت
ڈرامے بازی کو اچھی طرح سمجھ چکی تھیں۔ فرح جانتی تھی کہ یہ ملازمت نعمان کے
بوجھ بن گئی ہے اور وہ جلد از جلد اسے اتار پھینکنا چاہتا ہے اور آج اس کے یوں
گھر آ جانے سے سمجھ میں آ رہا تھا کہ بوجھ کو اتار کر پھینکنے کی کارروائی شروع ہو چکی
ہے۔

پڑوسن خالہ کچھ دیر بیٹھی رہی۔ شکیلہ بیگم کو سمجھاتی رہی۔ پھر چلی گئی۔ شکیلہ بیگم
کے جاتے ہی بیٹے کے کمرے میں آ گئی۔ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹا ہوا تھا۔ ماں نے
کے سرے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "خیریت تو ہے' آج جلدی آ گئے ہو؟"

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ذرا ناگواری سے بولا۔ "مجھے کچھ بھی ہوتا رہے آپ اور گھر
لے تو خوش ہیں ناں؟ میری ملازمت لگ گئی ہے اب اس گھر میں نوٹوں کی بارش ہونے
گی۔"

"کیا بات ہے' ایسی جلی کٹی بات کیوں کر رہے ہو؟ عزت آبرو سے چار پیسے گھر میں
آ تو خوشی ہوتی ہی ہے۔"

"آپ تو گھر میں بیٹھی ہیں۔ آپ کو کیا پتہ کہ وہ چار پیسے عزت سے آ رہے ہیں یا
عزتی سے مل رہے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"بھلا صبح سے شام تک باتیں سننے والا کیا کہہ سکتا ہے؟ ابو اس کارخانے کے پرانے
م ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ایک ہی لکڑی سے سب کو ہانکتے پھریں۔
ملازم کو پیار محبت سے سمجھایا جاتا ہے لیکن وہ ذرا لحاظ نہیں کرتے۔ ایک دم سے بے
کرنے پر اتر آتے ہیں۔ آج بھی سب کے سامنے ڈانٹ رہے تھے۔ مجھ سے تو
اشت نہیں ہوا اور میں گھر چلا آیا۔"

وہ پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "جو بھی تھا' تمہیں یوں واپس نہیں آنا
ئے تھا۔ انہیں شکایت کا موقع مل گیا۔ اب میں بات کروں گی تو وہ بھی یہی کہیں گے۔"

"ائی! مجھے ایسی باتیں سننے والی ملازمت کرنی تھی تو میں ٹھیکیدار کے پاس

تھا۔ نہ لے کے آتیں آپ مجھے وہاں سے۔"

"تم دل چھوٹا نہ کرو، تمہارے ابو گھر آئیں گے تو میں بات کروں گی۔"

"وہ کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کریں گے۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے، میں ک
کام پر نہیں جاؤں گا۔"

"ملازمت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ وہ تمہارے بزرگ ہیں۔ تمہیں ڈان
ہیں۔ ہاں یہ غلط ہے کہ وہ سب کے سامنے تمہاری بے عزتی کرتے ہیں۔ تم باپ
گھر میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی شکایت کو دور کر سکتے ہو۔"

"ابو کو تو شروع سے ہی مجھ سے خدا واسطے کا بیر رہا ہے۔ ان کی شکایتیں نہ پ
دور ہوئی ہیں نہ اب دور ہوں گی۔"

شکیلہ بیگم صلح صفائی کروا کے اس کی ملازمت کو بحال رکھنا چاہتی تھی تاک
کمانے والے کی حیثیت سے بیٹے کی گھر میں عزت ہوتی رہے۔ وہ پھر سمجھانے ک
میں بولی۔ "تم ملازمت چھوڑنے کی بات نہ کرو، میں ان سے بات کروں گی۔"

"آپ بات کر کے دیکھ لیں، وہ میری ہی غلطی نکالیں گے اور میں ان کا احترام
ہوئے کچھ کہہ بھی نہیں سکوں گا۔"

"میں یہی چاہتی ہوں کہ تم کچھ نہ بولو۔ بس چپ چاپ ان کی باتیں سنتے رہنا
کارخانے میں تمہارے ابو کی پرانی جان پہچان ہے، میں نہیں چاہتی کہ تمہاری یہ ملا
چھوٹے۔"

"امی آپ فکر کیوں کرتی ہیں؟ یہ ایک چھوٹے گی تو ایسی دس ملیں گی۔"

"ملیں گی مگر وقت لگے گا اور میں چاہتی ہوں کہ تم اِدھر اُدھر بھٹک کر وقت
کرنے کے بجائے اپنی اسی ملازمت کو پکا کرنے کی کوشش کرو۔ ایسا نہیں کرو گے تو
کیسے ہوگی؟"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "شادی .... کس کی شادی؟"

"تمہاری اور کس کی۔ ابھی برابر والی خالہ آئی تھیں۔ تمہاری ملازمت کا
رشتہ بتا کر گئی ہیں۔"

فرح کمرے سے برتن سمیٹ کر کچن کی طرف جا رہی تھی لیکن ماں کی بات
رک گئی۔ وہ بیٹے سے کہہ رہی تھی۔ "میں ہامی بھر چکی ہوں لیکن تم ملازمت چھوڑ
بات کر رہے ہو۔ اب یہ بات خالہ کے ذریعے لڑکی والوں تک پہنچے گی۔ پھر وہ تمہا

بہت لگنے اور اس کے مستقل ہونے کا انتظار تھوڑی کریں گے۔"

نعمان نے پُر تجسس ہو کر پوچھا۔ "لڑکی کیسی ہے، آپ نے اُسے دیکھا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "دیکھا تو نہیں ہے، دیکھنے والی تھی لیکن اب دیکھ کر کیا
کروں گی؟ تم تو ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ کر کے بیٹھ گئے ہو۔"

وہ ذرا دیر سوچنے کے بعد بولا۔ "میں اپنا فیصلہ بدل سکتا ہوں لیکن میرے آ جانے پر
ابو بہت ناراض ہو رہے ہوں گے۔"

بیٹے نے فیصلہ بدل لیا تھا۔ ماں نے خوشی سے چہک کر کہا۔ "تم اپنے ابو کی فکر نہ
کرو، ان کا غصہ تو میں ٹھنڈا کر دوں گی لیکن تم تو اپنے فیصلے پر قائم رہو گے ناں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "کچھ حاصل کرنے کے لئے منت
تو کرنی پڑتی ہے۔"

ماں نے خوش ہو کر کہا۔ "اب میں خالہ سے کہوں گی، وہ بات آگے بڑھائیں گی۔"

بیٹے نے پوچھا۔ "ویسے لڑکی والے میری معمولی سی تنخواہ سن کر راضی ہو جائیں
گے؟"

"ہمارے ہاں لڑکیوں کے رشتوں کی ایسی کمی ہو گئی ہے کہ لڑکا نہ بھی کماتا ہو تو بھی
والدین لڑکی کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور تم کم ہی سہی مگر کماتے تو ہو۔ نہ
تم جہیز کا لالچ کرو گے اور نہ لڑکی والے اچھی اور مہنگی بری کی آس رکھیں گے۔ آج
تمہاری تنخواہ ڈھائی ہزار ہے۔ ہو سکتا ہے لڑکی کی قسمت سے جلد ہی پانچ ہزار ہو جائے۔"

نعمان نے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "اولاد مرد کی قسمت سے اور دولت لڑکی کی قسمت
سے ہوتی ہے۔ یہ بزرگوں کی کہی ہوئی اور آزمائی ہوئی باتیں ہیں جیسے سفر وسیلہ ظفر ہوتا
ہے اسی طرح قسمت کا رخ بدلنے کے لئے ہمارے اسلام میں شادی کا حکم ہے۔"

"یہ بات آپ کے دماغ میں پہلے کیوں نہیں آئی؟"

ماں نے مسکرا کر کہا۔ "بہو لانے کی حسرت تو ہمیشہ سے میرے دل میں ہے۔ تم کسی
ایک جگہ ٹک کر رہو گے پھر ہی تو میں اپنا ارمان پورا کر سکوں گی۔"

فرح سر جھٹک کر کچن کی طرف چلی گئی۔ شکیلہ بیگم بیٹے کو کمائی کے راستے پر ڈالنے
کے لئے سبز باغ دکھا رہی تھی لیکن بہو لانے کی حسرت اس کی بھی تھی اور آج یہ خواہش
چونکہ ہی مچل کر زبان پر آ گئی تھی اور دل سے بے اختیار دعا نکل رہی تھی کہ وہ جلد ہی

بیٹے کا سہرا دیکھے۔

☆======☆======☆

جبران بہت خوش تھا۔ صدف اسے کمپنی دینے لگی تھی۔ اس سے گھل مل
کرنے لگی تھی۔ ان کے درمیان بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی اور جبران کو پوری ا
کہ یہ دوستی آگے چل کر محبت کا روپ ضرور دھار لے گی۔

پتھر پر مسلسل پانی ٹپکتا رہے تو آخر اس میں بھی سوراخ ہو ہی جاتا ہے اور وہ
انسان تھی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ صدف آخر کب تک اس سے کتراتی رہے گی۔ کب
اس کی محبت کی دھیمی دھیمی آنچ سے پگھلے گی۔ امید پر دنیا قائم ہے۔

اس شام وہ دونوں کافی دیر تک ساحل سمندر کی گیلی ریت پر ٹہلتے رہے۔ پھر
نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے بے خوف و خطر میری دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ
لیا ہے۔ میں نے ایک اور ہاتھ بھی بڑھایا تھا۔ دوستی سے نہیں ڈرتی شادی سے ڈرتی

وہ اس کے برابر والے پتھر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”نہیں .... میں ڈرتی نہیں
ہوں۔ بس پسند کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”یعنی تمہیں میں پسند نہیں آیا؟“

”میں نے یہ کب کہا ہے؟“

”کہا تو نہیں ہے لیکن تمہارے رویے سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”اگر آپ اچھے نہ ہوتے تو میں آپ کی دوستی والا ہاتھ
تھامتی۔ آپ نے دو ہاتھ بڑھائے تھے‘ مجھے جو پسند تھا وہ میں نے تھام لیا۔“

وہ کچھ دیر تک گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”لیکن میرا وہ ہاتھ تو ا
بڑھا ہوا ہے۔“

وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ ”میں نے دوستی کرنے سے پہلے ہی کہ
کہ آپ مجھ سے ایسی باتیں نہیں کریں گے۔“

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ”تم نے مجھ سے دوستی کی‘ تمہارا بہت بہت شکریہ
ایک نوازش اور کر دو۔“

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ”بس ایک بار میرے
بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹک دو‘ میری ساری امیدیں توڑ دو۔“

اس کی گہری مایوسی دیکھ کر نہ جانے کیوں صدف کا دل ایک دم سے تڑپ

اسے ایسا لگا جیسے وہ اس کا دل دکھا رہی ہے اور دل دکھانے والے کبھی خوش نہیں رہتے۔
پھر اس نے کہا۔ ”آپ شاید ذرا ذرا سی بات کو دل پر لے لیتے ہیں۔“

”تمہارے لئے یہ ذرا سی بات ہو گی اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم صاف انکار کرنے
سے ہچکچاتی کیوں ہو؟“

پھر وہ ساحل پر آتی جاتی لہروں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم میرے لئے بالکل ان لہروں
کی طرح ہو۔ ملنا بھی چاہتی ہو اور نہیں بھی۔ میرے دل میں جو ہے وہ میں ہی نہیں تم بھی
جانتی ہو لیکن تمہارے دل میں کیا ہے اسے شاید تم خود بھی نہیں جانتیں۔ جس طرح
سمندر اپنے سینے میں طوفانوں کو چھپائے رکھتا ہے بالکل اسی طرح تم بھی اپنے دل کی بات
دل میں ہی دبا کر رکھتی ہو۔ تم سے مل کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ واقعی عورت ایک پہیلی
ہوتی ہے۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”ہر انسان کے اندر اسرار جاننے کا تجسس ہوتا ہے۔ کیا آپ اس
پہیلی کو بوجھنا نہیں چاہیں گے؟“

وہ مسکرا کر گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ ”اگر بوجھ لیا تو کیا تم میری ہو جاؤ
گی؟“

وہ اس سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ انسان جو چاہتا ہے اس کے لئے
ہاں کہتا ہے اور جو نہیں چاہتا اس کے لئے ناں کہتا ہے لیکن وہ نہ تو ہاں کہہ رہی تھی اور
نہ ہی ناں کہہ رہی تھی۔ اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی الجھا رہی تھی۔ صدف کا یہی رویہ تو
جبران کو حوصلے دیتا رہتا تھا۔

وہ بولا۔ ”دوستی کے معاملے میں مَیں نے تمہاری بات مانی ہے۔ کیا تم میری ایک بات
مانو گی؟“

وہ سر گھما کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ ”وعدہ کرو کہ پرسوں کا پورا دن تم
میرے ساتھ گزارو گی۔ تم نے دوستی کا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو نہ میں نے تم سے کوئی
سوال کیا تھا اور نہ ہی کوئی احتجاج کیا تھا کہ تم میری امیدوں پر پانی پھیر رہی ہو۔ تم نے جو
چاہا میں نے وہی کیا۔ اب جو میں چاہ رہا ہوں تم وہ کرو گی۔ بولو .... مانو گی ایک دوست
کی بات؟“

وہ کوئی غلط شخص نہیں تھا کہ جس کے ساتھ پورا دن گزارنے کے بارے میں وہ
پریشان ہو جاتی یا سوچ میں پڑ جاتی۔ اسے تو بس یہ جاننے کا تجسس تھا کہ پرسوں کا دن ایسا

کیا خاص ہے جسے وہ میرے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ مشکل یہ تھی کہ جبران نے کوئی ب
کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنے طور پر ہی قیاس آرائیاں کر رہی تھی۔

اور لے دے کر ایک ہی بات سمجھ میں آئی تھی کہ شاید پرسوں اس کا برتھ ڈ
ہے۔ جبران کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "میں پہلی بار تم سے کوئی فرمائش کر رہا ہوں۔ ب
.... انکار نہ کرنا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "بے فکر رہیں' آپ نے میری بات مانی میں آپ کی مانوں گی۔"

وہ مطمئن ہو کر ایسے مسکرانے لگا جیسے صدف نے اس کے ساتھ ایک دن نہیں
پوری عمر گزارنے کی ہامی بھر لی ہے۔

☆======☆======☆

اس رات حیات انصاری گھر پہنچا تو ذہنی طور پر بہت الجھا ہوا تھا۔ بات بے بات
چڑچڑا رہا تھا۔ شکیلہ بیگم نے ناگواری سے پوچھا۔ "کیوں اتنا غصہ دکھا رہے ہیں' طبیعت
ٹھیک ہے؟ یہ گھر ہے' آپ کا کارخانہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب' کیا میں کارخانے میں غصہ دکھاتا پھرتا ہوں؟"

"سننے میں تو یہی آیا ہے کہ آپ سینئر ہونے کے ناتے اپنے ماتحتوں کو غصہ دکھا
ہیں۔"

وہ بولا۔ "اوہ .... تو صاحبزادے نے تمہارے کان بھر دیئے۔ اس نے ضرور
کو معصوم اور مجھے جلاد ظاہر کیا ہو گا۔"

"میں مانتی ہوں' اس سے غلطی ہوئی ہو گی لیکن جوان بیٹے کو دوسروں کے سا
ذلیل کرنا کون سی اچھی بات ہے؟"

"وہ خود ہی اپنی بے عزتی کرانے کے راستے نکالتا ہے۔ میں تو اسے کارخانے
رکھ کر ہی پچھتا رہا ہوں۔"

"ایسا کیا کر دیا ہے میرے بیٹے نے جو آپ یوں غصہ دکھا رہے ہیں؟ اس کے
کام نیا ہے۔ رفتہ رفتہ سیکھ جائے گا تو آپ کی شکایتیں دور ہو جائیں گی۔"

حیات نے غصے سے اپنی بیگم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا بیٹا ایک نمبر کا
ہے۔ یہ کبھی کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتا۔ اس سے جا کر پوچھو کہ اس نے ان
دنوں میں وہاں کام کیا کیا ہے؟ سوائے لیڈری دکھانے کے۔ وہاں لیبر کے دو گروپ
ڈالے ہیں' تمہارے صاحبزادے نے۔ مزدور آپس میں جھگڑنے لگے ہیں اور اس سا

فساد کی جڑ تمہارا یہ بیٹا ہے۔ کارخانے میں ایسا کبھی نہیں ہوا جو اب ہو رہا ہے۔"

وہ بولی۔ "یہ خوب رہی۔ جھگڑا کریں مزدور اور گردن میرے بیٹے کی ناپی جائے۔
آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نعمان انہیں لڑوا رہا ہے یا وہ آپس میں خود ہی لڑ رہے ہیں؟"

"کوئی اپنی دہی کو کھٹا نہیں کہتا' تم بھی نہیں کہو گی لیکن میری آنکھوں اور عقل پر
ممتا کی پٹی نہیں بندھی ہے۔ میں نعمان کو خوب سمجھتا ہوں اور تم بھی سمجھتی ہو مگر اظہار
نہیں کرتی ہو۔ تمہاری بے جا ممتا نے ہی اسے بگاڑا ہے۔ اسے کسی کام کے قابل نہیں
چھوڑا ہے۔"

وہ جل کر بولی۔ "اچھا تو اب توپ کا منہ میری طرف مڑ گیا میں نشانے پر آ گئی تو پھر
ٹھیک ہے میں نے اسے ہی نہیں پورے گھر کو بگاڑا ہے۔ آپ کو بھی بگاڑا ہے۔ میں بھی
دوسری بیویوں کی طرح فرمائشی پروگرام چلاتی رہتی' آپ کی مجبوری کو نہ سمجھتے ہوئے
شاپنگ کی لسٹیں بناتی رہتی تو دن میں تارے نظر آ جاتے آپ کو۔ میری شادی کا زیور بکا تو
آپ کی کم تنخواہ کی وجہ سے لیکن میں نے آج تک آپ پر نیا زیور بنوانے کا بوجھ نہیں ڈالا
ورنہ عورتیں تو سونے پر جان دیتی ہیں۔"

وہ اتنا کہہ کر رونے لگی۔ حیات انصاری نے کہا۔ "تم تو گڑے مردے اکھاڑنے
لگیں۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "کیوں نہ اکھاڑوں۔ دل جلتا ہے تو زبان چلتی ہے۔ میں
نے آپ سے آج تک کوئی گلہ نہیں کیا۔ کبھی کم پیسوں کا رونا نہیں رویا۔ صبر شکر کے
ساتھ گزارہ کرتی رہی لیکن آپ نے میری محبت اور قربانی کا کیا صلہ دیا یہی کہ میں ایک بگاڑ
پیدا کرنے والی عورت ہوں۔ اپنے بچوں کی تربیت صحیح طور پر نہیں کر پائی ہوں؟"

وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔ "میں نے یہ کب کہا ہے کہ تم نے بچوں کو
بگاڑا ہے؟ میں تو تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ نعمان کے لئے اتنی جذباتی نہ ہوا کرو۔ اس کی
غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے بجائے اسے سمجھانے کی کوشش کیا کرو۔"

وہ بپھر کر بولی۔ "پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔ کوئی ماں اپنے بچے کو کیوں بگاڑے گی'
آپ کیا سمجھتے ہیں میں اسے سمجھاتی نہیں ہوں؟ آپ کو کیا پتہ جب سے وہ آیا ہے تب
سے میں اسے یہی سمجھا رہی ہوں کہ آپ باپ ہیں اسے ڈانٹ تو کیا مار بھی سکتے ہیں لیکن
آپ کا یہ رویہ غلط ہے کہ آپ جوان بیٹے کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتے ہیں۔"

"تم پھر اس کی حمایت میں بول رہی ہو۔ وہ دس مزدوروں کے درمیان ایک طرف

بیٹھ کر رسالہ پڑھے گا تو مجھے غصہ نہیں آئے گا؟ اور پھر کام کرنے والے اپنے ساتھی کو آرام کرتے دیکھ کر کیسے چپ رہیں گے؟ وہ مجھ سے شکایت کرتے ہیں۔ میں اسے نہیں ڈانٹوں گا تو ساری لیبر مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔"

وہ ذرا نرم پڑتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے .... میں اسے سمجھاؤں گی لیکن وعدہ کریں کہ آپ اسے کارخانے سے نہیں نکالیں گے۔"

"کارخانے سے اسے میں نہیں اس کی حرکتیں نکالیں گی۔"

"بس تو آپ بے فکر ہو جائیں وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا جس کی وجہ سے اس کی نوکری ختم ہو جائے۔"

حیات نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیگم کو دیکھا پھر کہا۔ "بہت بڑی بات کہہ رہی ہو شکیلہ بیگم! میں نعمان کو جانتا ہوں' وہ مستقل مزاج نہیں ہے۔"

وہ بولی۔ "آپ نے میری تربیت کو طعنہ دیا ہے۔ میں یہ الزام دھو کر رہوں گی۔ آپ ہی کیا سب دیکھیں گے کہ وہ کیسے ملازمت کرے گا اور اس پر قائم رہے گا۔"

☆======☆======☆

فرح اور ندا اپنے کمرے میں تھیں۔ نعمان کی شادی کا موضوع زیر بحث تھا۔ فرح اسے ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی باتیں بتا رہی تھی۔

ندا نے کہا۔ "امی کیوں کسی بے چاری کی آہ لینا چاہتی ہیں؟ آنے والی زندگی آٹھ آٹھ آنسو روتی رہے گی اور ہمیں کوستی رہے گی۔"

فرح نے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ نعمان پر ذمہ داریاں پڑیں گی تو شاید سنبھل جائے؟"

"اور اگر نہ سنبھلے تو ایک بے چاری کی زندگی خراب ہو جائے گی۔ ڈھائی ہزار تنخواہ کچھ نہیں ہوتی فرح! وہ آنے والی اپنے دل میں ہزاروں ارمان لے کر آئے گی۔ کیا معمولی سی رقم میں اس کی حسرتیں پوری ہو جایا کریں گی؟"

"دولت عورت کے نصیب سے ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی قسمت کا ستارہ نعمان کے ستارے کی گردشوں کو دور کر دے۔"

"ان کی گردش دور ہو یا نہ ہو لیکن شادی کے خرچے سے ہم ضرور گردش میں آجائیں گے۔ ویسے امی کے پاس تمہاری شادی کے لئے تو رقم نہیں تھی' اب بیٹے کی شادی کرنے کے لئے رقم کہاں سے آئے گی؟"

"لڑکیوں کی شادی میں جہیز کی وجہ سے ڈبل خرچہ ہوتا ہے اور ویسے بھی شعیب نے ایسا دل توڑا ہے کہ شادی کا ارمان ہی ختم ہو گیا ہے۔"

ندا نے کہا۔ "ہاں .... یہ تو ہے۔ شعیب بھائی نے لڑکوں پر سے ہمارا اعتماد ختم کر دیا ہے۔ مرد تو تھالی کا بینگن ہوتے ہیں۔ پہلے وہ تمہاری طرف تھے اب اس موچن کی طرف لڑھک گئے ہیں اور اب یہی نعمان بھائی کر رہے ہیں۔ پیار کسی سے اور شادی کسی سے۔"

"اب تو شادی کے بارے میں سوچ کر یہی بات ذہن میں ابھرتی ہے کہ دولہا بن کر آنے والا شادی سے پہلے نہ جانے کس کس سے افیئر چلاتا رہا ہو گا؟"

وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں ایسے ہی وقت سلمان دستک دے کر وہاں آتے ہوئے بولا۔ "ہائے سسٹرز! کیا ہو رہا ہے؟"

ندا نے اس کے ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپنگ بیگ دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

وہ لفافوں کو ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "ما بدولت نے شاپنگ کی ہے' آپ بھی دیکھئے۔"

فرح نے ہنستے ہوئے کہا۔ "گھر میں ابھی صرف شادی کی بات چلی ہے اور شاپنگ شروع۔"

ندا تھیلوں میں سے چیزیں نکال نکال کر دیکھ رہی تھی۔ سلمان نے تعجب سے پوچھا۔ "شادی .... کس کی شادی؟"

وہ نعمان اور شکیلہ بیگم کی باتیں اسے بتا دیتی تو ماں یہی سمجھتی کہ وہ گھر میں چھپ کر ان کی باتیں سنتی رہتی ہے۔ فرح بات بناتے ہوئے بولی۔ "ہم دونوں بہنوں نے فیصلہ کیا ہے کہ گھر میں بھابی آ جائے۔ ندا کو تو تم جانتے ہی ہو کہ یہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی ہے۔ گھر میں میرا ہاتھ بٹانے والی کوئی تو ہو۔"

وہ بولا۔ "کیا بات ہے' بڑی جلدی جلدی گھر کے حالات بدل رہے ہیں؟ ادھر نعمان بھائی کام سے لگ گئے ہیں۔ ادھر تم ان کی شادی کا سوچ رہی ہو اور یہاں یہ شاپنگ کی ہوئی چیزوں کو دیکھو جنہیں خریدنے کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتا' وہ خود بخود مجھے مل گئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے دونوں بھائیوں کی قسمت بدل رہی ہے۔"

ندا کو اس کی بات سن کر آرزو یاد آ گئی۔ وہ بڑے کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔ "قسمت صرف بھائیوں کی نہیں .... میری بھی بدل رہی ہے۔"

سلمان نے تعجب سے پوچھا۔ "تمہاری قسمت کیسے بدل رہی ہے؟"

ندا چونک گئی' فرح نے کہا۔ "دنیا میں دیانت دار اور محبت کرنے والے دو
خوش نصیبوں کو ہی ملتے ہیں۔ ہماری ندا کو میڈم کی صورت میں ایسی ہی دوست ل
ہے۔ بہت نیک دل اور ہمدرد خاتون ہیں۔ اس کے بہت کام آتی رہتی ہیں۔"

سلمان بولا۔ "اچھا وہی سینٹر والی میڈم .... جن کا یہ اکثر ذکر کرتی رہتی ہے۔"

فرح نے تائید میں سر ہلایا۔ ایسے ہی وقت اس نے پرائس چٹ کو دیکھا۔ پھر
"ہائیں .... چھ سو پچاس روپے .... نو سو ننانوے روپے .... ہزار ....
سو .... اوہ گاڈ! .... اتنی مہنگی شاپنگ .... تم نے کیسے کی؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میں نے نہیں کی ہے۔ کسی نے کروائی ہے۔ ابھی تو بتایا تھا
قسمت کی دیوی مجھ پر مہربان ہو رہی ہے۔"

پھر وہ بہنوں کو نازلی کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ ندا نے خوش ہو کر ک
"ہمارا بھائی ہے ہی ایسا جو دیکھتی ہے وہ مرمٹتی ہے۔ باڈی بلڈنگ کر کے مسلز بھی خوب
لئے ہیں۔ اپنی اصل عمر سے بڑے دکھائی دیتے ہو۔ اسی لئے نازلی بیگم تم پر فریفتہ ہو گ
ہیں۔"

فرح نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔ "ویسے سچ بتاؤ سلمان! کیا واقعی وہ تمہاری طر
مائل ہو رہی تھی؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے ایک امیر کبیر لڑکی کو تمہارے اندر کیا نظر آ
ہے؟"

وہ بولا۔ "کیا مطلب .... کیا میرے اندر کوئی کشش نہیں ہے؟ ارے لڑکیو
کے دلوں سے پوچھو۔ میرا نام سلمان ہے اور میری باڈی سلمان خان سے کم نہیں ہے۔"

فرح نے کہا۔ "یہ ساری خصوصیات ایک طرف' بقول تمہارے وہ ٹیلی پیتھی جا
ہے۔ ذہین ہے' تمہاری پرسنالٹی سے متاثر ہوئی ہو گی لیکن .... مجھے لگتا ہے کہ ا
نے ضرور تمہارے اندر کوئی خاص بات بھی نوٹ کی ہے۔"

ندا اور سلمان نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا پھر سلمان نے پوچھا۔ "کون
خاص بات؟"

"یہ تو وہی بتا سکتی ہے کہ وہ کس وجہ سے تمہاری طرف مائل ہوئی ہے۔"

ندا نے چہک کر کہا۔ "اگر وہ امیرزادی ہماری بھابی بن گئی تو پھوپھی جان کا کیا ہو
وہ تو جل بھن کر رہ جائیں گی۔"

سلمان نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے کہا۔ "بد فالیں منہ سے نہ
نکالو۔ نازلی تمہاری بھابی نہیں بن سکتی۔"

"کیوں نہیں بن سکتی؟ عمر میں بڑی ہیں تو کیا ہوا؟ تم بھی تو اپنے ڈیل ڈول سے اپنی
عمر سے بڑے نظر آتے ہو۔"

سلمان مسکرا کر بولا۔ "تمہاری بھابی وہ نہیں .... کوئی اور بنے گی۔"

دونوں بہنوں نے چونک کر بھائی کو دیکھا پھر ایک ساتھ کہا۔ "یہ وہ کون ہے؟"

سلمان انہیں صدف کے بارے میں بتانے لگا۔ فرح نے تمام باتیں سننے کے بعد اس
کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم تو چھپے رستم نکلے بھئی .... بڑی اونچی جگہ ہاتھ
مارتے ہو۔"

وہ اپنا کالر درست کرتے ہوئے ذرا فخر سے بولا۔ "کیا کریں .... اپنی شخصیت ہی
ایسی ہے۔"

ندا نے کہا۔ "ہمیں بھی صدف سے ملواؤ۔"

وہ بولا۔ "ملواؤں گا' ضرور ملواؤں گا لیکن ابھی اس کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں وہ
ان میں مصروف ہے۔ ویسے میرا معاملہ اہم نہیں ہے۔ بڑے بھائی ہونے کے ناتے پہلے
نعمان بھائی کا معاملہ سیٹ کرو۔"

ندا نے پوچھا۔ "تو تم بھی یہی چاہتے ہو کہ گھر میں ایک بھابی آ جائے؟"

سلمان نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "تو اور کیا' یہاں نعمان بھائی کی بیوی آئے گی ادھر ہم
فرح کو رخصت کر دیں گے۔ اس طرح ان کے جانے سے خالی ہونے والی جگہ پہلے ہی بھر
جائے گی۔"

ندا نے کہا۔ "میں تو خود یہی چاہتی ہوں۔ کام کرنے والی کے جانے سے پہلے ہی
دوسری کام کرنے والی آ جائے تاکہ مجھ پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔"

ان کی رائے متفقہ تھی۔ وہ تینوں بھائی بہن چاہتے تھے کہ گھر میں بھابی آ جائے۔
نعمان پہلے سے راضی تھا اور شکیلہ بیگم تو بہو لانے سے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔
رہی حیات انصاری کی بات جب گھر کے تمام افراد ہی راضی تھے تو وہ بھی شاید
اعتراض نہ کرتا۔

ہر نئی چیز اپنے اندر کشش رکھتی ہے اور وہ سب اپنے درمیان ہونے والے ایک
نئے فرد کے اضافے پر بہت خوش تھے۔

☆======☆======☆
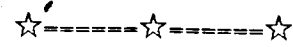
اسکول کے گیٹ سے لڑکیوں کے ریلے کی آمد ذرا کم ہوئی تو صدف کا چہرہ دکھ
دیا۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ چلتی ہوئی گیٹ سے نکل کر اسٹاپ کی طرف آ رہی تھ
سلمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ جواباً وہ بھی مسکرائی۔ پھر حسب معمول انجان سی ہو
اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس لڑکی سے باتیں کرنے لگی۔

وہ دونوں اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہو گئیں تو سلمان نے موقع ملتے ہی اپنے ہاتھ کو ری
کی طرح کان سے لگا کر اشارہ کیا کہ وہ اسے فون کرے گا۔ صدف نے اس کا اشارہ
کر ہاں کے انداز میں گردن ہلائی۔

پھر سلمان نے دو بار چار انگلیاں دکھائیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ رات کے آ
بجے اُسے فون کرے گا۔ وہ اس کے اشاروں کو سمجھتی تھی۔ فوراً ہی ہاں کے انداز میں
ہلانے لگی۔

سنا ہے محبت گونگی ہوتی ہے۔ وہ اشاروں میں باتیں کرنے والے واقعی گونگی محبت
رہے تھے۔ وہ دونوں بس میں سوار ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

صدف گھر پہنچی تو جبران نے صدف کو دیکھتے ہی کہا۔ ”تمہیں اپنا وعدہ تو یاد ہے نا
کل کا سارا دن تم میرے ساتھ گزارو گی۔“

وہ زینہ چڑھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ”اچھی طرح یاد
اور میں وعدہ خلافی نہیں کروں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔“

وہ ریلنگ کے پاس آ کر بولا۔ ”کیا ایک اور فرمائش کر سکتا ہوں؟“

وہ رک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ ”تم کل میرے سا
وقت گزارو گی تو کیا میری پسند سے سرخ لباس پہنو گی؟“

صدف نے ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ”میں نے تو بس یو
خواہش ظاہر کی تھی‘ آگے تمہاری مرضی ہے۔ ویسے تمہیں تو ہر کلر ہی سوٹ کرتا ہے۔“

وہ اتنا کہہ کر جواب سنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ وہ مسکرا کر اسے جاتے ہوئے د
رہی پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شام ہوئی تو وہ وارڈ روب کھول کر لباس دیکھنے لگی۔ وہاں مختلف کلر کے سوٹ ہ
میں لٹک رہے تھے۔ اس کی نظر سرخ رنگ کے لباس پر جم گئی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے
چاہتی تھی لیکن رک گئی۔ سرخ رنگ جبران کی پسند تھا اور اسے پہننے کا مطلب یہی ہو

آج وہ اس کی پسند کو اپنا رہی ہے تو کل اسے اپنا لے گی۔

وہ دوسرے کپڑوں کو دیکھنے لگی لیکن نظریں بار بار بھٹک کر سرخ رنگ کے جوڑے پر
ہی جا رہی تھیں۔ اس نے الجھ کر سوچا۔ ”کل کا دن میں جبران کے ساتھ گزاروں گی۔
ایسے میں ان کی پسند کا رنگ پہن لوں گی تو کیا ہو جائے گا؟ کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے یہی لباس
پہننا ہو گا۔“

یہ سوچتے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر سرخ رنگ کے جوڑے کو نکال لیا پھر ملازم کو بلا کر
کہا۔ ”اسے پریس کر دو۔“

ملازم لباس لے کر چلا گیا اس نے سر اٹھا کر گھڑی کو دیکھا۔ آٹھ بجنے میں آدھا گھنٹہ
باقی تھا۔ وہ وقت گزارنے کے لئے کمپیوٹر آن کر کے بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد ہی فون کی
گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ ”ہیلو۔“

دوسری طرف سے سلمان کی آواز سنائی دی۔ ”پہلی ہی بیل پر ریسیور اٹھا لیا ہے‘
میرے فون کا انتظار کر رہی تھیں؟“

”میں تو دوپہر کو تمہارا اشارہ سمجھ کر بے چین ہو گئی تھی کہ تم تو صرف اتوار کے دن
ہی فون کرتے ہو‘ آج کیا بات ہو گئی؟“

”کیوں .... میں ہفتے کے دوسرے دنوں میں فون نہیں کر سکتا؟“

”یوں ہی تو نہیں کیا ہو گا‘ ضرور کوئی بات ہو گی۔ بتاؤ ناں؟ میں دوپہر سے تجسس میں
مبتلا ہو رہی تھی۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”تجسس تو تمہارا کل ختم ہو گا۔ میں نے یہ کہنے کے لئے فون کیا
ہے کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ بس یہ مت پوچھنا کہ کیوں ملنا چاہتا ہوں؟“

اس نے مسکرا کر کہا۔ ”یعنی سرپرائز دینا چاہتے ہو۔ بولو .... کب اور کہاں ملنا
ہے؟“

”کل شام چھ بجے میں گلشن والے کے ایف سی تمہارا انتظار کروں گا۔“

وہ جلدی سے بولی۔ ”نہیں .... کل نہیں‘ پرسوں .... میں تم سے پرسوں
مل سکوں گی۔“

”پرسوں نہیں کل .... میں کل ملنا چاہتا ہوں۔“

وہ ذرا پریشان ہو کر بولی۔ ”او سلمان! سمجھا کرو۔ میں کسی مجبوری کی وجہ سے کہہ
رہی ہوں لیکن ملنے سے تو انکار نہیں کر رہی ہوں۔ ہم پرسوں مل سکتے ہیں۔“

"ایسی کیا مجبوری ہے؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں .... میرے ایک کزن آئے ہوئے ہیں ممی ڈیڈی
انہیں وقت نہیں دے پا رہے ہیں۔ میزبان ہونے کے ناتے مہمانداری کے فرائض مجھے
ہی انجام دینا پڑ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ کل کا سارا دن میں ان کے
ساتھ گزاروں گی اور میں بھی وعدہ کر چکی ہوں۔ وہ مہمان ہیں آئے ہیں چلے جائیں گے
اور میں ملاقات کو زیادہ دن کے لئے تو نہیں ٹال رہی ہوں۔ پلیز سلمان! میری مجبوری
سمجھو۔"

وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تو پھر
ٹھیک ہے' جب تم مہمانوں کی مہمانداری سے فارغ ہو جاؤ گی' ہم تب ہی ملیں گے۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "ناراض ہو گئے؟"

وہ ایک آہ بھر کر بولا۔ "نہیں .... بھلا میں تم سے کیسے ناراض ہو سکتا ہوں
ابھی تم نے ہی تو کہا تھا کہ میں تمہاری مجبوری کو سمجھوں تو میں سمجھ رہا ہوں لیکن تم اپنے
دل سے ناراضگی کا خیال نکال دو۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تھینک یو سلمان!"

وہ اس کی ہاں سے خوش ہو گئی تھی لیکن سلمان اس کی ناں سے بجھ سا گیا تھا۔

☆======☆======☆

ندا سینٹر پہنچی تو اپنی مخصوص کلاس میں آتے ہی ٹھٹک گئی۔ پورا کمرہ پھولوں کی
خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ جگہ جگہ سرخ گلاب کے چھوٹے چھوٹے گلدستے رکھے
ہوئے تھے۔ ایک طرف کھڑی ہوئی آرزو نے اسے مسکرا کر اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سینٹر
ٹیبل پر بھی کھانے پینے کے کئی لوازمات رکھے ہوئے تھے۔

وہ دروازہ بند کر کے آگے بڑھی۔ پھر تعجب سے چاروں طرف دیکھ کر بولی۔ "
.... یہ سب کیا ہے؟ کیا کوئی پارٹی ہونے والی ہے؟"

آرزو نے بڑے میٹھے انداز میں کہا۔ "ہونے والی نہیں ہے ہو رہی ہے۔ بتاؤ سجاوٹ
کیسی لگ رہی ہے؟"

ندا ایک ایک گلدستے کے پاس جا کر اسے چھو کر بولی۔ "بہت ہی خوبصورت پھول
ہیں۔ مجھے تو اتنے سارے اصلی پھول دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔"

وہ گلدستوں کو چھو رہی تھی' سونگھ رہی تھی۔ آرزو نے سرخ گلاب کی ایک کلی

اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "ہیپی ویلنٹائن ڈے۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر کلی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اوہ آج چودہ فروری ہے'
مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔"

"یہ کلی قبول کئے جانے کی منتظر ہے۔"

ندا نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے کلی لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے ہمیشہ سے سنا ہے
کہ لڑکا آج کے دن لڑکی کو گلاب کی سرخ کلی پیش کرتا ہے۔ دوستی اور محبت کا نیا رشتہ
قائم کرنے کے لئے .... لیکن ہمارا تو رشتہ ہی عجیب ہے۔"

"کچھ عجیب نہیں ہے۔ میں محبوب ہوں اور تم میری محبوبہ' لڑکا نہیں ہوں تو کیا
ہوا؟ پلیز ندا! اپنے دل سے یہ بات نکال دو کہ صرف لڑکا لڑکی کے درمیان ہی محبت کا رشتہ
قائم ہوتا ہے۔ آؤ .... آج کے دن اپنے اور میرے اس نئے رشتے کی ابتدا کرو۔ وعدہ
کرو......... ہم ایک دوسرے کو بھرپور چاہتیں دیتے رہیں گے۔"

آرزو نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے تھے۔ وہ ندا کو آغوش میں لے کر اسے پا لینے
اور حاصل کر لینے کا یقین کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ہچکچا کر اس کے بازوؤں کو دیکھا۔ ایسا
لگ رہا تھا جیسے کوئی محفوظ پناہ گاہ اسے پکار رہی ہے۔ وہاں پہنچ کر اسے محبتیں ہی محبتیں
ملیں گی۔

وہ بڑے کھوئے ہوئے انداز میں دھیرے دھیرے چلتی ہوئی قریب آئی۔ پھر اس
کے سینے سے لگ گئی۔ آرزو نے فوراً ہی اسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں سمیٹ لیا۔
محبت توقع سے زیادہ ملے تو آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ ندا کے آنسو آرزو کا شانہ بھگو رہے
تھے۔

سینے سے سینہ لگا ہوا تھا۔ دو دھڑکتے ہوئے دل ایک دوسرے سے سر ٹکرا رہے
تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دونوں اپنے اپنے پہلو سے نکل کر دوسرے کے پہلو میں سما جانا
چاہتے ہوں۔

آرزو اس کے سینے میں گھٹی گھٹی سسکیوں کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کی پشت
سہلا کر بولی۔ "میں نے تو یہ سب کچھ تمہیں خوشی دینے کے لئے کیا تھا مگر تم تو رو رہی ہو۔
یہاں کا ایک ایک پھول میں نے تمہارے لئے ہی سجایا ہے اور پھول تو مسکرانا سکھاتے
ہیں۔ تمہارے آنسو مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ مجھے بتاؤ .... کیا کوئی کمی رہ گئی ہے؟"

وہ اس سے فوراً الگ ہو کر بولی۔ "ضروری تو نہیں کہ کمی پر ہی رونا آئے۔ کبھی کبھی

زیادتی پر بھی تو رونا آ جاتا ہے۔"

آرزو اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے کٹورے میں لے کر بولی۔ "لیکن تمہیں خوشیاں دینا چاہتی ہوں' آنسو نہیں۔ میری محبت تمہارے دل کو چھو رہی ہے میرے لئے یہ بہت بڑی بات ہے۔ آج کے دن واقعی ہم دونوں نئے رشتے کی ابتدا کر رہے ہیں۔"

پھر وہ اسے صوفے کی طرف لے جاتے ہوئے بولی۔ "یہاں بیٹھو۔"

وہ بیٹھ گئی' آرزو نے سائیڈ ٹیبل پر سے ایک چھوٹی سی ڈبیا اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا اصل گفٹ تو یہ ہے۔"

ندا نے تعجب سے پوچھا۔ "اس میں کیا ہے؟"

وہ ڈبیا اسے تھما کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "خود ہی دیکھ لو۔"

ندا نے ڈھکن کھولا تو وہاں سونے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے اسے انگلی سے چھوتے ہوئے تعجب سے کہا۔ "اتنا قیمتی تحفہ .... اور میرے لئے؟"

آرزو نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "محبت میں محبوب سے زیادہ قیمتی کچھ نہیں ہوتا۔ انگوٹھی پسند آئی؟"

"بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کی چوائس بہت اچھی ہے۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "تمہیں اپنے آپ سے اندازہ نہیں ہوا۔ تم بھی تو میری چوائس ہو۔"

وہ ذرا شرما کر مسکرائی۔ آرزو نے انگوٹھی لیتے ہوئے کہا۔ "لاؤ اسے میں تمہاری انگلی میں پہناؤں گی۔"

ندا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر پوچھا۔ "انگوٹھی پہنانے کا مطلب جانتی ہیں آپ؟"

وہ انگوٹھی کو ڈبیا سے نکال کر اس کا دایاں ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ "جانتی ہوں اسی لئے پہنا رہی ہوں۔"

ویلنٹائن ڈے .... محبت بھرے نئے رشتے کی ابتدا کا دن .... وہ دونوں ابتدا کر رہی تھیں۔

☆======☆======☆

محبتیں بانٹنے اور حاصل کرنے کا دن ہو تو ہر طرف دھڑکتے ہوئے دل اپنی اپنی محبت کی ناؤ میں ڈول رہے ہوتے ہیں۔

اس دن کوئی ڈوب جاتا ہے اور کوئی پار لگ جاتا ہے۔ کسی کو خوشیاں مل جاتی ہیں اور کوئی محبوب کی بے وفائی پر آنسو بہاتا رہ جاتا ہے۔

یوں کہنا چاہئے کہ ویلنٹائن ڈے محبت کرنے والوں کے لئے فیصلے کا دن ہوتا ہے۔

صدف نے اب تک اپنا کوئی فیصلہ نہیں سنایا تھا۔ جبران جب بھی اس سے محبت یا شادی کی بات کرتا تھا تو وہ صاف انکار کرنے کے بجائے کترا جاتی تھی۔

جبران کو اپنی محبت کا یقین تھا اور یہی یقین اسے صدف سے دور ہونے نہیں دے رہا تھا۔ اس روز وہ دونوں سارا دن اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے۔ جب شام ہوئی تو جبران نے گاڑی پھولوں کی ایک دکان کے آگے روک دی۔

پھر اس نے صدف سے کہا۔ "تم میرا انتظار کرو' میں بس ابھی آیا۔"

بے خبری میں بہت کچھ ہو جاتا ہے اور صدف اب تک آج کے دن کی اہمیت سے بے خبر تھی۔ وہ کار سے اتر کر پھولوں کی دکان کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سلمان کے بارے میں سوچنے لگی۔ جبران کا اور اس کا موازنہ کرنے لگی۔

سلمان ایک خوبرو نوجوان تھا اور جبران بھی ایک خوبرو جواں مرد تھا۔ یہ لڑکیوں کا آئیڈیل بن سکتا تھا تو یہی خاصیت سلمان میں بھی تھی۔

جبران صدف کی مجبوریوں کو سمجھ کر اپنے فیصلے بدل رہا تھا تو سلمان نے بھی یہی کیا تھا۔

فرق تھا تو صرف اتنا کہ وہ جبران سے جان بوجھ کر اور سلمان سے انجانے میں دور ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جبران گاڑی میں آ کر بیٹھا تو وہ خیالوں میں چونک گئی۔ وہ گلاب کی سرخ کلی اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "ہیپی ویلنٹائن ڈے۔"

اس نے چونک کر جبران کو بے یقینی سے دیکھا پھر تعجب سے پوچھا۔ "کیا .... ویلنٹائن ڈے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ہاں .... مجھے یقین تھا تمہیں یہ اہم دن یاد نہیں ہو گا۔ میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا اور شکر ہے کہ میں اپنے ارادے میں کامیاب رہا ہوں۔"

صدف کا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا۔۔۔ کل رات سلمان نے فون پر اس سے ملنے

کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن صدف کے انکار پر وہ ایک دم سے چپ ہو گیا تھا بلکہ ہو گیا تھا۔

وہ ضرور اسے ویلنٹائن ڈے وش کرنا چاہتا تھا۔ فون بند کرتے ہوئے اس کی لہجے شکستگی اب سمجھ میں آ رہی تھی۔

صدف نے ایک ہاتھ پیشانی پر رکھتے ہوئے پریشان ہو کر زیر لب کہا۔۔۔ اوہ گاڈ کیا ہو گیا؟ میں نے تو اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ آج میں جبران کے ساتھ رہوں گی۔ یہ کر کہ اتنے اہم دن پر میں اس کے بجائے کسی اور کو اہمیت دے رہی ہوں' اس کے دل کیا گزر رہی ہو گی؟ یہ تو ہماری محبت کا پہلا ویلنٹائن ڈے تھا۔ یا خدایا! انجانے میں مجھ یہ کیسی غلطی ہو گئی؟

وہ سر تھامے بڑبڑا رہی تھی' جبران کو الفاظ صاف طور سے سنائی نہیں دے رہے لیکن وہ اس کے یوں سر تھام کر بیٹھنے سے پریشان ہو کر بولا۔ "کیا ہوا صدف! تمہا طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں ٹھیک ہوں' پلیز......... گھر چلیں۔"

جبران کا کلی والا ہاتھ ابھی تک بڑھا ہوا تھا۔ اسے قبول کرنے والی اپنی پریشانی الجھ گئی تھی بلکہ کلی کو دیکھ کر بے کلی میں مبتلا ہو گئی تھی۔

وہ صدف کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بڑی مایوسی سے بولا۔ "یہ سرخ میں تمہارے لئے لایا تھا۔"

صدف کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے ہر چیز سے الجھن سی ہونے لگی تھی۔ نے جبراً مسکرا کر اس کلی کو بے دلی سے قبول کیا پھر کہا۔ "سوری .... اب میں باہر گھوم پھر نہیں سکوں گی۔ ڈنر ہم گھر میں ہی کریں گے۔"

وہ کار اسٹارٹ کر کے بڑی افسردگی سے بولا۔ "تم سوری کیوں کر رہی ہو؟ تم نے وعدہ نبھا دیا ہے۔ آج کا پورا دن میرے ساتھ گزار کر۔"

وہ کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھانے لگا اور صدف پریشان ہو کر سوچ رہی ۔۔۔ یا اللہ! میں کیا کروں .... اس کے گھر فون بھی نہیں ہے۔ ورنہ میں فوراً ہی اس غلط فہمی کو دور کر دیتی۔

اس نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور اس کی یہ سوچ کر بڑھتی جا رہی تھی کہ اس کے پاس سلمان کا ایڈریس بھی نہیں تھا۔ صدف

اپنے گھر پہنچنے کی جلدی تھی اور اس جلدی کے پیچھے یہ امید تھی کہ شاید سلمان اسے فون پر مخاطب کر لے۔

لیکن وہ اسے کیوں مخاطب کرتا جب کہ وہ جانتا تھا کہ صدف آج اپنے مہمان کے ساتھ ہے۔

☆======☆======☆

ہر انسان اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اور وہ کہیں چلا جائے یا گم ہو جائے تو اس کی جگہ خالی رہ جاتی ہے لیکن خلا تو پُر ہونے کے لئے ہوتا ہے۔ یہ قدرت کا اصول ہے۔ وہاں جبران سلمان کی خالی جگہ پُر کر رہا تھا تو پھر سلمان کیوں تنہا رہتا؟

وہ سارا دن اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد جب گھر پہنچا تو دروازے کے سامنے بڑی سی گاڑی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ ایسی مہنگی کار ان کے کسی رشتے دار یا جان پہچان والے کے پاس نہیں تھی۔

محلے کے بچے اس کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ اس نے دستک دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر قدم رکھتے ہی ایک بار پھر ٹھٹک گیا۔ پورے گھر میں اس مہنگی گاڑی میں آنے والے کے مہنگے پرفیوم کی خوشبو مہک رہی تھی۔

وہ ذہن پر زور ڈالنے لگا۔ یہ خوشبو تو جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس وقت گھر میں ماں بہنوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا تھا۔

وہ سوچنے لگا۔۔۔ آنے والا ضرور امی' ندا اور فرح کو جانتا ہے' تب ہی ایسے گھل مل کر باتیں ہو رہی ہیں۔

فرح کسی کام سے باہر آئی تو اسے دیکھ کر بولی۔ "کہاں تھے تم؟" پھر وہ معنی خیز انداز میں مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ کر بولی۔ "جانتے ہو .... اندر کون ہے؟"

اس نے پوچھا۔ "کون آیا ہے؟"

"آیا نہیں ہے آئی ہے۔ تمہاری جاننے والی ہے۔"

اس نے تعجب سے فرح کو دیکھا پھر فوراً ہی چونک کر کہا۔ "تمہارا مطلب .... وہ .... وہ آئی ہے؟"

"جی ہاں .... وہی محترمہ آئی ہیں۔ نازلی جمال۔ ایک گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ فوراً ہی پلٹ کر ڈرائنگ روم میں جانا چاہتا تھا۔ فرح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر رو
ہوئے کہا۔ "حلیہ تو درست کر لو۔"

وہ انگلیوں سے بالوں کو درست کر کے بولا۔ "میں لڑکی نہیں ہوں جو فوراً ہی
سنگھار شروع کر دوں۔ بس بالوں کو سیٹ کر لیا تو سمجھو پورا حلیہ درست ہو گیا۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ نازلی جمال شکیلہ بیگم کے ساتھ ایک
صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "ہیلو مسٹر سلمان! بہت انتظار کروایا۔"

وہ آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ آپ یوں اچانک
ہمارے غریب خانے پر آ جائیں گی۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ایڈریس دیتے ہوئے تمہیں امید تھی کہ میں یہاں کبھی نہیں
آؤں گی اور مجھے بھی تم سے یہی امید تھی کہ تم میرے گھر نہیں آؤ گے۔ اب دیکھا
.... پہلے میں نے تمہاری امید پر پانی پھیر دیا ہے۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ اپنا چیلنج خود ہی جیت کر خوش ہو رہی
ہیں۔"

"میں جیت کر نہیں ہرا کر خوش ہوتی ہوں لیکن تمہیں ہرا کر مجھے کوئی خوشی نہیں
ہوئی بلکہ افسوس ہو رہا ہے کہ نہ تو تم میرے گھر آئے اور نہ تم نے مجھے فون کیا۔"

"زندگی کی آئی چلائی میں فراغت کسے نصیب؟ فرصت ہی نہیں ملی' ورنہ میں آپ
کے گھر نہیں آتا تو فون ضرور کرتا۔"

بھائی کے سفید جھوٹ پر ندا نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ نازلی نے کہا۔ "دل میں لگن
ہو تو کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا۔ میں بھی تو فرصت نکال کر یہاں آئی ہوں۔"

ندا اس کی معنی خیز بات سمجھ گئی تھی اور مسکرا کر سلمان کو دیکھ رہی تھی۔ شکیلہ بیگم
نے کہا۔ "نہیں بیٹی! ہم غریبوں کی بھلا کیا مصروفیات ہوں گی۔"

شکیلہ بیگم کی یہ بات بیٹے کو جھوٹا بنا رہی تھی۔ سلمان نے ذرا ناگواری سے ماں کو
دیکھا۔ ندا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "امی! آپ ذرا باہر آئیں۔"

شکیلہ بیگم اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹی کے پیچھے باہر چلی گئی۔ ان کے جاتے ہی نازلی نے
اپنے بیگ سے فوراً ہی گلاب کی سرخ کلی نکالی پھر اسے سلمان کی طرف بڑھاتے ہوئے
کہا۔ "ہیپی ویلنٹائن ڈے لیکن اب تو ویلنٹائن نائٹ ہو چکی ہے۔"

پھول کو دیکھتے ہی اُسے صدف یاد آنے لگی۔ وہ کتنے دنوں پہلے سے ہی صدف

آج کا دن وِش کرنے کی تیاری کرتا رہا تھا۔ کتنی مشکلوں سے پیسے جمع کر کے اس کی پسند کا
پرفیوم خریدا تھا لیکن پھر کیا ہوا؟

صدف کی مجبوری نے اس کی ساری تیاری پر پانی پھیر دیا۔ نازلی کی آواز نے اسے
چونکا دیا۔ "قبول کرنے میں اتنی دیر لگاؤ گے تو یہ مرجھا جائے گی۔"

وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "میں نے سنا ہے آج کے دن لڑکا اپنی محبوبہ کو کلی پیش کرتا
ہے۔"

وہ مصنوعی ناراضگی سے بولی۔ "میرے ساتھ یہی تو زیادتی ہو رہی ہے۔ میں صبح سے
شام تک انتظار کرتی رہی۔ پھول لانا تو دور کی بات .... تم نے مجھے فون پر بھی آج کا
دن وِش نہیں کیا۔ محبت میں تیرا میرا نہیں ہوتا۔ تم نہیں آئے تو میں چلی آئی۔ تمہاری
غلطیوں کو میں نظرانداز نہیں کروں گی تو پھر کون کرے گا؟"

وہ تعجب سے اس کی باتیں سن رہا تھا پھر بولا۔ "آپ مجھ سے دوسری بار مل رہی ہیں
اور اس بار بھی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں۔ پہلے آپ نے اپنی مرضی سے وہ چیزیں قبول
کروائیں' اب اپنی مرضی سے نیا رشتہ قائم کر رہی ہیں۔ آخر آپ کون ہیں' مجھ سے کیا
چاہتی ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "محبت .... صرف محبت .... اور کچھ بھی
نہیں۔ میں گھما پھرا کر باتیں کر کے اس معاملے کو طول دینا نہیں چاہتی۔ اس لئے صاف
اور سیدھی بات کہہ رہی ہوں۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

سلمان نے اسے چونک کر دیکھا پھر کہا۔ "یہ .... یہ آپ کہہ رہی ہو' ایسا کیسے
ہو سکتا ہے؟"

"میں نے کوئی انوکھی بات تو نہیں کہی ہے اور پھر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"اس لئے کہ میں کسی اور کو چاہتا ہوں۔"

"تو چاہتے رہو۔ میں تمہیں روک تو نہیں رہی۔ کوئی تمہاری محبت ہے تو تم میری
محبت ہو۔ تم اسے چاہو' میں تمہیں چاہتی رہوں گی۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں' کیا مجھے دو کشتیوں کا سوار بنانا چاہتی
ہیں؟ سوری میڈم! میں دوغلا شخص نہیں ہوں۔"

وہ نرمی سے بولی۔ "زندگی میں بہت کچھ اپنے مزاج کے خلاف بھی کرنا پڑتا ہے اور
پھر کسی کو محبت دینا تو عبادت ہے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "عبادت ہے' اسی لئے میں اس کی توہین کرنا چاہتا۔"

نازلی جمال نے بڑی حسرت سے پوچھا۔ "کیا تم میری محرومی دور کرنے کے لئے جھوٹی محبت بھی نہیں دے سکتے؟"

"پتہ نہیں .... آپ کہاں کی باتیں کر رہی ہیں؟ اس دنیا میں تو ایسا نہیں ہو فرض کے طور پر کی جانے والی محبت کسی کو خوشی نہیں دیتی۔"

"میں نے تمہیں پہلی ملاقات میں بتایا تھا کہ مجھے تجربات حاصل کرنے کے عجیب حالات سے گزرنے کا شوق ہے۔ مجھ سے زیادہ اس بات کو کون جانے گا کہ محبت خوشیاں نہیں دیتی مگر ہاں .... محرومی دور کر دیتی ہے۔"

شکیلہ بیگم دوبارہ ڈرائنگ روم میں آنا چاہتی تھی لیکن ندا اور فرح اسے روک تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں تھی اور یہ جاننے کے لئے بے چین ہو رہی تھی کہ آخر دونوں کے درمیان کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

فرح نے کہا تھا کہ جب نازلی چلی جائے گی تو سلمان خود ہی اسے ساری بات بتا گا۔

سلمان نے نازلی سے پوچھا۔ "آپ جبراً مجھ سے محبت حاصل کر کے اپنی کون محرومی دور کرنا چاہتی ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تم بہت جلد باز ہو۔ مستقبل پر نظر رکھنا اچھی بات ہے لیکن حال کی طرف تو دیکھ لو۔ کلی کا بوجھ اتنا نہیں ہے مگر بڑھا ہوا ہاتھ مسلسل نظرانداز جانے سے تھک گیا ہے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ کی سوچ غلط ہے اس لئے پیشکش بھی غلط ہے۔ میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔"

وہ مایوس ہو کر بولی۔ "ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو۔ آج تم نے اپنی محبت بڑے جذبے سے ایسی ہی کلی پیش کی ہو گی لیکن وہ تمہاری پیشکش کو ٹھکرا دیتی' تمہارا ہاتھ جھٹک دیتی تو تمہارے دل پر کیا گزرتی؟"

اس کی بات سن کر سلمان نے افسردگی سے سوچا___ جھٹکنا تو دور کی بات ہے، مجھے تو ہاتھ بڑھانے کا بھی موقع نہیں ملا۔ پہلی محبت میں پہلی بار یہ اہم دن آیا تھا لیکن یادگار بن سکا۔

اس نے بڑی حسرت سے اس کلی کو دیکھا جیسے وہ کہہ رہی تھی۔ "تمہارے دل پر چوٹ لگی ہے' اس درد کو محسوس کرتے ہوئے نازلی کا دل رکھنے کے لئے ہی مجھے قبول کر لو اور ایسا نہ کر کے تم اس سے کس بات کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟ صدف نے تمہارا دل دکھایا ہے اس بات کا یا نازلی تمہیں محبت دینے کے لئے آئی اس بات کا؟ تم تو خوش نصیب ہو' ایک طرف سے چھن جانے والی محبت دوسری طرف سے حاصل ہو رہی ہے۔ ناشکرے مت بنو۔"

اس نے ایک نظر نازلی پر ڈالی پھر ہاتھ بڑھا کر کلی کو قبول کر لیا۔ نازلی نے اسے بڑی احسان مندی سے دیکھا پھر خوش ہو کر کہا۔ "وقت اور حالات کے مطابق خود کو بدلنا سیکھو' کامیاب رہو گے۔ ویسے وہ بہت خوش نصیب ہے جسے تم چاہتے ہو۔"

سلمان نے پوچھا۔ "آپ ٹیلی پیتھی جانتی ہیں تو آپ کو اب تک اس بات کا بھی علم ہو گیا ہو گا کہ میں نے اپنی محبت کو صرف کلی پیش کی تھی یا کوئی گفٹ بھی دیا تھا؟"

نازلی اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تم سے دو بار ملی ہوں اور دونوں ہی ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم میں چھوٹی چھوٹی بہت سی خامیاں ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ تم دوسرے کے کہنے پر بہت جلد یقین کر لیتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

نازلی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "مطلب یہ کہ میں ٹیلی پیتھی نہیں جانتی۔"

سلمان بے یقینی سے بولا۔ "کیا .... اگر آپ ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہیں تو اس روز میرے ذہن میں ابھرنے والے خیالوں کو کیسے جان رہی تھیں؟"

نازلی ہنستے ہوئے بولی۔ "کامن سنس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میں نے اس وقت جو بھی کہا تھا اندازے سے کہا تھا۔ تم خود ہی یاد کرو۔ میں نے کوئی غیر معمولی بات کہی تھی؟"

سلمان ذہن پر زور ڈالنے لگا پھر مسکرا کر بولا۔ "واقعی اس دن آپ نے بڑی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے مجھے بے وقوف بنایا تھا۔ مان گیا میں آپ کی ذہانت کو۔"

نازلی مسکرا کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے امید ہے کہ تم بہت جلد میری محبت کو بھی مان جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی پھر ندا فرح اور شکیلہ بیگم سے اجازت لے کر رخصت ہو گئی۔

☆======☆======☆

شام سے رات گئے تک سلمان کے فون کا انتظار کرنے والی صدف دوسرے دن اسکول گئی تو پہلا پیریڈ شروع ہوتے ہی چھٹی کا انتظار کرنے لگی۔ کل سے اب تک وہ مسلسل انتظار کے کرب سے گزرتی رہی تھی۔ کوئی بھی معاملہ طول اختیار کر جائے تو جھنجلاہٹ ہونے لگتی ہے۔

اس کا خیال تھا کہ وہ اسٹاپ پر سلمان کو دیکھے گی تو اسے گھر پہنچتے ہی فون کرنے کا اشارہ کرے گی۔ انسان بھی بڑا بھولا ہوتا ہے۔ اپنے طور پر منصوبہ بندی کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ اس کا مقدر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والا ہے۔

وقت کا کام تو ہے گزرنا' گزر ہی جاتا ہے۔ چھٹی ہوتے ہی وہ خلاف معمول لڑکیوں کی بھیڑ کے ساتھ ہی باہر آگئی۔ پھر تیز تیز چلتی ہوئی اسٹاپ پر آئی تو اسے سلمان کہیں نظر نہیں آیا۔

صدف نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ سڑک کے دونوں اطراف بنے ہوئے فٹ پاتھ پر اسکول کی لڑکیاں اور کالج کے لڑکے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

اس نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کیا کہ شاید وہ اسکول سے جلدی باہر آکر سلمان سے پہلے ہی بس اسٹاپ پر آگئی ہے۔

انسان دل کو بہلانے کے ہزار بہانے ڈھونڈ لیتا ہے لیکن اس کا بہانہ اسے زیادہ دیر تک مطمئن نہ رکھ سکا۔ پندرہ منٹ گزر گئے اسٹاپ پر سے لڑکے لڑکیوں کی بھیڑ چھٹنے لگی۔ اس کی پریشانی اور انتظار کی بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس کی سہیلی نے الجھ کر کہا۔ "صدف! تم تین بسیں نکال چکی ہو' اب تک تو ہم گھر بھی پہنچ چکے ہوتے۔ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی لیکن کھڑے ہونے کی تو تھی۔ اب چاہے بھری ہوئی آئے لیکن پلیز سوار ہو جانا۔"

صدف نے پریشان ہو کر اس طرف دیکھا جہاں روز سلمان کھڑا ہوتا تھا۔ وہ جگہ اب تک خالی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے چھٹی کی ہے۔

صدف نے غصے سے سوچا___ سلمان! تمہیں نہیں آنا تھا تو مجھے بھی فون کر کے بتا دیتے تو میں بھی نہ آتی۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ پھر آج کیا ہوا جو تم نے مجھے اطلاع ہی نہیں دی؟

وہ عجیب محبوبہ تھی۔ محبوب کی گلی بھی نہیں جانتی تھی۔ امید بھی کیا چیز ہوتی ہے۔

کل اسے سلمان کے فون کی آس تھی پھر آج اس کا سامنا ہونے کی آس تھی اور اب وہ اس آس کے سہارے گھر پہنچ گئی کہ شاید سلمان اسے فون کرے لیکن انتظار تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

☆======☆======☆

دوسری طرف سلمان اپنے بستر پر پڑا بخار میں پھنک رہا تھا۔ شکیلہ بیگم اس کے ماتھے پر برف کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔ بخار بھی غربت کی طرح تھا کبھی گھٹ رہا تھا کبھی بڑھ رہا تھا لیکن جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے ایک سو تین سے سو پر آتا تھا لیکن ایک گھنٹے کے بعد ہی پھر ایک سو تین ہو جاتا تھا۔

شکیلہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔ "پتہ نہیں .... میرے بچے کو کیا ہو گیا ہے؟ لگتا ہے کل وہ جو نازلی آئی تھی اس کی نظر لگ گئی ہے۔"

پاس بیٹھی فرح نے مسکرا کر کہا۔ "وہ اس سے محبت کرتی ہے اور محبت بھری نظر دکھ نہیں پہنچاتی۔ اسے موسمی بخار ہو گیا ہے' دوا سے ٹھیک ہو جائے گا۔"

ماں نے الجھ کر کہا۔ "یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن وہ مُوا ڈاکٹر بیٹھتا بھی تو شام پانچ بجے ہے۔ ابھی تین بجے ہیں۔ میرا بچہ مزید دو گھنٹے تک اسی اذیت میں مبتلا رہے گا۔"

بے سدھ پڑے ہوئے سلمان کو ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ شکیلہ بیگم نے خوش ہو کر پوچھا۔ "اب کیسی طبیعت ہے سلمان! شکر ہے تم نے آنکھیں تو کھولیں۔ رات سے بے سدھ پڑے ہوئے ہو۔"

اس نے نقاہت بھری نظروں سے دیوار گیر گھڑی کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا صبح ہونے والی ہے؟"

ماں نے کہا۔ "صبح تو کب کی ہو چکی' اب تو شام ہونے والی ہے بیٹا!"

"یعنی .... آج میں کالج نہیں گیا؟"

فرح نے مسکرا کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو اپنا ہوش نہیں تھا' کالج کیسے جاتے؟"

وہ پریشان ہو کر نقاہت سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ صدف کے بارے میں سوچنے لگا___ وہ میری اس اچانک ہونے والی چھٹی پر پریشان ہو گئی ہو گی۔ میں اسے فون بھی نہ کر سکا۔ وہ ضرور مجھ سے خفا ہو رہی ہو گی لیکن میری مجبوری سن کر فوراً نرم پڑ جائے گی۔ مگر اسے میری بیماری کا پتہ کیسے چلے گا جب تک میں اسے بتاؤں گا نہیں؟ وہ مجھے اسٹاپ پر نہ پا کر

میرے فون کا انتظار کر رہی ہوگی۔ مجھے ابھی پی سی او پر جا کر اسے فون کرنا چاہئے۔

وہ بستر سے اترنا چاہتا تھا لیکن کمزوری کے باعث سر چکرانے لگا۔ ماں نے پوچھ
"کہاں جا رہے ہو؟"

سلمان دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا۔ "ایک ضروری فون کرنا ہے۔ پی سی
تک جا رہا ہوں۔"

"اس حالت میں کہاں جاؤ گے؟ ذرا دیر اور ٹھہر جاؤ۔ پانچ بجے میں تمہیں ڈاکٹر
پاس لے کر جاؤں گی تب پی سی او سے فون کر لینا۔"

اس نے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "پانچ بجنے میں تو ابھی دیر ہے۔"

ماں نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔ "کوئی دیر نہیں ہے۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔ فو
دو گھنٹے بعد بھی ہو سکتا ہے۔"

اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ تنہا باہر جا سکتا۔ بستر سے اترنے کی ذرا سی حرکت
سے ہی اسے چکر آنے لگے تھے' وہ مجبوراً لیٹ گیا۔ بیماری کی تکلیف کے ساتھ انتظار
تکلیف بھی شروع ہو گئی۔ وہ بے چینی سے پانچ بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

☆======☆======☆

صدف بھی اسی کرب سے گزر رہی تھی لیکن اس کی تکلیف سلمان سے زیا
تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پانچ بجے کے بعد یہ بے چینی ختم ہو جائے گی اور اس کے بر
صدف کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ ذہن کو ماؤف کر دینے والا انتظار کب ختم ہو گا۔

وہ اپنے کمرے میں تھی اور بڑی حسرت سے ٹیلی فون کو تک رہی تھی۔ کبھی کبھی
جان چیزیں بھی اپنے اندر بڑی کشش پیدا کر لیتی ہیں۔

وہ کبھی ریسیور درست کر رہی تھی اور کبھی اسے کان سے لگا کر یہ معلوم کر رہی
کہ کہیں لائن میں تو گڑبڑ نہیں ہے۔

اس نے سر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا۔ شام کے پانچ بجنے والے تھے۔ وہ پچھ
تین گھنٹوں سے مسلسل ٹیلی فون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور مایوسی تھی کہ بڑھتی جا
رہی تھی۔

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ جبران بھی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ صدف کا رویہ اس
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کل شام سے ہی وہ اس سے کترا رہی تھی۔ کتراتی تو وہ پہلے
تھی لیکن دوستی ہونے کے بعد اس نے پہلی بار ایسا رویہ اختیار کیا تھا۔

جبران اپنا محاسبہ کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے کل کوئی ایسی بات کہہ دی ہے
جو صدف کو بری لگی ہے مگر ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود اسے اپنی کوئی غلطی یاد نہیں آ
رہی تھی۔ بس ایک ہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ شاید وہ کلی پیش کئے جانے پر ناراض
ہو گئی ہے۔

اس نے سوچا ___ صدف محدود ہو کر سوچ رہی ہے۔ ویلنٹائن ڈے پر تو دوست کو
بھی پھول پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے دل میں چور تھا اور میں اپنے اس
چور جذبے کو چھپانے کی بھرپور کوشش کرتا رہتا ہوں۔ پتہ نہیں .... کل ایسی کون سی
بات ہو گئی جو صدف کو بری لگ گئی۔

وہ تینوں ہی اپنی اپنی غلطیاں تلاش کر رہے تھے اور اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہتے
تھے۔ صدف سے غلطی ہوئی جو اسے ویلنٹائن ڈے یاد نہ رہا۔ اب وہ سلمان سے بات کر
کے اپنی اس بھول کی معاف مانگنا چاہتی تھی۔

سلمان سے غلطی ہوئی جو وہ بخار میں مبتلا ہو کر کالج نہ جا سکا اور اب وہ صدف کو
فون کر کے اسے اطلاع نہ کرنے کی معافی مانگنا چاہتا تھا۔

جبران سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے صدف کو ویلنٹائن ڈے پر کلی پیش کی۔ یہ حق
تو محبوب کو حاصل ہوتا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اور اب جبکہ یہ ہو چکا ہے تو وہ
اسے سوری کہہ سکتا ہے۔

جبران نے ٹیلی فون کی طرف دیکھا پھر کچھ سوچنے لگا۔ صدف اپنے کمرے میں
صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور ٹیلی فون کو تک رہی تھی۔ شام کے سوا پانچ
ہو چکے تھے۔

سلمان ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کروانے کے بعد دوا کا انتظار کر رہا تھا۔ پل پل کی دیر بھی
عذاب لگ رہی تھی۔ اس نے ماں سے کہا۔ "آپ دوا بنوائیں میں فون کر کے آتا
ہوں۔"

ماں نے کہا۔ "دوا بننے میں کتنا وقت لگے گا۔ اکیلے نہ جاؤ' ذرا انتظار کر لو' میں ساتھ
ہی چلتی ہوں۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ برابر میں ہی تو پی سی او ہے' آپ دوا لے کر وہاں آ
جائیں۔"

پھر وہ ماں کا جواب سنے بغیر دھیرے دھیرے چلتا ہوا کلینک سے نکل کر پی سی او میں

آ گیا۔ ریسیور اٹھا کر یونٹ چیک کرنے لگا۔

جبران نے کچھ سوچ کر ریسیور اٹھایا پھر نمبر پنچ کرنے لگا۔ صدف اپنے کمرے میں تھی' بے جان سے ٹیلی فون میں جان پڑ گئی۔ وہ اسے پکارنے لگا۔ اپنی طرف بلانے لگا اس نے لپک کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو میں جانتی ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔ میرے رویے سے تمہیں دکھ پہنچا ہو گا۔ یقین کرو یہ سب کچھ انجانے میں ہوا ہے ویسے قصور تمہارا بھی ہے۔ تمہیں کھل کر مجھ سے بات کرنی چاہئے تھی۔"

"میں کیا بات کرتا؟ تم تو ایک دم سے ایسی ہو گئی تھیں جیسے میں نے تمہیں پھول نہیں دیا تھا بلکہ پتھر مار دیا تھا۔"

حد سے زیادہ یقین اچھا نہیں ہوتا۔ ریسیور اٹھا کر اس کا دل اور دماغ یہی سوچ رہا تھا کہ یہ فون میں جان ڈالنے والا کوئی اور نہیں سلمان ہی ہے۔ اس لئے وہ دوسری طرف کی آواز سنے بغیر اپنے دل کی باتیں بولنے لگی تھی۔

انتظار کی شدت نے شاید اسے ہپناٹائز کر دیا تھا لیکن خلاف توقع جبران کی آواز سن کر وہ ایک دم سے جیسے چونک گئی بلکہ گڑبڑا گئی۔

وہ بول رہا تھا۔ "مجھے اب تک سمجھ نہیں آئی ہے کہ کل تمہیں میری کون سی بات بری لگی ہے؟ مجھے شاید تمہیں وہ کلی پیش نہیں کرنی چاہئے تھی۔"

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ انسان جو چاہے وہی ہو بھی جائے۔ وہ اس وقت سلمان کی آذواز سننا چاہتی تھی لیکن ٹیلی فون سے جبران کی آواز ابھر رہی تھی۔ "ویسے تم بہت الجھی ہوئی لڑکی ہو۔ کبھی سپنے دکھاتی ہو اور کبھی ایک دم سے آس توڑ دیتی ہو۔ تم نے کل میری پسند سے سرخ رنگ پہنا تو مجھے ایسا لگا جیسے تم اچانک ہی میری ہو گئی ہو لیکن پھر شام کو اچانک ہی تمہارا مزاج بدل گیا۔ اس تبدیلی پر گلہ مجھے کرنا چاہئے تھا لیکن فون اٹینڈ کرتے ہی میرے بجائے تم نے شکایتیں شروع کر دیں۔ آخر یہ سب کیا ہے صدف!"

صدف ایک گہری سانس لے کر خلا میں تکتے ہوئے بولی۔ "میں تو خود سمجھ نہیں پا رہی ہوں کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میں چاہتی کچھ ہوں اور ہوتا کچھ ہے۔"

سلمان کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ وہ صدف سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر کر نہیں پا رہا تھا۔ وہ نمبر ملا ملا کر تھک گیا تھا۔ اس کا فون مسلسل بزی جا رہا تھا۔ ان کے مقدر میں یہی لکھا تھا کہ وہ ابھی ایک دوسرے سے رابطہ نہیں کر پائیں گے اور مقدر کا لکھا سوائے خدا کے کوئی نہیں مٹا سکتا۔

صدف ٹوٹی ہوئی تھی اور ایسے وقت جبران کی باتیں اس کا لہجہ اور آواز اسے بہلا رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح روتے ہوئے بچے کو چاکلیٹ دینے کے بجائے جھنجھنا بجا کر بہلایا جاتا ہے۔

مسلسل ناکامی نے سلمان کو مایوس کر دیا' ماں نے پوچھا۔ "کیا ہوا رابطہ نہیں ہو رہا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ماں نے کہا۔ "کب تک انتظار کرو گے' گھر چلو' رات کو دوبارہ میرے ساتھ آ جانا۔"

اسے ماں کا مشورہ مناسب لگا۔ یہ امید بھی تھی کہ گھر جا کر دوا پیئے گا تو شاید اتنی توانائی آ جائے کہ رات کو وہ اکیلا پی سی او میں آ کر صدف سے رابطہ کر سکے۔

یوں بھی وہ ماں کے ہوتے ہوئے فون پر اس سے کیا بات کرتا؟ اس نے سوچا —— اچھا ہی ہوا جو رابطہ نہیں ہو سکا۔ اب رات کو میں تنہا آنے کی کوشش کروں گا اور فون پر صدف سے لمبی بات کروں گا۔

سلمان یہ سوچتا ہوا ماں کے ساتھ گھر چلا گیا۔ دوسری طرف جبران نے فون پر صدف سے کہا۔ "تم ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو اور تنہائی انسان کو مزید پریشان کرتی رہتی ہے۔ تمہیں کچھ دیر کے لئے باہر کھلی فضا میں جانا چاہئے۔ ذہن فریش ہو جائے گا۔"

واقعی انتظار کے کرب سے گزرتے گزرتے اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔ جبران نے پوچھا۔ "کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم پریشان کیوں ہو؟"

پریشانی کی وجہ ایسی تھی جو وہ اسے نہیں بتا سکتی تھی۔ اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "دراصل بیس فروری سے ہمارے امتحان شروع ہو رہے ہیں۔ کل میں آپ کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی۔ شام کو جب پتہ چلا کہ چودہ تاریخ گزر رہی ہے تو احساس ہوا کہ امتحانوں کی ڈیٹ بہت ہی نزدیک ہے۔ اسی لئے میں ذرا ڈسٹرب ہو گئی تھی۔"

جبران مسکرا کر بولا۔ "تیاری مکمل ہو تو پریشانی نہیں ہوتی۔ پڑھائی کے معاملے میں تم مجھ سے مدد لے سکتی ہو اور میں گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ میری کرائی ہوئی تیاری سے تم اے ون نہیں تو اے گریڈ سے ضرور پاس ہو جاؤ گی۔"

صدف نے مسکرا کر کہا۔ "اور فیل ہوئی تو اس کی ذمہ داری بھی آپ پر ہو گی۔"

جبران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "نہیں صدف! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں تمہیں زندگی کے ہر معاملے میں کامیابی حاصل کرتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے مجھ سے صرف دوستی

کرنا چاہی میں نے ہامی بھری تو صرف اس لئے کہ تم اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو جاؤ لیکن کل مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم بھی میری بات مانتی ہو۔ ایک تو یہ کہ تم نے اپنا سارا دن میرے نام کیا اور دوسرا یہ کہ تم نے میری پسند کا رنگ پہنا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتی صدف! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کتنی بڑی بڑی خوشیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو تم تیار ہو کر نیچے آ جاؤ میں ڈرائنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ اسے انکار کرنے کی بھی مہلت نہ ملی یا شاید وہ انکار کرنا ہی نہیں چاہتی تھی اور اگر چاہتی تو خود سے رابطہ کر کے ابھی اسے منع کر دیتی۔ وہ الماری سے لباس نکال کر واش روم میں چلی گئی۔

☆------☆------☆

گھر میں نعمان کی شادی کا ذکر ہونے لگا تھا۔ بھائی اور بہنیں چاہتی تھیں کہ گھر میں بھابی آ جائے۔ شکیلہ بیگم بھی بہو لانے کی حسرت دل میں رکھتی تھی لیکن حیات انصاری نے اس سے کہا۔ "وہ تو بچے ہیں مگر تم تو عقل سے سوچو، نعمان کتنا کما رہا ہے جو گھر میں بہو لانے کی باتیں ہونے لگیں۔ ابھی تو اس گھر میں اس کی پہلی تنخواہ بھی نہیں آئی ہے۔"

فرح نے کہا۔ "اس کی پہلی تنخواہ آخری نہ بن جائے اسی لئے تو ہم بھابی لا رہے ہیں۔"

شکیلہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔ "سولہ آنے درست کہہ رہی ہے میری بیٹی! میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ پڑے گا تو وہ کام سے لگا رہے گا۔"

ندا نے بڑے لاڈ سے کہا۔ "ابو! مان جائیں ناں اب تو ہمارا دل بھی کرنے لگا ہے کہ ہم کسی کو بھابی کہیں۔"

حیات نے کہا۔ "تم سب تو ایسے ضد کر رہے ہو جیسے لڑکی نہ لائی جا رہی ہو بلکہ دل بہلانے کے لئے کوئی کھلونا لایا جا رہا ہے۔"

شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "ارے کھلونے بھی آ جائیں گے، پہلے بہو تو آ جائے۔ بس آپ ہاں کہیں۔"

وہ بولا۔ "شادی بیاہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ میرے ہاں کہہ دینے سے کیا ہو جائے گا۔ شادی یوں آسانی سے نہیں ہوتی اس کے لئے اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "آپ تو مجھے یوں سمجھا رہے ہیں جیسے میں کوئی نادان بچی ہوں۔ شادیوں پر خرچہ ہوتا ہے لیکن لڑکے کی شادی پر کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ ہم اپنے کسی غریب گھرانے کی لڑکی کو بہو بنائیں گے۔ ہلکی پھلکی بری ہو گی اور ہلکا پھلکا ہی ہو گا۔ ولیمے کے لئے شادی ہال بک نہیں کروائیں گے۔ گلی میں شامیانہ لگوا کر ولیمے رسم ادا ہو جائے گی۔"

ندا نے حیات سے کہا۔ "ابو! ہم کم سے کم خرچ کی پوری پلاننگ کر چکے ہیں اور خرچ کو پورا کرنے کے لئے امی نے برابر والی خالہ سے کمیٹی کی بات بھی کر لی ہے۔"

ماں نے جلدی سے کہا۔ "اور وہ مجھے گیارہویں کمیٹی دینے پر راضی بھی ہو گئی ہے۔ رشتہ لگنے اور بات چلنے میں اتنا وقت تو لگ ہی جائے گا۔ کمیٹی اگلے ماہ سے شروع ہو رہی ہے۔"

حیات انصاری خاموشی سے ان ماں بیٹیوں کی باتیں سن رہا تھا۔ شکیلہ بیگم نے الجھ کر کہا۔ "آپ صرف سن رہے ہیں کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

وہ بولا۔ "تم تینوں نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا ہے۔ نعمان کی مرضی بھی پوچھی ہے، ہو سکتا ہے وہ ذمہ داریوں سے جان بچانے کے لئے شادی سے انکار کر دے۔"

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "ذمہ داری کیسی، جیسے ہم سب رہ رہے ہیں اور گزارہ کر رہے ہیں اسی طرح سے وہ آنے والی رہے گی۔ ندا اور فرح کی طرح وہ بھی ہماری ذمہ داری ہو گی۔"

وہ بولا۔ "تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھیں۔ میاں بیوی کی اپنی ایک الگ زندگی ہوتی ہے۔ آنے والی کے دل میں ہزار ارمان ہوں گے۔ وہ اپنے میاں سے فرمائش کرے گی تو کیا نعمان اتنی سی تنخواہ میں اس کے اخراجات پورے کر لے گا؟"

وہ بولی۔ "آپ تو غیروں کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔ ساس سسر ہونے کے ناتے ہمارا بھی کچھ فرض ہو گا۔ نعمان کی طرف سے کچھ کمی ہو گی تو ہم اس کمی کو پورا کریں گے۔ آپ دیکھئے گا میں بہو کو اتنی محبتیں دوں گی کہ وہ ندا اور فرح کی طرح اپنی ہر خواہش کا اظہار مجھ سے ہی کرے گی۔"

حیات نے ہنستے ہوئے بیٹیوں کو دیکھا پھر کہا۔ "سن رہی ہو تم دونوں؟ تمہاری امی ابھی سے بہو اور بیٹے کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی پلاننگ کر رہی ہیں۔ ویسے وہ ہے کون بے چاری جو ہمارے نعمان کی دلہن بنے گی؟"

شکیلہ بیگم نے ناک چڑھا کر میاں کو دیکھا پھر کہا۔ "لگتا ہے آپ بیٹے کی شا جل رہے ہیں۔ تب ہی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ میرے نعمان کو کوئی سمجھ نہ پایا۔ ہے ہیرا۔ آپ دیکھئے گا وہ اپنی ذمہ داریوں کو کیسے نبھائے گا۔"

ندا نے کہا۔ "ابو! آپ امی کا موڈ خراب مت کریں' بس ہاں کر دیں۔"

وہ بولا۔ "شادی میری نہیں نعمان کی ہونے والی ہے تو ہاں بھی اسی نے جب گھر کے سب ہی افراد راضی ہیں تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو گا؟"

نعمان اپنے کمرے میں تھا۔ ماں باپ اور بہنوں کے درمیان ہونے والی گفتگو تھا۔ وہ بھلا انکار کیوں کرتا اس کی تو دلی مراد بر آ رہی تھی۔ وہ تو شادی کرنے ایک پاؤں پر کھڑا تھا۔

سلمان صدف سے بات نہ ہونے پر بے چین سا ہو گیا تھا۔ دوا کھانے کے بعد میں کچھ بحالی کا احساس ہوا تو وہ دو گھنٹے کے بعد دوبارہ اسی پی سی او میں پہنچ گیا۔ پھر اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگا۔

انسان اپنی سی کوشش کرتا ہے آگے جو نصیب میں لکھا ہو وہی ہوتا ہے۔

دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ سلمان نے شکر ادا کیا پھر فون اٹینڈ کر انتظار کرنے لگا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اس نے ایک منٹ گزرنے کے بعد سو صدف فون اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہے؟ ہو سکتا ہے وہ کمرے میں نہ ہو۔

اس نے یہ سوچ کر ریسیور رکھ دیا کہ وہ کچھ دیر کے بعد دوبارہ ٹرائی کرے گا۔ کمرے میں نہیں ہے تو اس وقت تک آ جائے گی مگر وہ فون اٹھانے والی اتنی جلدی کہاں سکتی تھی؟ کیوں کہ وہ کمرے سے نہیں گھر سے ہی باہر تھی اور جب سے سلمان آنے لگا تھا اس نے ملازموں سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ کبھی گھر میں نہ ہو اور فون کی بجے تو کوئی اسے ریسیو نہ کرے۔

سلمان وقفے وقفے سے نمبر ملا رہا تھا اور مایوس ہو رہا تھا۔ دوسری طرف ملازم کی آواز سن رہے تھے مگر بہرے بنے ہوئے تھے۔ اپنی چھوٹی بی بی کے حکم کے ریسیور نہیں اٹھا سکتے تھے۔

وہ آدھے گھنٹے کوشش کرنے کے بعد پھر تھک ہار کر گھر چلا گیا۔ مقدر بھی کھیل کھیلتا ہے۔ کبھی دو دلوں کو اچانک ہی ڈرامائی انداز میں ایک دوسرے کے قریب دیتا ہے اور کبھی ایسے ہی ڈرامائی انداز میں اچانک دور کر دیتا ہے۔

ان دونوں کی ملاقات کچھ ایسے ہی انداز سے شروع ہوئی تھی اور اب غیر محسوس طریقے سے دوریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

☆======☆======☆

وہ دونوں رات کا کھانا کھا کر ریسٹورنٹ سے باہر آئے تو جبران نے آئس کریم شاپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "صدف! آئس کریم کھاؤ گی؟"

صدف نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "لیکن .... شاپ میں نہیں' اپنی گاڑی میں۔"

جبران کار کی چابیاں اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "ٹھیک ہے تم جا کر بیٹھو' میں آئس کریم لے کر آتا ہوں۔"

پھر جبران پلٹ کر آئس کریم شاپ میں چلا گیا اور صدف کار کی طرف جانے لگی۔ ایسے ہی وقت اسے سڑک کے کنارے بلی کا ایک بچہ دکھائی دیا۔ وہ کار کا دروازہ کھولتے ہوئے رک گئی۔

سوچا اس ننھے سے روئی کے گالے کو تھوڑا سا پیار ہی کر لے۔

یہ سوچ کر وہ اسے پچکارتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے کی طرف ہٹنے لگا۔ صدف نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "اے! سڑک پر کہاں جا رہے ہو؟ کسی گاڑی کے نیچے آ جاؤ گے۔"

بلی کا بچہ۔ صدف کی پیار بھری پچکار کو سمجھ نہیں رہا تھا۔ اس کے قریب آنے سے خوفزدہ ہو کر مسلسل پیچھے کی طرف جا رہا تھا اور تقریباً سڑک پر آ گیا تھا۔

ایسے ہی وقت صدف کی نظر اس تیز رفتار کار پر پڑی جو اسی طرف آ رہی تھی۔ بلی کا بچہ صدف سے خوفزدہ تھا اس لئے اسی کی طرف متوجہ تھا۔ کار بالکل ہی سر پر آ گئی تو صدف بدحواس سی ہو کر بچے کو بھگانے کے لئے چیختی ہوئی آگے بڑھی۔

ادھر سے اس کی چیخ ادھر سے گاڑی کا ہارن وہ بچہ گڑبڑا کر سرپٹ دوڑتا ہوا سڑک کے دوسری جانب چلا گیا۔ گاڑی کے بریک کی زوردار آواز نے ادھر سے گزرتے ہوئے سب ہی لوگوں کو چونکا دیا۔

بریک کی چرچراہٹ کے ساتھ ہی صدف کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ آئس کریم شاپ سے نکلتے ہوئے جبران نے گاڑی کو اچانک ہی رکتے اور صدف کو اس سے ٹکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ وہیں سے چیخ مار کر دوڑتا ہوا سڑک پر آیا۔ پھر وہاں بے ہوش پڑی صدف کے چہرے کو اپنی گود میں رکھتے ہوئے اسے پکارنے لگا۔ "صدف! .... اٹھو صدف!"

اس کے سر سے لہو بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ میں سے کسی نے کہا۔ "اسے فوراً ہسپتال لے جاؤ۔"

جس کار سے حادثہ ہوا تھا اس کا مالک بھی اتر کر باہر آ گیا تھا اور پریشان ہو کر بے ہوش پڑی ہوئی صدف کو دیکھ رہا تھا۔ جبران اسے دیکھ کر غصے سے چلایا۔ "اندھے ہو گئے تھے؟ ڈرائیونگ نہیں آتی تو گاڑی کیوں چلاتے ہو؟ تمہیں اتنی بڑی لڑکی دکھائی نہ دی؟"

وہ بوکھلا کر بولا۔ "دیکھئے قصور میرا نہیں تھا' یہ خود ہی میری کار کے سامنے آ گئی تھیں۔"

وہ غصے سے بولا۔ "قصور کس کا تھا یہ تو اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی پتہ چلے گا اور تب تک میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔"

اس نے کہا۔ "مجھے اگر یہاں سے فرار ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔ یہ بحث بعد میں بھی ہو سکتی ہے' پہلے انہیں ہسپتال پہنچائیں۔ خون زیادہ بہہ گیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔"

جبران نے صدف کو گود میں اٹھا کر اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور اس آدمی سے کہا۔ "تم اپنی گاڑی کو لاک کر کے میرے ساتھ چلو۔"

وہ آدمی بحث میں الجھ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر صدف کو کچھ ہو جاتا تو ساری ذمہ داری اسی پر آ جاتی۔ وہ جبران کی بات مانتے ہوئے اپنی گاڑی کو لاک کر کے اس کے ساتھ ہسپتال آ گیا۔

ایمرجنسی وارڈ میں فوراً ہی صدف کی ٹریٹ منٹ شروع ہو گئی۔ جبران نے موبائل کے ذریعے پہلے اکبر نواز خان کو پھر بی پاشا بیگم کو اس حادثے کی خبر دی۔ وہ دونوں آدھ گھنٹے کے اندر ہی ہسپتال پہنچ گئے۔

اکبر نواز نے پوری تفصیل سننے کے بعد کار کے مالک کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر میری بیٹی کو کچھ ہو گیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ عاجزی سے بولا۔ "یقین کریں' غلطی میری نہیں تھی وہ خود ہی میری کار کے سامنے آ گئی تھیں۔"

جبران نے دانت پیس کر کہا۔ "تم شروع سے اب تک ایک ہی رٹ لگائے ہوئے

ہو۔ ذرا عقل سے سوچو کوئی جان بوجھ کر موت کو دعوت کیوں دے گا؟"

بی پاشا نے روتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو اپنی بیٹی کو کبھی پھول کی چھڑی سے بھی نہیں مارا۔ آج وہ کس اذیت سے گزر رہی ہے .... اوہ گاڈ! .... میری ایک ہی بچی ہے۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میں جیتے جی ہی مر جاؤں گی۔"

جبران نے اسے شانوں سے تھام کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آنٹی! یہ وقت رونے کا نہیں ہے' دعا کرنے کا ہے۔ ماں کی دعائیں اولاد کی ہر مشکل ٹال دیتی ہیں۔ صدف کو کچھ نہیں ہو گا۔"

بی پاشا ایک طرف رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ ایک ماڈرن ماں تھی۔ شلوار قمیض یا ساڑھی نہیں پہنتی تھی۔ ہمیشہ جینز اور ٹی شرٹ میں رہا کرتی تھی۔ دعا مانگنے کے لئے دوپٹے کی ضرورت تھی لیکن اس کے پاس نہ تو دوپٹہ تھا اور نہ ہی دامن۔

اس نے گلے میں بندھے چھوٹے سے اسکارف کو کھولا پھر اسے سر پر رکھ کر دعا مانگنے لگی۔ راجہ اکبر بھی اپنی بیٹی کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ صدف کا بہتا ہوا خون دیکھنے کے بعد سے ہی جبران کا خون کھول رہا تھا۔ وہ بار بار اس گاڑی والے کو گھور رہا تھا۔ وہ آدمی بھی پریشان تھا۔

اسے یہ فکر تھی کہ اگر لڑکی کو کچھ ہو گیا تو خواہ مخواہ کی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ ماں باپ تو دعا مانگ ہی رہے تھے لیکن وہ آدمی بھی خدا سے التجائیں کر رہا تھا۔ ڈاکٹر وارڈ سے باہر آیا تو جبران نے فوراً ہی لپک کر اس کے قریب جا کر صدف کے بارے میں پوچھا۔ وہ بولا۔ "پیشنٹ ابھی بے ہوش ہے۔ کم از کم ایک بوتل خون کی ضرورت ہے۔"

بی پاشا بیگم نے جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "پلیز ڈاکٹر! آپ میرے خون کی ایک نہیں دو بوتل لے لیں لیکن میری بیٹی کو بچا لیں۔"

ڈاکٹر اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ "ٹھیک ہے آپ میں سے جو خون دینا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ آئے۔"

وہ سب ڈاکٹر کے پیچھے چلتے ہوئے اس کے چیمبر میں آ گئے۔ صدف کی جان بچانے کے لئے گاڑی کا مالک بھی خون دینے کو تیار تھا۔ ان چاروں کا بلڈ ٹسٹ کیا گیا تو رپورٹ کے مطابق راجہ اکبر نواز خان بیٹی کو خون دے سکتا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹی کا بلڈ گروپ ایک ہی تھا۔

جبران نے ذرا مایوسی سے اپنی رپورٹ دیکھی۔ اس کی بھرپور خواہش تھی کہ اس کا

اور صدف کا بلڈ گروپ ایک ہی ہو لیکن ہر خواہش پوری ہونے کے لئے پیدا نہیں ہوا
خون کی منتقلی کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ اسی کی بیٹی تھی' اسی کے لہو کی پیداوار تھی
آج وہ اسی لہو سے اپنی پیداوار کو بچا رہا تھا۔ بچانے والی تو خدا کی ذات ہے لیکن خدا وسیلہ
بناتا ہے اور وہ وسیلہ بن رہا تھا۔

☆======☆======☆

نازلی لباس تبدیل کر کے واش روم سے باہر آئی تو ایزی چیئر پر بیٹھے جمال نے اسے
تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت خوب .... کافی عرصے بعد تم نے یہ بلا
نائٹی پہنی ہے۔ جگہ جگہ سے جھلکتا ہوا بدن ایسا لگ رہا ہے جیسے کالی بدلیوں میں سے چا
جھانک رہا ہو۔"

وہ اپنی تعریف پر مسکراتی ہوئی آئینے کے روبرو آ گئی۔ پھر برش اٹھا کر بالوں
سنوارنے لگی۔ جمال اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا اور لباس سے بے نیاز
کے بھرے بھرے بازوؤں کو تھام کر بولا۔ "یہ بھی کیا انداز ہے تم حسینوں کا' بستر میں جا
سے پہلے بھی بالوں کو سنوارتی ہو۔"

پھر اس نے اپنے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو اِدھر سے اُدھر کرتے ہوئے کہا۔

"زلفیں بکھیر دے کہ زمانے کو علم ہو
ظلمت حسین تر ہے شبِ ماہتاب سے"

یہ کہہ کر وہ اس کی گردن پر اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کرنے لگا۔ وہ بے خود سی ہو کر
خمار آلود لہجے میں بولی۔ "اوہ جمال! تھوڑی دیر اور انتظار کر لیں مجھے اپنے کچھ کام نمٹانے
ہیں۔ آپ بیڈ پر چلیں میں ابھی آتی ہوں۔"

پھر وہ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے لگی' وہ بولا۔ "رات کے اس وقت تم
تمہیں کاموں کی فکر ہے۔ بیگم جمال آپ کو شاید یاد دلانا پڑے گا کہ یہ وقت صرف میرا
ہے یعنی آپ کے شوہر نامدار کا۔"

وہ مسکرا کر پلٹی تو دونوں کے چہرے آمنے سامنے ہو گئے۔ نازلی نے اس کے بالوں
میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بڑی محبت سے پوچھا۔ "آپ بھی بھول رہے ہیں۔ شوہر بننے
کے بعد محبوبیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں آپ کو شوہر نہیں اپنا محبوب کہتی ہوں اس
لئے شادی کو تین برس گزر جانے کے بعد بھی آپ مجھے اتنی ہی محبتیں دے رہے ہیں
جتنی کہ شادی سے پہلے دیتے آئے تھے۔"

وہ اس کی پیشانی چوم کر بولا۔ "میری محبت کیسے کم ہو سکتی ہے؟ تمہارے اندر روز
نئی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر میں تمہیں حاصل کرنے کے لئے تمہاری طرف
دیوانہ وار کھنچا چلا آتا ہوں۔"

وہ ایسے لہجے میں بولتا تھا کہ ایک ایک لفظ دل میں اترتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور نازلی
پر دیوانگی طاری ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اس کے گلے لگ گئی پھر بولی۔ "جمال پلیز
میں ہمیشہ آپ کی اس دیوانی محبت کے سائے میں رہنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لئے
مجھے خود سے الگ کرنے کا ارادہ چھوڑ دیں۔"

وہ بولا۔ "تم میری محبت کے سائے میں نہیں بلکہ اندھیرے میں ہو۔ اندھیرا
محرومیوں کی کوکھ ہوتا ہے۔ میں تمہیں دیوانہ وار چاہتا ہوں اور میری یہ دیوانگی کہتی ہے
تمہاری زندگی میں کوئی محرومی نہ رہے۔ میں خودغرض نہیں ہوں۔ اسی لئے تمہیں
خوشیاں دینے کے ہر ممکن راستے تلاش کرتا رہتا ہوں۔ تم کسی کی محتاج نہ رہو۔ اس لئے
میں نے اپنی آدھی دولت اور جائیداد تمہارے نام کر دی ہے۔"

پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "بس ایک محرومی ہے جسے دور کرنے کے لئے
میرے مشوروں پر چلو گی تو میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں رہے گا۔ تم نہیں سمجھ سکتیں
کہ جس روز تمہاری وہ محرومی دور ہو جائے گی اس دن مجھے کتنی خوشی حاصل ہو گی؟"

وہ اس سے الگ ہو کر اسے سوچتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ جمال اس کے چہرے کو
اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولا۔ "تم نے مجھ جیسے ستر سالہ بوڑھے سے شادی کر کے
میری زندگی پر جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ اسی طرح چکا سکتا ہوں۔ میں دنیا بھر کی خوشیوں
تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہوں لیکن افسوس .... میں ایک ادھورا شوہر
ہوں ازدواجی وظیفے کے قابل نہیں ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم پھر بھی مجھے دل
سے چاہتی ہو۔ تم تین برس سے مجھے بہلا رہی ہو' اپنی محرومی کو دبا رہی ہو۔"

نازلی جلدی سے بولی۔ "نہیں جمال! مجھے کوئی محرومی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو کیا میں
آپ کے ساتھ خوش رہتی؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم میری محبت سے مجبور ہو اس لئے اپنی محرومی کا اظہار نہیں کرتی

"میں دعوے سے کہتی ہوں کہ آپ جتنا مجھے چاہتے ہیں اتنا کوئی بھی جوان شوہر اپنی
بیوی کو نہیں چاہتا ہو گا۔"

"تم جوان اور پُرکشش ہو' خوبصورت ہو' کوئی بھی جوان مرد تمہیں اپنا [...]
ہے لیکن تم نے مجھ بوڑھے کو ترجیح دی۔ تمہارے اس احسان کے بدلے میں آخر [...]
تک بھی تمہیں ٹوٹ کر چاہوں تو کم ہے لیکن جان! میری محبت تمہیں خوشیاں تو [...]
ہے لیکن ساتھ ہی ایک محرومی بھی دے رہی ہے۔ میں اسے دور کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "آپ اس محرومی کو دور کرنے کے لئے خود سے دور کر رہے ہیں [...]
جمال! ہم دو کے درمیان کسی تیسرے کی جگہ نہ بنائیں۔ میری نظر سے دیکھیں [...]
بوڑھے نہیں ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تمہارا کیا ہے؟ تم تو مجھے دل کی آنکھ سے دیکھتی ہو۔ ذرا [...]
آنکھ سے دیکھو تو میں تمہارے قابل ہی نہیں ہوں۔"

وہ فوراً ہی اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "نہیں جمال! ایسا نہ کہیں۔ [...]
آپ کے چہرے یا عمر کو نہیں دیکھا ہے۔ میں نے تو آپ کا دل دیکھ کر آپ سے [...]
ہے۔"

وہ اس کی نرم و نازک ہتھیلی کو چوم کر شیشے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے [...]
"آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا ہوں تو تمہاری محبت پر حیرت ہونے لگتی ہے کہ ان [...]
خدوخال میں کوئی بھی کشش نہیں ہے۔"

وہ اسے اپنی طرف متوجہ کر کے بولی۔ "آپ یہ سوال آئینے سے نہیں مجھ [...]
کریں۔ دیکھیں .... میری نظر کیا کہتی ہے؟"

وہ ایک آہ بھر کر بڑے رومانی انداز میں بولا۔

"ایسی نظر سے دیکھ ہمیں اے ساحر آنکھ
جن پیروں پر کھڑے ہیں پتھر بن جائیں"

وہ جلدی سے مسکرا کر بولی۔ "آں ہاں .... پتھر نہ بنیں' مجھے کسی [...]
ساتھ زندگی گزارنے کا شوق نہیں ہے۔"

وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کی کمر کو اپنی بانہوں کی گرفت [...]
لینے لگا۔ جیسے اسے اپنے اندر سمو لینا چاہتا ہو۔ وہ ذرا شرما کر کسمساتی ہوئی بولی۔ [...]
بوڑھا کہتے ہیں۔ اپنے بازوؤں کی گرفت تو دیکھیں' میں جوان ہونے کے باوجود خود [...]
سے چھڑا نہیں پا رہی ہوں۔ ویسے .... محبت اچانک جوش میں آ گئی ہے؟"

وہ مخمور لہجے میں بولا۔ "خطوط جسم جاناں کو جگانے کا ارادہ ہے۔ مقدس بجلیوں کو
[...] لگانے کا ارادہ ہے۔"

پھر وہ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹے بیڈ پر آ گیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے
کو محبتیں دیتے رہے پھر جمال نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔ "اس لڑکے کے معاملے کو تیزی
سے آگے بڑھانے کی کوشش کرو۔"

"وہ اچھا لڑکا ہے' میں آپ کے کہنے پر اس کی طرف جھک تو رہی ہوں لیکن وہ
میری طرف مائل نہیں ہے۔"

"تو کیا ہوا؟ شروع میں تم بھی تو میری طرف مائل نہیں تھیں لیکن پھر میری محبت
اور دیوانگی نے تمہیں جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کسی بھی بات کو ناممکن نہ سمجھا کرو۔ کیا تم
سوچ سکتی تھیں کہ کبھی کسی بوڑھے کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ گی؟"

وہ خاموشی سے مسکرانے لگی پھر بولی۔ "ہرگز نہ ہوتی لیکن آپ کی اندھا دھند محبت
نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔"

"تمہاری محبت بھی اسے مجبور کر سکتی ہے۔ آج وہ تم سے کترا رہا ہے لیکن کل وہی
مائل بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولی۔ "لیکن اس کے ساتھ ایک مسئلہ ہے جو میرے ساتھ
نہیں تھا۔"

"کون سا مسئلہ؟"

"یہ کہ وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔ جب مجھے آپ کی محبت ملی تھی تو اس وقت میرے
دل میں کوئی نہیں تھا مگر اس کے دل میں تو کوئی ہے ناں؟"

"میری محبت ایسی تھی کہ اگر اس وقت تمہارے دل میں کوئی ہوتا تو وہ نکل جاتا۔ تم
بھی اسے بھول کر میرے پاس ہی آتیں۔ محبت اور دیوانگی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ تم بھی
میری طرح اس لڑکے کو دیوانہ وار چاہو گی تو وہ ضرور تمہاری طرف مائل ہو گا۔ تم پر کسی
قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ جس طرح چاہو اسے ٹریپ کرو۔ میری طرف سے کھلی
آزادی ہے۔"

وہ اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کی محبت کسی دوسرے کے پہلو میں
جائے گی تو آپ کو دکھ نہیں ہو گا؟"

وہ اسے بڑی محبت سے چوم کر بولا۔ "تمہیں خوشیاں دینے کے لئے میں کچھ بھی کر

سکتا ہوں۔ اگر میں تمہاری محرومی کو دور کر سکتا تو تمہیں کبھی دوسرے کے پہلو میں جانے نہ دیتا۔ تمہاری محرومی دور ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر ہی مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے' اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔"

وہ افسردگی سے بولی۔ "میں بھی تو آپ سے دور ہو جاؤں گی۔"

"تم جہاں بھی جاؤ گی میری محبت کو بھلا نہیں پاؤ گی۔ مجھے بس اتنا اعتماد ہے' تمہارے دل اور تمہاری زندگی میں میری جو جگہ ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ تم آخری سانس تک میری محبت کو بھلا نہیں پاؤ گی۔"

وہ تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ جمال اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا "ادھر وہ تم سے شادی کرنے پر راضی ہو گا ادھر میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔ میں جائز طریقے سے تمہاری محرومی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ جذبہ سچا ہو تو خدا بھی ساتھ دیتا ہے۔"

وہ آنکھیں موندے اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ جمال سے ہزاروں خوشیاں ملنے کے ساتھ ساتھ اسے محرومی مل رہی تھی۔ وہ بھی اسے دور کرنا چاہتی تھی۔ مگر جمال چھوڑ کر جانے کا تصور ہی اسے افسردہ کر دیتا تھا۔ وہ بوڑھا تھا لیکن اس کے لئے جوانوں سے زیادہ اہم تھا۔ اس کی ضد سے مجبور ہو کر وہ سلمان کو ٹریپ کر رہی تھی۔

چار برس پہلے جمال احمد ربانی نازلی جیسی جوان لڑکی کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ اس کی دیوانی محبت دنیا والوں کی نظروں سے نہ چھپ سکی تو نازلی سے کیسے چھپ سکتی تھی۔

وہ دو بیویوں کا شوہر تھا۔ عمر رسیدہ تھا۔ دولت مند تھا مگر نازلی دولت کے ذریعے ہاتھ آنے والی نہیں تھی اور یہ بات جمال احمد اس سے پہلی ملاقات کے دوران ہی سمجھ گیا تھا۔ شروع شروع میں وہ یہی سمجھتا رہا کہ وہ نازلی کی بھرپور جوانی پر مرمٹا ہے لیکن دھیرے دھیرے پتہ چلا کہ وہ اس کے جسم سے نہیں بلکہ روح سے محبت کرتا ہے۔ اسے جو توجہ اور محبت اپنی دو بیویوں سے نہیں ملی اس لڑکی سے مل سکتی ہے۔

اسے ایسا لگنے لگا کہ نازلی اس کی زندگی میں آ جائے گی تو اس کی تمام محرومیاں دور ہو جائیں گی۔ جذبہ اگر سچا ہو تو انہونی ہونی ہو جاتی ہے۔ محبت کی شدت نے جوانی کو بڑھاپے سے ملا دیا۔

جمال کی محبت نے نازلی کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ بھی اس کی دیوانی ہوتی چلی گئی۔ توقعات سے زیادہ اسے محبتیں دینے لگی لیکن سب کو سب کچھ نہیں ملتا۔ کہیں کوئی نہ کوئی

کمی رہ ہی جاتی ہے۔

ان کی زندگی میں ایک ہی کمی تھی اور جمال جیسا دیوانہ اس کمی کو دور کرنے کے لئے عجیب منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ نازلی اس کے فیصلے سے متفق نہیں تھی لیکن حالات اسے سمجھا رہے تھے کہ بھڑکتی ہوئی آگ کو پانی نہ ملا تو وہ راکھ ہو جائے گی۔ فطری تقاضے پورے نہ ہونے کے باعث اس پر کئی بار ہسٹریا کے دورے پڑ چکے تھے۔

اس کی ایسی حالت دیکھ کر جمال تڑپ گیا تھا۔ جب چوتھا دورہ پڑا تو اس نے کہا۔ "نازلی! یہ بہت غلط ہو رہا ہے۔ اگر یہی ہوتا رہا تو تم دھیرے دھیرے ابنارمل ہو جاؤ گی۔"

نازلی نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ یہ وقتی کیفیت ہوتی ہے۔ بعد میں تو میں سنبھل جاتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"کیسے فکر نہ کروں؟ تمہاری یہ حالت دیکھ کر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ میں نے شادی کر کے تم پر ظلم کیا ہے۔ میں تمہیں خوشیاں دینے کے لئے اپنی زندگی میں لایا تھا۔ پاگل بنانے کے لئے نہیں۔"

"جمال! فرض کریں' میں پاگل ہو جاتی ہوں تو کیا تب بھی مجھے آپ اسی طرح چاہتے رہیں گے؟"

وہ اسے بازوؤں میں بھر کر بولا۔ "میں تمہاری چاہت سے تو کبھی باز آ ہی نہیں سکتا۔ تم نے میری سرد پڑتی ہوئی زندگی کو حرارت بخشی ہے لیکن میں تمہیں کیا دے رہا ہوں؟ ہسٹریا کا مرض۔"

وہ بولی۔ "بیماری کیا چیز ہے' آپ مجھے موت بھی دیتے تو میں اسے بھی خوشی سے قبول کروں گی۔ یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لیں۔"

"نہیں جان! تمہیں جینا ہے۔ بہت عرصے تک جینا ہے اور لمبی عمر حاصل کرنے کے لئے بیماریوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ ان کا توڑ کرنا پڑتا ہے اور تمہاری بیماری اب لڑنے سے نہیں توڑ کرنے سے ہی دور ہو گی۔"

نازلی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیسا توڑ؟"

"میرے قریب آنے اور چھونے سے تمہارے جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔ میں نے غور کیا ہے کہ ہمارے درمیان وہ جذباتی لمحات نہ آئیں تو تمہیں تشنگی کا احساس نہیں ہو گا۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ ''یعنی آپ میرے قریب نہیں آئیں گے' مجھے ہاتھ نہیں لگائیں گے' بس دور سے ہی محبت کا اظہار کریں گے۔ کیا میاں بیوی کی زندگی اس طرح گزر سکتی ہے؟''

وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''ضبط نفس سے کام لیا جائے تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ مجھے دیکھو جب دوسری بیوی نے بھی مجھے ذہنی طور پر الجھانا شروع کیا تو میں نے اس کی طرف سے منہ پھیرلیا۔ تب سے میں نے نہ تو اپنی کسی بیوی کو ہاتھ لگایا اور نہ ہی کسی غیر عورت کو۔ پیسہ پھینکنے سے سب کچھ مل سکتا ہے لیکن میں اِدھر اُدھر منہ مارنے کے بجائے ضبطِ نفس سے کام لیتا رہا تھا اور اسی صبر کا نتیجہ تھا جو تم مجھے مل گئیں۔''

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔ ''آپ کے اندر یہ قوت برداشت ہو گی' میرے اندر نہیں ہے۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے میں آپ سے الگ نہیں رہ سکوں گی۔''

''کیا میں رہ سکوں گا؟''

وہ اس کے سینے سے لگ کر بولی۔ ''تو پھر کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں؟''

وہ اس کی پشت کو سہلاتے ہوئے بولا۔ ''میری جان! بیماری دور کرنے کے لئے کڑوی دوا پینی ہی پڑتی ہے اور تمہاری بیماری دور کرنے کے لئے میرے ذہن میں ایک یہی حل آیا تھا۔''

''بالکل ہی نامناسب حل تھا۔''

سردی اور گرمی کا موسم ایک ساتھ نہیں رہتا اور اگر انہیں جبراً ایک ساتھ رکھا جائے تو پریشانیاں اور مسائل جنم لیتے رہتے ہیں۔

نازلی نے جمال سے دور نہ ہونے کے لئے دل میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ جذباتی لمحات میں اپنے آپ پر کنٹرول کرے گی۔ جمال کو اپنے اندر کی تشنگی کا احساس نہیں ہونے دے گی لیکن قدرتی حالات کے سامنے وہ ایک بار پھر ہار گئی۔

ایسے وقت جمال نے فیصلہ کیا کہ اس کی زندگی میں ایک جوان مرد کو محبوب کی حیثیت سے آ جانا چاہئے۔ دنیا والوں کی نظروں میں وہ مسز جمال ہی رہے گی لیکن شوہر کے حقوق اس کا محبوب پورے کرے گا۔

اس نے اپنا یہ فیصلہ نازلی کو سنایا تو وہ ایک دم سے بھڑک گئی۔ غصے سے بولی۔ ''آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں مَیں سوچ بھی نہیں سکتی اور آپ کسی غیر کو میری تنہائیوں میں لانا چاہتے ہیں ان تنہائیوں میں جو صرف آپ کے

ہیں۔''

جمال الجھ کر بولا۔ ''تو پھر میں کیا کروں؟ تمہاری بیماری .... تمہاری تشنگی .... مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ تمہیں خوشیاں دینے کے لئے میں کانٹوں پر بھی چل سکتا ہوں۔ کوئی غیر شخص میری جان کو ہاتھ لگائے گا تو کیا مجھ سے برداشت ہو گا لیکن میں کروں گا۔ تمہاری بیماری دور کرنے کے لئے میں سب کچھ کروں گا۔''

''لیکن میں نہیں کروں گی' مجھے تو یہ سوچ کر بھی شرم آ رہی ہے۔''

جمال اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''وہ آنے والا محبوب بن کر آئے گا تو تمہیں شرم نہیں آئے گی۔''

وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔ ''پلیز جمال! چپ ہو جائیں۔ آپ دنیا کے پہلے شوہر ہوں گے جو اپنی بیوی کو غلط راہ پر چلانا چاہ رہے ہیں۔''

وہ گہری افسردگی سے بولا۔ ''شوہر........... میں اگر مکمل شوہر بن پاتا تو کیا ایسی باتیں کرتا؟ ہرگز نہیں .... ان لمحات میں جب تم تڑپتی ہو تو مجھے کتنی ندامت محسوس ہوتی ہے' اسے تم سمجھ نہیں پاؤ گی۔''

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''اچھا تو آپ اپنی ندامت دور کرنے کے لئے مجھے کسی غیر کے حوالے کر رہے ہیں۔ یعنی جرم آپ نے کیا۔ آپ ازدواجی تعلقات کے قابل نہیں تھے۔ پھر بھی آپ نے مجھ جیسی جواں لڑکی سے شادی کی۔ خطا آپ سے ہوئی پھر میں کیوں سزا پاؤں؟''

''تو پھر ٹھیک ہے' غلطی مجھ سے ہوئی ہے اب میں ہی اس کا سدِباب کروں گا۔''

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا کریں گے آپ؟''

''حالات پر نظر ڈالتے ہوئے ایک بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ ہمیں ایک ساتھ نہیں رہنا چاہئے۔''

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ''میری بڑھتی ہوئی بیماری مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر رہی ہے لیکن آپ کا پہلا فیصلہ غلط تھا ناجائز تھا۔ ہاں .... یہ دوسرا فیصلہ قابل غور ضرور ہے۔ میں آپ کے لئے برابر والا کمرہ سیٹ کروا دوں گی۔ ہم الگ الگ سویا کریں گے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''ایک گھر میں ایک ہی چھت کے نیچے ہم کبھی الگ نہیں رہ سکتے۔ تم چاہے میری طرف نہ آؤ لیکن میں بے اختیار تمہاری طرف کھنچا آیا کروں

گا۔"

وہ اس کی بات پر مسکرا کر اس کے گلے لگ گئی۔ وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "نازلی! میں دو باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ ایک یہ کہ تمہاری زندگی میں کسی جوان مرد کو آ جانا چاہئے اور دوسری یہ کہ مجھے یہاں سے کہیں اور چلے جانا چاہئے۔ تم سے دور ہو جانا چاہئے۔ پہلی بات پر عمل کرو گی تو ہمارے درمیان کبھی جدائی نہیں آئے گی۔ فیصلہ تمہارے ہی ہاتھوں میں ہے۔"

وہ اس سے الگ ہو کر جھنجلا کر بولی۔ "یعنی چت بھی میری اور پٹ بھی میری۔ دور تو میں بھی آپ سے ہو ہی نہیں سکتی۔"

"میں بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے زندگی کی حرارت تم سے ہی مل رہی ہے۔ میں تم سے دور ہو جاؤں گا تو زندگی مجھ سے دور ہو جائے گی۔ جان! اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو میری پہلی بات پر عمل کر لو پلیز!"

"آپ دین اور دنیا دونوں کے خلاف بول رہے ہیں۔ آپ میرے مجازی خدا ہیں۔ اپنا ہر حکم منوا سکتے ہیں لیکن یہ تو کھلی بے حیائی والی بات ہے۔ میں کبھی کسی سے ناجائز تعلقات قائم نہیں کر سکوں گی۔ ایب نارمل ہوتی ہوں تو ہونے دیں۔"

"میرے ضمیر پر ایک یہی بوجھ کافی ہے کہ میں نے اس عمر میں شادی کر کے ایک جوان لڑکی کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ پلیز نازلی! ذہنی مریضہ بن کر میرے ضمیر پر مزید بوجھ نہ ڈالو۔ تم میری بات نہیں مانو گی تو میں ایسی ندامت بھری زندگی کو چھوڑ کر موت کو گلے لگا لوں گا۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ پھر روتے ہوئے بولی۔ "خدارا........ ایسی باتیں نہ کریں جمال!"

"اب میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ میری زندگی اور موت کا فیصلہ میری جان کے ہاتھ میں ہے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل ہی دل میں خدا سے کہنے لگی۔ "یا اللہ........ یہ کیسی مجبوری ہے جو ناجائز کو جائز بنا رہی ہے۔ میرے مولا! مجھے روشنی دکھا۔ شوہر کے حکم کے ساتھ ساتھ دینی احکام بھی میرے لئے قابل احترام ہیں۔"

اس روز نازلی نے جبراً ہامی بھر لی تھی۔ دن گزرنے لگے۔ جمال نے کہہ دیا تھا کہ "جلد از جلد کسی اچھے لڑکے کا انتخاب کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی محرومی کو دور کر

ڈالے۔ نازلی ایسے ناجائز تعلق کے لئے راضی نہیں تھی اس لئے شوہر سے جھوٹ کہتی رہتی تھی کہ وہ لڑکا ڈھونڈ رہی ہے جیسے ہی کوئی بااعتماد شخص نظروں میں آئے گا تو وہ اسے اپنے بیڈ روم تک لانے میں دیر نہیں کرے گی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ وہ اسے کب تک بہلاتی۔ آخر ایک دن جمال نے جھنجلا کر کہا۔ "تم نے تو اس معاملے کو شیطان کی آنت بنا دیا ہے۔ تعجب ہے تمہیں اب تک کوئی پسند نہیں آیا؟"

وہ کسی کو تلاش کر رہی ہوتی تو کوئی نظروں میں آتا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "دو ٹکے کی ہانڈی بھی ٹھونک بجا کر خریدی جاتی ہے۔ مجھے قابل اعتماد شخص کی تلاش ہے جو میری عزت کرے، میرے راز کو راز میں ہی رکھے۔"

"تمہیں کسی بات کا ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ اگر وہ شخص تمہارا راز فاش کرے گا تو اس پر پردہ ڈالنے کے لئے میں یعنی تمہارا شوہر موجود تو ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "نازلی! تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ سچ سچ کہو، تم کوشش کر رہی ہو؟"

اس نے ہچکچا کر جمال کو دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "ہاں........ کر رہی ہوں لیکن آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں۔"

وہ اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے اور لہجے سے جھوٹ صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ہاتھ تھام کر بولا۔ "پلیز جان! مجھ سے جھوٹ نہ بولو، میرے فیصلے میں کوئی قباحت ہے تو مجھے بتاؤ؟"

وہ جیسے ایک دم سے پھٹ پڑی۔ "ناجائز کام میں قباحت ہی قباحت ہوتی ہے۔ آپ جو کچھ کروانا چاہتے ہیں یہ ناجائز ہے جمال! بالکل ناجائز۔ اگر اس طرح تعلقات قائم ہونے لگیں تو پھر لوگ شادیاں کیوں کریں؟ لوگوں کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے ہی شادی کا حکم اترا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر تمہاری محرومی دور کرنے کے لئے جائز راستہ کون سا ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں تم بھی سوچو اور میں بھی سوچتا ہوں۔"

انسان ہمیشہ قدم اٹھا لینے کے بعد ہی سوچتا ہے۔ جمال کو جس بات پر شادی سے پہلے غور کرنا چاہئے تھا وہ اب ان دونوں کے لئے مسئلہ بن گئی تھی۔ وہ دونوں ہی کوئی ایسا حل تلاش کرنا چاہتے تھے جس سے محرومی دور ہو جاتی لیکن وہ ایک دوسرے سے دور نہ ہوتے

اور ایسا حل تلاش کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

سوچنے اور غور کرنے میں مزید ایک اور مہینہ گزر گیا جمال کی باتوں کو سرسری انداز میں لینے والی اس ایک ماہ میں اپنی حالت پر سنجیدگی سے غور کرتی رہی تھی اور یہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ اسے جمال کی بات ماننی ہی ہو گی۔ ورنہ وہ واقعی ایک ذہنی مریضہ بن جائے گی مگر ناجائز راستے پر چلنے کا سوچ کر ہی وہ خوفِ خدا سے لرز جاتی تھی۔

جمال اسے جنون کی حد تک چاہتا تھا لیکن اپنی دیوانگی سے اس کی زندگی تباہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسرا مہینہ گزرنے لگا تو جمال نے کہا۔ "جان! اس طرح سوچتے رہنا اور وقت ضائع کرتے رہنا تمہارے لئے خطرناک ہے۔"

وہ بولی۔ "عجیب الجھن ہے۔ کوئی حل سمجھ میں ہی نہیں آ رہا ہے۔"

وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری سمجھ میں آ گیا۔"

نازلی کا دل ایک دم سے دھڑک گیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے جمال کو دیکھا۔ وہ بولا۔ "تم نہ تو مجھ سے دور رہنا چاہتی ہو اور نہ ہی کوئی ناجائز راستہ اختیار کرنا چاہتی ہو ایسی صورت حال میں مجھے ایک حل ہی نظر آیا ہے جس پر تمہیں تو کیا علمائے دین کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔"

پتہ نہیں وہ کیا حل بتانے والا تھا؟ نازلی کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تمہیں دوسری شادی کرنا ہو گی۔"

نازلی ایک دم سے چونک کر پیچھے ہٹ گئی پھر بولی۔ "یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ کیا حل ہے؟ پہلے شوہر کے ہوتے ہوئے کوئی عورت دوسری شادی کیسے کر سکتی ہے؟"

وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "طلاق ہونے کے بعد شوہر اور بیوی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے درمیان بھی یہی ہو گا۔ تم کوئی اچھا لڑکا ڈھونڈو' اسے شادی پر آمادہ کرو جب بات پکی ہو گی تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔"

وہ جیسے سکتے میں آ گئی۔ پھٹی پھٹی نظروں سے جمال کو تکنے لگی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ٹوٹ کر چاہنے والا محبوب تمام رشتے ناتے توڑنے کی بات کرے گا۔

اس نے بے یقینی سے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں .... نہیں جمال! آپ مجھے پاگل پن سے بچانے کے لئے خود پاگل ہو گئے ہیں۔ تب ہی ایسے فیصلے سنا رہے ہیں۔ میں اس حل کو کسی صورت تسلیم نہیں کروں گی۔"

"کیوں قبول نہیں کرو گی؟ اس بار میں نے تمہیں کوئی ناجائز حل تو نہیں بتایا ہے؟"

وہ تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی پھر التجا آمیز لہجے میں بولنے لگی۔ "پلیز جمال! مجھے خود سے جدا نہ کریں۔ یہ حل ناجائز نہیں ہے مگر اس پر عمل کر کے ہم اپنے مقدر میں دوریاں لکھ لیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "عورتوں میں یہی خامی ہوتی ہے۔ پوری بات نہیں سنتیں اور رونا شروع کر دیتی ہیں۔"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "کیا سنوں میں آپ کی بات؟ آپ نے تو طلاق کا لفظ استعمال کر کے میرے پیروں تلے سے زمین ہی کھینچ لی ہے۔"

وہ اسے ایک صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "یہاں آرام سے بیٹھو اور میری پوری بات توجہ سے سنو۔"

وہ دونوں ایک صوفے پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ جمال اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔ "نہ تم مجھ سے دور رہ سکتی ہو' نہ میں تم سے دور رہ سکتا ہوں اور یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میری زندگی تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ تم دور ہو گی تو زندگی بھی مجھ سے دور ہو جائے گی۔ تمہاری دوسری شادی ہو گی مگر ہمارے درمیان دوری نہیں ہو گی۔"

نازلی کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ بولا۔ "تم کسی ایسے لڑکے کا انتخاب کرو گی جو کم حیثیت ہو۔ یعنی اس کا تعلق غریب گھرانے سے ہو۔ تمہارے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے اس لئے بے روزگار نوجوان بھی چلے گا۔ تمہارے اندر ایسی صلاحیتیں ہیں کہ تم کسی کو بھی اپنا دیوانہ بنا سکتی ہو۔ مرد دولت کے بل پر جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو خرید کر انہیں اپنی داشتہ یا بیوی بنا لیتے ہیں۔ تم اپنی دولت سے ایک شوہر خریدو گی۔"

نازلی خاموش تھی۔ کچھ بول نہیں رہی تھی۔ بس چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بول رہا تھا۔ "اس جوان پر مکمل اختیار حاصل کرنے کے بعد اپنی چند شرائط منوانی ہوں گی۔ پہلی تو یہ کہ شادی کے بعد تم اس کے ساتھ نہیں بلکہ وہ تمہارے ساتھ رہے گا اور دوسری شرط یہ کہ میں تم دونوں کے ساتھ یہاں رہوں گا اور اس بات پر اسے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح سے جان! ہم دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔"

وہ اب تک چپ تھی لیکن اس بات پر چونک کر بولی۔ "طلاق کے بعد تو آپ میرے لئے نامحرم ہو جائیں گے اور پھر دوسرے شوہر کے ہوتے ہوئے کوئی عورت اپنے

سابقہ شوہر سے تعلق نہیں رکھتی۔ آپ دینی اصولوں کے خلاف بول رہے ہیں۔ طلاق دینے اور میری دوسری شادی کروانے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اگر میں کسی دوسرے کی ہو گئی تو پھر آپ سے کسی قسم کا کوئی جسمانی تعلق نہیں رکھوں گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تم بہت اچھی ہو جان! تمہارے دل اور روح میں اسلام روشن ہے اور میں شوہر ہونے کے ناتے تم پر اپنے ناجائز حکم مسلط کر کے تمہاری اس روشنی کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ شروع سے اب تک میں تمہاری بات اسی لئے مانتا آیا ہوں کہ تم ہمیشہ ناجائز کو ناجائز کہتی چلی آ رہی ہو لیکن ایک بات یاد رکھو جان! میں تمہارے جسم سے نہیں، تمہاری روح اور دل سے محبت کی ہے اور یہ محبت کبھی ختم نہیں ہو گی۔ کیوں کہ اس میں ہوس نہیں ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہیں طلاق دینے اور دوسری شادی کرانے کے بعد تمہارے قریب نہیں آؤں گا اور تم میرے ضبطِ نفس سے اچھی طرح واقف ہو۔"

وہ ایک دم سے رونے لگی پھر بولی۔ "آپ بھی مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ نہیں بہکیں گے لیکن میں خود پر کنٹرول نہیں کر پاؤں گی۔ آپ کو دیکھتے ہی کمزور پڑ جایا کروں گی۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "پاک دامن لڑکیاں کبھی کمزور نہیں پڑتیں۔ تم شوہر پرست ہو۔ ابھی مجھ سے محبت کر رہی ہو۔ جب کوئی دوسرا شخص شوہر بن کر تمہاری زندگی میں آئے گا تو تم اسے بھی اسی طرح سے چاہو گی۔ اس وقت میں تمہاری خواہش کروں گا تو تم کبھی میرے پہلو میں نہیں آؤ گی۔ کیوں کہ تم جائز اور ناجائز کو اچھی طرح سمجھتی ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ مجھے یہ کس مشکل میں ڈال رہے ہیں؟"

وہ بڑی محبت سے بولا۔ "نہیں جان! میں تمہیں مشکل سے نکال رہا ہوں۔ تمہیں ایک آسودہ اور خوش حال زندگی دینے کے لئے میں تمہاری خواہش سے باز رہ سکتا ہوں۔ بس تم میری نظر کے سامنے رہو گی۔ میرے لئے یہی کافی ہے۔"

اس روز کے بعد سے ہی ایک ایسے شوہر کی تلاش شروع ہو گئی جو ان کی شرائط مان کر نازلی اور جمال احمد ربانی کے ساتھ زندگی گزارنے لگتا۔ ایسی تلاش کے دوران میں ہی اس کی نظر سلمان پر پڑی تھی اور وہ اسے ٹریپ کرنے کے لئے جال بننے لگی تھی۔

نازلی کو اپنے شوہر کی مکمل سپورٹ حاصل تھی اس لئے وہ بے خوف و خطر سلمان کے معاملے میں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ دلی طور پر اس کی طرف مائل ہو رہی تھی اس لئے یہ جاننے کے بعد کہ وہ کسی اور کو چاہتا ہے اس سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی۔

زندگی نے اسے بہت کچھ سکھایا تھا۔ وہ انسانی نفسیات کو کسی حد تک سمجھتی تھی۔ امید تھی کہ اس کا ایسا بے اختیار انداز سلمان کے دل میں اس کے لئے ضرور پیار جگا دے گا۔

☆======☆======☆

یہ سوچا بھی نہ تھا کہ دوریاں یوں طوالت اختیار کرتی چلی جائیں گی۔ سلمان رات بارہ بجے تک بارہا پی سی او میں جا کر صدف سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور ناکام رہا تھا۔ وہ کامیاب ہو تا بھی کیسے فون اٹینڈ کرنے والی تو ہسپتال میں پڑی ہوئی تھی۔

مسلسل ناکامی نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ دوسرے دن وہ بیماری کے باوجود کالج گیا۔ اسی آس کے سہارے کہ چھٹی کے وقت آمنا سامنا ہو گا تو وہ اسے فون پر بات کرنے کا اشارہ کرے گا۔

وہ بھی اسی صورت حال سے گزر رہا تھا جس سے ایک روز پہلے صدف گزرتی رہی تھی۔ وہ جس طرح اچانک ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے اسی طرح دور ہو رہے تھے۔ جدائی کو تو جیسے ان کے درمیان آنے کا بہانہ چاہئے تھا۔ آ کر ٹلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ زیادتی کسی چیز کی بھی ہو انسان کو بے زار کر دیتی ہے۔

اسے یاد کرنے اور اس سے بات کرنے کی شدت نے سلمان کے اعصاب چٹخا کر رکھ دیئے تھے وہ اضطراری کیفیت سے فرار کے راستے ڈھونڈنے لگا۔

وہ کچھ سوچ کر کالج سے سیدھا پی سی او پر آیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر صدف کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ اس نے اپنے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ اگر اس بار صدف سے بات نہ ہو سکی تو وہ نازلی کا نمبر ڈائل کرے گا اور اس سے بات کرے گا۔

نازلی کا نمبر ڈائل کرنے اور اس سے بات کرنے کے پیچھے کون سا جذبہ چھپا ہوا تھا اس سے سلمان بے بہرہ تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کرے گا تو کیوں کرے گا؟ شاید انتقاماً۔ اس کے لاشعور میں کہیں یہ بات پک رہی تھی کہ آج کل صدف اپنے کزن کے ساتھ مصروف ہے۔ اس کے ساتھ سیر و تفریح کرتی پھر رہی ہے اور سلمان کو نو لفٹ کرا

رہی ہے۔

خود کو نظرانداز کئے جانے کا احساس اسے اندر سے توڑ رہا تھا لیکن دل تھا کہ اس طرف کھنچا جا رہا تھا۔ جس طرح موت کسی نہ کسی بہانے سے آ جاتی ہے اسی طرح تعلقات بھی کسی چھوٹے سے بہانے سے ختم ہو جاتے ہیں۔

اس نے تو یوں ہی اپنے دل میں ایک ارادہ کیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ صدف سے اس بار بھی بات نہیں ہو سکے گی اور اسے مجبوراً اپنے آپ سے کیا ہوا وعدہ نبھانا پڑے گا۔ کبھی کبھی مجبوریاں بھی نئے تعلقات بنانے کا بہانہ بن جاتی ہیں۔

صدف کی طرف سے ناکام ہو کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ اپنے آپ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کر سکتا تھا لیکن کیسے کرتا' مقدر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے اور وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔

اس نے نازلی کا وزیٹنگ کارڈ جیب سے نکالا پھر ریسیور اٹھا کر اس کے آفس کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ رابطہ ہونے پر ایک نسوانی آواز سنائی دی سلمان نے پوچھا۔ "کیا میڈم جمال سے بات ہو سکتی ہے؟"

دوسری طرف سے اس کا نام پوچھا گیا پھر اسے انتظار کرنے کو کہا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی نازلی کی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ "ہیلو... سلمان! مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم مجھے فون پر مخاطب کر رہے ہو؟"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "میں نے آپ کی مصروفیت میں مداخلت تو نہیں کی؟"

نازلی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ وہ انسانی نفسیات کو تو سمجھتی ہی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر ہی جھوٹ بولا۔ "مداخلت تو کر چکے ہو' میں ابھی ایک میٹنگ میں مصروف تھی لیکن تمہارا نام سنتے ہی تمہاری کال ریسیو کرنے چلی آئی۔ یا یوں سمجھو کہ کچے دھاگے سے بندھی چلی آئی۔"

وہ جھینپ کر بولا۔ "سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ آپ میٹنگ اٹینڈ کریں' میں بعد میں کال کروں گا۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "ارے ارے یہ کیا غضب کر رہے ہو؟ خدا خدا کر کے ہمارے نصیب جاگے ہیں۔ میٹنگ کینسل کی جا سکتی ہے لیکن تمہاری کال نہیں۔ تم نہیں سمجھ سکتے سلمان! تم میرے لئے کتنے اہم ہو۔ میں نہیں جانتی کہ تمہاری زندگی میں میری کیا اہمیت

وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ صدف کی طرف سے ملنے والی مایوسی کے زخم بھر رہا تھا۔ ایک وہ تھی کہ جس نے ویلنٹائن جیسے اہم دن پر اپنے مہمان کو اہمیت دی تھی اور ایک یہ تھی جو صرف اس کی کال کی وجہ سے اپنی میٹنگ کینسل کر رہی تھی۔

نازلی نے پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ کچھ تو بولو۔"

"میں کیا بولوں' آپ اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں کہ بس سنتے رہنے کو دل کرتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں نے تو ایسی کوئی خاص بات نہیں کی جو تمہیں اچھی لگی ہے۔"

وہ ذرا سنبھل کر بولا۔ "نہیں .... بات نہیں۔ آپ کا لہجہ۔"

"کیا ہے میرے لہجے میں جو تمہیں اچھا لگا ہے؟"

وہ اس کے سوال پر گڑبڑا گیا۔ بات بناتے ہوئے بولا۔ "بہت .... بہت اپنائیت ہے آپ کے لہجے میں۔"

"تم بھی اپنے لہجے میں اپنائیت پیدا کرو تاکہ مجھے بھی تمہاری باتیں اچھی لگیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ آپ جناب چھوڑو اور مجھے تم سے مخاطب کرو۔"

"جی......... میں بھی یہی چاہتا تھا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "ابھی تو شروعات ہے' آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟ تم بہت کچھ ویسا ہی پاؤ گے جو میں چاہتی ہوں۔ محبت کی بیل اسی طرح آگے بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "تم غلط سمجھ رہی ہو نازلی!"

"تو مجھے غلط ہی سمجھنے دو۔ تم نے مجھے فون پر مخاطب کیا ہے۔ میں ہواؤں میں اُڑ رہی ہوں۔ پلیز! میری خوش فہمی کو ختم کر کے مجھے زمین پر نہ گراؤ۔ میں نہیں جانتی کہ تم نے مجھے کیوں پکارا ہے لیکن اتنا سمجھ گئی ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے کچھ ہے۔"

اس کی بات نے سلمان کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنے آپ سے سوال کرنے لگا۔ اس نے نازلی کو فون کیوں کیا' وہ اس کی کیا لگتی ہے؟

جو صدف کی طرف سے دل ٹوٹا تو اس نے اسے پکارا۔ وہ اندر ہی اندر الجھنے لگا۔

ریسیور سے نازلی کی آواز ابھری۔ "تم ابھی نہیں بولو گے لیکن میں جانتی ہوں میری
تمہیں بولنے پر مجبور کر رہی دے گی۔"

لوہا گرم تھا اور وہ چوٹ پر چوٹ لگا رہی تھی۔ ایسے وقت سلمان کو سمجھ نہیں
کہ وہ کیا بولے اور کیا نہ بولے۔ الجھن بڑھ جائے تو گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ سل
کہا۔ "میں فون بند کر رہا ہوں' تم نے اپنی اہم مصروفیت میں سے کچھ وقت مجھے د
اچھا لگا ہے لیکن میں تمہارا زیادہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسی پھر بولی۔ "تم ہمیشہ غلط اندازے لگاتے ہو۔ تم سے بات
وقت برباد نہیں ہوا ہے بلکہ میرا ذہن فریش ہو گیا ہے۔ تم نے اپنی مرضی سے فو
اب اپنی مرضی سے بند کر رہے ہو میں روکوں گی نہیں۔ بس اتنا پوچھوں گی کیا مجھ
سکتے ہو؟"

وہ اس سے کترانے کے انداز میں بولا۔ "ملنا ضروری تو نہیں ہے اور یوں بھی
آدھی ملاقات ہو جاتی ہے۔"

"تمہارے لئے ضروری نہیں ہو گا۔ میرے لئے ضروری ہے۔ میں تمہارا زیادہ
نہیں لوں گی۔"

"وقت کی بات نہ کرو' میں کوئی مصروف بندہ تو ہوں نہیں کہ تم سے زیا
ملاقات کروں گا تو میرا وقت برباد ہو جائے گا۔"

"تو پھر بولو۔ کب مل سکتے ہو؟"

"تم جب بلاؤ گی' جہاں بلاؤ گی میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

وہ خوشی سے کھل کر بولی۔ "تو پھر ٹھیک ہے' اتوار کا ڈنر تم میرے گھر ہی کرو گے
ملاقات کا دن اور وقت مقرر ہ گیا پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ نازلی نے ریسیور رکھنے
موبائل فون اٹھایا اور اس پر جمال کے نمبر پنچ کرنے لگی۔ وہ شوہر سے زیادہ ایک را
دوست تھا۔

سلمان سے ہونے والی ہر ملاقات اور بات کا احوال نازلی اسے ضرور سناتی تھی
آج تو کمال ہی ہو گیا تھا۔ سلمان کا یوں فون پر نازلی کو مخاطب کرنا اسے سمجھا رہا تھا ک
نشانے پر لگا ہے۔

☆======☆======☆

ایک رات اور آدھا دن گزر چکا تھا۔ صدف رات بھر بے ہوش رہنے کے بعد

کے لئے ہوش میں آئی تھی لیکن دواؤں اور بخار کے اثر سے دوبارہ غفلت میں چلی
گئی تھی۔

بی پاشا بیگم اور اکبر نواز خان کو ڈاکٹر نے تسلی دی تھی کہ صدف بالکل ٹھیک ہے۔
اچانک ہونے والے حادثے نے اسے دہشت زدہ کر رکھا ہے اور اسی دہشت کے اثر سے
بخار میں مبتلا ہو گئی ہے۔

جبران نے ان دونوں سے کہا۔ "انکل' آنٹی! آپ گھر جا کر آرام کریں۔ صدف کی
فکر نہ کریں۔ میں اس کے پاس رہوں گا۔"

بی پاشا نے کہا۔ "او ہنی تم بھی تو ساری رات ڈسٹرب رہے ہو۔ ایسا کرو تم اپنے
انکل کے ساتھ گھر چلے جاؤ۔ میں اپنی سویٹ ہارٹ کے پاس رہوں گی۔"

وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولا۔ "پلیز آنٹی! مائنڈ نہ کیجئے گا۔ میں .... میں صدف کو
چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

بی پاشا خوشی سے نہال ہو کر بولی۔ "نہیں نہیں ڈیئر! اس میں مائنڈ کرنے والی کیا
بات ہے؟ ہمیں تو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ تم ہماری بیٹی سے اتنی محبت کرتے ہو۔
اسے اس حال میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے ہو۔"

وہ دونوں ہی بیٹی کی طبیعت کی طرف سے مطمئن تھے اور پھر جبران اس کے پاس
تھا۔ وہ بے فکر ہو کر گھر چلے گئے۔ جبران دروازہ لاک کر کے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

نظروں کے سامنے اس کی چاہت اس کی محبت سو رہی تھی لیکن اس کا خوابیدہ حسن
جاگ رہا تھا۔ اس کے اوپر پھیلی ہوئی سفید چادر برف کی طرح بدن کی وادیوں کو چھپائے
ہوئے تھی۔

کہیں نشیب .... کہیں فراز .... دیکھنے والے کا اصرار بڑھا رہے تھے۔
جبران نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی نازک بدن
کی اسرار بھری وادیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں اور وہ یہی چاہتا تھا۔ بستر پر پڑی بے
ہوش صدف اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔ اس کا معصوم سا چہرہ اپنی طرف بلا رہا تھا۔

جس طرح کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ بلا ٹل جائے
گی۔ بالکل اسی طرح جبران نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ڈھکا چھپا نظارہ غائب ہو گیا تھا۔ وہ
نہیں تھی کہ اوجھل ہو جاتی۔ وہ تو اندر کا نور تھا جو بند آنکھوں کے اندھیرے میں اور
نمایاں ہو گیا تھا۔ نہ جانے اس کی نظروں کی حدت تھی یا اصرار کی شدت۔ وادی پر پھیلی

ہوئی برف دھیرے دھیرے پگھلنے لگی۔

نازک بدن کا ہر زاویہ یوں ابھرنے لگا جیسے کوئی شاعر اپنی غزل کو مکمل کر رہا ہو۔ مطلع سے مقطع تک ہر شعر قیامت خیز تھا۔

جبران ششدر سا ہو کر اُسے تک رہا تھا۔ وہ دور کھڑی ادائیں دکھا رہی تھی۔ انتہائے مستی میں اِدھر سے اُدھر لہرا رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کا گنگناتا ہوا آنچل جبران کے چہرے کو چھو رہا تھا۔

وہ ہاتھ بڑھا کر اُسے تھام لینا چاہتا تھا مگر ڈرتا تھا کہ کہیں یہ سنگین طلسم ٹوٹ نہ جائے۔ وہ دعوتِ نظارہ بنی ہوئی تھی۔ بڑے ہی دھیمے انداز میں اُسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ نیم جوانی کی ریشمی بانہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھنے لگا۔ وہ بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔ مسکرا رہی تھی۔

ایسے ہی وقت جبران کو نسوانی سرگوشی سنائی دی۔ "پلیز.......... آ جاؤ میں تھک گئی ہوں .... تمہارا سہارا چاہتی ہوں۔ پلیز چلے آؤ .... چلے آؤ.........."

سامنے کھڑی ہوئی خاموش صدف مسکرا رہی تھی۔ جبران نے سوچا۔ یہ چپ ہے۔ پھر وہ سرگوشی کس کی تھی؟

اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ پھر سامنے دیکھا تو وہ اداؤں کے تیر چلانے والی غائب ہو چکی تھی۔ جبران نے تڑپ کر اسے پکارا۔ "صدف!"

اس کے بعد ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایسے وقت اس کی نظر صدف کے چہرے پر گئی۔ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ شاید وہ خواب کی حالت میں بڑبڑا رہی تھی۔

جبران اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب گیا۔ پھر بیڈ کے سرہانے بیٹھ کر اس کی باتیں سننے لگا۔ وہ بڑی آہستگی سے بول رہی تھی۔ "مجھے تنہائی سے وحشت ہو رہی ہے۔ تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز آ جاؤ .... کہاں ہو تم؟"

اس کے ہاتھ بستر پر ٹٹولنے کے انداز میں اِدھر اُدھر رینگنے لگے۔ جبران نے اس کا ایک ہاتھ تھام کر دھیرے سے کہا۔ "میں یہیں ہوں .... تمہارے پاس۔"

صدف نے نیم وا آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر سہلا رہا تھا۔ اس کی دہکتی ہوئی ہتھیلی بخار کا پتا دے رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس ہتھیلی نے جبران کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

صدف کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھائی ہوئی تھی اور اس دھند میں اسے اپنے سلمان کا دھندلا سا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بے یقینی سے پلک جھپکائی، پھر بڑی آہستگی سے کہا۔ "تم آ گئے کہاں گم ہو گئے تھے؟"

جبران نے ذرا جھک کر کہا۔ "میں تو کل رات سے ہی تمہارے پاس ہوں۔ طبیعت کیسی ہے تمہاری؟"

اُسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ اس کا لاشعور جو سمجھا رہا تھا، وہ وہی سمجھ اور دیکھ رہی تھی۔ اس کے قریب سلمان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جھک کر کچھ کہہ رہا تھا۔ الفاظ واضح طور سے سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

اچانک ہی صدف کا دل گھبرانے لگا۔ وہ بے چین سی ہو کر اس کی کلائی پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولی۔ "تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے؟"

وہ دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے کو تھپک کر بولا۔ "میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

صدف نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔ پھر اُسے اپنی طرف کھینچنے لگی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف جھکنے لگا۔ وہ بے خودی کی کیفیت میں تھی لیکن یہ تو ہوش میں تھا۔ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔

وہ جب سے پاکستان آیا تھا بڑے صبر سے صدف کے مائل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ آج وہ نیم بے ہوشی میں ہی سہی لیکن اُسے پکار تو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے لاشعور میں جبران بسا ہوا تھا۔ تب ہی تو وہ تنہائی سے گھبرا کر نیم بے ہوشی کے عالم میں اسے اپنے قریب کھینچ رہی تھی۔

انسان بے خودی میں سچ بولتا ہے اور وہ اس کا سچ سن کر پگھل رہا تھا۔ صدف کی گرم سانسیں اس کے اندر آگ بھرنے لگیں۔ وہ اس کے لرزتے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ "پلیز.......... دُور نہ جانا۔ مجھ سے دُور نہ جانا۔"

ایسے وقت جبران کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

ذہن نے سمجھایا۔ پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ غضب ہو جائے گا۔ وہ ہوش میں نہیں ہے مگر تم تو ہوش میں آؤ۔

اس کا چہرہ صدف کے چہرے کے بالکل قریب تھا۔ دونوں کی سانسیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ ایسے میں جذبوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ پھر بھی سنبھلنے کی کوشش کرتا ہوا

پیچھے ہٹنے لگا۔ صدف تو اُسے اپنی طرف کھینچ ہی رہی تھی۔ دل نے بھی حوصلہ بڑھایا۔
یہ بیچاری بیمار ہے' تنہا ہے' تمہاری قربت چاہتی ہے۔ بیمار کی تیمارداری کرنا تو ثوا
کا کام ہے۔ تم اسی کے لئے تو پاکستان آئے تھے۔ اب یہ تمہیں حاصل ہو رہی ہے تو
کیوں ہو رہے ہو؟ دیکھو .... یہ کتنی محبت سے تمہیں اپنی طرف بلا رہی ہے۔
.... اس کی محبت کا جواب محبت سے دو۔ تم ہی اس کی تنہائی کے ساتھی ہو۔

ذہن کوئی بات سمجھاتا ہے تو انسان ذرا سوچنے کے بعد اس پر عمل کرتا ہے
جب دل کچھ کہتا ہے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ وہ پیچھے
والا آگے کی طرف جھکنے لگا' ثواب کمانے لگا' چہرے سے چہرہ ملنے لگا۔ اس کے ہ
صدف کے چہرے پر بھٹکنے لگے۔

جبران کو پہلی بار اندازہ ہو رہا تھا کہ دور سے دکھائی دینے والے پنکھڑیوں جیسے
ہونٹ انگاروں کی طرح دہکتے ہیں اور چھونے والے کو جھلسا ڈالتے ہیں۔ وہ دونوں
ایک دوسرے کے سائے میں جھلس رہے تھے۔

صدف دھندلائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ چہرہ
طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا بہت ہی اپنا اپنا سا لگ رہا تھا۔ صدف بڑ
عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو رہی تھی۔ وہ جھکنے والا اُسے اپنے لمس سے سرشار
بے خودی کی بلندیوں پر پہنچا رہا تھا۔

وہ اُسے روکنا چاہتی تھی لیکن روک نہیں پا رہی تھیں کسی ایسے جذبے کی تہ
ہو رہی تھی جسے آج سے پہلے وہ جانتی تک نہ تھی۔ سرشاری کے احساس سے آنکھیں
بخود بند ہو گئی تھیں۔

صدف کی گرفت اس کے ہاتھوں پر ذرا ڈھیلی پڑی تو جبران نے جبراً اپنے چہرہ
اس کے چہرے سے دور کیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ جبران نے اس کی ...
پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے پکارا۔ "صدف!"

وہ آنکھیں بند کئے کچھ دیر کے لئے طاری ہو کر ختم ہو جانے والی اسی کیفیت
سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیا یہ خواب تھا؟ اگر تھا تو میں نے پہلے کبھی حقیقت سے
قریب تر خواب نہیں دیکھا۔ وہ دھندلا دھندلا سا شخص کون تھا جو مجھے اجنبی جذبوں
آشنا کر گیا ہے۔

جبران کی دوسری پکار اس کے کانوں میں پہنچی تو وہ دھیرے دھیرے آنکھیں کھ

تھی۔ نظروں کے سامنے وہی دھندلا سا چہرہ آ گیا جو کچھ دیر پہلے اُسے اپنے آپ سے بیگانہ
کر رہا تھا۔

جبران نے مسکرا کر پوچھا۔ "اب کیسی طبیعت ہے؟"

لہجہ جانا پہچانا تھا۔ اس نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں تو سامنے والے کا چہرہ واضح ہوتا
چلا گیا۔ دھند چھٹ گئی۔ وہ کوئی اور نہیں جبران تھا اور اس کے قریب بیٹھا اس کی پیشانی کو
سہلا رہا تھا۔

وہ اسے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر گھبرا گئی۔ بدن پر پھیلی ہوئی چادر میں سمٹتے
ہوئے بولی۔ "آ.......... آپ؟"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ صدف کو وہ لمحے یاد آنے لگے جن سے وہ کچھ دیر
پہلے گزرتی رہی تھی۔ جبران کی مسکراہٹ سمجھا رہی تھی کہ آ کر گزر جانے والے لمحے
خواب نہیں تھے۔ اس خیال سے ہی وہ کچھ گھبرائی' کچھ شرمائی۔ ہتھیلی پر مقدر کی لکیر بدل
گئی تھی۔ اس لکیر پر پہلے کوئی اور تھا اب کوئی اور ہو گیا تھا۔ وہ اس سے نظریں چُرا کر
اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔ "تم اس وقت ہسپتال میں ہو۔"

اُس نے تعجب سے پوچھا۔ "ہسپتال میں..........!"

وہ اٹھ کر بیٹھنا چاہتی تھی لیکن سر میں درد کی ٹیس اٹھنے لگی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ
ماتھے پر رکھا تو وہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔

جبران نے کہا۔ "تمہیں یاد ہے پچھلی رات ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟"

اس نے ذرا ذہن پر زور ڈالا تو رات کا تمام واقعہ یاد آ گیا۔ وہ دھیرے سے اٹھ کر
بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ممی اور ڈیڈی نہیں ہیں۔ کیا انہیں ایکسیڈنٹ کا علم نہیں ہوا ہے؟"

"ہم سب رات بھر سے تمہارے پاس ہیں۔ میں نے ابھی تو آنٹی اور انکل کو گھر
بھیجا ہے۔"

وہ اُسے رات کی باتیں بتانے لگا۔ صدف کنکھیوں سے اس کے ہونٹوں کو دیکھ رہی
تھی۔ جبران بولتے بولتے رک گیا۔ مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "حادثات مصیبتیں
لاتے ہیں لیکن آج میں اس بات کو مان گیا کہ غم کے ساتھ ساتھ خوشیاں بھی ملتی ہیں۔
اس حادثے کے نتیجے میں تم مجھے مل گئی ہو۔ لاشعور میں بسی محبت اسی طرح اچانک نمودار
ہوتی ہے۔ ایک روز میں نے کہا تھا ناں کہ اپنے اندر کی بات کو تم خود بھی نہیں جانتی ہو
.... مگر آج مجھے یہی نہیں تمہیں بھی علم ہو گیا ہے کہ تمہارے اندر کوئی اور نہیں

صرف میں ہوں۔"

وہ جیسے بے خودی میں بولتا چلا جا رہا تھا۔ صدف اُس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہی جو تم کبھی نہ کہہ پائیں۔ تم مجھے چاہتی ہو صدف! صرف مجھے .... میں تمہارے لاشعور میں بسا ہوا تھا۔ اسی لئے جب تم اذیت میں مبتلا ہوئیں تو تم نے مجھے پکارا۔"

"میں نے آپ کو پکارا.........!"

"ہاں صدف! آج تم نے اور تمہارے دل نے مجھے پکارا ہے۔ میں تمہارے قریب آیا تو تم میرے کانوں میں بولنے لگیں کہ میں تمہیں تنہا چھوڑ کر نہ جاؤں۔ تم مجھ سے دور نہیں رہ سکتیں۔"

وہ حیرت سے اُس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ خوابناک سا منظر نظروں کے سامنے آنے لگا تھا۔ وہ اس پر جھک رہا تھا۔ اس کے چہرے کو چوم رہا تھا اور وہ بے خود سی ہو رہی تھی۔

پھر جبران کے لمس نے اُسے چونکا دیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہہ رہا تھا۔ "آج تم نے اپنے دل کی بات زبان سے بیان کر کے جیسے مجھے خرید لیا ہے۔ میں اب کبھی تمہیں تنہائی کا احساس نہیں ہونے دوں گا۔ خوشی ہو یا غم .... ہم ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

دروازے پر ہونے والی دستک نے ان دونوں کو ہی چونکا دیا۔ جبران نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو نرس ایک ٹرے میں دوائیں اور انجکشن لاتے ہوئے بولی۔ "پیشنٹ کو ہوش کب آیا؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی یہ ہوش میں آئی ہیں۔"

وہ بولی۔ "اس کا مطلب ہے ابھی انہوں نے کچھ کھایا پیا نہیں ہو گا۔ انہیں دودھ، جوس وغیرہ دیں۔ میں کچھ دیر کے بعد آ کر انہیں انجکشن لگاؤں گی۔"

وہ دوا کی ٹرے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ جبران دروازہ بند کر کے صدف کے قریب آیا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے پیکٹ کو کھول کر ایک گلاس میں دودھ انڈیلنے لگا۔

صدف اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا چہرہ تھا کہ جو غیر ہونے کے باوجود اس کے چہرے کے بہت نزدیک ہو گیا تھا بلکہ اس کے چہرے کو چھوتا رہا تھا۔ اُسے وہ

لمحے پھر یاد آنے لگے۔ جبران کے چھونے اور پیار کرنے کا انداز یاد آنے لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے جیسے کہیں گم ہو گئی۔

جبران نے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "ویسے تم کار میں بیٹھنے گئی تھیں۔ پھر سڑک پر کیسے پہنچیں جو ایکسیڈنٹ ہو گیا؟"

وہ گلاس لیتے ہوئے بولی۔ "بلی کے بچے کو پکڑنے کے لئے گئی تھی' وہ تو ہاتھ نہیں آیا اور یہ سب کچھ ہو گیا۔"

جبران نے مسکرا کر کہا۔ "ہونی کو بہانہ چاہئے ہوتا ہے۔ بلی کا بچہ بہانہ بن گیا۔ یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو شاید تم اپنے اندر کی بات مجھ سے کبھی نہ کہتیں۔"

وہ اس سے نظر نہیں ملا پا رہی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھتی تھی تو نظریں بار بار بھٹک کر اس کے ہونٹوں پر پہنچ جاتی تھیں۔ یہ وہی ہونٹ تھے جو اس کے چہرے اور ہونٹوں پر متعارف ہوتے رہے تھے۔ ایسے وقت جبران بن بلائے مہمان کی طرح دل میں گھسا چلا آ رہا تھا اور سلمان کو پیچھے بہت پیچھے دھکیل رہا تھا۔

☆======☆======☆

ندا' فرح اور شکیلہ بیگم اپنی پڑوسن خالہ کے ساتھ اُس چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہاں کی ہلکی پھلکی مگر نفیس سجاوٹ سے اس گھر کی عورتوں کا سگھڑاپا جھلک رہا تھا۔

ایک بچہ ان چاروں کو وہاں بٹھا کر گھر کے اندرونی حصے میں چلا گیا تھا۔ پڑوسن خالہ نے شکیلہ بیگم کے کان کی طرف جھک کر دھیمی آواز میں کہا۔ "چھوٹی بڑی دو بہنیں ہیں' تمہیں جو پسند آئے مجھے اکیلے میں بتا دینا۔"

فرح نے مداخلت کی۔ "خالہ! ہم بڑی والی کو دیکھنے آئے ہیں۔ پھر چھوٹی پر نظر کیوں رکھیں؟"

ندا نے پوچھا۔ "فرض کریں ہمیں بڑی بہن پسند نہیں آتی' چھوٹی پسند آئی تو کیا یہ چھوٹی بیٹی کی شادی پہلے کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟"

خالہ بولیں۔ "بے چاری بیوہ عورت ہے۔ دونوں بیٹیوں کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتی ہے۔ اب جس کا نمبر بھی پہلے آ جائے۔"

شکیلہ بیگم نے ذرا ہمدردی سے کہا۔ "اے نہیں خالہ! ہم چھوٹی کو پسند کریں گے تو بے چاری بڑی لڑکی کا دل ٹوٹ جائے گا۔ دعا کرو بڑی ہی ہمیں پسند آ جائے۔"

قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ چاروں سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد ایک خاتون ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر اُن چاروں کو سلام کر کے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

پڑوسن خالہ نے اس عورت سے پوچھا۔ "آپ لڑکی کی کون ہیں؟"

اس عورت نے اپنے سر کا آنچل درست کر کے خالہ کو ذرا تعجب سے دیکھا۔ پھر سر جھکا لیا۔ وہ چاروں اس کی خاموشی پر اُسے سوالیہ نظروں سے تک رہی تھیں۔ ایسے ہی وقت ایک معمر خاتون وہاں آئیں۔ وہ بھی انہیں سلام کر کے ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

پڑوسن خالہ نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ وہ بڑی نفاست سے بولی۔ "میں لڑکی کی ماں ہوں۔ غالباً آپ وہی خالہ ہیں جو لڑکے والوں کے پڑوس میں رہتی ہیں اور یہ رشتہ لگا رہی ہیں؟"

پڑوسن خالہ نے مسکرا کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر کہا۔ "آپ کی ملاقات میری بھانجی سے کسی تقریب میں ہوئی تھی۔ وہیں آپ نے اپنی دونوں لڑکیوں کا ذکر کیا تھا۔"

وہ مسکرا کر تائید میں سر ہلانے لگی۔ پھر بولی۔ "ہاں یونہی سرسری سے انداز میں ذکر ہوا تھا۔ آپ کی بھانجی سے وہ میری پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد پھر ہم دونوں نہیں ملیں۔ کل اچانک ہی اس کا فون آیا تو اس نے بتایا کہ آپ رشتے کے لئے آنے والی ہیں۔"

خالہ نے شکیلہ بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لڑکے کی ماں شکیلہ بیگم ہیں اور یہ ان کی دو بیٹیاں ہیں۔"

اس معمر خاتون نے کہا۔ "آپ سے مل کر خوشی ہوئی لیکن میں ایک بات پہلے سے واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ کیوں کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اس لئے اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت لاکھوں کا جہیز نہیں دے پاؤں گی۔ بس یوں سمجھیں کہ رخصتی کے وقت اس گھر سے صرف میری بیٹی آپ کے گھر جائے گی۔"

شکیلہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "ہمیں بھی جہیز کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ ہم بھی آپ جیسے ہی غریب لوگ ہیں اور جہیز کے سامان کا کیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر بہو اور داماد ہی رہ جاتے ہیں۔ ہم یہی چاہیں گے کہ ہمیں ایک اچھی بہو اور آپ کو ایک اچھا داماد ملے۔"

وہ معمر خاتون اپنے برابر بیٹھی اس خاموش عورت کو دیکھ کر بولی۔ "میں نے اپنی

دونوں بچیوں رخسانہ اور فرزانہ کی تربیت ایسی ہی کی ہے۔ جس گھر میں جائیں گی وہاں اپنی خدمت گزاری اور ہنرمندی کی دھاک بٹھا دیں گی۔"

شکیلہ بیگم اور پڑوسن خالہ نے ایک دوسرے کو خوش ہو کر دیکھا۔ ندا اور فرح کو لڑکی سے یعنی رخسانہ سے ملنے کی بے چینی تھی۔ ایسے ہی وقت لڑکی کی ماں نے اس عورت سے کہا۔ "جاؤ رخسانہ! چائے بن گئی ہو گی' لے آؤ۔"

رخسانہ کا نام سنتے ہی اُن چاروں نے چونک کر اس عورت کو دیکھا۔ وہ بڑی شرمائی لجائی سی آنچل درست کرتی وہاں سے چلی گئی۔

پڑوسن خالہ نے حیرت کے مارے تھوک نگلتے ہوئے معمر خاتون سے پوچھا۔ "یہ .... یہ رخسانہ ہے .... آ .... آپ کی بیٹی؟"

"ہاں .... یہ میری بڑی بیٹی رخسانہ ہے۔ ابھی چھوٹی بیٹی فرزانہ آئے گی' آپ اُسے بھی دیکھ لیں۔ میں یہ پخ نہیں لگاؤں گی کہ بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کو پسند نہ کیا جائے۔ مجھے تو بیٹیوں کی شادی کرنی ہی ہے۔ اب پہلا نمبر بڑی کا آتا ہے یا چھوٹی کا یہ ان کا نصیب۔"

رخسانہ تقریباً پینتیس سالہ عورت تھی' اُسے لڑکی کسی صورت کہا ہی نہیں جا سکتا تھا اور چھوٹی بہن کی عمر کا اندازہ بڑی بہن کی عمر کو دیکھ کر باآسانی کیا جا سکتا تھا۔ وہ چاروں چپ بیٹھی تھیں۔ ان کے دماغ کو جیسے ایک جھٹکا سا لگ گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ہی فرزانہ ایک ٹرے میں چائے کے کپ رکھ کر وہاں آئی۔ ان چاروں نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ بھی حسب توقع کوئی لڑکی نہیں ایک بھرپور عورت تھی۔

اس بار شکیلہ بیگم سے چپ نہ رہا گیا۔ اس نے معمر خاتون سے کہا۔ "آپ میرے لڑکے کی عمر جانتی ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "جانتی تو نہیں ہوں لیکن مرد اور گھوڑا کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ آپ کے صاحب زادے پچاس برس کے بھی ہوں تو ہمیں منظور ہیں۔"

فرزانہ انہیں چائے پیش کر کے وہاں سے چلی گئی۔ شکیلہ بیگم خاتون کی بات سن کر ایک دم سے سٹپٹا کر بولی۔ "میرا بیٹا .... اور پچاس برس کا .... یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟ پچاس برس تو اس کے ابو کی عمر ہے اور میں اس کی والدہ اپنے شوہر سے چھوٹی ہوں۔"

وہ خاتون ایک دم سے شرمندہ ہو کر بولی۔ "بہن معاف کرنا۔ میں تو یہ سمجھی تھی کہ

آپ یہاں میری بیٹیوں کی عمر کے حساب سے رشتہ لائی ہیں۔"

اس بے چاری بیوہ خاتون کو شرمندگی سے جھینپتے ہوئے دیکھ کر فرح نے ک
"سوری آنٹی! شاید کچھ مس انڈر سٹینڈنگ ہو گئی ہے۔ رشتہ نہیں ہو سکے گا تو کوئی با
نہیں لیکن آپ سے مل کر ہمیں خوشی ہوئی ہے۔"

وہ سر جھکا کر روہانسے لہجے میں بولی۔ "خوشی .... ہر نیا اور پرانا ملنے والا میر
لڑکیوں کے معاملے میں مجھ سے ہمدردی ظاہر کرتا رہتا ہے۔ غلطی میں نے کی تھی اور نت
میری بیٹیوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔"

وہ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شکیلہ بیگم نے ہمدردی سے پوچھا۔ "بہن
آپ نے ایسی کون سی غلطی کی تھی جو آپ کی بیٹیاں اس عمر میں بھی بابل کی دہلیز پر بیٹھی
ہوئی ہیں؟"

وہ اپنے آنسو دوپٹے سے صاف کر کے بولی۔ "ابھی ایک بچہ آپ لوگوں کو یہاں
ڈرائنگ روم میں بٹھا کر گیا تھا۔ وہ میرا پوتا ہے۔ بس مجھ سے یہی غلطی ہوئی تھی کہ میں
نے اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی بیٹیوں سے پہلے کر دی۔ بہو تو آ گئی مگر میری بیٹیاں کسی گھر
کی بہو نہ بن سکیں۔ بیٹے نے شادی کے ایک سال بعد ہی اپنی بیوہ ماں اور یتیم بہنوں کو
چھوڑ کر اپنا ایک الگ گھر بسا لیا۔"

ندا نے پہلے فرح کو دیکھا پھر ماں کو دیکھا۔ یہ ایک سبق حاصل کرنے والی بات تھی۔
شکیلہ بیگم نے کہا۔ "ساری بہوئیں ایسی نہیں ہوتیں۔ آپ کے نصیب خراب تھے جو آپ
کو ایسی رشتے تڑوانے والی بہو ملی اور بیٹے کو چھین کر لے گئی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "اپنا کھوٹا ہی مضبوط نہ ہو تو کسی کو دوش نہیں دینا
چاہئے۔ قصور آنے والی کا نہیں ہوتا ہے۔ اس بات کا اندازہ آپ کو بیٹے کی شادی کے بعد
ہی ہو گا۔"

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔ وہ مجھ سے الگ رہ ہی نہیں سکتا۔ ب
یوں سمجھیں کہ میرے بنا اس کا گزارہ مشکل ہے۔"

ناممکن بات بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ انہونی ہونی ہو جاتی ہے۔ نعمان کا شکیلہ بیگم کے
بغیر گزارہ مشکل تو تھا لیکن ناممکن نہیں تھا اور یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا کہ وہ ماں
کے بغیر گزرنے والی زندگی کی مشکلات کو کیسے آسان بنائے گا؟

تلاش رشتہ جاری تھی اور ایسے میں نئے نئے لوگوں سے ملاقاتیں ہو رہی تھیں

کہیں لڑکی پسند نہیں آتی تھی۔ تو کہیں گھرانہ اچھا نہیں ہوتا تھا۔ ماں بہنیں کہیں رشتہ
دیکھنے جاتی تھیں تو نعمان بڑی بے چینی سے ان کی واپسی کی راہ تکنے لگتا تھا لیکن جب وہ
گھر آ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتی تھیں تو وہ ایک دم بجھ سا جاتا تھا۔

اس دوران میں خاندان کی اور محلے پڑوس کی کئی عورتوں نے شکیلہ بیگم کو سمجھایا کہ
وہ لڑکے کی شادی کے بجائے پہلے لڑکی کی شادی کی فکر کرے۔ لڑکا تو بوڑھا بھی ہو جائے
تب بھی اسے دلہن مل ہی جاتی ہے لیکن اگر لڑکی شادی کی عمر سے گزر جائے تو پھر مشکل
سے ہی دلہن بن پاتی ہے۔

شکیلہ بیگم نادان بچی تو نہیں تھی۔ وہ بھی ایسی باتوں اور حقائق کو سمجھتی تھی لیکن
اس نے بیٹی کی ہونے والی شادی کے اخراجات کو ہوا بنا رکھا تھا۔ یا پھر اس کی مت ماری گئی
تھی جو وہ پہلے بہو لانے کا ارمان پورا کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

ندا ایک الیکٹرک سلائی مشین سے لباس تیار کر رہی تھی اور آرزو ایک کرسی پر بیٹھی
بڑی محویت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ سلائی کے دوران میں ندا سے بارہا غلطیاں ہو رہی
تھیں۔

اس نے مشین روک کر آرزو کو دیکھا پھر کہا۔ "میں بھی کہوں' سلائی میں بار بار
غلطی کیوں ہو رہی ہے۔ آپ اسی طرح دیکھتی رہیں گی تو یہ قمیض مکمل نہیں ہو سکے
گی۔"

ندا مسکرا کر بولی۔ "میں قمیض کو نہیں تمہیں دیکھ رہی ہوں اور تم تو سر جھکائے
سلائی میں مصروف تھیں۔ تمہیں تو علم ہی نہیں تھا کہ میں دیکھ رہی ہوں۔ پھر غلطیاں
کیوں ہو رہی ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "کوئی بدستور دیکھتا رہے تو لاشعوری طور پر علم ہو جاتا ہے۔"

"سچ کہو۔ کیا نگاہوں کی تپش تمہارے ہاتھ بہکا رہی تھی؟"

ندا مسکرا کر دوبارہ سلائی میں مصروف ہو گئی۔ آرزو الجھ کر بولی۔ "ایک تو تم اپنے
اندر کی باتیں چھپاتی بہت ہو۔ تمہاری یہ جھجک کب ختم ہو گی؟"

"میرے خیال سے تو اب ہمارے درمیان کوئی جھجک باقی نہیں رہی ہے؟"

آرزو معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔ "ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔"

ندا نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "ابھی

ہمارے درمیان فاصلے ہیں جو رفتہ رفتہ ختم ہوں گے۔"

آرزو بول رہی تھی اور ندا سن رہی تھی' محسوس کر رہی تھی کہ آرزو کی نظریں اس کے کھلے گریبان کی طرف بھٹک رہی ہیں۔ وہ اس کی پسند کے مطابق ہی ایسے لباس پہنے لگی تھی جن کے گریبان کشادہ ہوتے تھے۔

دوپٹہ دور صوفے پر پڑا تھا۔ ورنہ وہ اُسے ہی ڈھال بنا لیتی۔ آرزو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ گئی۔ پھر اس کی گردن میں اپنی بانہیں ڈال کر جھکتے ہوئے بولی۔ "ہمارے درمیان جو فاصلے ہیں انہیں میں تو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن تمہار تعاون بھی ضروری ہے۔"

ندر نے پوچھا۔ "کیسا تعاون؟"

آزور نے کان میں سرگوشی کی۔ "یہ سمجھانے کی نہیں' سمجھنے کی باتیں ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ندی کے دو کناروں کی طرح نہیں رہ سکتی۔ ہمیں ایک ہونا ہے اور تمہارے تعاون سے ہی ممکن ہو گا۔"

وہ کانوں میں سرگوشی کر رہی تھی اور اس کا دھیما لہجہ ندا کے دل کو گدگدا رہا تھا۔ بولتے بولتے اتنے قریب ہو گئی تھی کہ اس کے لرزتے ہوئے ہونٹ ندا کے کانوں چھونے لگے تھے۔

وہ چھوئی موئی کے پودے کی طرح ذرا کسمسا کر سمٹ گئی۔ پھر اچانک ہی وہ لرزتے ہوئے ہونٹ تھم گئے۔ دل کو گدگدا دینے والا تسلسل ختم ہو گیا۔ خاموشی چھا گئی او خاموشی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ندا یوں بیٹھی تھی جیسے ابھی کچھ ہونے والا ہو۔ آرزو کی گہری سانسیں سنائی دینے لگیں۔

ندا کے اندر جیسے گرم ہوائیں سی چلنے لگیں۔ انجانے جذبوں نے انگڑائی لی۔ اس سر ہلکے ہلکے دائیں طرف جھک گیا تھا۔ مسافر کے لئے بائیں طرف راستہ صاف ہو گیا تھا آرزو کے نرم و گرم ہونٹ اس کے کان سے رینگتے ہوئے گردن کی طرف بڑھنے لگے۔ ندا کی پلکیں خمار کے بوجھ سے جھک گئی تھیں۔ ایسے لمحات میں دیکھا نہیں محسوس کیا جاتا ہے اور وہ محسوس کر رہی تھی۔ دو سلگتے ہوئے ہونٹ گردن کے اوپر اِدھر سے اُدھر یوں ہ رہے تھے جیسے مالی پھول چن رہا ہو۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی لیکن اس کے لمس نے جیسے اس کے ہاتھ پیروں سے جان ہی نکال لی تھی۔

دیکھنے کے بعد چھونے کو' چھونے کے بعد پکڑنے کو اور پکڑنے کے بعد جکڑنے کو دل

کرتا ہے۔ وہ دور سے جلوے دکھانے والی آج چھونے اور پکڑنے کا موقع دے رہی تھی۔ اس کا یوں خود کو پیش کرنے کا انداز آرزو کو دیوانہ بنانے لگا۔ جذبات شدت اختیار کرنے لگے۔ ایسے میں بہت ہی کم نظر آتا ہے۔ گردن پر بھٹکنے والے مسافر کو حوصلہ ملا تو وہ آگے اور آگے بڑھنے لگا۔ شانوں پر رکھے ہوئے ہاتھوں میں جان سی پڑ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے رینگنے لگے۔ بدن پر اِدھر سے اُدھر بھٹکنے لگے۔

ندا کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ وہ آرزو کے ایسے دیوانے انداز سے دیوانی ہو رہی تھی۔ بدن کی سلطنت پر حملہ ہوا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے دونوں ہاتھوں کو روکنے کی کمزور سی کوشش کر رہی تھی۔ ارادہ قوی ہو تو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ وہ بار بار مات کھا رہی تھی۔ اس لئے حملہ آور کو فتح نصیب ہو رہی تھی۔

کامیابی اور ناکامی کا یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ پھر آرزو تھک سی گئی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی صوفے پر آ کر دھپ سے بیٹھ گئی۔ ندا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ایک طوفان تھا جو آ کر گزر گیا تھا۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش تھیں۔ شاید ایک دوسرے کے درمیان پیدا ہونے والے اس رشتے کو کوئی نام دینا چاہتی تھیں مگر بے نام رشتے ہمیشہ بے نام ہی رہتے ہیں۔

☆======☆======☆

اتوار کی شام صدف کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ وہ چار دن وہاں گزارنے کے بعد گھر پہنچی تو اپنے اندر کچھ تبدیلیاں سی محسوس کر رہی تھی۔ کچھ حادثے کے اثرات تھے اور کچھ جبران کی قربت کے۔

ان چار دنوں میں جو محبت اور اپنائیت اُسے جبران کی طرف سے ملتی رہی تھی وہ اسے اس کے قریب لے آئی تھی۔ اس کی سوچ اور سوچنے کا انداز سب کچھ ہی بدل گیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کم اِن۔"

دروازہ کھلا۔ جبران ایک طشتری میں سوپ کا پیالہ لے کر اندر آتے ہوئے بولا۔ "یہ گرم گرم سوپ توانائی پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپ کے دماغ کے دروازے بھی کھول دے گا۔" وہ بولتا ہوا بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ "ویسے یہ ایکسیڈنٹ نامناسب موقع پر ہوا

وہ سوپ کا پیالہ اس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے بولی۔ "نامناسب موقع پر...... مطلب ہے؟"

یعنی تمہیں یاد نہیں ہے محترمہ! پرسوں سے آپ کے پیپرز شروع ہونے والے ہیں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ "اوہ گاڈ! .... میں تو بالکل ہی بھول گئی۔ کئی دنوں سے مسلسل ناغہ ہوتا رہا ہے۔ ڈیٹ شیٹ آ گئی ہو گی۔ پتہ نہیں سینٹر کہاں بنا ہے؟"

جبران نے جیب میں ہاتھ ڈال کر تہہ شدہ کاغذ نکالا پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ رہی آپ کی ڈیٹ شیٹ اور سینٹر کہاں بنا ہے وہ بھی میں معلوم کر چکا ہوں۔"

وہ سوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ڈیٹ شیٹ دیکھنے لگی۔ جبران نے کہا۔ "آج سے اپنے پیپروں کی تیاری شروع کرو۔ اس سلسلے میں میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "پھر نتیجہ جو بھی آئے گا اس کے ذمہ دار آپ ہی ہوں گے۔"

وہ بڑی محبت سے اُسے مسکرا کر دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "اب تو میں تمہارے ہر اچھے بُرے کا ذمہ دار ہوں اور اس بات پر خوش ہوں کہ تم نے مجھے یہ حق اپنی خوشی سے دیا ہے۔"

وہ سوپ کا پیالہ اٹھا کر اس میں چمچ چلا کر سوچنے لگی۔ زندگی پانی کی طرح ہے جس برتن میں بھی ڈالو اسی کی ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ تجربے سے گزرنے کے بعد ہی اُسے اس حقیقت کا اندازہ ہو رہا ہے کہ محبت پہلی تو ہوتی ہے مگر آخری نہیں ہوتی۔ چند دنوں پہلے سلمان کی محبت کا سورج بجھتے بجھتے اندھیرا پھیلاتا چلا گیا تھا۔ اب جبران کی محبت کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اپنی کرنیں بکھیر رہا ہے' اجالا پھیلا رہا ہے۔

اندھیرے مستقل نہیں رہتے۔ ہر رات کے بعد صبح ہوتی ہے۔ وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جبران نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ "کہاں گم ہو؟ سوپ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر سوپ پینے لگی۔ پھر سوپ پینے کے دوران میں بولی۔ "میں آج رات سے ہی اسٹڈی شروع کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ ایسے وقت میں تمہارے پاس ہی رہوں گا۔"

زندگی میں کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ پاس رہنے والے دُور ہو جاتے ہیں اور دور رہنے والے پاس آ جاتے ہیں۔ سلمان اور صدف کی محبت جیسے خواب تھی جو آنکھ کھلتے

ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اور پھر دوبارہ سامنے آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

☆======☆======☆

سلمان ان پانچ دِنوں میں اُسے مسلسل فون کرتا رہا۔ چھٹی کے وقت اس سے سامنا ہونے کا انتظار کرتا رہا اور مایوس ہوتا رہا۔ بعض چیزیں بن مانگے ہی مل جاتی ہیں اور نازلی بھی اسی طرح ہی مل رہی تھی۔

وہ وزیٹنگ کارڈ پر لکھے ہوئے پتے کے مطابق اس کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار اس کا نام پوچھ کر اندر چلا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد واپس آ کر بولا۔ "آیئے۔"

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کوٹھی کے احاطے سے گزر کر ایک دروازے کے سامنے پہنچا۔ وہاں بھی ایک ملازم کھڑا ہوا تھا۔ چوکیدار پلٹ کر واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ اس ملازم نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "آیئے سر! اندر چلے آیئے۔"

وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا ایک کوریڈور سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ ملازم نے اسے ایک صوفے پر بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ تشریف رکھئے' بیگم صاحبہ کو خبر کر دی گئی ہے۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ملازم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی نازلی نے آ کر کہا۔ "ہیلو سلمان! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ یہاں تک پہنچنے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "نہیں .... بہت ہی آسان ایڈریس تھا۔"

وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میرے دل کا ایڈریس بھی اتنا آسان ہے' وہاں تک کب پہنچو گے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم مجھ سے مل کر میری خامیاں تلاش کرتی رہتی ہو۔ مجھے بھی تم میں ایک خامی نظر آئی ہے۔"

"کون سی خامی؟"

"یہی کہ تم جب بھی ملتی ہو دل محبت اور پیار کی ہی باتیں کرتی ہو۔ فون پر بھی ایسی باتیں کر رہی تھیں۔"

وہ سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔ پھر بولی۔ "ان باتوں کو الگ کر دیا جائے تو زندگی کیا رہ جائے؟ کچھ بھی نہیں۔ ترقی کرنے کی فکر' دولت کمانے کی فکر اور اس دولت کو محفوظ رکھنے کی فکر...... اتنی فکروں کے بعد ایک محبت ہی ایسا جذبہ ہے جو ذہن کو فریش کرتا ہے۔

دل و دماغ دونوں سے کام لے کر ہی زندگی کو خوبصورت بنایا جا سکتا ہے۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ ایک ملازم ٹرالی میں چائے اور ناشتہ کے لوازمات کر وہاں آیا پھر ان چیزوں کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر واپس چلا گیا۔ سلمان نے اِدھر اُدھر ہوئے پوچھا۔ "اکیلی رہتی ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر مختصر سا جواب دیا۔ "نہیں۔"

"اپنے والدین اور گھر کے دوسرے افراد سے نہیں ملواؤ گی؟"

وہ کیتلی اٹھا کر ایک کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔ "گھر کے دوسرے افراد کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب .... بھائی بہن بھابی وغیرہ۔ والدین کے علاوہ گھر میں یہی افراد ہو ہیں۔"

وہ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اس گھر میں نہ تو والدین اور نہ ہی دوسرے افراد۔"

اس نے کپ لیتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"تم نے میرا وزیٹنگ کارڈ نہیں پڑھا شاید؟"

"پڑھا ہے' تب ہی یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"پڑھا تو ہے مگر غور نہیں کیا ہے۔ ابھی جیب سے نکال کر اُسے غور سے پڑھو۔"

اس نے نازلی کے کہنے پر اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالا پھر اس کارڈ کو نکال کر پڑ لگا۔ وہ بڑے اطمینان سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے چائے کا ایک ایک گھونٹ سے اتار رہی تھی اور اُسے دیکھ رہی تھی۔

سلمان کی نظریں کارڈ پر اِدھر سے اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ پھر نازلی جمال سے لکھے ہوئے ننھے سے لفظ "مسز" پر جم گئیں وہ تعجب سے سر اٹھا کر بولا۔ "تم......... شادی شدہ ہو؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بڑے اطمینان سے بولی۔ "تو اس میں اس قدر حیران ہونے کیا بات ہے؟"

"حیران تو میں اس لئے ہوں کہ تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"تم نے پہلے کبھی پوچھی ہی نہیں۔ یہ کارڈ دینے کے بعد میں نے تم سے کہا تھا تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور نہیں کرتے ہو۔ آج اس کارڈ کو توجہ سے پڑھ رہے ہو تو

و......... ایک چھوٹے سے لفظ نے کتنی بڑی حقیقت کھول دی۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں .... یہ تو ہے لیکن جب تم شادی شدہ ہو تو پھر مجھ سے محبت کا اظہار کیوں کرتی ہو؟"

"اس لئے کہ میں تمہیں چاہتی ہوں۔"

"شوہر کے ہوتے ہوئے کوئی بیوی کسی غیر آدمی کو چاہے' میاں کی محبت کسی دوسرے پر لٹائے تو اس کا یہ عمل امانت میں خیانت کہلاتا ہے۔ تم اپنے شوہر کے بجائے مجھ سے محبت کرتی ہو یہ بہت غلط بات ہے۔ نازلی! تم اپنی زندگی کے ایک اہم شخص کے اعتماد کو دھوکہ دے کر اچھا نہیں کر رہی ہو۔"

نازلی مسکرا کر بولی۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں اپنے جیون ساتھی سے محبت نہیں کرتی ہوں یا ان کے اعتماد کو دھوکہ دے رہی ہوں؟"

"مجھ سے ملنا' محبت کا اظہار کرنا۔ ان سب باتوں کو تم نے ان سے چھپایا ہو گا۔ یہ دھوکا نہیں تو اور کیا ہے؟"

نازلی ہنسنے لگی۔ اس نے الجھ کر پوچھا۔ "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

وہ بدستور ہنستے ہوئے بولی۔ "اور رونے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ تم خواہ مخواہ میری شادی اور ازدواجی زندگی کے معاملات میں الجھ رہے ہو۔"

"یعنی میں آم کھاؤں اور یہ نہ سمجھوں کہ وہ کس درخت سے آ رہا ہے اور کیوں آ رہا ہے' تم جس سے منسلک ہو اس کی شاخ سے ٹپک کر میری جھولی میں کیوں آ رہی ہو' یہ مجھے پوچھنا نہیں چاہئے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "چائے پیو' ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"میں گرم ہو رہا ہوں' پہلے مجھے ٹھنڈا کرو۔ اس اہم معاملے کو باتوں میں نہ ٹالو۔"

"میں تمہیں ٹال نہیں رہی ہوں۔ مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ تم ہر حال میں مجھے قبول کرتے رہو گے اور ساری زندگی میرا ساتھ نبھاتے رہو گے تو میں تم سے اپنے ذاتی معاملات نہیں چھپاؤں گی۔"

"میں تمہیں ہر حال میں قبول کرتا رہوں گا۔ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ پلیز مجھے اور زیادہ نہ الجھاؤ۔"

"چائے پیو' میں بول رہی ہوں۔"

وہ پیالی اٹھا کر پینے لگا۔ وہ بولنے لگی۔ "ہر انسان مجبور ہوتا ہے۔ تم بھی مجبور ہو

گے۔ یہ مجبوریاں انسان کو ایسے راستوں پر لے آتی ہیں جن پر وہ چلنا نہیں چاہتا۔"

وہ اپنی پیالی سے ایک گھونٹ پی کر بولی۔ "میری مجبوری یہ تھی کہ میں بہت دولتمند بننا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے اپنی عمر سے بہت زیادہ عمر والے جمال احمد ربانی سے شادی کر لی۔ آج میں بہت دولتمند ہوں لیکن جوانی کے صحرا میں پیاسی بھٹک رہی ہوں۔ اپنی دولت سے ایک گھونٹ پانی خرید سکتی ہوں لیکن اس طرح جوانی کی پیاس بجھے گی۔ محبت کی پیاس پھر بھی رہ جائے گی۔"

وہ سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "بے شک یہ اپنی دولت سے کسی بھی جوان کو خرید سکتی ہے لیکن یہ ہوس کی نہیں محبت کی بھوکی ہے۔"

وہ بولی۔ "جمال مجھے دل و جان سے چاہتے ہیں۔ میں بھی انہیں محبت دیتی ہوں لیکن کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ محبت نہیں کر رہی ہوں' ایک بوڑھے پر ترس کھا رہی ہوں۔ اس سے ہمدردی کر رہی ہوں۔ وہ دولت دے رہا ہے۔ میں بدلے میں پیار بھری تسلیاں دے رہی ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں لاکھ جوانی کا مرہم لگاتی رہوں' بڑھاپے کا زخم ہرا ہی رہے گا۔ صرف نکاح پڑھا دینے سے کوئی بوڑھا مجازی خدا نہیں بن جاتا۔ ہم میاں بیوی ہیں مگر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کوئی ہمارے اندر جھانک کر دیکھے تو معلوم ہو گا کہ ہم ایک بے نام رشتے والی زندگی گزار رہے ہیں۔"

سلمان اس کی باتوں کے دوران میں سوچ رہا تھا۔ "دولتمند بننا کون نہیں چاہتا۔ میں بھی چاہتا ہوں' جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتا ہوں کہ بہت سی دولت مل گئی ہے۔ میں ابو امی کے بڑھاپے کو آرام دے رہا ہوں۔ فرح اور ندا کی شادیاں خوب جہیز دے کر خوب دھوم دھام سے کرا رہا ہوں۔"

آہ .... خواب بڑے سہانے ہوتے ہیں لیکن جب پورے ہوتے ہیں تو ان کے پیچھے چھپے ہوئے عذابوں سے گزرنا پڑتا ہے جیسے کہ نازلی گزر رہی تھی۔

وہ بولی۔ "میں جمال سے الگ ہونا چاہتی ہوں اور ان کا ساتھ چھوڑنا بھی نہیں چاہتی۔ ایک تو ان کے بڑے احسانات ہیں مجھ پر۔ دوسرا یہ کہ وہ مجھے دیوانوں کی طرح چاہتے ہیں۔ اس محبت کرنے والے بوڑھے کو تنہا چھوڑنا سراسر ظلم ہو گا' خود غرضی اور بے وفائی ہو گی۔"

"ہاں' مگر تم میری محبت میں گرفتار ہو کر جمال صاحب سے بے وفائی کرو گی۔"

"اگر ہم چاہیں تو آپس میں سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔"

"کیسا سمجھوتہ؟"

"یہی کہ میں اُن کے حصے کی محبت انہیں دیتی رہوں اور تمہارے حصے کی محبت تمہیں دیتی رہوں۔"

وہ چائے کی خالی پیالی کو زوردار آواز سے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ ایک مرد چار شادیاں کر لیتا ہے۔ ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ اس پر کوئی تنقید نہیں کرتا۔ کوئی اعتراض نہیں کرتا لیکن ایک عورت دو مردوں سے تعلق رکھے تو فاحشہ کہلانے لگتی ہے۔"

"ایسا نہ کہو۔ تم نے مجھے کس حد تک دیکھا ہے' سمجھا ہے۔ کیا میں بے حیا اور بدچلن لگتی ہوں؟"

"نہیں' مگر تمہاری باتوں سے یہ تاثر ملتا ہے۔"

"بات کی گہرائی تک اترو گے تو کوئی غلط تاثر قائم نہیں ہو گا۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو گے تو پھر میری بات مان لو گے۔"

"تم کیا منوانا چاہتی ہو' کیا یہ کہ اُدھر بیوی بن کر رہو گی اور ادھر محبوبہ؟"

"اگر میں مسز جمال نہ رہوں تو کیا میری زندگی کے ہم سفر بن کر رہو گے؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم میری ہم سفر بننے کے لئے اپنے شوہر کو اور اس کی تمام دلت کو چھوڑ دو گی؟"

"نہیں' میری زندگی میں جمال بھی رہیں گے' ان کی دولت بھی رہے گی اور تم بھی رہو گے۔ بس اتنا ہو گا کہ رشتے بدل جائیں گے۔"

سلمان الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ نازلی کو کچھ سمجھ رہا تھا' کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک طرف صدف تھی' دوسری طرف نازلی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ صدف کا مزاج اچانک کیوں بدل گیا ہے؟ وہ بے وفا اس سے دور کیوں ہو گئی ہے؟

عورت بھی کیا ہے' موسم کی طرح بدلتی ہے۔ نازلی بھی بدل رہی تھی۔ جمال کو چھوڑ کر سلمان کے گلے لگنا چاہتی تھی لیکن جمال سے اس طرح علیحدگی چاہتی تھی کہ اس کی دولت ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

سلمان نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "تم محبت کر رہی ہو یا سیاست؟"

"طعنے نہ دو۔ مجھے جمال کے بڑھاپے سے ہمدردی ہے۔ میں اس محبت کرنے والے

بوڑھے کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ اس کی طرف جھک کر سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "سیدھی سی بات کہتی ہوں میں ان سے طلاق لے کر تمہاری شریک حیات بن جاؤں گی۔ تم مجھے بیوی بنانے کے بعد اس بات پر اعتراض نہیں کرو گے۔"

"کون سی بات پر؟"

"یہی کہ میں انہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ ان کے ساتھ بھی وقت گزاروں گی۔ اُن کی دلجوئی بھی کروں گی۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میری بیوی کسی دوسرے کی دلجوئی کرے میں خاموشی سے دیکھوں .... ایسا بے غیرت تو نہیں ہوں۔"

وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "بے غیرتی تب ہو گی جب میں تمہارے حقوق جمال کو دوں گی۔ میں تو اس بوڑھے کی صرف خدمت کیا کروں گی۔ وہ بیمار رہتے ہیں۔ ان کی تیمارداری کروں گی۔ انہیں نیند نہیں آتی' تھپک تھپک کر سلایا کروں گی۔ ایک بوڑھا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہے گا۔"

اس نے دل میں کہا۔ میں کیسے یقین کر لوں۔ یہ میری بیوی بننے کے بعد اس دولتمند کی صرف خدمت کرے گی۔ کیا وہ بوڑھا نمازی اور پرہیزگار ہے' تنہائی میں اسے ہاتھ نہیں لگائے گی؟

وہ وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ نازلی آگے بڑھ کر دیوار بن گئی۔ پھر بولی۔ "بے شک جاؤ لیکن میرے بارے میں غلط رائے قائم کر کے نہ جاؤ۔ میں بے حیا نہیں ہوں۔ میں مر جاؤں گی مگر اپنی حیا پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔"

اس نے کسی حد تک قائل ہو کر اسے دیکھا مگر دل میں ایک یہ پھانس چبھ رہی تھی کہ میری عورت دوسرے کی تنہائی میں کیوں جائے .... کیوں دوسرے کی خدمت کرے؟

اس نے نازلی کو دیکھا' اس کی خاموش آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ میری آنکھوں میں دیکھو۔

عورت اپنی آنکھوں کی شرم سے پہچانی جاتی ہے۔

میں کچھ نہیں چاہتی۔ صرف اس بوڑھے کی خدمت کرنا چاہتی ہوں' جس نے مجھے دولت دی' اور محبت طلب کی۔

میں اس کی آخری عمر کی آخری محبت ہوں۔

میں تم سے بھی کہوں گی اور دنیا والوں سے بھی کہوں گی کہ مجھے اس کی محبوبہ نہ بننے دو' اس کی نرس تو بننے دو۔

تم نہیں جانتے' کوئی نہیں جانتا' میں شادی کی پہلی رات سے اب تک کنواری ہوں۔

میں ایک بے نام رشتے کی آگ میں سہاگ رات سے جل رہی ہوں۔

میرے محبوب! کیا تم اس آگ کو گلزار نہیں بناؤ گے؟

سلمان اس کی سوالیہ نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ اس کا سر جھک گیا۔

☆======☆======☆

نعمان اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد ہی شکیلہ بیگم نے کمرے میں آتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے تم نے مجھے بلایا ہے؟"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر ماں کو دیکھنے لگا پھر بولا۔ "جی ہاں .... آئیں' یہاں بیٹھیں۔"

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ ماں بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ چہرے کے تاثرات سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے سے پہلے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

شکیلہ بیگم کچھ دیر تک اس کی خاموشی برداشت کرتی رہی پھر بولی۔ "کوئی بات کرنے کے لئے تم نے مجھے بلایا ہے اور اب چپ ہو۔"

وہ جیسے ایک دم سے پھٹ پڑا۔ "خاموش تو میں پچھلے تین ہفتوں سے ہوں۔ گھر کے تمام افراد مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں اور ایسا کرنے میں آپ بھی شامل ہیں لیکن اب میں بے وقوف نہیں بنوں گا۔ دو ٹوک فیصلہ سنانا چاہوں گا۔"

ماں پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتیں اس کے سر سے گزر رہی تھیں۔ وہ الجھ کر بولی۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کون تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے؟"

"میں آپ کی اور گھر والوں کی ڈرامے بازی کو سمجھ گیا ہوں۔ آپ میرے لئے کوئی رشتہ تلاش نہیں کر رہی ہیں۔"

ماں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

کہا۔ "ضروری نہیں کہ ہر بات کہی جائے۔ کچھ باتیں کہے سنے بغیر ہی سمجھ میں آ جاتی

شکیلہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ”اچھا .... تو تمہاری سمجھ میں یہی آیا ہے؟“

”جی ہاں .... آپ جب بھی رشتہ دیکھ کر آتی ہیں دو ہی باتیں کہتی ہیں۔ یا تو لڑکی اچھی نہیں تھی یا پھر گھرانہ اچھا نہیں تھا۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ مجھے بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔“

ماں نے مسکرا کر کہا۔ ”اس میں تمہیں بے وقوف بنانے والی کون سی بات ہو گئی؟ رشتہ پسند آئے گا تب ہی تو ہم ہاں کریں گے۔“

”مجھے تو نہیں لگتا کہ کبھی ہاں ہو گی۔ ایسا لگتا ہے سارے بُرے رشتے میرے ہی نصیب میں لکھے ہیں۔ آپ ہی بتائیں‘ اب تک تین چار جگہ جا چکی ہیں لیکن ہر ایک میں خامی نکلی ہے۔ آخر آپ کو ایسے رشتے بتا کون رہا ہے؟“

”تم تو یوں فکرمند ہو کہ جیسے تمہاری شادی کی عمر نکلی جا رہی ہے۔ پہلی بہو لا رہی ہوں۔ اچھی طرح دیکھ بھال کر اور دلی تسلی کرنے کے بعد ہی تو لاؤں گی۔ تم فکر کیوں کر رہے ہو؟“

”آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ جتنا چھانو گے اتنا ہی کرکرا نکلے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اچھی طرح دیکھ بھال کر کے لانے والی بہو بھی آپ کے سارے سپنے توڑ دے؟“

ماں نے کہا۔ ”ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔ میں تو لڑکی کی شکل دیکھتے ہی اس کی فطرت بھانپ لیتی ہوں اور پھر ہمیں رشتہ تلاش کرتے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ لوگ تو اچھا رشتہ تلاش کرنے میں سالوں لگا دیتے ہیں۔“

وہ جلدی سے بولا۔ ”خدارا .... امی! آپ اتنا عرصہ نہیں لگائیں گی۔“

ماں نے مسکرا کر کہا۔ ”بڑی جلدی ہے تمہیں اَن دیکھی بیوی کے لئے۔ ابھی سے دیوانے ہو رہے ہو۔“

پھر وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولی۔ ”بہو لانے کی جلدی تو مجھے بھی ہے مگر یہ ہماری آئندہ نسل کا معاملہ ہے۔ میں جلدبازی میں کوئی غلط قدم اٹھانا نہیں چاہتی اور ہاں .... اپنے دل سے یہ خیال نکال دو کہ میں تمہاری شادی کرنا نہیں چاہتی۔ اگر ایسی بات ہوتی تو پھر کمیٹی کیوں ڈالتی؟“

وہ ذرا شرمندہ ہو کر بولا۔ ”بس یوں ہی .... ہر بار ناں ناں سن کر یہ خیال میرے دل میں آ گیا تھا۔“

ماں نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی کو چوما پھر کہا۔ ”آئندہ ایسے غلط خیالات کو دل

میں جگہ نہ دینا۔“

خیالات تو ہوا کی طرح اِدھر سے اُدھر اڑتے ہیں۔ ان کی اڑان تک تو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے وہ خود بخود کسی بھی وقت کسی کے بھی دل و دماغ میں آ جاتے ہیں۔

☆======☆======☆

بستر پر لیٹی ہوئی ندا کے ذہن میں بھی آرزو کا خیال آگہی کی طرح اترنے لگا۔ وہ تصور کی آنکھ سے اُسے دیکھنے لگی۔ محسوس کرنے لگی۔ کوئی اس کے کان میں مدھم سی سرگوشی کر رہا تھا۔

الفاظ واضح نہیں تھے مگر لہجہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ سرگوشی گرم ہواؤں میں بدل گئی اور وہ ہوائیں اسے کہیں سے کہیں اڑا کر لے جانے لگیں۔ پھر جیسے اس کے پر باندھ دیئے گئے۔ اسے جکڑ لیا گیا۔ عجیب بے بسی تھی‘ ان بازوؤں کے حصار سے نکلنے کو جی کر بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔

اس نے کسمسا کر کروٹ بدلی تو آنکھ کھل گئی۔ اس کے سامنے فرح کا چہرہ تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ حالات بھی کیسی کروٹ بدلتے ہیں۔ کبھی انسان کو کسی کی محبت میں جگاتے ہیں اور کبھی کسی کی بے وفائی پر۔

ندا نے نیم اندھیرے میں اس کی کھلی آنکھیں دیکھ کر پوچھا۔ ”تم جاگ رہی ہو؟“

وہ چونک کر بولی۔ ”ہاں .... مگر تم تو سو گئی تھیں؟“

”ہوں .... سو گئی تھی لیکن کسی کے خیال نے جگا دیا۔“

فرح نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ”کس کے خیال نے؟“

نیم اندھیرے میں فرح کے آنسو چھپ سکتے تھے مگر بھیگی ہوئی آواز نہ چھپ سکی۔

ندا نے پوچھا۔ ”رو رہی تھیں؟“

فرح فوراً ہی سنبھل کر سیدھی لیٹتے ہوئے بولی۔ ”کون؟ .... میں نہیں تو .... میں بھلا کیوں روؤں گی؟“

ندا کہنی کے بل اٹھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولی۔ ”آج مجھے کسی کے خیال نے جگایا ہے۔ تو احساس ہوا ہے کہ تمہارا اور شعیب بھائی کا ساتھ ایک عرصے سے تھا۔ تم انہیں یوں اچانک ایک دم سے بھلا تو نہیں سکو گی۔“

آنسو آنکھوں سے پھسل کر فرح کے بالوں کو بھگو رہے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”ہماری محبت پنسل سے بنا ہوا سکیچ تھی۔ جسے اس کی بے وفائی کا ربڑ مٹا رہا

ہے۔ اس کے بعد میری زندگی پھر سے ایک کورا کاغذ بن جائے گی۔"

"مگر نقوش رہ جائیں گے فرح! میں چھوٹی ہوں لیکن اب نادان نہیں رہی ہوں۔ لڑکیوں کو تو ہوا کا جھونکا بھی چھو کر گزرے تو ان کے اندر تبدیلی آ جاتی ہے اور شعیب بھائی تو پھر انسان تھے۔ ان کی بے وفائی اپنی جگہ مگر میں جانتی ہوں' تم ان کے ساتھ گزارے ہوئے محبت بھرے لمحات کو اس وقت تک بھلا نہیں پاؤ گی جب تک کوئی دوسرا ان کی جگہ نہیں آ جائے گا۔"

فرح دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی' اپنی سسکیوں پر قابو پا کر کہنے لگی۔ "میں اُسے بھول جانا چاہتی ہوں ندا! .... مگر.......... مگر.........."

ندا نے ایک گہری سانس لے کر اس کا جملہ مکمل کیا۔ "مگر تنہائی میں ان کا لمس یاد آنے لگتا ہے۔ ان کی قربت میں گزارے ہوئے ایک ایک پل کو یاد کر کے تم تڑپ جاتی ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہو گا کہ اچانک ہی وہ لمس تمہارے بدن پر رینگنے لگتا ہو گا؟"

ندا بڑے کھوئے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ فرح حیران ہو کر اپنے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھ رہی تھی اور تعجب سے سوچ رہی تھی۔ "یہ کیسی گہری گہری باتیں کر رہی ہے بلکہ میرے اندر کی چھپی ہوئی باتیں بیان کر رہی ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ اسے کیسے معلوم ہوا؟ کیا اس کی زندگی میں بھی کوئی آ گیا ہے؟ ایسی بولی محبت کرنے والے ہی بولتے ہیں۔ میرے جذبات کو یہ سمجھتی ہے۔ تب ہی انہیں بیان کر رہی ہے۔ یعنی یہ ان جذبوں سے آشنا ہے۔"

وہ ذرا سوچ سے باہر آئی تو فرح نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "ندا! شعیب مجھے یاد آتا ہے یا تنہائی میں اس کے خیالات مجھے تڑپاتے ہیں۔ میں نے ایسی کوئی بات تم سے کبھی نہیں کہی لیکن تم بنا کہے سمجھ گئی ہو اور میرے جن احساسات کو سمجھی ہو انہیں کوئی محبت کرنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر ندا کا ایک ہاتھ تھام کر معنی خیز انداز میں بولی۔ "کون ہے وہ؟"

وہ ٹھٹک کر بولی۔ "کون وہ؟"

فرح اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے بولی۔ "وہی جس نے تجھے ایسی گہری گہری باتیں کرنا سکھا دی ہیں؟"

ندا بھی اٹھ کر بیٹھ گئی پھر مسکرا کر بولی۔ "ارے' خواہ مخواہ وہم میں مبتلا ہو رہی ہو۔

ابھی تمہاری بہن کی زندگی میں کوئی "وہ" نہیں آیا ہے۔"

فرح اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "میں نے تم سے اپنا معاملہ نہیں چھپایا پھر تم کیوں چھپا رہی ہو؟ میں محبت کے مرحلے سے گزر چکی ہوں۔ تمہاری باتیں اور تمہارا لہجہ چغلی کھا رہا ہے۔ اب چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں پیچھا نہیں چھوڑوں گی' پوچھ کر ہی رہوں گی۔ بتاؤ کون ہے وہ؟"

ندا الجھ کر بولی۔ "توبہ ہے' تم تو ہاتھ دھو کر ہی پیچھے پڑ گئیں۔ بات تمہاری اور شعیب بھائی کی ہو رہی تھی۔ ان کی شادی کا کارڈ آ چکا ہے۔ اگلے مہینے کی اکیس تاریخ کو شادی ہے۔ تم ایسے دل پر چوٹ لگنے والے مرحلوں سے گزر رہی ہو۔ اپنے احساسات بتانے کے بجائے میرے دِل میں کیوں جھانک رہی ہو؟"

فرح ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "مجھ پر جو بیت رہی ہے اسے تم میرے دِل میں جھانک کر سمجھ چکی ہو۔ مجھے بھی تمہارے دِل میں جھانکنے اور اندر کی باتیں سمجھنے کا حق ہے۔"

ندا سوچتی ہوئی نظروں سے فرح کو دیکھنے لگی۔ پھر گہری سنجیدگی سے مسکرا کر بولی۔ "جسے میں نہ سمجھ پائی اسے تم کیا سمجھو گی؟ ہر چیز کا نام ہوتا ہے' رنگ ہوتا ہے مگر کچھ رشتے بے رنگ پانی کی طرح بے نام ہوتے ہیں۔ بہت سوچنے اور سمجھنے کے بعد بھی میں اپنی زندگی میں آنے والے رشتے کو کوئی نام نہیں دے پاؤں گی۔"

فرح بڑے انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ نیم تاریکی میں اس کا سنجیدہ چہرہ سایہ سایہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ فرح نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "یعنی میرا اندازہ درست نکلا۔ شروعات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ دل میں گھس آنے والے سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا لیکن پھر دھیرے دھیرے وہ تمام رشتوں سے اہم ہو جاتا ہے۔ بائی دا وے.......... وہ موصوف ہیں کون؟"

ندا نے سوچتی ہوئی نظروں سے بہن کو دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "موصوف نہیں .... موصوفہ.........."

فرح نے شدید حیرت سے پوچھا۔ "موصوفہ .... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس نے میری نیندیں چرائی ہیں اور تنہائی میں جس کے خیالات مجھے تڑپاتے رہتے ہیں وہ کوئی لڑکا نہیں عورت ہے جو مجھے دل و جان سے چاہتی ہے بلکہ میری دیوانی ہے۔"

فرح نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ "ندا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ایک عورت کسی لڑکی یعنی اپنی ہم جنس سے کیسے محبت کر سکتی ہے؟ ضرور تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ بائی دا وے وہ ہے کون؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "میڈم آرزو.......... انہوں نے مجھ سے بیٹی بہن بھانجی یا بھتیجی کا رشتہ نہیں جوڑا ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ وہی محبت جو تمہارے اور شعیب بھائی کے درمیان تھی۔ اب تم ہی بتاؤ' میں اس محبت کے رشتے کو کیا نام دوں؟"

فرح نے ذرا سوچنے کے بعد اس سے پوچھا۔ "تمہاری میڈم کے دماغی اسکرو تو ڈھیلے نہیں ہیں؟ میرا مطلب ہے وہ دماغی طور پر کھسکی ہوئی تو نہیں ہیں؟"

ندا اس کے گھٹنے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "ایسی بات نہیں ہے وہ بہت جینئس خاتون ہیں۔ ان کے بوتیک میں تیار کئے گئے ملبوسات بیرون ملک ہونے والے فیشن شوز میں شامل ہوتے ہیں۔ اکثر میگزینز میں ان کے انٹرویو اور ڈریسز شائع ہوتے رہتے ہیں۔"

فرح نے ذرا سوچتے ہوئے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہوں .... تو وہ ذہنی طور پر کھسکی ہوئی نہیں ہیں۔ پھر انہیں کیا سوجھی جو تم پر فریفتہ ہو گئیں؟"

"پتہ نہیں .... یہ بات تو وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی ہیں۔ ویسے ہے ناں عجیب سی بات؟"

فرح تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "ہاں' اگر یہ سب کچھ تمہارے ساتھ نہ ہوتا اور میں کسی کہانی میں پڑھتی تو کبھی اعتبار نہ کرتی۔ وہ تم پر عاشق ہو گئی ہیں۔ اس لئے شروع سے ہی مہربانیاں کر رہی ہیں۔ سنا ہے لڑکیاں جاب کے لئے نکلتی ہیں تو ریوالونگ چیئر پر بیٹھے ہوئے باس انہیں ٹریپ کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ کام کم لیتے ہیں اور مہربانیاں زیادہ کرتے ہیں۔ کبھی لنچ' کبھی ڈنر .... اس طرح بے چاری لڑکیاں اپنے باس کو خوش رکھنے کی وجہ سے بدنام ہو جاتی ہیں۔"

ندا خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ فرح نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "لیکن تمہارے معاملے میں تو بدنامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بھلا ایک عورت کی محبت میں ایک لڑکی کیسے بدنام ہو گی؟ ویسے ندا! تم لکی ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"بھئی ایسی محبت میں شادی کی کوئی بات نہیں ہو گی جس کے نہ ہونے سے دل ٹوٹ جائے۔ ہم عورتیں مردوں کو الزام دیتی ہیں کہ وہ بے وفا ہوتے ہیں اور عورت باوفا ہوتی

تم خوش نصیب ہو۔ کیونکہ تم سے کوئی بے وفا مرد نہیں' ایک باوفا عورت محبت کر رہی ہے۔"

ندا نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "مگر اس خوش نصیبی کا انجام کیا ہو گا؟"

"انجام جو بھی ہو لیکن میں ایک پیشگوئی کر دوں گی کہ تمہاری آنکھوں سے کبھی یہ آنسو نہیں گریں گے جو میری آنکھوں سے گر رہے ہیں۔"

اس نے فرح کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ ان لمحات میں سوچ یہ تھی' کیا میڈم کے ساتھ زندگی گزر جائے گی؟ اگر کسی طرح زندگی گزارنا بھی چاہے تو کیا اس رشتے کو کوئی نام دیا جا سکے گا؟

☆======☆======☆

نازلی ڈرائنگ روم میں آئی تو اس اجنبی نوجوان کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بڑے ادب سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "سوری .... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ مجھے نہیں پہچانتی ہیں لیکن میں آپ کو اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہوں۔ مسز نازلی جمال!"

وہ بولی۔ "تعجب ہے .... آپ مجھے اچھی طرح جاننے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور میں آپ کا نام بھی نہیں جانتی۔"

وہ بدستور اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "نام اہم نہیں ہوتا انسان کی پہچان اہم ہوتی ہے۔"

وہ دوپٹے کا پلو صحیح کرتے ہوئے بولی۔ "چلیں' نام نہ سہی اپنی پہچان ہی کرا دیں۔ ویسے آپ کی آواز اور لب و لہجہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔"

وہ اس پر سر سے پاؤں تک نظر ڈالتے ہوئے بڑے معنی خیز انداز میں بولا۔ "آپ آواز ہی نہیں' میری شکل کو بھی ذرا غور سے دیکھیں۔ میری آنکھیں' پیشانی میرے ہونٹ سب کچھ آپ کو جانا پہچانا سا لگے گا۔"

عجیب شخص تھا۔ اپنی باتوں سے الجھا رہا تھا۔ نازلی اس کی باتوں سے زیادہ اس کی [illegible] سے پریشان ہو رہی تھی۔ وہ بولی۔ "آپ اپنا تعارف بھی کروائیں گے یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتے جائیں گے؟"

"زندگی ایک کھیل ہے اور میں ایک حقیر سا بندہ۔ بھلا میں آپ کے ساتھ کیسے کوئی

کھیل کھیل سکتا ہوں؟ آپ تو بڑے بڑے کھلاڑیوں کے ساتھ بازی لگاتی ہیں۔"

اس کی معنی خیز بات پر نازلی نے اُسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "آخر ہیں کون؟"

وہ صوفے پر سے اٹھ کر ٹہلنے کے انداز میں اِدھر سے اُدھر گیا پھر ایک جگہ رک کر بولا۔ "مسٹر جمال گھر میں ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں .... کیا آپ جمال سے ملنے آئے ہیں؟"

وہ بھی انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں' میں یہاں کسی سے ملنے نہیں آیا۔ کیوں کوئی اپنے گھر میں ملنے نہیں رہنے کے لئے آتا ہے۔"

نازلی نے تعجب سے پوچھا۔ "اپنا گھر؟"

وہ دونوں بازو پھیلا کر بولا۔ "اپنا' یعنی ہمارا گھر......... تم عمر میں مجھ سے چھوٹی ہو میری بھی ماں نکلیں۔ داد دینی پڑتی ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی بڑی بڑی چالیں چلتی ہو۔"

وہ غصے سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "یو شٹ اپ۔ جب سے آئے ہو اول فول بکے جا رہے ہو۔ آخر تم ہو کون؟"

وہ دھپ سے ایک صوفے پر بیٹھ کر اس کی پشت سے ٹیک لگا کر بڑے اطمینان سے بولا۔ "کول ڈاؤن .... کول ڈاؤن .... ٹھیک ہے سچ کڑوا لگتا ہے مگر اتنا غصہ۔"

وہ اس کی ڈھٹائی پر اور زیادہ آگ بگولہ ہو گئی۔ اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی "اٹھو یہاں سے اینڈ گٹ آؤٹ۔"

وہ دائیں بائیں دیکھ کر بڑے ڈرامائی انداز میں بولا۔ "کون میں؟"

"ہاں .... ہاں تم .... اس سے پہلے کہ میں ملازموں کو بلا کر تمہاری بے عزتی کروں' چلے جاؤ میرے گھر سے۔"

وہ قہقہے لگا کر ہنسنے لگا پھر بولا۔ "میرا گھر؟ ہاں یہ گھر میرا بھی تو ہے۔"

وہ الجھ کر بولی۔ "آخر تم کون ہو اور تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے؟"

وہ اپنی شہادت کی انگلی اس کی طرف اٹھا کر بولا۔ "تم .... تم ہو پرابلم......... باپ کو گھر میں رکھتی ہو اور بیٹے کو گھر سے نکال رہی ہو؟"

"بیٹا .... کس کا بیٹا؟"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بولا۔ "جمال احمد ربانی کا بیٹا۔ کمال احمد ربانی کا نام تو سنا ہو گا تم نے؟"

وہ ایک دم سے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "اوہ .... تو تم جمال احمد کی فرسٹ وائف کے بڑے بیٹے ہو؟"

"ہاں' صرف ان کی وائف کا نہیں۔ ان کا بھی بیٹا ہوں۔"

"ہاں ہاں وہی لیکن جمال تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"

وہ اُسے سر سے پاؤں تک للچائی ہوئی نظروں سے گھورنے لگا پھر بولا۔ "تم تو بہ.........."

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "کیا مطلب؟"

وہ مسکرا کر دوبارہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ابا کو تو خوب کمپنی دیتی ہو' بیٹے کو نہیں دو گی؟"

وہ غصے کو ضبط کر کے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "میں مسز جمال احمد ربانی ہوں اور تم ان کے بیٹے ہو۔ اس رشتے سے میرے بھی بیٹے ہو۔ میں سوتیلی ہی سہی لیکن تمہاری ماں ہوں۔"

وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "سو سوری دیٹ .... یو آر مائی اسٹیپ مدر .... ویسے میں تمہیں کیا کہوں؟ ماں' ماں جی' امی' ممی یا پھر موم؟"

نازلی نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ وہ ناخنوں کو جینز پر رگڑنے کے بعد پھونک مار کر بولا۔ "کیا کھڑی رہو گی' بیٹھو گی نہیں؟"

نازلی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بولا۔ "خوش لباس ہو۔ ویسے مجھے ساڑھی پسند ہے۔ کچھ ڈھکا کچھ چھپا۔ کچھ کھلا کیسا زبردست لباس ہوتا ہے نا؟ ہمارے ڈیڈ کو بھی ساڑھیاں پسند ہیں۔ تم نہیں پہنتیں؟"

نازلی کو اس کی باتوں سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ بولی۔ "یہ سوال بے موقع نہیں ہے؟"

"ہاں بے موقع تو بہت سی باتیں ہوتی ہیں جیسے ڈیڈ کی تیسری شادی بالکل بے موقع ہے۔ پتہ نہیں انہیں اس عمر میں جوانی کا بوجھ اٹھانے کا کیا شوق ہوا جو تم جیسی جوان لڑکی کو شریک حیات بنا لیا۔ یہ تو ہماری عمر کے جیالوں کا کام ہے۔"

نازلی طنزیہ لہجے میں بولی۔ "تم جیسے جیالے اپنا بوجھ اٹھالیں وہی کافی ہے۔"

پھر وہ صوفے پر سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ تم یہاں اپنے ابو کا انتظار کرو۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو ملازم سے کہہ دینا۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ ”ارے بیٹھی رہتیں‘ باتیں ہو رہی تھیں۔ ذرا دل بہل رہا تھا۔“

”دل بہلانا ہے تو ٹی وی لاؤنج میں چلے جاؤ۔“

وہ اتنا کہہ کر اس کا کوئی جواب سنے بغیر تیز تیز چلتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

جمال نے اکثر اپنے بیٹے کا ذکر کیا تھا۔ کمال احمد پڑھائی اور کام کے معاملے میں لاپرواہ لڑکا تھا۔ جمال چاہتا تھا کہ وہ اس کے بزنس کو اس کی زندگی میں ہی سنبھال لے لیکن پارٹیز‘ یار دوست‘ سیرو تفریح سے فرصت ملتی تو وہ ادھر توجہ دے پاتا۔

جب سے نازلی‘ جمال کی زندگی میں آئی تھی تب سے کمال کی ماں بیٹے کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ وہ باپ کے بزنس میں دلچسپی لینا شروع کر دے ورنہ وہ نئی آنے والی سب ہضم کر لے گی لیکن حسب عادت کمال ایسی نصیحتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا تھا۔

مگر اب یہ سن کر کہ باپ نے آدھی جائیداد اپنی نئی بیوی کے نام کر دی ہے‘ وہ گیا تھا۔ ماں نے سر پیٹتے ہوئے بیٹے سے کہا۔ ”دیکھ لیا انجام تم نے اپنی لاپرواہی کا؟ پدی آدھی جائیداد ہضم کر رہی ہے۔“

کمال نے کہا۔ ”ڈیڈ نے یہ اچھا نہیں کیا۔ آپ کی اور دوسری امی کی چار اولادوں میں سے ایک میں ہی بیٹا ہوں۔ ڈیڈ کا واحد جانشین ہوں۔ اس طرح سے اس جائیداد پر میرا زیادہ حق بنتا ہے۔“

”انہیں اس عمر میں جوان لڑکی مل گئی ہے۔ جوانی کی چکاچوند نے ان کی آنکھیں چندھیا دی ہیں۔ انہیں ایسے میں نہ بیٹا نظر آیا اور نہ ہی تین بیٹیاں۔ میری ستائیس برس کی خدمت کا یہ صلہ دیا ہے انہوں نے۔ میں دوسری شادی پر بھی چپ رہی۔ تیسری پر تب میں نے کچھ نہیں کہا لیکن اب جائیداد کے معاملے میں چپ نہیں رہوں گی۔ میرے بچے کا حق مار کر اس چڑیل کو دے رہے ہیں۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔“

بیٹا غصے سے دانت پیس کر بولا۔ ”برداشت تو مجھ سے بھی نہیں ہو رہا ہے۔ آدھی جائیداد رہ گئی ہے۔ دوسری امی کی دو بیٹیوں اور ہم دو بہن بھائی کے حصے میں کیا آئے گا؟“

”اس نئی کو دینے کے بعد جو بچا ہے وہ خیرات کے طور پر تم بچوں کو مل جائے گی۔“

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”نہیں ممی! ہمیں خیرات نہیں اپنا حصہ چاہیے۔ کم از کم میں تو یہ ناانصافی برداشت نہیں کروں گا۔“

”تو پھر کیا کرو گے تم؟“

وہ ذرا سوچنے کے بعد خلا میں تکتے ہوئے بولا۔ ”حق مانگنے سے نہ ملے تو چھیننا پڑتا ہے اور اس چھینا جھپٹی کے نتیجے میں وہ آدھی جائیداد آپ کے اس بیٹے کے نام ہو جائے گی لیکن اس معاملے میں آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔“

وہ خوش ہو کر بولی۔ ”تم اپنا دامن بچا کر جو بھی کرنا چاہو کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

دونوں ماں بیٹے نے جو پلاننگ کی اس کے مطابق ہی کمال احمد نازلی کے گھر پہنچا ہوا تھا۔ کھیل کی شروعات میں ہار اور جیت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر انسان ہمیشہ خوش فہمیوں کا شکار رہتا ہے۔ کمال کو بھی اپنی کامیابی کا یقین تھا لیکن یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا کہ اس کھیل میں ہار کس کی اور جیت کس کی ہو گی؟

☆======☆======☆

جمال احمد ربانی کے موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے سی ایل آئی پر اپنی فرسٹ وائف بانو بیگم کا نمبر دیکھ کر کچھ سوچا پھر اُسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ ”ہیلو بانو بیگم! بڑے عرصے کے بعد یاد کیا؟“

وہ بولی۔ ”یاد تو بھولنے والے کو کیا جاتا ہے۔ آپ میرے شوہر ہیں اور یہ کوئی بھولنے والا رشتہ تو نہیں ہے۔ یہ بیماری تو آپ کو ہے۔ نئے رشتے بنا کر پرانے رشتوں کو بھول جاتے ہیں۔“

”میں بھول گیا ہوتا تو اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کر رہا ہوتا۔ تم ہی بتاؤ میرے نئے رشتے کی وجہ سے تمہاری پُرعیش زندگی میں کہاں کوئی کمی آئی ہے؟“

”ہماری زندگی میں جو کمی آئی ہے اُسے آپ محسوس نہیں کر سکتے۔“

”ساری ذمہ داریاں نباہنے کے باوجود کہیں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو واقعی میں اسے محسوس نہیں کروں گا۔ جوان بیٹے کے باوجود میں تنہا اپنے بزنس کو سنبھال رہا ہوں۔ اس پر بھی ذریعہ آمدنی بنا ہوا ہوں۔ میری بیویاں کسی کی محتاج نہیں ہیں لیکن تم شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری ہی کرتی آئی ہو۔“

”میں کس بات کا شکر ادا کروں؟ آپ کی آمدنی پر پہلا حق میرا ہے لیکن اس آمدنی کے تین حصے ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ نے مزید دو شادیاں نہ کی ہوتیں تو آپ کی ساری آمدنی صرف میرے پاس آتی۔ آپ دو عورتوں کو میرا حصہ دار بنانے کے بعد شکر ادا

کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔"

وہ بے زار ہو کر بولا۔ "کیا یہی سب کچھ کہنے کے لئے فون کیا تھا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں .... بے زار مت ہوں۔ میں تو شاید آپ کی ذمہ داری نہیں رہی لیکن کمال اور زارا صرف میری ہی نہیں' آپ کی بھی ہیں۔ ذمہ داری ہیں آپ کی۔ ان کے حوالے سے یہاں کوئی مسئلہ ہو گا تو باپ ہونے ناطے آپ ہی کو خبر کی جائے گی۔"

وہ ذرا پریشان ہو کر بولا۔ "کیا ہوا انہیں؟"

وہ اس کا پریشانی سے بھرپور لہجہ سن کر خوش ہو گئی۔ پھر اُسے مزید پریشان کرنے لئے گھما پھرا کر باتیں کرنے لگی۔ "ابھی کچھ ہوا تو نہیں ہے لیکن آثار بتا رہے ہیں کچھ کچھ ضرور ہو گا۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "الجھا کیوں رہی ہو؟ کھل کر بات کرو۔ بولو کیا ہوا ہے؟ زارا تو ٹھیک ہے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کمال نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ جوان ہے' آپ کے بزنس میں آپ کا سہارا بننے کے بجائے آوارہ گردی میں مصروف رہتا ہے۔ میں اُسے سمجھاتی رہتی ہوں۔ ہمارے درمیان اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے۔ کل بھی اسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ وہ خفا ہو کر گھر سے گیا تھا۔ مگر آج کا بھی پورا دن گزر جانے کے باوجود وہ گھر واپس نہیں آیا ہے۔ تمام رشتہ داروں اور اس کے دوستوں سے بھی پوچھ چکی ہوں۔ اب بتائیں ایسی پریشانی میں آپ کو خبر نہ کرتی تو کیا کرتی؟"

"پریشان کیوں ہوتی ہو؟ وہ کسی نہ کسی دوست کے پاس ہو گا۔ کب تک گھر سے دور رہے گا؟ آ جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

وہ پریشانی ظاہر کرتے ہوئے روہانسے لہجے میں بولی۔ "کیسے فکر نہ کروں؟ میری تو کل کائنات ہی یہ دو اولادیں ہیں۔ خدارا .... میرے بچے کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً کچھ کریں۔"

"میں اس کے دوستوں کو نہیں جانتا۔ وہ اپنا زیادہ وقت کہاں گزارتا ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا پھر اسے کہاں تلاش کروں؟ اس کے پاس موبائل ہے۔ تم اس پر رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ میں بھی کرتا ہوں۔"

"موبائل آن ہو گا تب ہی تو رابطہ ہو گا۔ آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"میں گاڑی میں ہوں۔ دفتر سے گھر کی طرف جا رہا ہوں۔ ابھی فون بند کر رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر رابطہ کروں گا۔ کمال کے سلسلے میں اور تو کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ بس وقتاً فوقتاً معلوم کرتا رہوں گا کہ وہ گھر پہنچا ہے یا نہیں اور اگر آج رات تک بھی نہ آیا تو پھر مجبوراً تھانے ہی جانا ہو گا۔"

اس نے جلدی سے پوچھا۔ "ایسے وقت آپ تو میرے ساتھ ہی ہوں گے ناں؟"

"ہاں ہاں .... وہ تمہارا ہی نہیں میرا بھی بیٹا ہے۔ ہم دونوں تھانے چل کر اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائیں۔"

اس معاملے کو تھانے یا کچہری تک جانے کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن وہ اپنے شوہر کی باتیں سن کر خوش ہو گئی تھی۔ یہ بات تسلی بخش تھی کہ باپ کے دل میں ابھی بچوں کی محبت زندہ تھی۔

☆======☆======☆

ڈرائیور نے گاڑی کوٹھی کے احاطے میں روکی۔ جمال احمد ربانی پچھلے دروازے کو کھول کر باہر آیا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوٹھی کے اندر چلا گیا۔

وہ حسب معمول اپنے بیڈ روم میں جانا چاہتا تھا لیکن لاؤنج سے سنائی دینے والے گانے کی تیز آواز نے اسے چونکا دیا۔

نازی نہ تو ایسے گانے سنتی تھی اور نہ ہی ٹیپ ریکارڈر کو اتنی بلند آواز میں آن کرتی تھی۔ وہ زینے کی طرف جانے کی بجائے لاؤنج میں آیا تو وہاں کمال کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے گانے کی دھن پر تھرک رہا تھا۔

جمال نے تعجب سے پوچھا۔ "تم .... اور یہاں؟"

ریکارڈر کی آواز اتنی تیز تھی کہ باپ کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ پائی۔ جمال نے آگے بڑھ کر ایک بٹن دبا کر ریکارڈر آف کر دیا۔ کمال نے چونک کر آنکھیں کھولیں پھر اسے دیکھ کر کہا۔ "ہائے ڈیڈ! آپ کب آئے؟"

"ابھی آیا ہوں لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ وہاں تمہاری ماں پریشان ہے۔ فون پر کہہ رہی تھی کہ تم کل سے غائب ہو۔"

وہ لاپروائی سے ہنستے ہوئے بولا۔ "ممی کا تو کام ہی پریشان ہونا ہے۔ کبھی آپ کی وجہ سے پریشان رہتی ہیں اور کبھی میری وجہ سے۔ ہر وقت پیچھے پڑی رہتی ہیں کہ میں کاروبار میں دلچسپی لوں۔ کل بھی اسی بات پر جھگڑا ہوا تھا۔"

جمال ایک صوفے پر بیٹھ کر بولا۔ "اور تم نے اپنی ماں کو پریشان کرنے کے لئے
چھوڑ دیا؟"

وہ اس کے قریب بیٹھ کر بولا۔ "نہیں ڈیڈ! .... انہیں پریشان کرنے کے لئے
نہیں۔ بلکہ خوش کرنے کے لئے گھر چھوڑا ہے۔"

اس نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "خوش کرنے کے لئے؟ کیا
ماں اپنے بیٹے کی گمشدگی پر خوش ہو سکتی ہے؟"

"وہ مجھے کھوٹا سکہ کہتی ہیں۔ میں آپ کا واحد جانشین ہوں لیکن آپ کی امیدوں پر
پانی پھیر رہا ہوں۔"

"وہ کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی ہیں لیکن تم ہمیشہ ہی چکنا گھڑا بنے رہتے ہو۔ نصیحت
ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتے ہو۔ آخر تمہاری یہ لاپرواہیاں کب
ہوں گی؟ لائف کو انجوائے کرو مگر فیوچر پر بھی نظر رکھو۔"

وہ مسکرا کر باپ کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "فیوچر کی فکر کی ہے تب ہی تو یہاں آیا ہوں
ڈیڈ! میں بزنس میں آپ کا رائٹ ہینڈ بن کر ممی کو سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ اپنی ذات پر
یہ الزام دھونا چاہتا ہوں کہ میں ایک کھوٹا سکہ ہوں۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت
تک ممی کا سامنا نہیں کروں گا جب تک آپ کے کاروبار کو نہ سنبھال لوں۔"

جمال نے خوش ہو کر کہا۔ "ویل ڈن مائی چائلڈ! یہ تو تم نے بہت ہی اچھا فیصلہ کیا
ہے۔ مگر اپنی ماں سے دور کیوں رہنا چاہتے ہو؟ وہ تمہاری گمشدگی پر بہت پریشان ہو رہی
ہے۔"

"میں نے کہا ناں .... انہیں سرپرائز دینا چاہ رہا ہوں۔ اور جہاں تک پریشانی کی
بات ہے تو آپ ابھی فون کر کے انہیں تسلی دیں کہ میں خیریت سے آپ کے پاس ہوں۔
چند روز یہاں رہوں گا پھر واپس گھر آ جاؤں گا مگر انہیں یہ مت کہئے گا کہ میں کاروبار میں
دلچسپی لے رہا ہوں۔"

جمال اپنا موبائل فون نکال کر بانو کے نمبر پنچ کرتے ہوئے بولا۔ "تم بات کرو گے؟"

"نہیں .... میں بات کروں گا تو وہ مجھے گھر بلانے کی ضد کریں گی۔ رونا شروع کر
دیں گی۔ اس لئے آپ ہی بات کریں۔ اگر وہ میرا پوچھیں تو کہہ دیجئے گا کہ میں سو رہا
ہوں۔"

وہ فون کان سے لگا کر انتظار کر رہا تھا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "ہیلو بانو بیگم!

بتاؤں۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ کا نمبر پڑھ لیا ہے۔ یہ بتائیں کمال کی
کوئی خیر خبر ملی؟"

وہ بیٹے کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر فون پر بولا۔ "وہ نالائق ہم ماں باپ کا پیچھا نہیں
چھوڑے گا۔ تم پریشان مت ہو۔"

وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ پھر روہانسے انداز میں بولی۔ "پریشان کیسے نہ ہوں؟ پتہ
نہیں میرا بچہ کہاں بھٹک رہا ہو گا؟"

"کہیں نہیں بھٹک رہا ہے۔ بس ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں آ گیا ہے۔"

وہ انجان بن کر بولی۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ پہلے وہ تمہارے پاس تھا اب میرے پاس ہے۔ ایک دو ہفتے یہاں رہنا
چاہتا ہے۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "کیا وہ آپ کے پاس ہے؟ پلیز .... میری اس سے بات
کرائیں۔"

"پتہ نہیں .... کہاں سے تھکا ہارا آیا ہے۔ سو رہا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "ٹھیک ہے .... اُسے سونے دیں لیکن جیسے ہی جاگے تو
میری اس سے بات کرا دیں اور سنیں! میرے بیٹے کا خیال رکھئے گا۔ میں ایک دو دن سے
زیادہ اسے آپ کے پاس رہنے نہیں دوں گی۔"

"یہ تو کمال پر ہے کہ وہ تمہاری بات مانے گا۔ یا اپنی من مانی کرے گا۔ فی الحال میں فون
بند کر رہا ہوں۔ وہ جیسے ہی جاگے گا تو تم سے رابطہ کرے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر بیٹے سے کہا۔ "نازلی سے تمہاری ملاقات
ہوئی ہے؟"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ "جی ہاں' آپ کی ہوم منسٹر کی اجازت کے بعد ہی
میں لاؤنج میں آیا ہوں۔"

ایسے ہی وقت نازلی وہاں آئی تو جمال نے اس سے پوچھا۔ "بھئی! تم نے میرے بیٹے
کی کچھ خاطر تواضع کی ہے؟"

نازلی نے ذرا ناگواری سے کمال کو دیکھا۔ پھر مسکرا کر جمال سے کہا۔ "انہوں نے
خاطرداری کا موقع ہی نہیں دیا۔ کہتے ہیں یہ ان کا اپنا گھر ہے جس چیز کی ضرورت ہو گی یہ

خود ہی لے لیں گے۔"

جمال نے مسکرا کر کمال کو دیکھا پھر کہا۔ "ہاں .... یہ تو اس نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ بھی اس کا اپنا ہی گھر ہے۔"

کمال نے معنی خیز نظروں سے نازلی کو دیکھا پھر جمال سے کہا۔ "ویسے ڈیڈ! اپنے گھر کی ہر چیز پر حق ہوتا ہے۔"

وہ بولا۔ "بالکل .... تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو بنا پوچھے لے لینا۔ کوئی تمہارا ہاتھ نہیں روکے گا۔ یہاں آزادی سے جتنے دن چاہے رہو۔ کھاؤ، پیئو عیش کرو لیکن اپنے فیصلے پر قائم رہنا۔ تمہیں میرا رائٹ ہینڈ بننا ہے اور اپنی ممی کو سرپرائز دینا ہے۔"

"ڈیڈ! بے فکر رہیں۔ میری یادداشت بہت اچھی ہے۔ میں اپنے آپ سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں بھولوں گا۔"

نازلی یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی کہ کمال چند روز اس گھر میں رہے گا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ بیٹا باپ سے ملنے آیا ہے ملاقات کرے گا اور چلا جائے گا۔

جمال نے اس سے کہا۔ "نازلی! اس کے لئے کمرہ سیٹ کروا دو۔"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ پھر جمال نے بیٹے سے کہا۔ "او کے ینگ بوائے! میں ذرا فریش ہونے جا رہا ہوں۔ تم انجوائے کرو۔ رات کے کھانے پر ملاقات ہو گی۔"

وہ یہ کہہ کر وہاں سے جانے لگا۔ کمال اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ "بڑے بھولے ہو ڈیڈ! سانپ کو دودھ پلا رہے ہو۔ تم نے میری ماں کے نام کی راتیں اس چھوکری کے نام کر دیں۔ ممی تو اس ناانصافی پر خاموش رہیں مگر میں چپ نہیں رہوں گا۔ جائیداد کے معاملے میں آپ نے مجھ سے جو ناانصافی کی ہے میں اسے ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔"

پھر وہ نازلی کے میں بارے میں سوچنے لگا۔ "اصل رقم کے ساتھ سود بھی وصول ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

یہ سوچ کر وہ بڑی خباثت سے مسکرایا۔ کچھ انسان ایسے ہی درندہ صفت ہوتے ہیں۔ ہوس کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر رشتوں کے تقدس کو بھول جاتے ہیں۔ نازلی عمر میں اس سے چھوٹی تھی مگر رشتے میں تو بڑی تھی۔ سوتیلی ہی سہی لیکن اس کی ماں تھی اور وہ اس مقدس رشتے کی دھجیاں بکھیر دینا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

امید پر دنیا قائم ہے۔ سلمان پی سی او کی طرف جا رہا تھا۔ اسے امید تھی کہ شاید اس بار صدف سے رابطہ ہو جائے۔ بعض اوقات انہونی ہونی ہو جاتی ہے لیکن کبھی کبھی ہونے والی بات انہونی بن جاتی ہے۔

اس وقت جبران صدف کے کمرے میں تھا۔ اسے امتحان کی تیاری کروا رہا تھا۔ تقدیر کا کھیل اسی کو کہتے ہیں۔ وہاں امتحان کی تیاری ہو رہی تھی لیکن اصل میں مقدر سلمان اور صدف کے درمیان حائل ہونے والے فاصلوں کو مزید بڑھانے کی تیاری کر رہا تھا۔

سلمان نے ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کئے پھر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ بیل جا رہی تھی۔ دوسری طرف جبران نے گھنٹی کی آواز پر ٹیلی فون کو دیکھا۔ صدف بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے کورس کی کتابیں کھلی ہوئی تھیں۔

وہ اتر کر ریسیور اٹھانا چاہتی تھی مگر جبران نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "آرام سے بیٹھی رہو، میں فون اٹینڈ کرتا ہوں۔ کوئی اہم کال ہو گی تو ریسیور تمہیں دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور اٹھایا پھر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو........."

سلمان مردانہ آواز سن کر چونک گیا۔ دوسری طرف جبران ہیلو .... ہیلو کر رہا تھا اور دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر الجھ رہا تھا۔

صدف کی چھٹی حس نے الارم بجایا، وہ فوراً ہی بیڈ سے اتر کر ریسیور لینے کے لئے جبران کے قریب آئی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "لائیں .... مجھے دیں۔"

"کیا کرو گی؟ دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔"

یہ جاننے کے باوجود کہ رابطہ ختم ہو چکا ہے وہ اس سے ریسیور لے کر کان سے لگا کر سننے لگی۔ انگیج ٹون سنائی دے رہی تھی۔

اس کے دل نے دھڑک کر کہا۔ یہ ضرور سلمان ہو گا۔ اس نے مردانہ آواز سن کر فون بند کر دیا ہے۔ عین ممکن ہے دوبارہ کرے۔

یہ خیال آتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف سلمان بھی ریسیور رکھ رہا تھا لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔ پھر جیب سے نازلی کا کارڈ نکال کر اس کے گھر کے نمبر پنچ کرنے لگا۔

نازلی جمال اور کمال ڈائننگ ٹیبل کے اطراف بیٹھے رات کے کھانے میں مصروف تھے۔ ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ نازلی اپنی کرسی سے اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس

آئی۔

پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے بولی۔ "ہیلو؟"

دوسری طرف سے سلمان نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو نازلی! کیسی ہو؟"

وہ اس کی آواز سنتے ہی ایک دم سے کِھل گئی۔ چہک کر بولی۔ "سلمان تم .... مجھے اس وقت فون کر رہے ہو۔ یقین نہیں آ رہا ہے۔"

کھانا کھاتے ہوئے کمال کی پوری توجہ نازلی کی طرف تھی۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے ذرا دور ریسیور کان سے لگائے کسی سلمان نامی شخص سے باتیں کر رہی تھی۔

اس کے لہک لہک کر بات کرنے کا انداز کمال کو سمجھا رہا تھا کہ فون کرنے والا جو کوئی بھی ہے نازلی سے بہت فری ہے بلکہ کلوز ہے۔ جمال نے چور نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ اس کے کھانے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس کا دھیان کھانے میں نہیں بلکہ نازلی کی طرف ہے۔

وہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "کھانا کھانے کے بعد جلدی سو جانا۔ صبح آفس جانا ہے۔"

اس نے باپ کی طرف دیکھا پھر مختصر سا جواب دیا۔ "جی بہتر۔"

وہ نازلی کی باتوں کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لئے لمبی چوڑی بات سے کترا رہا تھا۔ دوسری طرف نازلی نے بہت ہی دھیمی آواز میں فون پر کہا۔ "جس روز تم نے میرا دیا ہوا پھول قبول کیا تھا میں نے اسی دن اندازہ لگا لیا تھا کہ تم دھیرے دھیرے مجھے بھی قبول کر لو گے۔"

نازلی کی آواز دھیمی تھی۔ کبھی الفاظ سمجھ میں آ رہے تھے اور کبھی نہیں آ رہے تھے۔ کمال اپنی پلیٹ کے سالن کو نوالے سے اِدھر اُدھر کر رہا تھا نوالہ بنا ہوا تھا۔ مگر اُسے منہ میں ڈال کر چبانے سے کترا رہا تھا۔ اگر ایسا کرتا تو نازلی کی دھیمی آواز اُسے مزید مدھم سنائی دیتی۔

جمال کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں رات کا کھانا شام کو ہی کھا لیا کرتا ہوں۔ یہ وقت تو میرے کافی پینے کا ہے لیکن آج تمہارے آنے سے میرا شیڈول چینج ہو گیا ہے۔"

کمال نے مسکرا کر ایک نظر نازلی پر ڈالی پھر باپ سے کہا۔ "چینج نہیں ....

ڈسٹرب ہو گیا ہے۔"

وہ بولا۔ "کبھی کبھی ایسی ڈسٹربنس اچھی لگتی ہے۔ یہ بتاؤ کھانے کے بعد کافی پیو گے؟"

وہ اپنا نوالہ پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈ! اتنی بور لائف گزارتے ہوئے آپ کو کوفت نہیں ہوتی؟ کھانے پر ابھی تین افراد تھے۔ ان میں سے بھی ایک اٹھ کر چلا گیا۔ اب ہم دو ہی رہ گئے ہیں اور اگر میں بھی نہ ہوتا تو آپ اس وقت اکیلے کھانا کھا رہے ہوتے۔ میری ممی تو کھانے کے دوران میں کسی کا فون اٹینڈ نہیں کرتیں۔"

باپ نے مسکرا کر کہا۔ "کچھ کالز اہم ہوتی ہیں انہیں ریسیو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

نازلی بڑی اپنائیت سے فون پر باتیں کر رہی تھی۔ کمال نے اسے دیکھ کر باپ سے کہا۔ "ایک کو ریسیو کرنے سے دوسرا ضرور مس ہو جاتا ہے اور اس وقت یہاں کچھ ایسی ہی صورت حال نظر آ رہی ہے۔"

جمال بیٹے کی توجہ نازلی کی طرف سے ہٹانے کے لئے بزنس کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ سلمان نے فون پر کہا۔ "نازلی! کیا مجھ سے مل سکتی ہو؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"تو پھر بتاؤ میں کب تمہارے گھر آؤں؟"

وہ ذرا سوچ میں پڑ گئی۔ گھر میں کمال آیا ہوا تھا۔ وہ اس کی موجودگی میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتی تھی۔ فون پر بولی۔ "اگر گھر میں ملنا چاہتے ہو تو سنڈے کے علاوہ کسی بھی دن آ سکتے ہو لیکن صبح گیارہ سے دوپہر ایک بجے کے درمیان۔"

اس نے احتیاطاً ایسا وقت بتایا تھا۔ کیونکہ کمال کل سے باپ کے ساتھ آفس جانے والا تھا۔ اگر وہ وہاں سے واپس بھی آتا تو کم از کم آدھے دن کے بعد ہی آ سکتا تھا۔

سلمان نے کہا۔ "ٹھیک ہے .... میں پرسوں کالج کی چھٹی کروں گا اور تمہارے گھر چلا آؤں گا۔"

وہ خوشی سے کھل کر بولی۔ "میں بے چینی سے انتظار کروں گی لیکن وقت یاد رکھنا۔"

جمال نے بیٹے کو باتوں میں الجھا رکھا تھا مگر کچھ لوگ بہت کائیاں ہوتے ہیں۔ بات کسی سے کرتے ہیں اور دھیان کسی اور کی طرف رکھتے ہیں۔ اس نے جو سنا' سمجھا اسی کے مطابق سوچا۔ "نازلی دن کے گیارہ بجے سے ایک بجے کے دوران اس شخص سے ملنے

والی ہے لیکن کس دن؟"

پھر اس نے الجھ کر سوچا۔ "ڈیڈی بھی خوب ہیں۔ پوری بات سننے ہی نہیں دی۔ ضرور کوئی چکر ہے' معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے مجھے اپنے طور پر کھوج لگانی ہوگی۔"

اس کے اندر تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ اس بے چینی کے باعث اس نے رات ہی اپنی ماں سے رابطہ کیا۔ وہ بیٹے کی باتیں سننے کے بعد بولی۔ "اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چھوکری تمہارے ڈیڈی کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ ان سے شادی کرنے کے بعد بھی اپنے آشناؤں سے تعلقات رکھتی ہے۔ میں بھی تو کہوں کہ وہ تمہارے باپ جیسے بوڑھے شخص کے ساتھ خوش کیسے ہے؟ اصل بات اب سمجھ میں آ رہی ہے۔"

وہ بولا۔ "یہی بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ آپ کیا کہتی ہیں' میں کھوج لگاؤں؟"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بیٹا ہونے کا حق ادا کرو۔ ورنہ وہ تمہارے باپ کی ساری جائیداد اپنے آشناؤں کے ساتھ ہڑپ کر جائے گی۔ وہاں رہ کر میٹھی چھری بنے رہو۔ اندر کی باتیں معلوم کرتے رہو اور ایسے ٹھوس ثبوت حاصل کرو جنہیں ہم دنیا والوں کے سامنے لائیں تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔"

وہ بڑی خباثت سے مسکرا کر بولا۔ "ارے ممی! آپ فکر نہ کریں۔ ٹھوس ثبوت نہ بھی ملے تو آپ کا یہ بیٹا اپنا ہنر آزمائے گا۔ میں نازلی کی ایسی تصاویر تیار کروں گا جن کو دیکھتے ہی ڈیڈ اُسے فوراً طلاق دے دیں گے۔"

ماں نے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم پہلے اصل کام کرنے کی کوشش کرو۔ اگر ناکامی ہوگی تو پھر یہی راستہ اختیار کیا جائے گا۔"

وہ سگریٹ کا ایک کش لے کر دھویں کو فضا میں چھوڑتے ہوئے بولا۔ "ویری انٹرسٹنگ گیم .... ویسے ممی! ہماری عقل میں پہلے یہ بات کیوں نہیں آئی؟ ہم یہ کام کر کے اسے بہت پہلے ہی ڈیڈ کی زندگی سے نکال سکتے تھے اور جائیداد کا جھگڑا بھی پیدا نہ ہوتا۔"

ماں نے مسکرا کر کہا۔ "دیر آید درست آید۔ ویسے تمہیں تو بہت مزہ آ رہا ہو گا؟ یوں بھی تم تو تھرلنگ اور سسپنس لائف گزارنے کے شوقین ہو۔"

وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ ماں نے کہا۔ "بس تم اب اسی نئی پلاننگ پر عمل کرو اور مجھے پل پل کی خبر دیتے رہو لیکن یاد رکھو۔ گیارہ بجے سے دوپہر ایک بجے تک کا وقت بہت اہم ہے۔"

وہ سلگتی ہوئی سگریٹ کو ایش ٹرے میں رگڑ کر بجھاتے ہوئے بولا۔ "فکر نہ کریں ممی! آپ میری یادداشت سے خوب واقف ہیں۔"

"بس تو پھر کل سے اپنی جاسوسی کی شروعات کر دو۔" وہ اپنی پلاننگ کے مطابق دوسری صبح باپ کے ساتھ آفس تو گیا تھا لیکن دو گھنٹے کے بعد ہی واپس آ گیا۔ نازلی کو اس کے دیکھنے کا انداز اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ اس کی یوں اچانک واپسی پر جھنجلا سی گئی۔

سارا دن اس کی نظروں کا سامنا کرنے کا سوچ کر ہی الجھن سی ہونے لگی تھی۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ٹی وی کے مختلف چینل پر ادھر سے اُدھر بھٹک رہی تھی۔

ایسے وقت کمال اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر سلگائی اور اس کا ایک کش لے کر دھویں کو فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"پریشان ہو؟"

اس نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر اُسے دیکھا پھر پوچھا۔ "کون میں؟ .... نہیں تو .... تمہیں ایسا کیوں لگا کہ میں پریشان ہوں۔"

اس نے سگریٹ کا ایک اور کش لیا۔ پھر منہ سے دھواں خارج کرتے ہوئے کندھے اچکا کر کہا۔ "یوں ہی کسی ایک چینل پر ٹک جو نہیں رہی ہو۔ انسان جب پریشان ہوتا ہے تو کسی ایک مرکز پر نہیں ٹھہرتا۔"

وہ مسکرا کر دوبارہ ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھ کر بولی۔ "انسانی نفسیات کی اچھی ریڈنگ کر لیتے ہو۔"

اس نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "میں صرف انسانی نفسیات ہی نہیں چہرے پڑھنا بھی خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ بائی دا وے تمہارے پاس اسٹل کیمرہ ہو گا؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں .... کیا تمہیں چاہئے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔ "کسی ملازم سے کہو اس میں ریل ڈلوا کر لے آئے۔"

"ریل تو اس میں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ تو پھر لے آؤ۔ میں کچھ تمہارے کچھ فوٹو لینا چاہتا ہوں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "میرے فوٹو .... وہ کس لئے؟"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑے ہی میٹھے لہجے میں بولا۔ "خوبصورتی کو

کیمرے کی آنکھ سے دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

نازلی کو اس کا لہجہ عجیب سا لگا۔ اس کے دیکھنے کا انداز بھی ایسا تھا جیسے نظروں سے تول رہا ہو۔ وہ جب سے آیا تھا تب سے اس کی چبھتی ہوئی نگاہیں نازلی کو پریشان کر رہی تھیں۔ اسی لئے وہ اس کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارتی تھی۔

اس وقت بھی کھانے کے بعد چائے پینے کے لئے جبراً اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔ "میں تصویریں اتروانے سے انکار نہیں کروں گی۔ تم خوبصورتی کو قید کرنا چاہتے ہو۔ اچھی بات ہے لیکن میرا حُسن تو تب مکمل ہوتا ہے جب میرے شوہر میرے ساتھ ہوتے ہیں۔"

کمال نے طنزیہ نظروں سے اُسے دیکھا پھر کہا۔ "حُسن تو تعریف سے مکمل ہوتا ہے اور ایسی تکمیل تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ شوہر والی شرط ضروری تو نہیں ہے۔"

وہ صوفے پر سے اٹھ کر بولی۔ "کسی کے لئے ضروری ہو یا نہ ہو لیکن میرے لئے ہے۔ میں ملازم کے ہاتھ کیمرہ بھجوا رہی ہوں۔ تم اس کے فنکشن دیکھ لو۔ تصویریں رات کو جمال کے آنے کے بعد اتاری جائیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔ کمال اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ "ویل ڈن مائی اسٹیپ مدر! تم نے تو میری مشکل ذرا اور حل کر دی ہے۔ تصویریں اترواتے وقت تمہاری بغل میں ڈیڈ ہوں گے۔ مگر.........."

اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جا چکی تھی۔ مگر اس کی نظریں اب تک دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

وہ تینوں رات کے کھانے سے فارغ ہو گئے تھے کافی پینے کے دوران میں کمال نے باپ سے کہا کہ وہ ان دونوں کی تصویریں اتارنا چاہتا ہے۔

تو جمال نے کہا۔ "نہیں .... آج نہیں۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ تصویروں کا پرگرام سنڈے کو رکھ لو۔"

کمال کو بے چینی تھی۔ وہ جلد از جلد اس کام سے فارغ ہو کر نازلی کو اپنے باپ کی زندگی سے فارغ کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے کہا۔ "او ڈیڈ! تصویریں اتروانے کا بھلا تھکن سے کیا تعلق؟ آپ کو میں ماڈل گرل سمجھ کر زیادہ محنت نہیں کرواؤں گا۔ بس صوفے پر بیٹھ کر اور کہیں کھڑے ہو کر چند پوز ہی تو دینے ہیں۔"

"بھئی آج تم نازلی کی تصویریں اتار لو۔ میری پھر کبھی سہی۔"

نازلی بڑے اطمینان سے کافی پی رہی تھی۔ جمال کی بات پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ کمال نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر مسکرا کر باپ سے کہا۔ "اگر یہ تنہا فوٹو کھنچوانا پسند کرتیں تو میں دن میں ہی ان کی تصویریں لے چکا ہوتا۔"

جمال نے نازلی کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "تصویریں اتریں گی تو ہم دونوں کی .... میں تنہا تصویر نہیں اترواؤں گی۔"

وہ جانتی تھی کہ جمال تصویریں اتروانے کے معاملے میں ہمیشہ ہی بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ فوٹو سیشن کرانے کی شرط کا مقصد یہی تھا کہ وہ انکار کرے گا تو تصویروں کا معاملہ ٹل جائے گا۔ نہ جانے کیوں اسے کمال کی نگاہوں سے وحشت ہوتی تھی۔ کیمرے کی آنکھ سے وہ اس کا بغور جائزہ لے گا۔ یہ سوچ کر ہی اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔

جمال نے اس کی توقع کے خلاف کہا۔ "اچھا بھئی لاؤ اپنا کیمرہ .... اور اتارو تصویریں۔"

نازلی نے چونک کر شوہر کو دیکھا۔ کمال فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کیمرہ لانے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نازلی نے اس کے جانے کے بعد جمال سے کہا۔ "آپ نے ہاں کیوں بھری؟"

"کیا مطلب؟ تم ہی تو چاہتی ہو کہ میری اور تمہاری تصویریں ایک ساتھ اتریں۔ تمہاری خواہش کو دیکھتے ہوئے ہی میں نے ہامی بھری ہے۔"

"میں نہیں چاہتی تھی۔ اسی لئے تو یہ شرط رکھی تھی کہ تصویریں اترواؤں گی تو صرف آپ کے ساتھ .... میں جانتی تھی کہ آپ ہامی نہیں بھریں گے مگر.........."

اس نے الجھی ہوئی نظروں سے نازلی کو دیکھا پھر پوچھا۔ "بات کیا ہے؟ تم اور تصویروں سے کترا رہی ہو؟ یہ تو تمہارا شوق ہے۔"

"میں تصویروں سے نہیں .... کمال سے کترا رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

وہ الجھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی پھر بولی۔ "اب میں کیا بتاؤں؟ وہ آپ کا بیٹا ہے اس لئے میں بھی اسے اپنا بیٹا ہی سمجھتی ہوں لیکن .... وہ مجھے شاید اپنی ماں نہیں سمجھتا۔"

وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ کمال اسے کیسی کیسی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کی

نگاہوں‘ اس کے لہجے اور اس کے ہرانداز سے آوارگی ٹپکتی ہے۔

اس کا یوں اسے سر سے پاؤں تک گھورنا بہت ہی بُرا لگتا ہے لیکن وہ ایک باپ
یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کا بیٹا اس کی بیوی کو یعنی سوتیلی ماں کو غلط نظروں سے دیکھتا
ہے۔

جمال نے مسکرا کر کہا۔ "وہ کیا کرے؟ تم اس کی ماں لگتی ہی نہیں ہو۔ عمر میں اس
سے بھی چھوٹی ہو۔"

"عمر میں نہ سہی‘ رشتے میں تو بڑی ہوں۔ سوتیلی ہی سہی لیکن اس کی ماں ہوں۔"

وہ اس سے آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کمال کو وہاں آتے دیکھ کر چپ ہو گئی
اس سے پہلے وہ دیوار کے پیچھے کھڑا ان دونوں کی گفتگو سنتا رہا تھا۔

وہاں آتے ہی بولا۔ "میں اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہوں
کیوں کہ ان میں سے کسی کے پاس بھی ایسی کم عمر جوان اور حسین ممی نہیں ہے۔"

بیٹے کی بات سن کر جمال نے نازلی کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ تم نے غلط اندازہ
لگایا ہے۔ یہ تمہیں اپنی ماں ہی سمجھتا ہے۔

فوٹو سیشن شروع ہوا۔ کمال نے مختلف زاویوں سے ان کی تصویریں اتاریں۔
معنی خیز انداز میں کہا۔ "ہو گیا میرا کام۔"

وقت کے ساتھ ساتھ سوچ کے انداز بھی بدل جاتے ہیں۔ کمال کا کام ہو گیا تھا
اب دیکھنا یہ تھا کہ جمال بیٹے کے لائے ہوئے تصویری ثبوت پر یقین کرلے گا یا اپنی
پر۔

ہو سکتا ہے نازلی کے بُرے دن آنے والے ہوں کمال کی بنائی ہوئی تصویروں کو ج
نہ بھی مانتا تو وہ ماں بیٹا ان تصاویر کو اشتہار کی صورت میں دنیا والوں کے سامنے لانے
والے تھے۔

☆======☆======☆

نازلی نے تقریباً پندرہویں بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ جمال کی پسند سے آج
کے لئے اس نے ہلکے پیازی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بدن کا ایک ایک خم دا
رہا تھا۔

فاسٹ ڈرائیونگ کرنے والوں کو ذرا سنبھلنے اور ان کی گاڑی کی رفتار ذرا کم کرنے
کے لئے۔ سڑکوں پر جگہ جگہ اسپیڈ بریکر بنائے جاتے ہیں۔

بالکل اسی طرح سے اس کے بدن کے نشیب و فراز ہڑبڑا کر دیکھنے والوں کو جگہ جگہ
رکنے اور سنبھلنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

اس نے دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا۔ دن کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ کمال
اپنے باپ کے ساتھ دفتر گیا ہوا تھا۔ اس کے واپس آنے کی امید تھی لیکن نازلی کو کوئی فکر
نہیں تھی۔

شوہر کی اجازت کے بعد وہ کمال کے سامنے تو کیا بلکہ پوری دنیا کے سامنے سلمان
سے مل سکتی تھی۔ مزید آدھا گھنٹہ انتظار کے تکلیف دہ مراحل سے گزر گیا تو ملازم نے آ
کر کہا۔ "بی بی جی! سلمان صاحب آئے ہیں۔ نیچے ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے
ہیں۔"

انتظار ختم ہو گیا تھا‘ وہ آ گیا تھا۔ یہ سنتے ہی اس کے بدن میں گدگدی کی ایک لہر سی
دوڑ گئی۔ اس نے ملازم سے کہا۔ "ٹھیک ہے .... میں ابھی آتی ہوں۔"

ملازم چلا گیا۔ وہ فوراً ہی آئینے کے سامنے آ گئی۔ سر کی پن سے لے کر پاؤں کی
انگلی تک ہر چیز اپنی جگہ سیٹ تھی۔ پھر بھی وہ آئینہ دیکھ کر مطمئن ہو کر اس کے روبرو جانا
چاہتی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو سلمان اسے دیکھ کر فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے بیٹھنے کا
اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "میرے استقبال کے لئے تمہارا کھڑا ہونا ضروری تو نہیں تھا۔ ایسا
کرتے ہو تو مجھے عجیب سا لگتا ہے یوں سمجھو بُرا لگتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "حالانکہ یہ بُرا ماننے والی بات نہیں ہے۔"

وہ اسے میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارے لئے نہیں ہو گی۔ خیر چھوڑو
اس بات کو......... یہ بتاؤ‘ کیا پیو گے‘ ٹھنڈا یا گرم؟"

"کچھ پینے پلانے سے پہلے یہ بتاؤ‘ تم اپنی زندگی کا راز کب کھولو گی؟"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "کون سا راز؟"

وہ بولا۔ "تم نے پچھلی ملاقات میں مجھ سے ایک سوال کیا تھا کہ اگر تم مسز جمال نہیں
ہو گئیں تو کیا میں تمہاری زندگی میں آ سکتا ہوں؟ تب میں نے حیران ہو کر پوچھا تھا کہ یہ تم
کیا کہہ رہی ہو؟ تو تم نے کہا تھا تم اپنی زندگی کا یہ راز ابھی نہیں کھولو گی۔"

وہ مسکرا کر سن رہی تھی پھر بولی۔ "ہاں .... مجھے یاد ہے لیکن میں نے اپنی زندگی
میں آنے کی ایک شرط بھی رکھی تھی کہ اس سے پہلے تمہیں میری طرف مائل ہونا ہو

گا۔ مجھ سے محبت کرنی ہوگی۔ میرا راز تمہیں تجسس میں مبتلا کر رہا ہے اور آج دیکھو
بن بلائے یہاں چلے آئے ہو۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے مگر اصل خوشی تو تب ملے گی جب
دل سے مائل ہو کر میرے پاس آؤ گے۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔ اپنا محاسبہ کرنے لگا۔ "کیا میں صرف
تجسس میں مبتلا ہو کر یہاں آیا ہوں۔ کیا نازلی کی باتوں نے اس کی شخصیت نے اس کی
محبت نے مجھے متاثر نہیں کیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ اپنی اپنی سی کیوں لگنے لگی
ہے؟ محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ بن بلائے مہمان کی طرح دل میں گھسی چلی آتی ہے اور
اس کی طرف سے ملنے والی محبت میں صرف چاہت ہی نہیں ممتا بھی ہے۔ جو اپنائیت اور
سچی خوشیاں دیتی ہے۔"

وہ پہلو بدل کر سوچنے لگا۔ نازلی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سلمان کے
دل نے پوچھا۔ ایسی باتوں کو سوچنے کا مطلب کیا ہے' کیا میں اس کی طرف مائل ہونے
ہوں؟

یہ خیال آتے ہی اس نے ایک بار پھر پہلو بدلا۔ نازلی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کس
سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟"

"تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ خوشی سے کھِل گئی۔ پُر تجسس
کر بولی۔ "اچھا .... میں بھی سنوں کیا سوچ رہے تھے؟"

"سچ پوچھو تو اپنا محاسبہ کر رہا تھا۔ یہاں آنے کی وجہ صرف تجسس نہیں کچھ اور
ہے۔ جسے میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

وہ فوراً ہی بولی۔ "جھوٹ مت بولو۔ تمہارے چہرے اور لہجے سے صاف ظاہر ہو
ہے کہ تم اس وجہ کو سمجھنے کے باوجود انجان بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ تمہارے اندر
کی ہمت نہیں ہے تو میں کہہ دیتی ہوں۔ تمہیں تجسس کے علاوہ میری کشش نے
آنے پر مجبور کیا ہے۔ تم میری طرف مائل ہو رہے ہو۔ میری محبت تمہارے دل میں
رہی ہے۔ مگر تم اپنے آپ سے اپنے دل سے نظریں چرا رہے ہو۔"

وہ یہ حقیقت سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ
کے ایسے رویے پر ناراض ہونے کے بجائے خوش ہو رہی تھی۔ حقیقت سامنے آ
انسان اسی طرح سے نظر چراتا ہے۔

نازلی نے پہلی بار اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کیا۔ "سلمان!"
اس نے چونک کر اسے دیکھا' وہ بولی۔ "تم اپنا دل سب سے تو چھپا سکتے ہو لیکن مجھ
سے نہیں۔"

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے شانے پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا گیا ہے اور اس کی
میٹھی میٹھی آنچ اس کے پورے وجود کو سلگا رہی ہے۔

نازلی نے ذرا دباؤ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "بولو .... میں نے جو کہا ہے کیا غلط کہا
ہے؟"

وہ سحرزدہ سا ہو کر انکار میں سر ہلانے لگا۔ نازلی نے ایک دم خوش ہو کر اس کے ہاتھ
اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ ڈرائنگ روم کے ماحول میں دھیمی دھیمی گھنٹیاں سی
بجنے لگیں۔

سلمان کو یہ سب خواب سا لگ رہا تھا۔ وہ پہلی بار ایسے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ لوہا
ت سے پگھلا اور محبت کی چوٹ سے اپنے من پسند خاکے میں ڈھلتا چلا گیا۔

نازلی خوش تھی کہ وہ اسے اپنی طرف مائل کرنے میں جلد ہی کامیاب ہو گئی ہے اور
نہ ہوتی؟ وہ پیڑ سے گرا ہوا بیج تھا۔ زرخیز زمین ملتے ہی پھلنے پھولنے لگا۔ کوٹھی کا مین
گیٹ کھلا۔ جمال کی گاڑی احاطے میں آ کر رکی لیکن اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اترنے
والا جمال نہیں' کمال تھا۔ اس وقت آنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اسے اس بات کی جستجو
تھی کہ آفس ٹائمنگ کے دوران میں کوئی تو ہے جو نازلی سے ملنے آتا ہے۔

اور آج دوسری بات یہ تھی کہ اُسے وہ کیمرہ اپنے ایک فوٹوگرافر دوست کے پاس
لے کر جانا تھا جس میں نازلی اور جمال کی تصویریں تھیں۔

وہ کوریڈور سے گزرتے ہوئے ذرا ٹھٹک گیا۔ ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز سنائی
دے رہی تھی۔ وہ کان لگا کر سننے لگا لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

ایسے وقت اسے ڈرائنگ روم کی ان بڑی بڑی کھڑکیوں کا خیال آیا جو کوٹھی کے
نیچے بنے ہوئے چھوٹے سے لان کی طرف کھلتی تھیں۔

وہ بنا آہٹ کے تیز تیز چلتا ہوا کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا کچن میں آیا۔
کچن کے پچھلے دروازے سے نکل کر لان میں آ گیا۔ وہاں بائیں طرف کی دیوار کے
سرے پر ڈرائنگ روم کی دو کھڑکیاں تھیں۔

وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا وہاں آیا۔ نازلی کو کسی کا ڈر نہیں تھا۔ وہ اپنی

خواہشات کو دینی اصولوں کے مطابق پورا کرنے کے راستے ہموار کر رہی تھی۔

یہ اطمینان تھا کہ ایسے نیک عمل سے خدا اور مجازی خدا دونوں ہی خوش ہیں۔ اس کی سوچ درست تھی لیکن دنیا والے اندر کی باتیں نہیں جانتے۔ وہ جو دیکھتے ہیں اسی کو حقیقت مانتے ہیں۔

اس وقت دنیا والوں کی آنکھ سے دیکھا جاتا تو وہ مسز جمال تھی۔ شوہر کو آفس بھیجنے کے بعد اپنے عاشق کے ساتھ ایک کمرے میں ایک ہی صوفے پر بیٹھی تھی۔ پھر بھی یہ کوئی معیوب بات نہیں تھی لیکن دنیا والے تو کسی کو بدنام کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

اور یہاں تو سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ وہ اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی ہوئی تھی۔

کمال نے کھڑکی کی سائیڈ سے جھانک کر دیکھا تو ڈرائنگ روم کا اندرونی منظر دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ اپنے مقصد میں اتنی جلدی اور ٹھوس ثبوت کے ساتھ کامیاب ہو جائے گا۔

وہ فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر ان ہی راستوں سے گزر کر اپنے کمرے میں پہنچا۔ پھر الماری سے کیمرہ نکال کر دوبارہ ان کھڑکیوں کے پاس آگیا۔ یہ ساری کارروائی اس نے بڑی پھرتی سے کی تھی۔

ڈرائنگ روم میں دن کی اور ٹیوب لائٹ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے میں فلش لائٹ استعمال کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس نے کیمرے کو کھڑکی کی منڈیر پر رکھ دیا۔ پھر ان دونوں کا فوکس لینے لگا۔

وہ ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن ایک دوسرے سے ذرا دور دور تھے۔ کمال تھوڑی دیر تک ان کا فوکس لینے کی کوشش کرتا رہا پھر اس کے شیطانی ذہن میں ایک کوندا۔ اس نے پہلے نازلی کا فوکس لیا۔ تصویر اتاری پھر سلمان کا فوکس لے کر ایک تصویر اتاری۔

ادھر سلمان نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے نازلی سے کہا۔ "تم شادی کی بات کر رہی ہو لیکن میرے لئے یہ ابھی ممکن نہیں ہے۔"

نازلی کو ایک بار کچھ کھٹک سی محسوس ہوئی تو اس نے نظرانداز کر دیا لیکن دوسری آہٹ پر وہ چونک گئی۔ محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

سلمان نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "

میں ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ڈرائنگ روم کا بیرونی دروازہ اور لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی بند تھی۔ وہ بے آواز قدموں چلتی ہوئی پائیں باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں کی طرف آئی۔ کسی حد تک اندازہ تھا کہ کھٹکے کی آواز اسی سمت سے آئی تھی۔

وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر کھڑکیوں کو بند کر کے ... کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ ان کھڑکیوں کی طرف سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "پتہ نہیں .... شاید میرا وہم تھا۔ خیر چھوڑو .... ہاں تم کیا کہہ رہے تھے؟ شادی ابھی ممکن نہیں ہے۔ کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "ہاں .... بہت ہی عام سی وجہ ہے۔ مجھ سے بڑے دو بھائی ہیں اور ایک بہن ہے۔ ان کی شادی کے بعد ہی میرا نمبر آئے گا اور پھر میں ابھی پڑھ ہی رہا ہوں۔ کسی قابل نہیں ہوا ہوں۔ ایسے میں شادی کیسے ممکن ہے؟"

"تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ میرا اپنا بزنس ہے۔ گھر ہے جائیداد ہے۔ شادی کے بعد کمائی کی نہیں، صرف پڑھائی کی فکر ہو گی۔ کیونکہ میں تمہیں اپنی ذات میں الجھا کر تمہاری تعلیم ادھوری رکھنا نہیں چاہوں گی۔ تم شادی کے بعد بھی پڑھو گے۔ ہاں تمہارے بہن کا مسئلہ اہم ہے۔"

"صرف یہی نہیں .... ایک مسئلہ اور بھی ہے۔"

نازلی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "پتہ نہیں میرے گھر والے تمہیں قبول کریں گے بھی یا نہیں؟"

وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "مجھے کسی کی نہیں صرف تمہاری قبولیت چاہئے۔ میں یہ مانتی ہوں کہ میں عمر میں تم سے بڑی ہوں۔ شادی شدہ بھی ہوں۔ ان ہی باتوں کو تمہارے والدین مسئلہ بنائیں گے۔"

وہ تائید میں سر ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "لیکن تم شادی کے وقت مسز جمال نہیں رہو گی۔ میرے گھر والوں کو یہ بتانا ضروری تو نہیں ہے کہ تم ازدواجی زندگی گزار چکی ہو؟"

"تمہارے والدین اپنے طور پر معلومات حاصل کریں گے تو انہیں ساری حقیقت کا علم ہو گا۔"

"میں والدین کو سمجھتا ہوں۔ انہیں جو سمجھاؤں گا وہ وہی سمجھیں گے۔ چٹ منگنی

پٹ بیاہ والا معاملہ ہو گا تو انہیں بھی معلومات حاصل کرنے کا وقت نہیں ملے گا۔ پھر شا
کے بعد کچھ کریں گے تو تیر کمان سے نکل ہی چکا ہو گا۔"

وہ ذرا سوچنے کے بعد بولی۔ "لیکن میں اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتی۔"

"یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے بھی نعمان بھائی کا رشتہ تو ڈھونڈا جا رہا ہے۔ اس سا
کے آخر یا اگلے سال کی ابتدا میں ان کا معاملہ نمٹ جائے گا۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر اس سے ذرا دور گئی۔ وہ سلمان سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں
سکتی تھی۔ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ شادی میں جتنی دیر ہو گی وہ اتنی ہی تیزی سے پاگل
کی طرف بڑھتی چلی جائے گی اور ہسٹریا کا مرض اس کی ذہنی صلاحیتوں کو چاٹ جائے گا۔
فوری طور پر اس کی سمجھ میں کوئی حل نہیں آیا۔ سلمان نے بھی اپنی جگہ سے ا
ہوئے کہا۔ "شاید آید درست آید .... اس دوران میں ہم ایک دوسرے کو بہت ا
طرح سمجھ لیں گے۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ پھر کسی دن ملاقات ہو گی لیکن وعدہ کرو ا
دن اپنی زندگی کا ہر راز میرے سامنے کھول کر رکھ دو گی اور میں بھی تم سے کچھ ن
چھپاؤں گا۔"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شادی کے معاملے
پیش آنے والی رکاوٹوں نے اسے ذہنی طور پر الجھا دیا تھا۔ وہ اسے رخصت کرنے کے
کوٹھی کے احاطے میں آئی تو وہاں جمال کی گاڑی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

سلمان چلا گیا تو اس نے ملازم سے پوچھا۔ "کیا صاحب آئے ہیں؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں بی بی جی! کمال صاحب آئے ہیں۔"

کمال کا نام سن کر وہ ذرا چونک گئی۔ تیزی سے پلٹ کر کوٹھی کے اندر آئی تو وہ ا
کمرے سے باہر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ اس نے پوچھا۔
"کب آئے تھے؟"

اس کے ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ اسے سر سے
تک دیکھ کر بولا۔ "تقریباً دس منٹ ہو چکے ہیں۔ آپ شاید کہیں مصروف تھیں؟"

اس کا لہجہ اور اس کی نظریں نازلی کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھیں۔ اس کے
میں وہی کھٹکا گونج رہا تھا جو کھڑکی سے باہر سنائی دیا تھا۔

اس نے کمال کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "کسی کام سے آئے تھے؟"

"ہاں .... ایک بہت اہم کام تھا۔"

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گیا پھر ایک ذرا توقف کے بعد ہاتھ میں تھاما ہوا نیگیٹو رول اسے
دکھاتے ہوئے بولا۔ "صبح بھول گیا تھا۔ آفس جا کر یاد آیا تو اسے لینے چلا آیا لیکن آپ
میرے آنے پر اتنے سوالات کیوں کر رہی ہیں؟ میں تو کل بھی آیا تھا۔"

وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ "نہیں .... ایسی کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔ بس اچانک
آئے ہو۔ اس لئے پوچھ رہی ہوں۔"

اس نے فوراً ہی کہا۔ "اچانک تو میں کل بھی آیا تھا؟"

وہ فوراً ہی کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس سے نظریں چرانے لگی۔ وہ اسے سر سے
پاؤں تک دیکھ کر بولا۔ "ویسے مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ نے میری پسند کا لباس
پہنا ہے۔ یہ اچھی بات ہے بیویوں کو صرف شوہروں کی نہیں، دوسروں کی پسند اور ناپسند کا
خیال بھی رکھنا چاہئے۔ ویسے ساڑھی میں قیامت ڈھا رہی ہو۔"

وہ اس کے منہ لگنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے غصے سے گھورتی ہوئی اپنے کمرے کی
طرف چلی گئی۔ کمال اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر نیگیٹو رول کو فضا میں اچھال کر زیر لب
گنگنانے لگا۔

"یہ لڑکی بڑی مغرور ہے اسے اپنی جوانی پر غرور ہے۔ ہم اس کا غرور توڑیں گے۔
اس کو نہ کہیں کا چھوڑیں گے۔"

ٹوٹنے والی چیز ٹوٹتی ہی ہے۔ کمال کو اپنی کامیابی پر یقین تھا۔ اب پتہ نہیں نازلی کا
غرور ٹوٹنے والا تھا۔ یا کمال کا یقین۔

☆======☆======☆

عجیب خواب ناک سا ماحول تھا، دروازہ بند تھا، کھڑکیوں پر دبیز پردے پھیلے ہوئے
تھے۔ دن ہونے کے باوجود کمرے میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ندا بیڈ کے سرے پر سمٹی
ہوئی سی بیٹھی تھی۔

دوسرے سرے پر بیٹھی ہوئی آرزو نے ذرا کھسک کر اس کے قریب ہوتے ہوئے
کہا۔ "ندا! ایزی ہو کر بیٹھو۔"

اس نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر پاؤں اوپر کر کے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ
گئی۔ آرزو نے ذرا اور قریب ہو کر کہا۔ "تمہارا یوں چپ رہنا اور سمٹے رہنا۔ فطری بات
ہے۔ میں نے جو کہا تم وہ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہو۔ میں تمہیں جبراً حاصل کرنا نہیں چاہتی
تھی تم مائل ہوئی ہو۔ تب ہی میں تمہارے اتنے قریب آ رہی ہوں۔ ایسے میں اپنے

اندر کی بات کہو کمرے کے اس ماحول میں میرا ساتھ تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اچھا لگ رہا ہے اور اگر نہ لگتا تو میں یہاں نہ ہوتی۔"

آرزو اس کی صاف گوئی پر کِھل سی گئی۔ اس کے رخسار کو چوم کر بولی۔ "میں یہی چاہتی تھی کہ تم دل سے مائل ہو کر میری تنہائیوں میں آؤ۔"

وہ بہت دھیمے اور میٹھے لہجے میں بول رہی تھی۔ ایک ایک لفظ ندا کے دل میں اتر رہا تھا اور ہلچل سی پیدا کر رہا تھا اور انجانے سے جذبوں کو جگا رہا تھا۔

پھر آرزو نے آہستگی سے اس کی کلائی تھام لی۔ چوڑیاں اِدھر سے اُدھر ہوئیں تو ان کی میٹھی کھنک نے جیسے آرزو کے دل کے تار کو چھیڑ دیا۔ وہ بے اختیار جھک کر اس کے ہاتھ کی پشت کو چومنے لگی۔

اس کے لمس نے ندا کے اندر جیسے آگ سی بھر دی پھر وہ ہونٹ رینگتے ہوئے کلائی تک پہنچے کلائی سے بازو تک پھر وہاں سے آگے بڑھے تو اس کی گردن کو دہکانے لگے۔

دونوں ہی اپنی اپنی جگہ بے خود ہونے لگیں۔ وہ اس کے چھونے سے اور وہ اسے چھو لینے سے۔

ندا اسے روکنا بھی چاہ رہی تھی اور نہیں بھی۔ ایک کے نقصان سے دوسرے کو نفع پہنچتا ہے۔ دنیا اسی کا نام ہے۔ وہ ہاں اور ناں کی برزخ میں تھی اور آرزو کو جنت مل رہی تھی۔

آرزو نے کان کے پاس آ کر سرگوشی میں پوچھا۔ "کیسا لگ رہا ہے؟"

بدن پر بھٹکنے والے دو مسافر پھسل کر نشیب کی طرف جا رہے تھے۔ بے خودی کے بوجھ سے اس کی آنکھیں بند تھیں۔ جذبوں کا ایک نہ تھمنے والا طوفان سا تھا جس نے اس کی قوت گویائی بھی چھین لی تھی۔

وہ آرزو کے سوال کے جواب میں صرف ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ راستوں کا علم ہو تو منزل جلد ہی مل جاتی ہے۔ آرزو عمر والی تھی۔ تجربہ کار بھی تھی۔ یہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ کون سا راستہ کہاں جاتا ہے لیکن پھر بھی اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی۔

کچھ منزلیں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ ان تک پہنچنے سے پہلے بھٹکنا اچھا لگتا ہے۔ دوسری طرف ندا الجھی ہوئی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ سمجھ میں آ بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔ رُوئیں رُوئیں سے پھوٹنے والا ہر جذبہ اس کے لئے نیا تھا۔ بس اتنا ہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ ایسے

نت میں اُسے آرزو پر بہت پیار آ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد یہ خواب ناک سا سلسلہ تھم گیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی لیکن وہ آنکھیں بند کئے پڑی رہی۔ وہ زندگی میں پہلی بار ایسے سکون اور سرشاری سے آشنا ہوئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا۔ بس یوں ہی لیٹی رہے اور کچھ دیر پہلے گزرنے والے ایک ایک لمحے کو یاد کرتی رہے۔

آرزو اس سے ذرا دور ہو کر اسے بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کوئی بچہ اپنے نئے اور سب سے خوبصورت کھلونے کو دیکھتا ہے۔ ندا کو اپنے چہرے پر سانسوں کی آنچ محسوس ہوئی۔ اس نے دھیرے سے پلکیں اٹھا کر دیکھا تو نگاہوں کے عین سامنے اس کا چہرہ تھا۔ وہی جو اس کی انگلی تھام کر اسے مستی و سرور کی دنیا میں لے گئی تھی۔

آرزو نے اس کے چہرے پر انگلی پھیر کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں کھوئی ہوئی ہو؟"

اس نے بڑی آہستگی سے پوچھا۔ "یہ سب کیا ہے۔ بند آنکھوں کے پیچھے بھی تم تھیں اور اب کھلی آنکھوں کے سامنے بھی تم ہو؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "میں یہی چاہتی ہوں۔ تمہارا دل .... تمہارا دماغ .... تمہاری نظریں .... صرف مجھے دیکھیں .... مجھے سوچیں .... مجھے چاہیں۔ لوگ کھلی آنکھوں سے دوسروں کو دیکھتے ہیں لیکن تم بند آنکھوں سے بھی صرف میرا دیدار کرو۔"

ندا نے پھر پوچھا۔ "تم جو چاہتی ہو۔ جیسا چاہتی ہو ویسا ہی کیوں ہو رہا ہے؟"

"کیوں کہ تم بھی یہی چاہتی ہو۔ لاشعوری طور پر اس طرف مائل تھیں لیکن شعوری طور پر اپنے اندر کی بات کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے ہی بجتی ہے۔ میری جان! آج تم نے خود کو میرے حوالے کر کے مجھے خوشی کے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔"

آج وہ نظریں ملا کر بات کر رہی تھی۔ باتیں کیا کر رہی تھی؟ سوالات کر رہی تھی۔ اس نے پھر پوچھا۔ "لیکن میں کہاں ہوں' یہ کیا مقام ہے؟"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر بولی۔ "میری جان! تم اپنی محبت کے پاس ہو اور اس کے اس مقام پر ہو جہاں جذبوں کو پَر لگ جاتے ہیں اور ہم ان کی انگلی تھام کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔"

"لیکن یہ کب تک مجھے اڑائیں گے؟"

آرزو نے مسکرا کر کہا۔ "کیا تم زمین پر قدم رکھنا چاہتی ہو؟"

اس نے انکار کے انداز میں دھیرے سے سر ہلایا۔ "نہیں؟"

آرزو اس کے رخسار کو چوم کر بولی۔ "پھر کیا چاہتی ہو اپنے اندر کی بات مجھے بتاؤ؟"

ندا خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی جیسے اپنے اندر کی بات اُسے بتانے سے پہلے خود سمجھ رہی ہو۔ پھر اس نے اپنے دونوں بازو آرزو کی گردن میں حمائل کر کے کہا۔ "تم سے دُور جانے اور الگ ہونے کو جی نہیں کر رہا ہے۔"

آرزو ایک دم سے چپ ہو کر اس سے لپٹ گئی پھر اس کے کانوں کے قریب سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "جی تو میرا بھی نہیں کر رہا ہے۔ تم چاہو تو ایسے لمحات ہمارے درمیان روز ہی آتے رہیں گے۔"

ندا نے پوچھا۔ "لیکن ابھی چند روز کے بعد سینٹر آنا جانا ختم ہو جائے گا تو ہم بوتیک میں ملا کریں گے تو کیا اسی آزادی سے ملا کریں گے؟"

"تمہاری قربت حاصل کرنے کے لئے میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ ایسا انتظام وہاں بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ اس کی بانہوں میں تھی لیکن اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اُسے جذبوں کی ہوا لگ چکی تھی۔ آرزو نے اس کی زندگی کا ساتواں در کھول دیا تھا۔

☆======☆======☆

انسان کو بہت سے کام صرف دنیا دکھاوے کی وجہ سے کرنے پڑتے ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی مجبوری میں بندھی ہوئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی محبوب کی شادی میں شرکت کر رہی تھی۔ محفل میں مسکراتی تھی تو رات کو بستر میں منہ چھپا کر روتی تھی۔

ندا اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھی۔ شادی کی رسموں کا ایک ہفتہ فرح کے لئے ایک صدی بن گیا تھا۔ فرح نے ایک بار شعیب سے انتقام لینے والی بات کہی تھی۔ اب ندا کو یہ جاننے کی بے چینی تھی کہ آخر وہ کیسا انتقام لینے والی ہے۔

اس نے یہ تو اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گی جس سے اس کی یا گھر والوں کی بدنامی ہو۔

ندا اپنی بہن کے دو روپ دیکھ رہی تھی۔ ان دنوں وہ گھر میں گم صم اور چپ چاپ سی رہنے لگی تھی لیکن محفل میں جاتے ہی چہکنے لگتی تھی۔ کسی پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیتی

تھی کہ اسے کوئی غم ہے۔ اس طرح شکیلہ بیگم کو بھی اطمینان تھا کہ بیٹی نے شعیب والا معاملہ دل پر نہیں لیا ہے لیکن ندا اس کے اندر کی بات کو خوب سمجھتی تھی۔

رات کو شادی تھی نکاح کی رسم ادا ہونے والی تھی اور فرح نے یہی کہا تھا کہ وہ شادی والے دن اپنے انتقامی منصوبے پر عمل پیرا ہو گی۔

ندا کے امتحان ہو رہے تھے۔ اسکول جانا لازمی تھا۔ ورنہ وہ اس تجسس کے مارے کہ فرح کرنے کیا والی ہے؟ کبھی اسکول نہ جاتی۔ کمرۂ امتحان میں بھی اس کا ذہن بار بار بھٹک کر بہن کی طرف ہی جا رہا تھا۔

بارہ بجے کے بعد وہ گھر پہنچی۔ تو فرح غسل میں مصروف تھی۔ ندا لباس بدل کر ماں کے کمرے میں آئی تو وہ کچھ الجھی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے امی! کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "پریشان تو نہیں ہوں۔ شاید حسد کا شکار ہو رہی ہوں۔"

وہ اس کے قریب بیٹھ کر بولی۔ "ایسا کیوں محسوس کر رہی ہیں، کس سے حسد کا شکار ہو گئی ہیں؟"

وہ منہ بنا کر بولی۔ "ثریا سے .... بیٹے کی ماں وہ بھی ہے اور میں بھی ہوں لیکن دولہے کی ماں بننے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ مایوں مہندی ہر رسم میں تم نے دیکھا نہیں وہ کیسے اتراتی پھر رہی تھی؟"

ندا سر جھکا کر مسکرانے لگی۔ شکیلہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں بھئی .... کیوں نہیں اترائے گی؟ آخر بہو جو لا رہی ہے۔"

"ایسا وقت تو آپ پر بھی آئے گا۔ تب آپ بھی اسی طرح ہی اترائیں گی۔"

"جانتی ہوں، آئے گا لیکن پتہ نہیں کب آئے گا؟ اتنی لڑکیاں دیکھ چکے ہیں لیکن کوئی بھی سمجھ میں نہیں آئی۔"

ندا پھر مسکرائی پھر بولی۔ "دیر آید' درست آید۔"

شکیلہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "اتنی دیر نہ ہو جائے کہ میں نعمان کا سہرا دیکھنے سے پہلے ہی اوپر پہنچ جاؤں۔"

"خدا نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔ ابھی تو آپ نے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں دیکھنی ہیں۔"

وہ ندا کی بات پر ایک دم سے کِھل گئی پھر بولی۔ "بس نعمان کی شادی ہو جائے اس کے بعد میں فوراً ہی فرح کو رخصت کر دوں گی۔"

ندا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ارے ہاں فرح سے یاد آیا۔ بہت زور کی بھوک لگی ہے۔ میں دیکھتی ہوں وہ نہا کر نکلی ہے یا نہیں؟"

وہ ماں کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی تو فرح آئینے کے سامنے کھڑی کنگھی کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی۔ "پیپر کیسا رہا؟"

ندا اس کے قریب آتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "ہمارے امتحان تو آسان ہیں لیکن جس امتحان سے تم گزر رہی ہو وہ بہت مشکل ہے۔"

فرح نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر ذرا لاپرواہی سے کہا۔ "میں کسی امتحان سے نہیں گزر رہی۔"

"تمہاری محبت کسی اور کے پہلو میں جا رہی ہے۔ کیا تم اپنا یہ دکھ اپنی اس بہن سے چھپانا چاہ رہی ہو؟"

فرح نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "محبت .... یہ تو اُسی دن ختم ہو گئی تھی جس دن شعیب کی اصلیت معلوم ہوئی تھی۔ میں روتی ہوں یا دکھی ہوتی ہوں تو اس کی جھوٹی محبت پر نہیں۔ اپنی سچی وفا پر........... اس وفا پر جس کے وہ قابل نہیں تھا۔"

ندا تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "یہ تو ہے .... وہ محبت کے قابل ہی نہیں ہیں۔ دیکھ نہیں رہی ہو شادی میں کیسے ہم سے کترا رہے ہیں؟ تم سے نہ سہی مجھ سے بھی بات نہیں کر رہے ہیں۔ ایسے ہو گئے ہیں جیسے ہمیں جانتے ہی نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں' اس نے بے وجہ میرا دل دکھایا ہے۔ کوئی اس کا بھی دل دکھائے گا۔ فی الحال تو وہ عارضی خوشی سے بہل رہا ہے۔"

ندا نے کہا۔ "آنے والی دولت مند ہے۔ دیکھنا غلام بنا کر رکھے گی۔ پھوپھی جان خاندان بھر کو جہیز ایسے دکھا رہی ہیں جیسے سب نے کبھی آرائشی سامان دیکھا ہی نہیں ہے۔ بائی دا وے .... آپ نے شادی میں جانے کی تیاری کر لی ہے؟"

فرح معنی خیز انداز میں اپنے عکس کو دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "کچھ کر لی ہے' کچھ رہ گئی ہے۔"

ندا نے ٹٹولتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "ویسے تم نے ابھی تک بتایا نہیں کہ تم کیسی انتقامی کارروائی کرنے والی ہو؟"

فرح ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "کچھ دیر کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"

دن کے دو بجنے والے تھے۔ وہ تینوں ماں بیٹیاں کھانے سے فارغ ہوئیں تو شکیلہ بیگم نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "میں سونے جا رہی ہوں۔ رات کو شادی میں نہیں پتہ کب تک جاگنا پڑے گا؟ تم دونوں بھی ذرا دیر کے لئے سو جاؤ۔"

وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی۔ وہ دونوں بھی برتن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آگئیں۔ فرح نے وضو کے لئے واش روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "تم لیٹو میں ذرا نماز پڑھ لوں۔"

وہ تعجب سے مسکرا کر بولی۔ "اوہو .... آج سورج کہاں سے نکلا ہے؟ لگتا ہے کسی فلمی ہیروئن کی طرح آنکھیں بند کر کے دُعائیں مانگنے کا ارادہ ہے؟ پھر جب پلکوں کا پردہ اٹھے گا تو محبوب نظروں کے سامنے ہو گا۔"

فرح مسکرا کر سر کو جھٹک کر واش روم میں چلی گئی۔ ندا نے ذرا سنجیدگی سے کہا۔ "فرح! اب دعائیں مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ تم نے یہ سب کرنا تھا تو ذرا پہلے کرتیں۔"

وہ خاموشی سے وضو کر رہی تھی پھر باہر آ کر جائے نماز بچھاتے ہوئے بولی۔ "بہت بول چکی ہو۔ اب جب تک میں نماز ختم نہ کر لوں تب تک خاموش رہنا۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "لگتا ہے کوئی جلالی وظیفہ کرنے جا رہی ہو؟"

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر نماز کی نیت باندھ لی۔ ندا کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ اس کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف شکیلہ بیگم سونے کے لئے لیٹی تو نیند نہیں آئی۔ اپنی نند ثریا بیگم کو ساس بنا دیکھ کر اس کے دل میں بھی بہو لانے کی حسرت زور پکڑ رہی تھی۔ وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی اور سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

"ثریا نے خاندان دیکھے بنا شادی کر ڈالی ہے۔ اب میں بھی یہی کروں گی۔ کم افراد کا خاندان دیکھ کر بس شادی کر دوں گی۔ پرکھنے میں وقت ضائع نہیں کروں گی۔"

ندا نے سر اٹھا کر فرح کو دیکھا۔ وہ نماز سے فارغ ہو چکی تھی اور اب کلام پاک دونوں ہاتھوں میں اٹھائے آنکھیں بند کئے دعا میں مصروف تھی۔

ندا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فرح کو آج ہوا کیا ہے؟

کچھ دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ قرآن پاک کو الماری پر رکھنے کے بعد

جائے نماز تہہ کرنے لگی۔ ندا نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ قرآن پاک ہاتھ میں لے کر بڑی لمبی دعا مانگ رہی تھیں؟"

وہ جائے نماز کو ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔ "دعا نہیں .... بددعا مانگی ہے۔ میرا دل توڑنے والا' مجھے تڑپانے والا اور میرا سکون برباد کرنے والا خود بھی چین سے نہیں رہے گا۔ آج میں نے کلام پاک ہاتھوں میں لے کر اسے وسیلہ بنا کر خدا سے التجا کی ہے کہ میں سچی محبت کرنے کے بعد بھی آنسو بہا رہی ہوں۔ غم سمیٹ رہی ہوں لیکن جس نے جھوٹی محبت کی اسے خوشیاں کیوں نصیب ہو رہی ہیں؟ میں نے خدا سے یہی دعا مانگی ہے کہ مجھے رلانے والا کبھی بھی سکھ سے نہ رہے اور تم دیکھنا ندا! میری یہ دعا شعیب کو بددعا بن کر لگے۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے اسے چاہا تھا اور اب دل کی گہرائیوں سے اسے بددعا دے رہی ہوں۔"

ندا اس کا منہ تک رہی تھی پھر بولی۔ "کیا یہی تمہارا انتقام تھا؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں .... ہم لڑکیاں اور کر بھی کیا سکتی ہیں؟ اس نے محبت میں پہل کی مجھے سہانے سپنے دکھائے۔ میرے اندر ان میٹھے جذبوں کو بیدار کر دیا جنہیں میں جانتی تک نہ تھی۔ میں تو اپنی دنیا میں ہی مگن تھی۔ وہ مجھے محبت بھری دنیا میں لے آیا اور اب تنہا چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میں اس سے شکایت نہیں کر سکتی۔ اس کا گریبان پکڑ کر ایسی بے وفائی پر اسے طمانچے نہیں مار سکتی لیکن خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اسی لئے میں نے اپنا مقدمہ اوپر والے کی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔"

ایسے وقت ندا کو اپنی بہن پر بہت پیار آ رہا تھا۔ وہ محبت اور ہمدردی کے جذبے سے آگے بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔ اس نے انتقام لینے کے لئے بہت ہی مناسب راستہ اختیار کیا تھا۔

☆------☆------☆

وہ دونوں ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی کارنر ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سلمان نے کہا۔ "آج تم نے گھر سے باہر ملنے کا فیصلہ کیا لیکن وجہ نہیں بتائی۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "کسی بھی بات کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ میں دنیا والوں سے نہیں ڈرتی۔ اسی لئے آج یہاں کھلی فضا میں تم سے بے دھڑک مل رہی ہوں مگر ہاں .... مجھے نقب زنوں سے ڈر لگتا ہے۔ سامنے سے حملہ کرنے والے دشمن سے زیادہ پشت سے وار کرنے والا دشمن خطرناک ہوتا ہے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تمہیں ایسا محسوس ہوا ہے کہ گھر میں کوئی ہماری جاسوسی کرتا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ مسٹر جمال ہی کچھ کر رہے ہیں۔"

وہ مسکرا کر انکار کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "کچھ بھی نہیں ہے تو آج ہم یہاں باہر کیوں مل رہے ہیں؟ دیکھو .... تم اب تک اپنی زندگی کا ایک راز مجھ سے چھپا رہی تھیں لیکن اور کچھ نہ چھپاؤ۔ صاف صاف کہو' بات کیا ہے؟"

"میں تو اپنی زندگی کا وہ ایک راز بھی تم سے چھپانا نہیں چاہتی ہوں۔ بس شادی کے لئے تمہاری ہاں کی دیر ہے۔ اس کے بعد تو میں تمہارے لئے کھلی کتاب بن جاؤں گی۔"

"شادی کے سلسلے میں تمہیں میں نے اپنی مجبوریاں بتا دی ہیں۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "لیکن سلمان! بڑے بھائی کی شادی سے پہلے اگر چھوٹے بھائی کی شادی ہو جائے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے۔ ہاں .... بھائی سے زیادہ بہن والا معاملہ اہم ہے۔ پہلے اُسے نمٹانا ضروری ہے۔"

"اور یہ معاملہ اتنی آسانی سے نمٹنے والا تو ہے نہیں۔"

"کیوں؟ اس میں کیا مشکل ہے؟"

وہ مسکرانے کے بعد بولا۔ "میرے خیال میں تم اتنا تو سمجھ سکتی ہو کہ غریب گھرانوں کی بیٹی کی شادی پہاڑ کاٹنے کے مترادف ہوتی ہے۔ امی کو روزمرہ کے جھمیلوں اور مسائل سے فرصت نہیں ملتی۔ وہ بے چاری بیٹی کے جہیز کے لئے ایک چھوٹی سی چیز بھی خرید نہیں پاتی ہیں۔"

نازلی بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ ایک لڑکی کی شادی میں کتنا خرچہ ہوتا ہے۔ ایک لاکھ .... ڈیڑھ لاکھ .... یا دو لاکھ؟ بہن کی شادی کو پرابلم بنا کر تم اپنی شادی میں دیر نہ کرو۔ ہر مشکل کے ساتھ اس کا حل بھی ہوتا ہے۔ تمہارے اکاؤنٹ میں دو لاکھ روپے جمع ہو جائیں گے۔ پھر تو کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی؟"

وہ اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے پوچھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا تم مجھ پر اتنی عنایت کیوں کر رہی ہو؟"

"تعجب ہے؟ اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی تم یہ سوال کر رہے ہو؟ کیا ابھی تک اندازہ نہیں ہوا کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ محبت نہیں .... دیوانگی ہے نازلی!"

"تم جو بھی کہو لیکن یہ بتاؤ کیا تمہیں میری دیوانگی پر پیار نہیں آتا؟"

سلمان نے پہلی بار اُسے گہری نظروں سے دیکھا تو شرم کے مارے نازلی کی پلکیں خود بخود جھک گئیں۔ عورت کتنی ہی بااختیار اور عمر رسیدہ کیوں نہ ہو لیکن مردوں کی نظروں کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔

نوجوانی کی گود سے نکل کر قبر کی آغوش تک مرد کی نظر اسے ہمیشہ ہی شرمانے کے انداز سے واقف رکھتی ہے۔ وہ بھی سلمان سے عمر میں بڑی تھی بااختیار بھی تھی لیکن ایسے وقت اس کلی کی طرح ہو گئی تھی جسے پہلی دفعہ بہار کا جھونکا چھو کر گزر گیا ہو اور وہ حیا سے لرز کر رہ گئی ہو۔

سلمان نے اس کے ہاتھ پر ذرا دباؤ ڈال کر پوچھا۔ "نازلی! مجھ میں ایسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے یوں دیوانہ وار محبت کرنے لگی ہو؟"

اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "وہ سوال تم نے پوچھا ہے جس کا جواب مجھے خود نہیں معلوم ہے۔ تم بھی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اپنی محبوبہ کے بارے میں سوچو سوال کرو کہ تم اسے کیوں چاہتے ہو؟ تو سمجھ میں آئے گا کہ اس میں ضرور کوئی ایسی بات ہے جو سب سے الگ ہے۔"

محبوبہ کے نام پر وہ صدف کے بارے میں سوچنے لگا جو کسی خواب کی طرح اس کی زندگی میں آئی تھی اور آنکھ کھلتے ہی غائب ہو گئی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر سر جھٹکا پھر نازلی سے کہا۔ "تم نے مجھ سے کبھی اس کے بارے میں نہیں پوچھا جسے میں چاہتا ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "جسے تم چاہتے ہو وہ مجھ سے زیادہ اچھے دل کی مالک ہو گی۔ میں اس کے بارے میں تم سے کچھ پوچھ کر حسد میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی۔ وہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہے کیونکہ اُسے تم چاہتے ہو۔ جب کہ میں تمہاری چاہت کی طلبگار ہوں۔"

وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بڑے کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔ "نازلی! تم بہت اچھی ہو۔ محبت کیا ہوتی ہے، کیسے کی جاتی ہے، یہ میں تم سے سیکھ رہا ہوں بلکہ تم تو مجھ

ک ہو۔"

وہ اپنی تعریف پر مسکرانے لگی پھر بولی۔ "اور وہ تمہاری پہلی محبت؟"

"محبت .... آخری یا پہلی نہیں ہوتی بس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رنگ بدلتی رہتی ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یوں تمہاری طرف مائل ہونے لگوں گا۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں صرف مائل کرنا نہیں چاہتی۔ اِدھر تم ہاں کہو گے اُدھر تمہارے اکاؤنٹ میں دو لاکھ روپے جمع ہو جائیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میڈم! مجھ جیسے غریب بندے کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔"

"جانتی ہوں لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کل ہی کسی بینک میں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا دیا جائے گا پھر تو تمہاری بہن کی شادی ہمارے معاملے میں رکاوٹ نہیں بنے گی؟ ہم بہت جلد ایک ہو سکیں گے؟"

"تم پھر ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہو۔ ابھی تو فرح کا رشتہ لگے گا۔ بات چلے گی پھر شادی ہو گی۔ اس کے بعد کہیں جا کر میرا نمبر آئے گا۔ کچھ نہیں تو کم از کم سال ڈیڑھ سال انتظار تو کرنا ہی ہو گا۔"

"میں یہ رقم انتظار ختم کرنے کے لئے جمع کروا رہی ہوں۔ فرح کا رشتہ چاہے دو سال کے بعد لگے لیکن اس کی شادی کی رقم تمہارے پاس محفوظ رہے گی۔ جب بھی موقع ملے گا۔ تم فوراً ہی اپنا فرض ادا کر سکو گے اور جہاں تک سوال ہمارے معاملے کا ہے تو میں چھ ماہ کے اندر ہی تم سے منسوب ہونا چاہتی ہوں۔"

اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ممکن ہو گا؟ میرے گھر والے ...."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "ان کو راضی کرنا تمہارا کام ہے اور انہیں میری یہ دو باتیں بھی بتا دینا۔ ایک تو یہی کہ شادی جلدی ہو گی اور دوسری یہ کہ شادی کے بعد میں تمہارے ساتھ نہیں، تم میرے ساتھ رہو گے۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "میرے گھر والے تمہاری یہ شرط کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔"

"کیوں نہیں کریں گے؟ والدین کو اپنے بیٹے سے کیا امید ہوتی ہے؟ یہی کہ وہ جوان ہو کر تعلیم مکمل کر کے ملازمت کرے گا پھر اپنی تنخواہ لا کر ان کی ہتھیلی پر رکھے گا؟"

وہ بولا۔ "ظاہر ہے سارے ہی والدین اپنے بیٹوں سے یہ امید رکھتے ہیں اور میرے
گھر والے مجھ سے بھی یہ امید رکھتے ہوں گے۔"

"تو میں تمہیں ان کی امیدیں توڑنے کو تو نہیں کہہ رہی ہوں؟ ہر مشکل کا حل نکا
جاتا ہے۔ اُسے ہیرا پھیری سے مزید مشکل نہیں بنایا جاتا۔ تم میری وجہ سے جلدی شادی
کرو گے۔ اس لئے تمہارا فرض میں ادا کروں گی۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے نازلی کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "تم کہیں بھی ملازمت کرو گے تو
تین چار ہزار سے زیادہ تنخواہ نہیں ملے گی۔ میں بہو ہونے کے ناتے اپنے سسرال والوں کو
یعنی تمہارے گھر والوں کو ماہانہ پانچ ہزار دوں گی۔ اب بولو شادی جلدی کرنے کے سلسلے اور
کون سی رکاوٹ ہے؟"

وہ ہکا بکا سا اس کا منہ تک رہا تھا پھر بولا۔ "تم اب تک میری مشکلات سن کر انہیں
حل کرنے کے راستے نکال رہی ہو لیکن اپنا وہ راز نہیں بتا رہی ہو جسے شروع سے چھپاتی آ
رہی ہو۔"

اس نے سوچنے کے انداز میں سر جھکا کر کہا۔ "میں نے دو شرائط تمہارے گھر والوں
کے لئے رکھی ہیں لیکن ایک شرط تمہارے لئے بھی ہے اور میں چاہوں گی اپنا راز کھولنے
سے پہلے تم سے وہ شرط منوا لوں۔"

"کیسی شرط؟"

وہ اس سے نظریں چرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر ذرا کھنکار کر گلا صاف کرتے
ہوئے بولی۔ "جمال مجھے طلاق دیں گے تو عدت کے دن گزارنے کے بعد ہماری شادی ہو
گی۔ پھر تم میرے پاس چلے آؤ گے اور ہم ایک ساتھ زندگی گزارنے لگیں گے
لیکن........"

وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے کچھ کہنے سے ہچکچا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔
"لیکن کیا؟"

اس نے نظر اٹھا کر سلمان کو دیکھا پھر سر جھکا کر کہا "سلمان! میری شرط پر عمل کرنا
شاید تمہارے لئے دشوار ہو لیکن زندگی میں چیلنج کا سامنا تو کرنا ہی ہوتا ہے اور جہاں تک
میں سمجھتی ہوں تم انسانیت سے سوچو گے تو میری شرط پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو
گا۔"

"تم بہت لمبی تمہید باندھ رہی ہو۔ اصل بات کی طرف آؤ' میں جانتا ہوں۔ تم بہت

ہو۔ کبھی مجھ سے غلط بات نہیں منواؤ گی۔"

وہ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔ "سلمان! طلاق اور تم
سے شادی کے بعد بھی جمال میرے ساتھ ہی رہیں گے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا۔ "یہ .... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کوئی مطلقہ
عورت اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے؟ اور وہ بھی ایسے میں جب کہ اس کا
دوسرا شوہر بھی اس کے ساتھ ہو۔ تمہاری شرط بالکل بے تکی ہے۔"

"اس وقت تم معاشرے کے ذہن سے سوچ رہے ہو۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ
انسانیت سے سوچو گے تو میری اس شرط پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ وہ بہت دولت
مند ہیں لیکن محبت کے معاملے میں بالکل کنگال ہیں۔ لا وارث نہیں ہیں۔ ان کے اردگرد
خود غرض رشتے داروں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے جو ان کی ذات سے نہیں دولت اور جائیداد
سے محبت کرتے ہیں۔ کیا تم کسی بوڑھے شخص کو اس کے آخری ایام میں محبت نہیں دے
سکتے؟"

"آخر تمہارے شوہر ہیں کیا؟ کیا تم مجھے ان کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟"
اس نے ذرا سوچنے کے بعد اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "تمہارے ابو کی عمر کیا ہو گی؟"
اس نے تعجب سے نازلی کو دیکھا پھر کہا۔ "شاید پچپن برس .... لیکن تم کیوں
پوچھ رہی ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "تمہیں کچھ بتانے کے لئے .... یہ بتانے کے
لئے کہ میرے شوہر تمہارے ابو سے اٹھارہ برس بڑے ہیں۔"

اس نے ایک دم سے چونک کر اُسے دیکھا۔ پھر حیرت سے کچھ سوچنے لگا۔ وہ بولی۔
"حساب کرنے کی ضرورت نہیں ہے جمال کی عمر تہتر برس ہے۔ وہ عمر میں جتنے بڑے ہیں
اتنے ہی کہیں بڑے اور عظیم انسان ہیں۔"

"لیکن تمہارے اور جمال صاحب کی عمر میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے؟ یہ تو بالکل
ہی بے جوڑ شادی ہے۔ کیا تم نے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا تھا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "محبت میں کوئی جوڑ توڑ' کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔"

پھر وہ اسے اپنے اور جمال کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی اور وہ حیرت سے
سننے لگا۔ پھر نازلی نے آخر میں کہا۔ "سلمان! ہم ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں لیکن میں
محبت میں اندھی نہیں ہوں۔ جمال کے ساتھ ہمیشہ رہنے کے لئے کسی چور راستے پر

نہیں چلی۔ تمہیں شرعی طور پر اپنی زندگی میں لانا چاہتی ہوں اور جہاں تک جمال کا سوال
ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہمارا دین بزرگوں کو کسی اولڈ ہاؤس میں بھیجنے کا حکم نہیں دیتا
پلیز.......... تم انہیں ایک بزرگ کی حیثیت سے ہی قبول کر لو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔"

وہ ذرا تذبذب میں مبتلا ہو کر سوچنے لگا۔ وہ بولی۔ "میں مانتی ہوں میری شرط ذرا
عجیب ہے لیکن غلط نہیں ہے۔"

"تم نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ میں فوراً ہی کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا
ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے .... گھر جا کر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرو۔ سوچو اور پھر کوئی
فیصلہ کرو۔"

فیصلہ تو کرنا ہی تھا لیکن کیا کرنا تھا یہ تو اُسے آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ یہ تو ہمیشہ
سے ہی ہوتا چلا آ رہا ہے کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے لیکن جو بھی ہوتا ہے
اس میں خدا کی مصلحت ہی ہوتی ہے۔

☆------☆------☆

نعمان ایک ہفتے پہلے اپنے پھوپھی زاد بھائی شعیب کی شادی اٹینڈ کرتا رہا تھا اور
اپنے بارے میں یہ سوچتا رہا تھا کہ اس کی زندگی میں یہ اہم دن کب آئے گا۔

اُس دن ڈیوٹی پر جانے سے پہلے وہ ماں سے کہنے لگا۔ "امی! یہ لڑکی کی تلاش کب
ختم ہو گی؟"

ماں نے کہا۔ "جب کوئی اچھا خاندان ملے گا۔"

"لیکن مجھے کسی خاندان سے نہیں، صرف ایک لڑکی سے شادی کرنا ہے اور آپ
نے اسے مسئلہ کشمیر بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو، میں جان بوجھ کر دیر کر رہی ہوں؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے؟ پچھلے چار ماہ سے میرے لئے رشتہ تلاش کیا جا رہا ہے
لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آپ کی نظروں میں کوئی لڑکی نہیں جچی۔ کوئی خاندان
پسند نہیں آیا۔ ایسے میں میری جگہ کوئی بھی ہو گا تو وہ یہی سوچے گا کہ اسے بے وقوف بنا
کر دلاسے میں رکھا جا رہا ہے۔"

ماں نے اُسے گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یعنی ہم تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں؟
ارے! تمہیں جتنی بے چینی بیوی لانے کی ہے اس سے کہیں زیادہ جلدی مجھے گھر میں بہو
لانے کی ہے۔ جب سے ثریا بہو لائی ہے، تب سے تو میری بے چینی اور بھی بڑھ گئی
ہے۔"

وہ بولا۔ "بے چینی بڑھتی ہے تو اُسے ختم کیا جاتا ہے۔"

"کوشش کر رہی ہوں۔ آگے اللہ کی مرضی ہے۔"

"ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی مرضی تو رہ جائے اور میری ختم
ہو جائے۔"

ماں نے چونک کر بیٹے کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا مطلب، کیا تم شادی سے انکار کرو
گے؟"

وہ ماں کی ممتا کو خوب سمجھتا تھا۔ ایسی باتیں کر کے اسے جلد ہی اس کی شادی کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ بولا۔ "اگر انتظار طویل ہو جائے تو اکتاہٹ ہو جاتی ہے۔"

ماں نے جلدی سے کہا۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ شادی کا جو دن تمہارے نصیب میں لکھا ہے وہ ضرور آئے گا۔"

"آپ اس دن کا انتظار کریں لیکن میری ایک بات غور سے سن لیں۔ اس سال کے اندر اندر اگر میری شادی نہ ہوئی تو میں عمر بھر شادی نہیں کروں گا' کنوارہ رہوں گا۔"

ماں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے کہا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ایسا سخت فیصلہ نہ کرو۔ تم شادی نہیں کرو گے تو بہو کیسے آئے گی؟"

"سلمان کی آنے والی بیوی بھی تو آپ کی بہو ہی ہو گی اور یوں بھی میں شادی سے تو انکار نہیں کر رہا ہوں۔ میرے سر پر سہرا دیکھنا چاہتی ہیں تو بال کی کھال نکالنا چھوڑیں۔ پورے خاندان کے بجائے ایک لڑکی کو پسند کریں اور اُسے بہو بنا کر لے آئیں لیکن اس سال کے اندر اندر۔"

اس نے اتنا کہا پھر باپ کے ساتھ کام پر چلا گیا۔ شکیلہ بیگم پریشانی سے سوچتی رہ گئی۔ بیٹے کی طرف سے الٹی میٹم مل چکا تھا جس نے اسے اندر سے ہلا دیا تھا۔ وہ عمر بھر اسے کنوارہ رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے الٹی میٹم کیا دیا تھا ماں کی ممتا کو امتحان میں ڈال دیا تھا۔

☆======☆======☆

ندا کو سرٹیفکیٹ مل چکا تھا۔ اب وہ آرزو کے بوتیک میں جانے لگی تھی۔ امتحانوں کے بعد اسکول بھی بند تھے۔ اس لئے وہ صبح گیارہ سے شام چھ بجے تک آرزو کے ساتھ اس کے بوتیک میں ہی رہتی تھی۔

عجیب قسمت لے کر پیدا ہوئی تھی۔ چھوٹی عمر میں بڑے بڑے تجربات سے گزر رہی تھی۔

بوتیک ایک بڑے سے ہال اور ایک چھوٹے سے ڈریسنگ روم پر مشتمل تھا۔ وہاں وہ دونوں اپنی مرضی کے مطابق تنہائی میں وقت نہیں گزار سکتی تھیں۔

آرزو ہر دوسرے تیسرے دن ندا کو اپنی کوٹھی میں لے آتی تھی اور وہ بھی اس سے تنہائی میں ملنے کے لئے بے چین رہنے لگی تھی۔ بوتیک میں بھی کسی نہ کسی بہانے سے آرزو کے قریب ہو جاتی تھی۔ اس کا لمس اسے اپنی طرف کھینچتا تھا اور وہ بے اختیار سی ہو

رائے چھو لیتی تھی۔

اس روز آرزو گھر جانے سے پہلے سیلز گرل اور کاؤنٹر گرل کو ہدایت دے رہی تھی۔ ایسے ہی وقت اس کی ایک پرانی کسٹمر کسی لڑکی کے ساتھ بوتیک میں آ کر بولی۔ "شکر ہے آرزو! آج تم مل گئی ہو۔"

آرزو نے اس عورت کو دیکھ کر خوشی سے کہا۔ "ارے نغمانہ! تم؟ بہت دنوں کے بعد آئی ہو۔ کیا اپنی دوست کو بھلا کر کسی اور بوتیک پر جانے لگی ہو؟"

وہ بولی۔ "کراچی میں تمہارے بوتیک کا بھلا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ میرے اتنے دنوں غائب رہنے کی وجہ یہ ہے کہ میں پاکستان میں ہی نہیں تھی۔ ابھی دو دن پہلے ہی کینیڈا سے آئی ہوں۔"

پھر اس نے اس لڑکی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بھانجی ہے۔ میرے ساتھ ہی پاکستان آئی ہوئی ہے اور اپنے لئے پاکستانی ڈریسز سلوانا چاہتی ہے۔ پلیز ذرا اس کا ناپ لے لو اور کم از کم دس بہترین سے سوٹ تیار کروا دو۔"

ندا ان کے قریب ہی کھڑی تھی اور یہ سن کر اندر ہی اندر سلگنے لگی کہ آرزو اس لڑکی کا ناپ لینے کے لئے اس کے بدن کو ہاتھ لگائے گی۔

لیکن آرزو نے اس کی توقع کے خلاف ان دونوں سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "یہ ندا ہے۔ میری بہت ہی باصلاحیت اسٹوڈنٹ ہے۔ یہ تمہاری بھانجی کا ناپ لے گی۔"

ندا اس کی بات سن کر خوشی سے کھل گئی لیکن نغمانہ نے اس کی پل بھر کی خوشی پر ایک دم سے پانی پھیر دیا۔ وہ بولی۔ "نہیں بھئی .... میری بھانجی کا ناپ تو صرف تم لو گی۔ میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ تم مجھے اپنی کسی اسٹوڈنٹ کی طرف نہ لڑھکاؤ۔ کسی اور کے پاس ہی جانا ہوتا تو میں تمہارے بوتیک پر ہی کیوں آتی؟"

ندا نے آرزو کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ "اچھا بھئی ناراض مت ہو' چلو ڈریسنگ روم میں چلو۔"

وہ تینوں وہاں سے جانے لگیں۔ ندا مایوسی سے ان تینوں کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ "کیا آرزو اس لڑکی کا ناپ بھی اُسی طرح سے لے گی جس طرح سے میرا لیا

یہ خیال آتے ہی اس نے سر جھٹک کر سوچا۔ "نہیں وہ سب کے لئے وہ نہیں ہے

جو میرے لئے ہے۔ میں ایسی الٹی سیدھی باتیں کیوں سوچ رہی ہوں؟ آرزو میری صرف میری ہے۔"

یہ سوچ کر اس نے خود کو مطمئن کر لیا لیکن یہ احساس اپنی جگہ قائم تھا کہ اُسے آرزو کا اُس لڑکی کے قریب جانا ناگوار گزر رہا تھا۔

وہ ذہن کو بٹانے کے لئے اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ ہینگرز پر لٹکنے والے ملبوسات کو دیکھنے لگی لیکن نظریں بار بار بھٹک کر ڈریسنگ روم کے دروازے کی طرف ہی جا رہی تھیں۔

ایسے ہی وقت کاؤنٹر پر رکھے ہوئے آرزو کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ اس نے قریب آ کر اسے اٹھالیا۔ پھر آن کر کے کان سے لگا کر پوچھا۔ "ہیلو کون؟"

دوسری طرف سے کاشف نے پوچھا۔ "آپ کون؟"

"فون آپ نے کیا ہے اور یہ جانتے ہوں گے کہ کسے کیا ہے؟ لہٰذا میرے بارے میں پوچھنے کے بجائے آپ اپنا تعارف کرائیں۔"

"میں نے جنہیں فون کیا ہے۔ ان کی آواز نہیں سن رہا ہوں۔ اسی لئے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ اور میری مما کا فون آپ کے پاس کیوں ہے؟"

ندا نے اس کا آخری فقرہ سن کر ذرا چونک کر پوچھا۔ "آپ کی مما کا فون؟"

"جی ہاں .... میری مما .... کہاں ہیں وہ؟"

"وہ ذرا مصروف ہیں' آپ انتظار کریں۔ میں بلا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں .... نہیں انہیں ڈسٹرب نہ کریں۔ صرف یہ پیغام دے دیتا کہ میں ان کا بیٹا کاشف اسلام آباد آیا ہوا ہوں کل شام سات بجے کی فلائٹ سے کراچی پہنچنے والا ہوں۔ وہ مجھ سے رابطہ کرنا چاہیں تو میرے موبائل پر کر لیں۔"

وہ "جی اچھا" کہنے کے بعد فون بند کرنا چاہتی تھی لیکن کاشف نے پوچھا۔ "بائی دا وے آپ نے اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اپنے بارے میں کیا بتاؤں؟ بس آپ کی مما کی ایک اسٹوڈنٹ ہوں۔"

کاشف کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "نہیں میں نہیں مانتا۔ آپ مما کی صرف اسٹوڈنٹ نہیں ہیں۔"

پل بھر کے لئے ندا کو یوں لگا جیسے ان کی چوری پکڑی گئی ہے۔ وہ اور آرزو تنہائی

کیا وقت گزارتی ہیں۔ کاشف کو معلوم ہو چکا ہے۔

اس نے ذرا جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ آپ کوئی معمولی نہیں' مما کی خاص اسٹوڈنٹ ہیں۔ تب ہی تو ان کا پرسنل فون آپ کے پاس ہے۔"

ندا نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ پھر مسکرا کر کہا۔ "آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔"

"تو پھر میرا انعام؟"

"کیسا انعام؟"

"بھئی .... کوئز شوز میں ہوتا ہے۔ درست جواب پر انعام ملتا ہے۔"

وہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔ جواباً وہ بھی ہنسنے لگا پھر ذرا توقف کے بعد ذرا تھمے ہوئے لہجے میں بولا۔ "آپ کی ہنسی بہت اچھی ہے۔ یقیناً مسکراتی بھی اچھا ہوں گی۔"

آج تک آرزو ہی اس کی تعریف کرتی چلی آئی تھی۔ اب ایک لڑکے کی زبان سے اپنی تعریف سن کر اس کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ایسا پہلی بار ہو رہا تھا۔ اس لئے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

فوراً ہی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ کاشف نے پوچھا۔ "آپ چپ کیوں ہو گئیں؟ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کی تعریف کی ہے۔ لگتا ہے کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ اسی لئے آپ خاموش ہیں۔ یا پھر میرا فری ہونا آپ کو ناگوار گزر رہا ہے' لیکن کیا کروں؟ میں ایسا ہی اسٹیٹ فارورڈ قسم کا لڑکا ہوں۔ میرا انداز آپ کو بُرا لگا تو آئی ایم سوری۔"

ندا جلدی سے بولی۔ "ارے نہیں .... آپ نے ایسا کچھ غلط نہیں کہا۔ پھر سوری کیوں کر رہے ہیں؟"

"یعنی میں نے غلط نہیں کہا کہ آپ کی ہنسی اور مسکراہٹ دونوں ہی پیاری ہیں؟ اور آپ خود بھی اس بات کو مانتی ہیں۔"

وہ اپنی بات پکڑے جانے پر ذرا جھینپ گئی۔ شرما کر مسکرائی وہ بولا۔ "میں کل شام سات بجے کراچی پہنچ رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ سے بھی ملاقات ہو گی۔"

اس نے ہامی نہیں بھری' خاموشی سے مسکراتی رہی اپنے دل کی بات کہنے کے لئے لڑکیاں یہی انداز اپناتی ہیں۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ اس نے فون آف کر کے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

وہ تینوں ابھی تک ڈریسنگ روم سے باہر نہیں آئی تھیں۔ وہ وقت گزارنے کے لئے ایک بار پھر بوتیک میں ٹہلنے لگی اور ایسے وقت کاشف سے ہونے والی باتوں کو ذہن میں دہرانے لگی کہ اس نے کون سی بات کے جواب میں کیا کہا تھا اور اس نے اس کی بات کے جواب میں کیا کہا تھا۔

وقت گزر چکا تھا لیکن وہ وہیں ٹھہری ہوئی تھی۔ پانی کی اس بوند کی طرح جو بارش برسنے کے بعد پھول کی کسی پتی پر ٹھہر جاتی ہے۔

پھر جیسے پانی کی وہ بوند پھول کی پنکھڑی سے پھسل کر زمین پر آگری۔ اس کے ذہن نے سوال کیا۔ "یہ تم آرزو کے بجائے اس کے بیٹے کے بارے میں کیوں سوچ رہی ہو؟ وہ تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے۔ تمہارے علاوہ کسی کے بارے میں بھی نہیں سوچتی۔ پھر تم کیوں بھٹک رہی ہو؟"

اس کے اندر سے آواز ابھری۔ "نہیں .... میں بھٹک نہیں رہی ہوں۔ کاشف کی باتیں اچھی لگی ہیں۔ اس لئے اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں اور پھر آرزو تو میری محبت ہے۔ اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ اس کا بیٹا بھی نہیں لے سکتا۔"

انسان جب تک فطری تقاضوں اور ضرورت کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تب تک اپنے طور پر سوچتا اور فیصلے کرتا رہتا ہے لیکن جب من کا صحرا پانی کو ترستا ہے۔ تب ساون کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فی الحال تو وہ جس حال میں تھی خوش تھی لیکن انسان کسی حال میں زیادہ عرصے خوش نہیں رہتا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا علیہ السلام جنت جیسے ماحول میں خوش نہ رہ سکے تو وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ایک ہی ڈگر پر چلتے ہوئے کب تک خوش رہ سکتی تھی؟

☆======☆======☆

سلمان اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ نازلی کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر وہ نازلی سے شادی کر لیتا اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے لگتا ہے تو کیا ایسے میں وہ جمال کے وجود کو برداشت کر سکے گا؟

یہ نازلی کی ایسی شرط تھی جو اُسے الجھا رہی تھی۔ جمال آئندہ چاہے ایک بزرگ کی ہی حیثیت سے ان کے درمیان رہتا لیکن اس کی وہ حیثیت کہ وہ نازلی کا سابقہ شوہر؟ کبھی ختم ہونے والی نہیں تھی اور یہی بات اس کے دل و دماغ میں چبھ رہی تھی۔

وہ مردانگی سے سوچ رہا تھا۔ اسی بات کو انسانیت سے سوچتا تو ایک بوڑھے شخص کو اس کے آخری ایام میں سچی محبت دینا کوئی گناہ نہیں تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ زیر لب بولا۔ "آئندہ جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ پہلے گھر والوں کی رائے معلوم کرنی چاہئے۔ کیا یہ مجھے خود سے جدا کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے؟"

ذہن نے کہا۔ "پہلے اپنی رائے تو معلوم کر لو۔ کیا تم اپنے گھر والوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو؟"

یہ خیال آتے ہی وہ سوچنے لگا۔ ہر پہلو پر غور کرنے لگا تو یہی بات سمجھ میں آئی کہ نازلی سے شادی کرنے میں بہت سے فائدے ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ فرح کی شادی کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہے گی۔

اور دوسرا یہ کہ کچھ کئے بغیر ماہانہ خرچ کے پانچ ہزار روپے ملتے رہیں گے تو امی کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ انہیں مہینے کے آخر میں راشن کے لئے ادھار کرنا پڑتا ہے۔ یہ مسائل اضافی آمدنی سے حل ہو جائیں گے اور پھر یہ شادی میری تعلیم پر بھی اثر انداز نہیں ہوگی بلکہ میں جب تک چاہوں جہاں تک چاہوں پڑھتا رہوں گا۔ کمپیوٹر کا معمولی سا کورس کرنے کے بجائے ہائی اسٹینڈرڈ کا کوئی کورس کر سکوں گا۔

ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ نازلی سے شادی کرنے کے بعد نہ صرف اس کی بلکہ اس کے گھر والوں کی زندگی میں بھی انقلابی تبدیلی آ سکتی ہے۔ رکاوٹ تھی تو صرف یہ کہ سب کو اس رشتے کے لئے راضی کیسے کیا جائے؟ پھر وہ قائل ہوں گے یا نہیں۔ یہ بعد کا مسئلہ تھا۔ فی الحال تو وہ یہ سوچ رہا تھا کہ گھر والوں تک یہ بات پہنچائی کیسے جائے۔

ایسے ہی وقت اُسے فرح کا خیال آیا تو وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ تہہ کئے ہوئے کپڑے الماری میں رکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی۔ "کیا بات ہے؟ آج کمپیوٹر کلاس اٹینڈ کرنے نہیں گئے؟"

وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا بستر کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ سر جھکا کر سوچنے لگا کہ بات کہاں سے شروع کرے؟ فرح نے اُسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "کہاں گم ہو؟ میں نے کچھ پوچھا ہے۔"

وہ ذرا چونک کر بولا۔ "آں .... ہاں .... نہیں گیا۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے تعجب سے بولی۔ "ضروری باتیں اور مجھ سے۔"

"صرف باتیں ہی نہیں کرنی ہیں بلکہ میں تمہیں ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپنے والا ہوں۔"

فرح نے مسکرا کر کہا۔ "یااللہ .... مجھ ننھی سی جان پر رحم کرنا۔ پتہ نہیں میرا یہ بھائی مجھ پر کیا ذمہ داری ڈالنے والا ہے؟ خیر تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا پھر ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ "نازلی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کس حوالے سے؟"

وہ ذرا ہچکچا کر بولا۔ "وہ .... اپنی بھابی بنانے کے حوالے سے۔"

فرح نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا پھر وہ اس سے نظر چراتے ہوئے بولا۔

"نازلی نے .... اس نے مجھے پرپوز کیا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی۔ "تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ لڑکیاں اب تمہیں پرپوز کرنے لگی ہیں؟ ویسے تم بہت لکی ہو تمہیں جو بھی لڑکی پسند کرتی ہے وہ مالدار ضرور ہوتی ہے۔ یعنی تمہارے ہاتھ میں محبت اور دولت کی لکیر ساتھ ساتھ چل رہی ہے لیکن .... کیا نازلی عمر میں تم سے بڑی نہیں ہے؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں ہے .... لیکن جب بوڑھے افراد جوان لڑکیوں سے شادی کر سکتے ہیں تو کیا تھوڑی سی عمر والی لڑکی اپنے سے کم عمر لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی؟ اور ایسا تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے۔"

وہ قائل ہونے کے انداز میں سر ہلانے کے بعد بولی۔ "بس تو پھر دیر کس بات کی ہے؟ نعمان کے بعد تمہارا نمبر لگا دیں گے لیکن ابھی تمہاری تعلیم مکمل نہیں ہوئی ہے۔ تم اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہوئے ہو۔ ایسے میں شادی کیسے ہو سکتی ہے؟"

"تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رہے گی اور جہاں تک ملازمت کی بات ہے تو اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیوں کہ نازلی کا اپنا بزنس ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یعنی تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔"

"ہاں .... لیکن اس رشتے میں تین قباحتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چھ ماہ کے اندر اندر شادی کرنا چاہتی ہے۔ دوسری یہ کہ ...."

وہ آگے کچھ کہنے سے ہچکچانے لگا۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا۔ "فرح! تم سمجھدار ہو۔

اچھی طرح سمجھ سکتی ہو کہ کچھ حاصل کرنے کے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ میں اپنے اس معاملے کو امی کے سامنے بھی پیش کر سکتا تھا لیکن وہ میری بات نہیں سمجھیں گی۔ اس لئے گھر میں سب سے پہلے تمہیں بتا رہا ہوں۔ وہ .... نازلی .... نازلی ایک مطلقہ لڑکی ہے۔"

فرح نے چونک کر اُس دیکھا پھر کہا۔ "کیا تم اتنے گئے گزرے ہو کہ ایک شادی شدہ عورت سے شادی کر رہے ہو؟ ارے تمہیں تو ایک سے ایک لڑکی مل جائے گی۔"

"نازلی بھی اچھی لڑکی ہے۔"

"اُسے لڑکی نہ کہو' وہ تو ایک شادی شدہ اور طلاق یافتہ عورت ہے اور واقعی تم یہ بات امی کے سامنے رکھتے تو وہ کبھی اس رشتے کے لئے ہاں نہ کہتیں۔ میں بھی نہیں کہوں گی۔"

"کیوں نہیں کہو گی؟ ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو۔ اگر تمہاری شادی ہو جائے اور وہ شخص تمہارے قابل نہ ہو اور تم طلاق لے کر گھر آ جاؤ تو کیا ہماری نظروں سے گر جاؤ گی؟ تمہارا اچھا دل' تمہاری اچھی شخصیت سب کچھ ختم ہو جائے گی؟ نہیں فرح! اچھا انسان تو اپنی آخری سانس تک اچھے کردار اور اچھے دل کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ نازلی کو ایک مرد نے اپنا نام دیا پھر چھین لیا۔ اب میں اسے نیک جذبے کے ساتھ اپنا نام دینا چاہتا ہوں۔ ایک مرد کی ٹھکرائی ہوئی عورت کو دوسرا مرد سنبھالنا چاہتا ہے۔ تو تمہیں ایک لڑکی ہونے کے ناتے اور امی کو ایک عورت ہونے کے ناتے اس نیک کام میں میرا ساتھ دینا چاہئے۔ اس لڑکی کے ساتھ نیکی کرنا چاہئے جو تمہاری ہی طرح ہے۔ تم عورتیں ہی ایک دوسرے کو نہیں سنبھالو گی تو ہم مردوں کا معاشرہ تمہیں کچلتا چلا جائے گا۔"

وہ جو کہہ رہا تھا درست کہہ رہا تھا۔ فرح سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پھر بولی۔ "میں تو راضی ہو جاؤں گی لیکن امی ....!"

"انہیں منانا تمہارا کام ہے۔ میں نے یہ بات تمہارے سامنے اسی لئے رکھی ہے کہ تم امی سے بات کرو گی۔ جس طرح ہم سب نازلی کا رشتہ منظور کر کے اس پر احسان کریں گے اسی طرح وہ بھی ہم سب پر احسان کرنا چاہتی ہے۔"

اُس نے پوچھا۔ "کیسا احسان؟"

"اس دنیا میں اس ہاتھ دے' اس ہاتھ لے کا قانون چلتا ہے۔ سب اپنے طور سے مشکل کا حل ڈھونڈنے کے راستے نکالتے ہیں۔ میں نے نازلی سے کہا تھا کہ میں اپنی

بہن کی شادی سے پہلے اپنی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تو جانتی ہو اس نے کیا کہا؟"

وہ اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی' وہ بولا۔ "اس نے کہا کہ تمہاری بہن کی شادی ان چھ مہینوں کے اندر ہوتی ہے یا نہیں یہ میری ذمہ داری نہیں ہے لیکن میں ان کی شادی کے نام پر دو لاکھ روپے تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروا دوں گی۔"

"کس کے اکاؤنٹ میں؟"

"میرے .... سلمان انصاری کے اکاؤنٹ میں۔ اب تم خود ہی دیکھو' ہم اس کی مشکل حل کر رہے ہیں تو وہ بھی ہماری مشکل کو سمجھ رہی ہے اور حل بھی کر رہی ہے۔ ابو جوانی سے اور اب اس بڑھاپے تک محنت کرتے آ رہے ہیں لیکن تم ہی بتاؤ۔ ابھی تمہارا کہیں سے رشتہ آ جائے تو کیا ہماری مالی حیثیت ایسی ہے کہ ہم فوراً ہی ہاں کہہ دیں اور تمہاری شادی کر ڈالیں؟"

وہ ایک ذرا اداسی سے مسکرائی۔ پھر بولی۔ "میری شادی کے لئے دو لاکھ حاصل کرنے کے لالچ میں اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ نہ کر لینا سلمان! امی تو یہ آفر سن کر شاید تم سے سوچنے کا ٹائم بھی نہ لیں۔ فوراً ہی نازلی کے رشتے کو ہاں کہہ دیں لیکن میں کہہ چکی ہوں جو قدم بھی اٹھاؤ' سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔"

"فرح! میرا نازلی سے شادی کرنے کا فیصلہ غلط نہیں ہے۔"

"اس کی تو گاڑی ہی اتنی بڑی تھی' یقیناً گھر بھی بہت بڑا ہو گا۔ کیا وہ ہمارے اس چھوٹے سے گھر میں گزارہ کر لے گی؟"

بہن کے اس سوال پر وہ نظریں چرانے لگا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا اس شادی کے سلسلے میں تین قباحتیں ہیں جن میں سے دو تم سن ہی چکی ہو اور ایک ابھی باقی ہے۔"

وہ اُسے توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں چرانے کا انداز بتا رہا تھا کہ تیسری قباحت کسی حد تک ناقابل قبول ہے۔ وہ ذرا دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ "وہ .... وہ یہاں ہم سب کے ساتھ نہیں رہے گی بلکہ .... مم .... مجھے اس کے ساتھ رہنا ہے۔"

فرح نے ایک دم سے چونک کر اُسے گھورا پھر کہا۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو سلمان! صاف کیوں نہیں کہتے کہ اس کے اور تمہارے درمیان سودے بازی ہوئی ہے

نے تمہیں خرید لیا ہے اور تم کیسے ہو؟ جو صرف دو لاکھ کے عوض بکنے جا رہے ہو؟"

"غلط انداز سے مت سوچو۔ یہ دیکھو کہ ایسا کرنے سے ہماری کون سی مشکل حل ہوتی ہے؟"

"بھائی کے بک جانے سے بہن کی شادی ہو جاتی ہے' یہی ہے تمہاری منطق؟"

"میں اور نعمان .... تم دو بہنوں کے دو بھائی۔ تمہارے ساتھ ہیں لیکن تمہیں پال رہے ہیں؟ نعمان بھائی صرف شادی کے لالچ میں کما رہے ہیں۔ اگر آج انہیں پتہ چل جائے کہ ان کا رشتہ نہیں ہو رہا ہے تو وہ یہ ملازمت چھوڑ دیں گے۔ یعنی اس بھائی کو سوائے اپنی ذات کے کسی سے محبت نہیں ہے۔ ایسے بھائی کو ساتھ رکھ کر بہت خوش ہو؟ اور ایک میں تمہارا بھائی ہوں جو ابھی پڑھ رہا ہے۔ جب تک میری تعلیم مکمل ہو گی پھر میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جاؤں گا۔ تب تک تم ڈھیروں مشکلات اٹھانے کے بعد اپنے سسرال پہنچ چکی ہو گی۔ بہنوں کے رخصت ہونے کے بعد میری کمائی اس گھر میں آئے گی۔ اس کا مطلب میں بھی خود غرض ہوں۔ گھر کے ہزاروں خرچے روک کر میرے تعلیمی اخراجات پورے کئے گئے۔ میرے مستقبل کو سنوارنے کے لئے .... لیکن جب مستقبل آیا تو بہنیں کسی نہ کسی طرح اپنی سسرال پہنچ گئیں اور اماں ابا اوپر پہنچ گئے۔ اب بتاؤ .... تم لوگوں کو مشکلات اٹھانے اور مجھے تعلیم دلوانے کا کیا فائدہ ہوا؟"

"تم صحیح کہہ رہے ہو لیکن ایسا تو ہوتا ہی ہے۔"

"نہیں فرح! اپنی ذات سے کسی کو مشکل میں ڈالنا بہت ہی آسان کام ہے لیکن مزہ تو تب ہے جب ہم اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ میں یہاں رہ کر اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں دے پا رہا ہوں۔ صرف تعلیم حاصل کر رہا ہوں لیکن نازلی کے پاس رہ کر تعلیم کے ساتھ ساتھ تم لوگوں کا بوجھ بھی اٹھاؤں گا۔ میں دور رہوں یا تم سب کے قریب کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہاں .... فرق اس وقت پڑتا ہے جب گھر میں راشن نہ ہو۔ ایسے وقت بہن یا بھائی کی صورت کی ضرورت نہیں ہوتی' پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم کسی دودھ والے کو بھائی کا منہ دکھا کر آدھا پاؤ دہی بھی نہیں لا سکتی ہو۔"

یہ سن کر وہ مسکرانے لگی۔ سلمان نے کہا۔ "ہاں .... یہی حقیقت ہے۔ ابو اور نعمان بھائی کی تنخواہ کے علاوہ امی کے ہاتھ میں ہر ماہ پانچ ہزار روپے آتے رہیں گے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے تو باہر ہیں۔"

"پلیز .... سمجھنے کی کوشش تو کرو۔ تم نہیں سمجھو گی تو امی کو کیسے سمجھاؤ گی؟"

"میرا مشورہ مانو تو امی تک یہ باتیں خود ہی پہنچا دو' وہ صرف نعمان کو ہی نہیں تمہیں بھی بہت چاہتی ہیں اور نہیں خیال کہ وہ تمہیں یوں رخصت ہونے دیں گی۔"

وہ ذرا خفگی سے بولا۔ "تم مجھے مایوس کر رہی ہو' لگتا ہے اس سلسلے میں مجھے نداء سے بات کرنا پڑے گی؟"

فرح نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "سلمان! کیا واقعی تم اس معاملے میں سیریس ہو؟"

"اتنی بحث کے بعد بھی تم یہ سوال کر رہی ہو؟ میں سنجیدہ ہوں تب ہی امی سے بات کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ صرف اپنی ہی غرض سے نازلی کے پاس تو نہیں جا رہا۔ سب ہی کا فائدہ دیکھتے ہوئے یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔"

"تم اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کرو۔ سمجھو پھر امی کو سمجھاؤ۔"

اُس نے یہ کہہ کر اس کا کندھا تھپکا پھر وہاں سے اٹھ کر کمرے سے چلا گیا اور اُسے سوچنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔

☆======☆======☆

آگ بجھنے سے پہلے بھڑکتی ضرور ہے اسی طرح کچھ عرصے بعد دور ہو جانے کا یقین ہو اور جدائی کے لمحات قریب آنے والے ہوں تو محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

وہ دونوں عجیب حالات سے گزر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہنے کے باوجود ایک دوسرے سے دور ہو جانے کے راستے ہموار کر رہے تھے۔

اس وقت وہ جمال کے قریب تھی لیکن خیالوں ہی خیالوں میں سلمان کے پاس پہنچی ہوئی تھی۔

جمال اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا پھر اس کی پیشانی کو چوم کر بولا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ ذرا چونک کر بولی۔ "سوچ رہی ہوں کیا سلمان اپنے گھر والوں کو قائل کر سکے گا؟"

"کیوں نہیں؟ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لئے کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے اور اُسے تو پھر اپنے گھر والوں کو سپورٹ کرنے کی سہولت بھی مل رہی ہے۔"

"اگر ان تمام باتوں کے بعد بھی اس کے گھر والے راضی نہ ہوئے تو کیا ہو گا؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تو وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔"

وہ اس کے شانے پر ایک مکا مارتے ہوئے بولی۔ "اگر آپ خدا کی مرضی پر راضی ے والے ہوتے تو پھر مجھے اس مشکل میں کیوں ڈالتے؟ اب بھی وقت ہے جمال! سوچ مجھے نہیں لگتا کہ آپ کے جیتے جی آپ سے علیحدہ ہو پاؤں گی۔ آپ کبھی تصور میں طلاق کے کاغذات پر دستخط کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔"

جمال نے بڑی محبت سے اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہوتا ہے میری ی جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے وہ ہو جاتا ہے۔ تم سلمان کی بات کرو اگر وہ تمہاری ف پوری طرح مائل ہو چکا ہے تو پھر ضرور اپنے گھر والوں کو راضی کر لے گا۔"

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر ذرا خفگی سے بولی۔ "اب تو میں جب بھی آپ کے پاس ہوں تو آپ صرف سلمان کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا ہم اپنی باتیں نہیں کر سکتے؟"

"نازلی! پریکٹیکل ہو کر سوچو۔ ہمارے درمیان جو مسئلہ چل رہا ہے اس پر بات کرتے نے سے اس کی خامیوں اور خوبی کا بخوبی اندازہ ہوتا رہے گا۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ناراضگی سے منہ پھیر کر دوسری طرف بیٹھ گئی۔

دیر بعد ہی اُسے اپنی گردن پر گرم سانسوں کی آنچ محسوس ہوئی پھر وہ ہونٹ اس کے ن کی لو سے گردن تک رینگنے لگے۔

اس نے ذرا کسمسا کر سر گھمایا پھر مسکرا کر کہا۔ "جمال' آپ مجھ سے دور رہ ہی نہیں ے۔"

اس نے سرگوشی میں کہا۔ "خوش فہمی میں مبتلا نہ رہو۔ ناراضگی سے دور ہوئی تھیں لئے منانے آیا ہوں۔"

وہ اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔ "او جمال! آپ بہت وہ ہیں۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "اب تو آپ کے وہ .... سلمان ہوں گے۔"

وہ اپنی ہتھیلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "دیکھیں میرے ہاتھ میں دوسری ی کی کوئی لکیر نہیں ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "کوئی بات نہیں .... چاقو لاؤ میں ابھی بنا دیتا ں۔"

وہ اسے گھور کر ہنسنے لگی۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو جمال نے پوچھا۔ "ن؟"

باہر سے کمال کی آواز سنائی دی۔ "میں ہوں ڈیڈ!"

اس نے کہا۔ ”کم اِن۔“
نازلی نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ ”ہاتھ تو چھوڑیں۔“
اس نے اُسے اور مضبوطی سے تھامتے ہوئے پوچھا۔ ”کیوں؟“
اس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ کہتی کمال دروازہ کھول کر اندر آ گیا پھر ان کے ہاتھوں کو ذرا حقارت سے دیکھ کر بولا۔ ”سوری .... شاید میں غلط وقت پر آ گیا؟“
جمال نے کہا۔ ”ارے نہیں نہیں .... تم کہو بات کیا ہے؟“
اس نے ایک نظر نازلی پر ڈالی پھر باپ سے کہا۔ ”بات ایسی ہے آپ محبت سے تھاما ہوا ہاتھ حقارت سے جھٹک دیں گے۔“
ان دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر کمال کو دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ وہ اس میں سے ایک اور لفافہ نکال کر انہیں دکھاتے ہوئے بولا۔ ”ڈیڈ! اس میں جو ہے اسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی۔“
نازلی نے پریشان ہو کر جمال کو دیکھا اس نے بیٹے سے پوچھا۔ ”کیا ہے اس لفافے میں......... کیا ہے؟“
وہ بولا۔ ”اس لفافے میں ایسا بم ہے جس کے بلاسٹ ہوتے ہی آپ کی تھرڈ وائف کی تھرڈ کلاس اصلیت سامنے آ جائے گی۔“
جمال غصے سے دھاڑا۔ ”یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟“
اس نے نازلی کو دیکھا پھر باپ سے کہا۔ ”آپ کو میری باتیں بری لگ رہی ہیں لیکن کچھ دیر بعد آپ بھی اسی انداز میں بولنے لگیں گے۔“
”بکواس ہی کرتے رہو گے یا جو لائے ہو وہ بھی دکھاؤ گے؟“
جمال نے یہ کہہ کر لفافہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ کمال نے انکار میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”جو لایا ہوں وہ دکھانے سے پہلے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
نازلی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ جمال بھی متجسس تھا۔ کمال ٹہلنے کے انداز میں اِدھر سے اُدھر گیا پھر بولا۔ ”ڈیڈ! میری ممی، بہن اور میں دوسری امی اور ان کی بیٹیاں ہم برسوں سے آپ کے ساتھ رہ رہے ہیں اگر میں پچیس برس کا ہوں تو ممی نے آپ کے ساتھ ستائیس برس تو ضرور گزارے ہوں گے۔ اس عرصے میں انسان تو کیا کسی جانور سے بھی گہری وابستگی ہو جاتی ہے لیکن تین چار سال تو کچھ بھی نہیں ہوتے ڈیڈ! ممی نے اپنی آدھی عمر آپ کے نام کر دی۔ آپ کے ساتھ ہی گزاری۔ صلے میں آپ

انہیں کیا دیا لیکن یہ لڑکی۔“
اس نے بڑی حقارت سے نازلی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ لڑکی آپ کی ...گی میں صرف تین چار برس سے آئی ہے۔ اس میں ایسی کیا خاص بات ہے جس نے ...کی ستائیس سالہ محبت کو آپ کے ذہن سے دھو ڈالا؟ چار برس کی محبت کے صلے میں ...ے آدھی جائیداد ملی لیکن میری ممی کو کیا ملا؟“
جمال غصے سے بیٹے کی باتیں سن رہا تھا پھر بولا۔ ”یہ میرے ذاتی معاملات ہیں، تم ...ہو ان معاملات میں ٹانگ اڑا کر میرے باپ نہ بنو۔“
وہ بولا۔ ”جب آپ باپ کا فرض پوری طرح نہیں نبھائیں گے تو مجھے مجبوراً باپ بن ...یاد دلانا پڑے گا کہ ہم بچے آپ کا لہو ہیں۔ آپ کی زندگی میں اس بازاری عورت سے ...دہ اہم ہیں۔“
اپنے لئے ایسا لفظ سنتے ہی نازلی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جمال شدید غصے میں ...ے اترا پھر کمال کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارتے ہوئے بولا۔ ”کیا بک رہے ہو؟ ...تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔“
وہ اپنے ہاتھ سے گال سہلا رہا تھا۔ ایک عورت کے سامنے ذلت کے احساس سے وہ بھڑک گیا۔ وہ غصے سے بولا۔ ”کس کس کی زبان کھینچیں گے آپ؟“
وہ نازلی کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں سننے کے بعد غصے سے بھرا ہوا تھا۔ بیٹے کی ...ان کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے بولا۔ ”مجھے کمزور نہ سمجھو، میرے اندر ...ی اتنا دم ہے کہ نازلی کے خلاف بولنے والے کی زبان کھینچ سکوں اور اس کا منہ کچل ...وں۔“
وہ ایک جھٹکے سے اپنی گردن کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کے بعد بولا۔ ”کہنے ...کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے ڈیڈ! آپ نے اس عورت کی وجہ سے آج مجھ پر ہاتھ ...یا ہے کل کسی اور پر اٹھائیں گے۔ میں بیٹا ہو کر برداشت کر گیا لیکن کوئی اور نہیں ...رے گا۔ آپ کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لے گا۔“
نازلی نے مداخلت کی۔ ”جب سے آئے ہو بکواس کئے جا رہے ہو، آخر تم چاہتے کیا ...

...اُسے دیکھ کر غصے سے بولا۔ ”تم .... ہم باپ بیٹے کے بیچ نہ بولو۔“
جمال نے کہا۔ ”تم کون ہوتے ہو اسے چپ کرانے والے؟“

یہ کہہ کر اس نے بیٹے کے سینے پر ایک ہاتھ مارا۔ وہ دو قدم پیچھے گیا۔ باپ نے
پوچھا۔ "تم اسے کس بناء پر بازاری عورت کہہ رہے ہو؟ بولو۔"
وہ بولا۔ "ڈیڈ! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ کی بھلائی کے لئے جان بھی دے سکتا
ہوں۔ میں نے بڑی مشکل سے اس عورت کی اصلیت معلوم کی ہے اور یہ ثبوت بھی
حاصل کئے ہیں۔ یہ ومپائر ہے ڈیڈ! آپ کا لہو چوسنے تک آپ کے ساتھ رہے گی پھر کسی
نئے شکار کی طرف چلی جائے گی۔"
یہ کہتے ہی اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دو لفافوں میں سے ایک لفافے کو بیڈ کی
طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "میری باتوں پر تو یقین نہیں آتا اب آپ اپنی آنکھوں سے
اس کی اصلیت دیکھ لیں۔"
جمال نے جھپٹ کر وہ لفافہ اٹھایا۔ نازلی بھی اس کے قریب آ گئی۔ کمال دور کھڑا
انہیں مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ جمال نے بڑی تیزی سے لفافے کو کھولا تو اس میں سے نازلی
کے ایسے فوٹوگراف درآمد ہوئے جنہیں دیکھ کر وہ دونوں ہی سکتے میں آ گئے۔
اپنی ایسی بے ہودہ تصویریں دیکھ کر نازلی کی آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھانے
لگا۔ وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ہر تصویر میں وہ کسی لڑکے کے ساتھ قابل اعتراض حالت
میں تھی۔ ان تصویروں میں کہیں کہیں سلمان کا چہرہ بھی دکھائی دیا تھا۔
اس کا سر گھوم رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو کبھی ہوا نہیں وہ تصویروں میں
کیسے آ گیا؟ جمال نے تصاویر کو بیڈ پر پٹختے ہوئے غصے سے کہا۔ "کمال! یہ کیا بکواس ہے؟"
کمال نے کہا۔ "آپ تفصیلی ثبوت کو بھی بکواس کہہ رہے ہیں؟"
وہ غصے سے غرایا۔ "جھوٹ کو جھوٹ ہی کہا جاتا ہے۔ یہ تصویریں نازلی کی نہیں
ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کا کارنامہ ہے۔"
وہ خباثت سے مسکرا کر بولا۔ "بڑا اعتماد ہے آپ کو اپنی بیوی پر لیکن سب کو تو نہیں
ہو گا۔ یہ تصاویر اس کی شخصیت کا اشتہار بن جائیں گی۔"
نازلی نے ایک دم سے پریشان ہو کر کمال کو دیکھا پھر التجائیہ لہجے میں جمال سے کہا۔
"کچھ کریں جمال! ان تصویروں پر کسی کی نظر پڑ گئی تو میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں
رہوں گی۔ کوئی بھی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا کہ یہ تصویریں میری نہیں ہیں۔"
باپ شدید غصے سے بیٹے کو گھور رہا تھا۔ وہ خباثت سے مسکرا کر بولا۔ "تم فکر نہ کرو۔
یہ تصویریں کسی کو نہیں، سب کو ہی دکھائیں گے ان کے نیگیٹو میرے پاس ہیں اور میں ان

یعے جب چاہوں گا جتنے چاہوں گا پرنٹ نکلواؤں گا۔"
ایسا کہتے ہوئے وہ ہاتھ میں تھامے ہوئے لفافے کو سہلا رہا تھا جس سے صاف ظاہر
رہا تھا کہ اس لفافے میں ان تصاویر کے نیگیٹوز ہیں۔
نازلی ایک دم سے رو پڑی۔ جمال خاموش تھا کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر بولا۔ "تم اس سے
نی کیوں کر رہے ہو؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"
وہ روتی ہوئی نازلی کو دیکھ کر بولا۔ "یہ میرا کیا بگاڑ لے گی؟ قصوروار تو آپ ہیں لیکن
پ کی غلطی اس بے چاری کو بھگتنا پڑے گی۔ آپ اس غلطی کا ازالہ کر دیں۔ اس کی
ختم ہو جائے گی۔ اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے آپ کی آدھی جائیداد پر میرا حق ہے۔ میرا
ق مجھے دے دیں تو میں آپ کو یہ نیگیٹوز دے دوں گا۔"
جمال نے کہا۔ "یعنی میں اپنی جائیداد کو تم جیسے عیاش بیٹے کے نام کر کے اپنی برسوں
کی محنت پر پانی پھیر دوں۔"
وہ ڈھٹائی سے مسکرا کر بولا۔ "یہ تو آپ کو کرنا ہی پڑے گا اور نہیں کریں گے تو میں
پ کو دکھاؤں گا کہ یہ نیگیٹوز بھی میرے پاس رہیں گے اور آپ کی جائیداد بھی خود بخود
رے پاس چلی آئے گی۔"
جمال اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نازلی نے کہا۔ "پلیز کمال! ایسا ظلم نہ
رو۔ تم جو چاہو گے وہی ہو گا لیکن پلیز ...... یہ نیگیٹوز مجھے دے دو۔"
پھر وہ جمال کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "پلیز جمال! اس سے کہیں کہ یہ نیگیٹوز
ھیں دے دے۔ میں اپنے نام ہونے والی تمام جائیداد اس کے نام کر دوں گی۔"
کمال نے کہا۔ "تم مجبور ہو کر ایسا کہہ رہی ہو اور مجبور تب تک مجبور ہوتا ہے جب
تک اس کی مجبوری ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ میں ڈیڈ کو اچھی طرح سے جانتا ہوں، یہ
یٹوز حاصل کرنے کے بعد میرے نام کی ہوئی جائیداد کو دوبارہ چھین لیں گے۔ میں بھی ان
کا بیٹا ہوں۔ بے وقوف نہیں۔ جائیداد اپنے نام پر کروانے کے بعد بھی میں چند نیگیٹوز
اپنے پاس ہی رکھوں گا۔ تاکہ یہ جب بھی کوئی کارروائی کریں تو میں جواباً کچھ کر سکوں۔"
وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ نازلی اس کی بات سن کر مزید پریشان
ئی۔ عجیب الجھن تھی۔ کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے جمال سے کہا۔ "پلیز
آپ ہی اسے یقین دلائیں کہ ہم جائیداد اس کے نام کرنے کے بعد کوئی بھی
رروائی نہیں کریں گے۔"

وہ باپ کو سوچ میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر بولا۔ "گھر کی بات ہے۔ آرام سے سوچکر غور کریں پھر کوئی فیصلہ دیں۔"

جمال سوچ رہا تھا کہ نقصان دونوں ہی صورتوں میں ہے۔ جائیداد اس کے نام کر دینے کے بعد بھی ہم بلیک میلنگ کا شکار ہوتے رہیں گے۔

پھر اس نے بیٹے سے کہا۔ "اگر میں تمہیں یقین دلاؤں کہ جائیداد کی منتقلی کے بعد کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ تو کیا تم تمام نیگیٹوز ہمارے حوالے کر دو گے؟"

وہ کچھ سوچ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ "میں مانتا ہوں کہ آپ باپ ہیں، بزرگ ہیں، اپنی زبان سے نہیں پھریں گے لیکن میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ مجھے ذرا سوچنے کا موقع دیں۔"

جمال اپنے بیٹے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ یوں آسانی سے ان کو ان کی کمزوری حوالے نہیں کرے گا۔ یا کر بھی دے گا تو اپنے پاس بھی ضرور ایسا کچھ رکھے گا جس کے ذریعے بعد میں انہیں بلیک میل کرتا رہے گا۔

جمال گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا اور یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ کمال سے تمام نیگیٹوز حاصل کرنے کے لئے کوئی جارحانہ انداز اختیار کرنا پڑے گا۔

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھ گیا۔ ایسے وقت اس کی نگاہیں سائیڈ ٹیبل کے دراز پر جمی ہوئی تھیں۔ کمال نے دروازے کی طرف پلٹ کر کہا۔ "آپ بھی سوچیں، میں بھی غور کرتا ہوں۔ صبح بات ہو گی۔"

وہ سیٹی بجاتا ہوا وہاں سے پلٹ کر جانا چاہتا تھا ایسے ہی وقت جمال کی تیز آواز سنائی دی۔ "رک جاؤ کمال!"

وہ باپ کی آواز سن کر رک گیا پھر پلٹ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ نازلی بھی پریشان ہو کر جمال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ہاتھوں میں ریوالور تھامے بیٹے کا نشانہ لئے کھڑا تھا۔ کمال نے گھبرا کر کہا۔ "ڈیڈ! یہ کیا کر رہے ہیں؟ گولی چل جائے گی۔ ہٹائیں اسے............"

وہ ٹریگر پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔ "گولی خواہ مخواہ نہیں چلتی، چلانے والے کی مرضی سے چلتی ہے لیکن اس وقت چلے گی تو میری مرضی سے یا تمہارے انکار سے۔ تم چاہو تو ریوالور تمہارے سامنے سے ہٹ سکتا ہے۔"

نازلی بیڈ پر سے اٹھ کر اس کے قریب آئی پھر سمجھانے کے انداز میں بولی۔ "پلیز

ہٹالیں! ریوالور نیچے کرلیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... اس کا فیصلہ تو اس لڑکے کے ہاتھ میں ہے۔"

کمال نے پریشان ہو کر ہاتھ میں تھامے ہوئے لفافے کو دیکھا پھر کہا۔ "آپ .... آپ یہ نیگیٹوز حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں .... یہ تو آپ کو اسی صورت میں ملیں گے جب آپ نازلی کے نام ہونے والی آدھی جائیداد کو میرے نام کر دیں گے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم جیسے آوارہ اور بلیک میلر کے نام تو میں اب پھوٹی کوڑی بھی نہیں کروں گا۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ یہ نیگیٹوز میرے حوالے کر دو۔ لاؤ۔"

اس نے لفافے کو لینے کے لئے ایک ہاتھ آگے بڑھایا تو کمال ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "نہیں ڈیڈ! میں آپ کی دھمکی کے آگے ہار نہیں مانوں گا۔"

وہ غصے سے دھاڑا۔ "میں دھمکی نہیں دے رہا ہوں۔"

نازلی نے جمال کا شانہ تھامتے ہوئے کہا۔ "پلیز .... اسے ہٹا لیں۔ آپ اس وقت غصے میں ہیں۔ ہتھیار کے بل پر کبھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ مزید بگڑتا ہے۔"

کمال گھبرایا ہوا تھا لیکن ایک ذرا اطمینان بھی تھا کہ بوڑھا باپ اکلوتے بیٹے پر گولی نہیں چلائے گا۔ وہ صرف دھمکانے اور نیگیٹوز حاصل کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔

اس نے اپنا ایک ہاتھ پیچھے لے جا کر دروازے کے ہینڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈ! مجھے جانے دیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "تم یہ نیگیٹوز دیئے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتے۔ زبردستی جانا چاہو گے تو اپنے کمرے کے بجائے اوپر پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

نازلی نے ایک دم سے پریشان ہو کر جمال کو دیکھا پھر تیز لہجے میں کہا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

کمال ایک دم سے قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولا۔ "ڈیڈ! آپ .... آپ مجھے ماریں گے؟ اپنے اکلوتے بیٹے کو؟ واحد جانشین کو ماریں گے؟ دھمکانے کا اچھا انداز ہے لیکن ذرا غیر حقیقی ہے۔"

جمال نے دانت پیستے ہوئے بیٹے کو گھورا۔ نازلی نے اُسے غصے سے ڈانٹ کر کہا۔ "کمال! ایسی باتیں کر کے اپنے ڈیڈی کو کیوں جوش دلا رہے ہو؟"

وہ بڑی ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا۔ "جوش .... بوڑھے خون میں جوش کہاں ہوتا ہے؟ یہ ہم نوجوانوں کے گرم خون میں پایا جاتا ہے۔"

جمال بیٹے کی باتیں سن کر غصے سے کانپ رہا تھا۔ نازلی نے اس سے کہا۔ "پلیز .... آپ اس کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ خدا کے لئے ریوالور پھینک دیں' عزت اور ذلت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ان جھوٹی تصاویر سے مجھے بدنام نہیں کر سکے گا لیکن خدارا آپ طیش میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھائیں۔"

کمال نے کہا۔ "ارے نازلی! کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ ایک باپ اپنے بیٹے کو گولی نہیں مار سکتا اور وہ بھی اپنے اکلوتے وارث کو۔"

جمال نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "تم نیگیٹوز میرے حوالے کر دو۔"

کمال نے "سوری ڈیڈ!" کہتے ہوئے ہینڈل پر ذرا دباؤ ڈالا کھٹ کی آواز سنائی دی۔

وہ پلٹ کر جانا چاہتا تھا ایسے ہی وقت ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے گھٹنے میں آ کر لگی۔

اس کے بدن میں جیسے آگ سی بھر گئی۔ وہ ایک دم سے لڑکھڑا کر رہ گیا۔ جھک کر اپنے گھٹنے کو چھونے کی کوشش کرنے لگا لیکن تکلیف کی شدت سے ہاتھ نہیں رکھا جا رہا تھا۔

نازلی نے چیخ کر کہا۔ "جمال! یہ آپ نے کیا کیا؟"

جمال نے غصے سے غرا کر بیٹے سے کہا۔ "اب بھی وقت ہے نیگیٹوز مجھے دے دو۔"

وہ تکلیف سے کراہ کر بولا۔ "آپ نے اس عورت کی وجہ سے مجھ پر گولی چلائی ہے؟"

"میں اس کی وجہ سے تمہیں ختم بھی کر سکتا ہوں اور ابھی چلنے والی گولی اس بات کا ثبوت ہے۔"

وہ بڑی حقارت سے نازلی کو دیکھ کر اپنے لباس سے ریوالور نکالتے ہوئے بولا۔ "جس کی وجہ سے مجھے ختم کرنے کی دھمکی مل رہی ہے کیوں نہ میں اسے ہی ختم کر ڈالوں؟"

نازلی کے پیروں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی پتہ نہیں کیا ہونے والا تھا؟ دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے تھے۔ کمال نے اس کا نشانہ لیا پھر اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر کو

ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی چلی اور کمال کے سینے میں آگ بھرتی ہوئی گزر

نازلی نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ایک زوردار چیخ ماری۔ ایسے ہی وقت اور فائر ہوا اس بار باپ کی طرف سے نہیں بیٹے کی طرف سے گولی چلی تھی۔

وہ آخری وقت میں اپنی ماں کی سوکن کو ختم کر کے دنیا سے رخصت ہونا چاہتا تھا ڈگمگانے کی وجہ سے اس کا نشانہ چوک گیا۔ اس کی اندھی گولی نے ماں کو بیوہ بنا ڈالا۔

جمال کو کچھ کہنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ گولی سیدھی آ کر دل میں اتر گئی۔ نازلی کے عالم میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے زمین بوس ہوتے ہوئے جمال کو دیکھ رہی دوسری طرف کمال فرش پر ساکت پڑا تھا۔

جمال نے گرتے ہی آخری ہچکی لی پھر وہ بھی ساکت ہو گیا۔ کمرے میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ نازلی کے دونوں ہاتھ اب بھی اس کے کانوں پر تھے۔ اس نے انہیں دھیرے ہٹایا لیکن خاموشی ختم نہیں ہوئی۔ اس کے اندر اب بھی دھماکے ہو رہے تھے۔

وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے فرش پر پڑے جمال کو تک رہی تھی۔ ایسے ہی وقت اُسے اپنے کانوں میں اپنی ہی آواز سنائی دی۔ "مجھے نہیں لگتا کہ میں کبھی جیتے جی آپ سے الگ ہوں گی یا آپ طلاق کے کاغذات پر کبھی دستخط کریں گے۔"

قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اسے اپنے شوہر سے الگ ہونا ہی تھا۔ مطلقہ کی حیثیت سے نہی' بیوہ کی حیثیت سے ہی سہی۔

پھر وہ جیسے ایک دم سے چونک گئی۔ تیزی سے پلٹ کر بیڈ پر پڑی ہوئی تصاویر کو سمیٹ کر لفافے میں رکھنے لگی۔ اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد اس نے مردہ کمال کو دیکھا۔ نیگیٹوز کا لفافہ اب بھی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کی لاش کے قریب آئی۔ زندگی میں پہلی بار کسی مردے کے قریب آئی تھی۔ دل و دماغ پر دہشت سی طاری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی حرکت میں آئے گا اور اپنے باپ کی طرح اسے بھی مار ڈالے گا۔

اس نے لفافہ حاصل کرنے کے لئے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا تو ایسے وقت اس کا پورا وجود خوف سے لرز رہا تھا۔ اس نے ایک نظر کمال کے چہرے پر ڈالی۔ پھر بڑی تیزی سے لفافہ جھپٹ لیا جیسے وہ دیر کرے گی تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے گا۔

پھر اس نے بڑی پھرتی سے ان دونوں لفافوں کو الماری کے سیف میں لاک کر دیا۔

ایسے وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عقلمند بن گئی ہے یا خود غرض؟

وہ بیوہ ہو چکی تھی۔ شوہر کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی لیکن وہ اب تک اس کے قریب نہیں گئی تھی۔ ان تصاویر کو چھپانے میں مصروف رہی تھی جو اس کے شوہر کی طرح مردہ تھیں لیکن اس کی بدنامی کا اشتہار بننے والی تھی۔ اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ جمال کے پاس آئی تو اُسے یوں لگا جیسے اس کے پاؤں بے جان ہو گئے ہیں۔ اس کے وجود کو برداشت نہیں کر پا رہے ہیں۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی شوہر کی لاش کے قریب ہی گر پڑی۔

اس کی نگاہوں کے عین سامنے وہ چہرہ تھا جو کچھ دیر پہلے اس سے ہنس بول رہا تھا۔ وہ اس کے قریب تھی لیکن اس کی قربت کی آنچ نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی؟

نازلی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر اس کے چہرے کو بھگونے لگے۔ پھر وہ سرد پڑے ہوئے محبوب سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆------☆------☆

ایئرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں آ کر ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ آرزو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ پھر کچھ دیر بعد کھڑکی پر جھک کر اندر جھانکتے ہوئے بولی۔ "ندا! آؤ ناں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "نہیں .... تم جاؤ' میں یہیں انتظار کروں گی۔"

وہ بولی۔ "بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ کیا گاڑی میں بیٹھ کر کاشف کو ریسیو کرو گی؟ چلو .... باہر آؤ۔"

"پلیز آرزو! ضد نہ کرو' میں نہیں جاؤں گی۔ تمہاری ضد پر یہاں تک آ گئی ہوں' یہی کافی ہے۔"

وہ بولی۔ "او کے .... میرا بیٹا آ رہا ہے اور میں ایسے موقع پر تمہیں ناراض کرنا نہیں کرنا چاہتی۔"

اتنا کہہ کر وہ ڈرائیور کے ساتھ ایئرپورٹ کی عمارت کی طرف بڑھ گئی اور ندا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ رات کو فرح نے اسے سلمان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ اور نازلی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہ رہے ہیں لیکن اس شادی کے لئے جو شرائط رکھی گئی ہیں وہ ناقابل قبول ہیں۔

ندا نے ایک گہری سانس لے کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سلمان کی اور میری قسمت

ے معاملے میں کسی حد تک ایک جیسی ہی ہے۔ ہم چاروں کے درمیان ایک بے نام ہے۔ سلمان اور نازلی اس رشتے کو ایک نام دینے جا رہے ہیں لیکن۔

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد سوچا۔ کیا میں اور آرزو اپنے اس بے نام رشتے کو نام دے پائیں گے؟

اس سوال پر وہ ذرا چونک گئی۔ پھر سر جھٹک کر زیر لب بولی۔ ہر رشتے کو کوئی نام دینا روری نہیں ہوتا۔ ہمارے درمیان دل کا رشتہ ہے جو محبت سے شروع ہو کر دیوانگی پر م ہوتا ہے۔

اس نے خود کو سمجھایا پھر ایک ذرا مطمئن ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایسے ہی ن یہ بھول گئی کہ جو رشتے بے نام ہوتے ہیں وہ بے بنیاد بھی ہوتے ہیں۔

کچھ دیر کے بعد ڈرائیور وہاں آ کر گاڑی کی ڈگی میں سامان رکھنے لگا۔ ندا نے ری کھڑکی سے باہر نظریں دوڑائیں تو گاڑی سے ذرا دور آرزو کا چہرہ نظر آیا۔ وہ ایک رو نوجوان کے ساتھ ہنستی بولتی گاڑی کی طرف آ رہی تھی۔

ندا اس نوجوان کو دیکھتے ہی پہچان گئی۔ وہ کاشف تھا۔ ندا آرزو کے گھر میں اس کی روں تصویریں دیکھتی رہی تھی۔ وہ اپنا لباس درست کر کے ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ آرزو ی میں بیٹھنے سے پہلے ڈرائیور کے پاس آ کر ڈگی میں رکھے جانے والا سامان دیکھنے لگی۔

ے وقت کاشف پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بے دھڑک گاڑی میں بیٹھ گیا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک گیا۔ دوسری طرف ندا بھی اس کی ایسی بے باکی پر ل گئی۔ اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

کاشف نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ پھر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

یور ڈگی لاک کر چکا تھا۔ آرزو کی نظر اس پر پڑی تو اس نے ندا کے قریب آ کر پوچھا۔

ہوا ندا! کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"

ایسے ہی وقت اس کی نظر کاشف پر پڑی وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر آ رہا ۔ آرزو کو فوراً ہی ندا کی بوکھلاہٹ سمجھ میں آ گئی۔

اس نے بیٹے کو مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "کاشف! یہ کیا حرکت ہے؟ تمہیں گاڑی میں ے پہلے دیکھ لینا چاہئے تھا۔"

وہ بولا۔ "مما! غلطی میری نہیں آپ کی ہے۔ پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ آپ کے

ساتھ کوئی آیا ہے۔ بلکہ آئی ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے مسکرا کر ندا کو دیکھا تو پتہ نہیں کیوں وہ اس سے نظریں چرانے لگی۔ آرزو نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ندا سے کہا۔ "آؤ بیٹھو۔" پھر بیٹے سے کہا۔ "چلو، تم اگلی سیٹ پر بیٹھو۔"

وہ اعتراض کرنے کے انداز میں بولا۔ "مما! یہ کیا؟ آپ میری سیٹ انہیں دے رہی ہیں؟ یہ آگے بیٹھ جائیں، میں تو آپ کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔"

ندا بیٹھتے بیٹھتے رک گئی۔ سوالیہ نظروں سے آرزو کو دیکھنے لگی۔ اس نے بیٹے سے کہا۔ "کیا بچوں کی طرح چھوٹی سی بات پر ضد کر رہے ہو؟ گھر تو چلو، پھر میرے برابر نہیں بلکہ میری گود میں بیٹھ جانا۔"

وہ پاؤں پٹخ کر منہ بسورتا ہوا اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ آرزو اور ندا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھانے لگا۔

کچھ دیر کے بعد وہ تینوں کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کاشف نے مسکرا کر ندا سے کہا۔ "دیکھا میرے اندازے سو فیصد درست ہوتے ہیں۔"

آرزو نے پوچھا۔ "کیسا اندازہ؟"

وہ بولا۔ "مما! میں نے فون پر ہی انکشاف کر دیا تھا کہ یہ آپ کی کوئی معمولی نہیں، خاص اسٹوڈنٹ ہیں۔"

آرزو نے بڑے میٹھے انداز میں مسکرا کر ندا کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں .... یہ تو ہے۔"

کاشف نے پیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "مما! بہت زور کی بھوک لگی ہے۔ پلیز .... کھانا لگوائیں۔"

وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ "میں کھانا لگواتی ہوں لیکن پہلے تم فریش تو ہو جاؤ۔"

ندا نے وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے کہا۔ "میں دیکھتی ہوں، خانساماں نے ساری تیاری کرلی ہے یا نہیں؟"

اتنا کہہ کر وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ کاشف نے ذرا تعجب سے اُسے دیکھا پھر ماں سے پوچھا۔ "مما! یہ آپ کی کیسی اسٹوڈنٹ ہے جو ہمارے کچن تک پہنچ چکی ہے؟"

آرزو نے مسکرا کر کہا۔ "یہ صرف اسٹوڈنٹ نہیں ہے۔ ہمارے گھر کا ایک فرد بن چکی ہے۔ بہت ہی ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے۔ ملبوسات کے ایسے نئے نئے ڈیزائن

تخلیق کرتی ہے کہ کبھی کبھی میں بھی حیران ہو جاتی ہوں۔ مستقبل میں خوب ترقی کرے گی۔"

"یعنی اب میری غیر موجودگی میں آپ خود کو تنہا محسوس نہیں کرتیں؟"

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ممتا بھرے لہجے میں بولی۔ "ہاں .... تنہائی کا احساس ہی نہیں ہوتا لیکن تمہاری کمی مستقل محسوس ہوتی رہتی ہے۔"

وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر ایک دم سے مسکرانے لگا۔ ماں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کیوں مسکرا رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "ندا کے آنے سے آپ کی زندگی میں جو ایک کمی تھی وہ تو پوری ہو گئی۔ بیٹا تو تھا اب آپ کو بیٹی بھی مل گئی۔"

بیٹے کی بات سن کر وہ ذرا چونک گئی۔ ندا سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کر سکتی تھی لیکن بیٹے نے اپنے طور پر اُن کے درمیان ایک رشتہ بنا ڈالا تھا جو اُسے ناگوار گزرا تھا۔

وہ بیٹے سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "میں نے تم سے مسکرانے کی وجہ پوچھی تھی؟"

وہ ایک بار پھر مسکرا کر بولا۔ "آپ چاہیں تو ندا کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھیں لیکن میں ایسی پُرکشش لڑکی کو بہن بنانے کی بے وقوفی نہیں کروں گا۔ ہاں، وہ میری گرل فرینڈ بننا چاہے گی تو موسٹ ویلکم۔"

ماں نے ایک دم سے سر گھما کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ اُس کے شانے کو تھپک کر مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ دیکھنے کے انداز میں فکرمندی جھلک رہی تھی۔ کوئی نیا اندیشہ تھا جو دل میں سر ابھار رہا تھا۔

☆======☆======☆

گھر کے سب ہی افراد جمع تھے۔ شکیلہ بیگم آنچل میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ حیات انصاری سلمان کی طرف سے منہ پھیرے بیٹھا تھا۔ نعمان بھائی کو غصے سے گھور رہا تھا۔

سب خاموش تھے۔ نعمان نے کہا۔ "اُس امیرزادی کی وجہ سے تمہیں ماں باپ کا دل دکھاتے ہوئے تمہیں ذرا شرم آ رہی ہے؟"

سلمان نے ناگواری سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں بے شرمی والی کیا بات ہے؟"

وہ بولا۔ "یہ شادی نہیں' سودے بازی ہے۔ تم بکنے جا رہے ہو۔"

اس نے بھی تیز لہجے میں کہا۔ "اگر آپ سب کی سمجھ میں یہی بات آ رہی ہے کہ میں بکنے جا رہا ہوں تو پھر ایسا ہی سہی لیکن ذرا غور کریں۔ اس سودے بازی میں صرف میرا ہی نہیں سب کا بھلا ہے۔"

حیات انصاری نے بیٹے کو گھور کر دیکھا۔ نعمان نے کہا۔ "ابھی تم اتنے بڑے نہیں ہوئے ہو جو اس گھر کے بُرے اور بھلے کا فیصلہ کر رہے ہو۔"

نعمان بے وجہ اپنا بڑا پن دکھا رہا تھا۔ اس معاملے میں اس کا یوں بڑھ بڑھ کر بولنا سلمان کو ناگوار گزر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "پلیز نعمان بھائی! آپ ذرا خاموش ہو جائیں۔ ابو کو بولنے دیں۔ میں نے اپنا معاملہ ان دو بزرگوں کے سامنے رکھا ہے۔ آپ کے سامنے نہیں۔"

"میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ تم غلط راہ پر چلو گے تو تمہیں واپس لانا اور صحیح راہ دکھانا میرا فرض ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ بڑے بھائی ہیں مگر باپ بننے کی کوشش نہ کریں۔ پہلے اپنے گریبان میں جھانکیں پھر مجھے صحیح راہ دکھائیں۔"

نعمان نے غصے سے اُسے گھورا پھر باپ سے کہا۔ "ابو! آپ دیکھ رہے ہیں یہ کیسے زبان چلا رہا ہے۔"

فرح نے مداخلت کی۔ "ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے سلمان' یہ اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کرنے جا رہا ہے۔ اسے ابو سے بات کرنے دو۔"

وہ بولا۔ "ابو بھی وہ ہی کہیں گے جو میں کہہ رہا ہوں۔"

سلمان نے ناگواری سے اسے گھورا پھر باپ سے کہا۔ "ابو! انہیں چپ کروائیں۔ میں صرف آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اب یہ بولیں گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

باپ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت شکیلہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔ "تم تو جانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو۔ دھمکیاں کیا دے رہے ہو؟ پتہ نہیں میری تربیت میں کہاں کوئی کمی رہ گئی جو آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے؟ ماں باپ کے ہوتے ہوئے اولاد اپنے فیصلے خود ہی کر رہی ہے۔"

اس نے کہا۔ "امی پلیز........ جذباتی انداز سے مت سوچیں لوگ تعلیم کے سلسلے

ہی تو ملک سے باہر جاتے ہیں۔ اپنے گھر والوں سے دور ہو جاتے ہیں لیکن میں تو اسی شہر میں رہوں گا۔ آپ سب کے پاس۔"

حیات انصاری نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ فرح نے ماں کے شانے پر رکھ کر کہا۔ "امی! بچے بڑے ہو جائیں تب بھی والدین کے سامنے بچے ہی رہتے ہیں۔ سلمان اپنا ایک اہم فیصلہ ہمیں سنا رہا ہے۔ ایسے وقت آپ دونوں کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ میں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں لیکن سلمان کا یہ فیصلہ آپ کی تربیت کا مذاق اڑا رہا ہے ذرا غور کرنے پر بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔"

ماں نے ناگواری سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں .... اس کی طرف داری تم کرو گی تو اور کون کرے گا۔ اس کے فیصلے سے میرا نقصان ہو رہا ہے۔ میری اولاد مجھ سے بچھڑ رہی ہے۔ میں تو روؤں گی بھی' چیخوں گی بھی اور مخالفت بھی کروں گی لیکن تمہیں تو فائدہ پہنچنے والا ہے۔ تم تو اس کی حمایت ضرور کرو گی۔"

ماں کی بات سن کر فرح کو ایک دھچکا سا لگا۔ اُس نے بڑے دکھ سے اُسے دیکھا۔ اس کی حمایت میں بولنے کو ماں کوئی اور رنگ دے رہی تھی۔ اس کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔

وہ تو والدین کو صرف اتنا سمجھا رہی تھی کہ اب سلمان بڑا ہو گیا ہے۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ منوا کر ہی رہے گا۔ اس لئے خواہ مخواہ بحث نہ کی جائے۔ نتیجے میں سوائے جھگڑوں کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ وہ وہی کرے گا جو وہ سوچ چکا ہے اور دیکھا جائے تو وہ کوئی غلط فیصلہ بھی نہیں کر رہا ہے۔

ماں کے طعنے نے اُسے ایک دم سے شرمندہ کر دیا تھا پھر وہ مزید وہاں نہ رہ سکی۔ آنسو بہاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سلمان نے کہا۔ "امی! آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ وہ اپنے فائدے کے لئے نہیں' میرے لئے بول رہی تھی۔"

ماں نے اُسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو اب تم مجھے بتاؤ گے کہ کیا کہنا چاہئے اور کیا نہیں۔ وہ تمہاری حمایت کر رہی تھی۔ اب تم اس کی حمایت میں بول رہے ہو۔ والدین اولاد کو ڈانٹتے ہی ہیں لیکن تم کیوں ایک دوسرے سے ہمدردی دکھا رہے ہو؟"

نعمان نے لقمہ دیا۔ "ملی بھگت میں ایسا ہی ہوتا ہے امی!"

سلمان اس کی بات سن کر تلملا گیا۔ غصے سے بولا۔ "آپ بیچ میں نہ بولیں تو اچھا ہو گا۔"

"اچھا .... مجھے چپ کروایا جا رہا ہے کیونکہ میں مخالفت کر رہا ہوں اور فرح تمہاری حمایت کر رہی تھی اس لئے اس کے بولنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔"

سلمان نے باپ سے کہا۔ "ابو! انہیں چپ کرالیں ورنہ.........."

حیات انصاری تو دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔ نعمان اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ہاتھ نچا کر بولا۔ "ورنہ .... ورنہ کیا؟ میرے بولنے پر مجھے جان سے مار ڈالو گے؟"

شکیلہ بیگم جلدی سے بیٹے کو بٹھاتے ہوئے بولی۔ "ارے .... اس کی عقل پر تو پتھر پڑ گئے ہیں۔ تم کیوں خواہ مخواہ غصہ دکھا رہے ہو؟ اسے سوائے نازلی اور اس کی دولت کے کچھ بجھائی نہیں دے رہا ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "امی! اس وقت آپ بالکل غلط بول رہی ہیں۔"

نعمان نے تیز لہجے میں کہا۔ "ماں کو غلط کہہ رہے ہو، میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

ندا جو اب تک خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ابو! آپ چپ کیوں ہیں؟ ان دونوں کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟"

وہ بولا۔ "جب میری ہی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے تو میں انہیں کیا سمجھاؤں؟"

ندا بولی۔ "لیکن ابو! آپ کے خاموش رہنے سے جھگڑے بڑھ رہے ہیں۔ یا تو آپ اپنا فیصلہ سنائیں یا پھر سلمان کے فیصلے کو قبول کر لیں۔"

ماں نے اُسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "یعنی تم بھی اس کی حمایت کر رہی ہو؟"

ندا سر جھکا کر بولی۔ "سیدھی سی بات ہے امی! جس طرح ہوا کو قید نہیں کیا جا سکتا اسی طرح جوان اولاد کو پابند نہیں کیا جا سکتا۔ آپ بزرگ ہیں۔ مجھ سے زیادہ اس بات کو سمجھتی ہوں گی۔ سلمان جو کرنے جا رہا ہے اُسے کرنے دیں۔ نقصان اٹھائے گا تو خود بھگتے گا۔ پلیز اسے مت روکیں۔"

نعمان غصے سے ندا کو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی ماں نے پوچھا۔ "کیوں نہ روکیں؟"

اس نے ایک نظر سلمان پر ڈالی پھر ماں سے کہا۔ "کیونکہ یہ نہیں رکے گا۔"

ماں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر دھپ سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ہائے میرے بچے

کیا جادو کروایا ہے اس نازلی نے؟"

پھر اس نے شوہر سے کہا۔ "خدا کے لئے کچھ کریں۔ میرا بچہ مجھ سے دور ہو رہا ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ دو ہی تو بہویں آنی تھیں اس گھر میں۔ ایک کی آس ٹوٹ رہی ہے۔"

حیات نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "فرح اور ندا صحیح کہہ رہی ہیں۔ مجھے بھی اندازہ ہو رہا ہے۔ سلمان اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ جب یہ شادی ہونی ہی ہے تو پھر ان جھگڑوں کا فائدہ کیا ہے؟ بیٹے کو اس کے حال پر چھوڑ دو جو کرے گا خود بھرے گا۔"

وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔ "کیا ہم نے اسے اس دن کے لئے پال پوس کر جوان کیا ہے کہ یہ ہم بوڑھے ماں باپ کا سہارا بننے کے بجائے ہمیں چھوڑ کر چلا جائے۔ ہائے نازلی .... تو ایک ماں سے اس کے بیٹے کو چھین کر کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔"

ندا سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اس ماں کو جس نے اپنے بیٹوں سے بہت سی آس اور امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اسے وہ دن اب یاد آ رہا تھا۔ جب ماں نے بیٹی کو نظرانداز کر کے بیٹے کو کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ میں داخلہ دلوایا تھا۔ صرف یہ سوچ کر کہ مستقبل میں بیٹے ہی ماں باپ کا سہارا بنتے ہیں۔ بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں انہیں اعلیٰ تعلیم دلوانے یا کوئی ہنر سکھوانے کا کیا فائدہ ہے؟

لیکن آج کیا ہو رہا تھا بیٹیوں کے بجائے بیٹا پرایا دھن بن گیا تھا۔ انہیں کچھ فائدہ پہنچا کر ہی سہی لیکن اُن سے دور جانے والا تھا۔

☆======☆======☆

آرزو کے بوتیک سے متصل ایک چھوٹا سا کارخانہ تھا جہاں ملازم لڑکے کپڑوں پر زری کا کام اور کڑھائی وغیرہ کرتے تھے۔ اس وقت ندا اُن کے درمیان موجود تھی اور انہیں ایک دلہن کے لباس پر منفرد ڈیزائن بنانے کے لئے چند ضروری ہدایات دے رہی تھی۔

پھر وہاں سے فارغ ہو کر کارخانے میں بنے ہوئے آفس نما کمرے میں آ گئی۔ وہ کمرہ ملبوسات کی تراش خراش کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ وہ وہاں آ کر ایک لباس کی کٹنگ میں مصروف ہو گئی۔

ایسے ہی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ اُس نے کہا۔ "کم اِن۔"

کاشف نے دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے کہا۔ ”ہیلو ندا!“

اُس نے چونک کر سر اٹھایا پھر تعجب سے پوچھا۔ ”ارے آپ .... اور یہاں؟“

وہ دروازہ بند کر کے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”دراصل میں بوتیک میں آیا تھا لیکن مما وہاں نہیں ہیں' سوچا ضرور کارخانے میں ہوں گی۔ اسی لئے یہاں چلا آیا۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”لیکن وہ تو یہاں بھی نہیں ہیں۔“

”اوں .... یہاں بھی نہیں ہیں۔ تو کہاں گئی ہیں؟“

”وہ کسی کسٹمر کے ساتھ مارکیٹ تک گئی ہیں۔“

وہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ ندا نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ ”لگتا ہے آپ کو ان سے کوئی ضروری کام ہے؟“

اُس نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔ ”تو آپ اُن کے موبائل پر رابطہ کر لیں۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ”بات فون پر کرنے والی نہیں تھی اسی لئے تو خود آیا تھا۔ ویسے کیا آئیڈیا ہے' کب تک آ جائیں گی؟“

اُس نے کندھے اچکا کر کہا۔ ”جلدی بھی آ سکتی ہیں اور دیر بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے تو کہہ رہی ہوں' فون کر کے معلوم کر لیں۔“

”کچھ دیر انتظار کر لیتا ہوں۔ اگر لیٹ ہوں گی تو پھر فون کروں گا۔“

وہ مسکرا کر پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ وہ کچھ دیر تک اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیا میں یہاں بیٹھ کر مما کا انتظار کر سکتا ہوں؟“

اس نے کہا۔ ”بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کارخانہ ہو یا بوتیک .... دونوں ہی آپ کی مما کے ہیں۔ آپ جہاں چاہیں وہاں بیٹھ کر اُن کا انتظار کر سکتے ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اس لئے پوچھ رہا تھا کہ میرے یہاں بیٹھنے سے آپ کو تو کوئی پریشانی نہیں ہو رہی ہے؟“

اُس نے مسکرا کر انکار میں سر ہلایا پھر پوچھا۔ ”چائے پئیں گے یا کولڈ ڈرنک منگواؤں؟“

”دوپہر کا وقت ہے اس لئے کولڈ ڈرنک ہی چلے گی۔“

اُس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں ابھی آئی۔“

وہ اُس کے جانے کے بعد کمرے کی سیٹنگ دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اُس نے کہا۔ ”آپ کے آنے سے بہت سے تبدیلیاں آ گئی ہیں۔“

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اُسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”ایک تو یہ کہ میرے یو کے جانے سے مما کی زندگی میں جو تنہائی پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ وہ میری غیر موجودگی میں بور ہوتی تھیں۔ روتی رہتی تھیں لیکن اب آپ ان کا دل بہلانے کے لئے اُن کی زندگی میں آ گئی ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ آپ ان کے کاروبار کو بھی بہت اچھے طریقے سے سنبھال رہی ہیں۔ اس کا اندازہ مجھے بوتیک کی نئی سیٹنگ اور کارخانے کے ماحول کو دیکھ کر ہی ہو گیا ہے۔ یہ کمرہ بھی دیکھ رہا ہوں۔ بہت اچھے طریقے سے ڈیکوریٹ کیا گیا ہے۔ یہ بھی آپ نے ہی کیا ہو گا؟“

اُس نے مسکرا کر تائید میں سر ہلایا۔ کچھ دیر کے بعد ہی ایک ملازم کولڈ ڈرنک لے کر آیا۔ پھر اُن کے سامنے رکھ کر واپس چلا گیا۔ کاشف نے پوچھا۔ ”بائی دا وے .... بوتیک کے علاوہ آپ کی اور کیا مصروفیت ہے؟“

”کچھ خاص نہیں .... نویں جماعت کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ بوتیک یا پھر اسکول .... فی الحال تو یہ دو ہی مصروفیات ہیں۔“

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ”کیا .... آپ اسکول میں پڑھتی ہیں؟“

وہ بولی۔ ”تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟ سب ہی اسکول میں پڑھتے ہیں۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ”نہیں .... میں اس بات پر حیران نہیں ہو رہا ہوں۔ حیرانی تو اس بات کی ہے کہ میں آپ کو کالج کی اسٹوڈنٹ سمجھ رہا تھا۔“

وہ اُس کی بات پر مسکرانے لگی۔ پھر اپنے کام پر توجہ دیتے ہوئے بولی۔ ”سچی بات کہتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے کہ میں آپ کو عمر میں بڑی لگی ہوں؟“

جواباً وہ بھی مسکرانے لگا پھر ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ ”مجھ سے دوستی کرو گی؟“

اُس نے چونک کر اُسے دیکھا پھر تعجب سے پوچھا۔ ”کیا؟“

”سیدھی سی بات ہے۔ تم مجھے اچھی لگی ہو۔ اس لئے میں تم سے دوستی کرنا چاہ رہا ہوں۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ”نہیں .... ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا؟ میں تو صرف دوستی کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ ساری عمر ساتھ گزارنے کو تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم انکار کیوں کر رہی ہو؟“

”اس لئے کہ مجھے فرینڈشپ وغیرہ پسند نہیں ہے۔“

”یعنی .... تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے؟“

ندا نے تائید میں سر ہلایا پھر وہ بولا۔ "میری بھی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ جب ہم دونوں کے ہی فرینڈز نہیں ہیں۔ تو میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے فرینڈ بن سکتے ہیں۔"

"میں نے کہا ناں .... مجھے لڑکیوں کا لڑکوں سے دوستی کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"تو پھر کیا اچھا لگتا ہے؟ اُن کا آپس میں محبت کرنا؟"

وہ اُس کی باتوں سے الجھ رہی تھی لیکن اندر ہی اندر محسوس کر رہی تھی کہ وہ اُس کی پیشکش کو اپنا چاہتی ہے۔ دوستی کا ہاتھ تھام لینا چاہتی ہے۔

لیکن کوئی رکاوٹ تھی جو اُسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ کاشف اُسے کچھ دیر تک سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہاری خاموشی سمجھا رہی ہے کہ تمہیں دوستی کا نہیں' محبت کا رشتہ پسند ہے۔"

اُس نے چونک کر اُسے دیکھا پھر الجھ کر کہا۔ "پلیز کوئی اور بات کریں۔ آج کل کے دور میں محبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لوگوں نے اسے ٹائم پاس بنا دیا ہے۔ اظہار کرنا محبت جتانا اور پھر بے وفائی دکھا کر چلے جانا۔"

وہ گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ "پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں؟"

"مانتی ہوں لیکن .... اس دنیا میں محبت کرنے والے صرف اقلیت کی صورت میں ہی رہ گئے ہیں۔ اکثریت تو بے وفا لوگوں کی ہے۔"

"لگتا ہے .... تم اس معاملے میں کوئی ٹھوکر کھا چکی ہو؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اگلا گرے تو پچھلے کو ہشیار ہو جانا چاہئے۔ دوسروں سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور خدا کا شکر ہے۔ میں ٹھوکر کھانے سے پہلے ہی سنبھلی ہوئی ہوں۔"

اُس نے بھی مسکرا کر کہا۔ "محبت کرنے والے دماغ سے نہیں' دل سے سوچتے ہیں۔ تم نے ابھی تک محبت نہیں کی ہے اس لئے دماغ سے سوچ رہی ہو۔ جب کرو گی تو تم بھی دوسروں سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے اُن ہی کے نقش قدم پر چلنے لگو گی۔"

"نہیں .... میں ایسی نادانی نہیں کروں گی۔"

"ایسی نادانیاں کی نہیں جاتیں ہو جاتی ہیں اور انسان زندگی میں ایک بار تو محبت ضرور کرتا ہے۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے کاشف کو دیکھا پھر کہا۔ "کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر

سکتے؟"

وہ شانے اچکا کر بولا۔ "ہاں .... کر سکتے ہیں لیکن اندازہ ہو رہا ہے کہ تم محبت کی مخالفت کرتی ہو اور میں آج سے یہ تہیہ کرتا ہوں کہ تمہیں محبت کا حمایتی بنا کر ہی رہوں گا۔"

وہ اب تک اُس سے کترا رہی تھی لیکن یہ بات سن کر ذرا پریشان ہو گئی۔ دل ہی دل میں کہنے لگی۔ "پلیز .... میں جیسی ہوں مجھے ویسی ہی رہنے دیں۔ بھلا میں کیا محبت کی مخالفت کروں گی؟ اسی جذبے نے تو مجھے میرے خوابوں کی تکمیل کا راستہ دکھایا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں بھی محبت کرتی ہوں۔ ایسی محبت جسے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ایسے ہی وقت آرزو دروازہ کھول کر اندر آئی تو کاشف کو وہاں دیکھ کر ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ بیٹے نے آتے ہی اُسے اندیشے میں مبتلا کر دیا تھا اور اب اُسے یہاں ندا کے ساتھ تنہائی میں دیکھ کر تشویش مزید بڑھ گئی۔

اُس نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔ "تم .... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آپ کا انتظار۔"

آرزو نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے ندا کو دیکھا پھر بیٹے سے پوچھا۔ "میرا انتظار کس سلسلے میں کر رہے ہو؟"

بیٹے نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا بات ہے مما! شاپنگ اچھی نہیں ہوئی؟ کچھ برہم سی دکھائی دے رہی ہیں۔"

وہ ان دونوں پر ہی اپنے اندر کی بات ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ فوراً ہی اُس کی ہاں میں ہاں ملا کر بولی۔ "ہاں .... لیکن تم بتاؤ۔ مجھ سے ایسا کیا ضروری کام تھا جو یہاں چلے آئے؟"

وہ ماں کے رویے سے ذرا پریشان ہو کر بولا۔ "مما! کیا بات ہے؟ آپ میرے یہاں آنے پر اتنے سوال جواب کیوں کر رہی ہیں؟ یہ میری مما کا بوتیک ہے۔ میں کسی بھی وقت کسی بھی کام کے سلسلے میں یہاں آ سکتا ہوں۔"

وہ الجھ کر ذرا تیز لہجے میں بولی۔ "یہی تو پوچھ رہی ہوں' کیا کام تھا؟"

ندا کو بھی اس کا انداز کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بیٹے نے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت آپ کس پریشانی میں مبتلا ہیں؟ جب آپ کا موڈ اچھا ہو گا۔ تب ہی

میں اپنی بات کہوں گا۔"

اُس نے اتنا کہا پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی ندا آرزو کے قریب آ کر بڑی محبت سے بولی۔ "کیا بات ہے؟ اس قدر الجھی ہوئی کیوں ہو؟"

اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ غور سے ندا کو دیکھتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے دروازہ لاک کر کے اس کی سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ "بولو...... کیا پریشانی ہے؟"

ایسے وقت ندا نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس نے اپنے اور ندا کے ہاتھ کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی پھر کہا۔ "آج سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری زندگی میں کتنی اہمیت اختیار کر گئی ہو؟"

اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے بہت اہم ہیں۔ مگر تم اصل بات کہو کیا ہوا ہے؟"

وہ ذرا جھک کر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے بولی۔ "اندیشہ۔"

"کس بات کا اندیشہ؟"

"تمہارے کھو جانے کا۔"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"وعدہ کرو ندا! تم کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی؟"

وہ فوراً ہی آگے بڑھ کر اس سے لپٹتے ہوئے بولی۔ "میں کبھی تم سے جدا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی آرزو! لیکن تمہارے دل میں یہ اندیشہ کیوں جنم لے رہا ہے؟"

اس کی قربت پاتے ہی جیسے آرزو کی پریشانی اور اندیشے ختم ہو گئے۔ وہ اسے اپنی گرفت میں لے کر بھینچتے ہوئے بولی۔ "سوچ اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں کیوں اچانک مجھے ایسا لگا جیسے تم مجھ سے دور ہونے والی ہو۔"

"بھلا میں تم سے دور ہو کر کہاں جاؤں گی؟ تم نے تو اپنی چاہت سے مجھے ایسا جکڑ رکھا ہے کہ تمہارے سامنے میرے سارے رشتے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"ندا! تم نہیں جانتیں .... زندگی میں کبھی ایسا کمزور لمحہ بھی آتا ہے جب انسان اپنی ذات سے کئے ہوئے ہر وعدے کی زنجیر اپنے ہی ہاتھوں سے توڑ ڈالتا ہے۔"

ندا ایک جھٹکے سے الگ ہو کر اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "تم مجھے ڈرا رہی ہو؟"

آرزو نے مسکرا کر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں میری جان! ڈرا نہیں رہی ہوں، تمہیں ایک حقیقت سے آشنا کر رہی ہوں۔ وعدہ کرو، جب ایسا کوئی کمزور لمحہ تمہاری زندگی میں آئے گا تو تم مجھے ضرور بتاؤ گی۔"

ندا کچھ دیر تک اسے خاموشی سے دیکھ کر سوچتی رہی پھر بولی۔ "میرا خیال ہے، میری زندگی میں ایسا کمزور لمحہ آ چکا ہے جسے میں نے تمہارے سائے میں گزارا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ شوخی سے مسکرائی پھر دوبارہ اُس سے لپٹ گئی۔ اب اس کے سامنے آرزو کا چہرہ نہیں تھا وہ خلا میں تک رہی تھی اور سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔ ہم ایک دوسرے کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں لیکن یہ کیسی چاہت ہے آرزو.......... جسے ہم کسی پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ تمہارے دل میں جس اندیشے نے جنم لیا ہے۔ وہی میرے دل میں بھی سر اٹھا رہا ہے۔ دعا کرو، زندگی کے کسی بھی کمزور لمحے میں ہماری چاہت کمزور نہ پڑے۔"

آرزو کا چہرہ اس کے شانے پر ٹکا ہوا تھا۔ وہ بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں بند تھیں یا شاید وہ حقیقت سے نظریں چرا رہی تھی۔

انسان اپنی سی کوشش کرتا ہے لیکن جو ہونے والا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔

☆======☆======☆

سلمان کے معاملے میں فرح کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔ ماں کے طعنے نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اب بھائی کی حمایت میں ایک لفظ بھی بولے گی تو سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی شادی کے لئے دو لاکھ حاصل کرنے کے لالچ میں بھائی کی شادی کروانا چاہ رہی ہے۔

جب کہ وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ گھر میں لڑائی جھگڑا کرنے سے بہتر ہے کہ سلمان کی بات مان لی جائے لیکن اس کی ماں نے تو اس کی بات کو غلط رنگ دے دیا تھا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی اور گہری سنجیدگی سے اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ان دنوں گھر میں ایک عجیب سی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سب اپنی اپنی ذات میں مگن ہیں۔ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں رہی ہے۔

سلمان نازلی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے راستے ہموار کر رہا تھا۔ نعمان اپنی شادی کی فکر میں گھلا جا رہا تھا۔ ندا آرزو کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ ماں کو جلد از جلد گھر میں بہو لانے کی فکر رہنے لگی تھی اور باپ تو برائے نام ہی گھر میں رہتا تھا۔ چھٹی کے دن بھی کام پر جانا اس کا معمول تھا۔

ایسے میں فرح کو تنہائی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ گھر کے کاموں کے علاوہ اس کی کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی جس کے ذریعے وہ اپنی تنہائی دور کر کے ذرا دیر کو اپنا دل ہی بہلا لیتی۔

وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایسے ہی وقت اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ وہ گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دے۔ اس طرح کچھ آمدنی بھی ہو جاتی اور بچوں کے درمیان رہ کر اس کا دل بھی بہلتا رہتا۔

یہ خیال آتے ہی وہ اس پر عمل کرنے کے بارے میں سوچنے لگی۔ ایسے ہی وقت نعمان کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ آج وہ گھر میں ہی تھا۔ ڈیوٹی پر نہیں گیا تھا اور اس وقت ماں سے شاید کسی بات پر بحث کر رہا تھا۔

فرح کے اندر تجسّس پیدا ہوا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی پھر نعمان کے کمرے کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ ان دونوں کی باتیں سننے لگی۔ اندر ماں بیٹا ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

نعمان ذرا تیز لہجے میں بولا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے امی؟ بڑے بھائی سے پہلے چھوٹے بھائی کی شادی کیسے ہو سکتی ہے؟"

ماں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "چھوٹا.......... ارے وہ بہت بڑا ہو گیا ہے۔ اپنی زندگی کے فیصلے اب خود کرنے لگا ہے۔"

"لیکن امی! آپ نے اور ابو نے کیا کیا؟ اُسے اپنی من مانی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ بچے تو ضد کرتے ہی ہیں لیکن والدین ان کی ہر ضد تو پوری نہیں کرتے۔ آپ نے اس کے فیصلے پر سر جھکا کر بہت غلط کیا ہے۔"

"ارے .... میں نے کہاں سر جھکایا ہے؟ تمہارے ابو ہی نرم پڑ گئے ہیں۔ میری تو اب بھی وہی بات ہے کہ یہ رشتہ نہیں ہونا چاہئے۔"

"اب تو آپ چاہے ہاں کریں یا نہ کریں اُسے ابو اور بہنوں کی رضامندی حاصل ہو گئی ہے۔ وہ تو یہ شادی ضرور کرے گا۔"

ماں نے منہ بنا کر کہا۔ "کرتا ہے تو کر لے لیکن میں بھی نازلی کو اپنی بہو تسلیم نہیں کروں گی۔"

"وہ کون سا آپ کے گھر میں آ رہی ہے جو آپ اُسے تسلیم نہیں کریں گی تو اُس کی عزت میں کمی آ جائے گی۔"

وہ روہانسی ہو کر بولی۔ "دُکھ تو اسی بات کا ہے۔ بیٹے تو ماں باپ کا سہارا ہوتے ہیں ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ کیا اُسے ہم نے اسی دن کے لئے پالا پوسا تھا؟"

نعمان نے ناگواری سے کہا۔ "ارے چھوڑیں اُسے۔ آپ کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں؟ آپ کے بڑھاپے کا سہارا تو میں بنوں گا۔ آج گھر والوں کے لئے میں حقیر ہی سہی آئندہ سب دیکھیں گے کہ اپنے والدین کو کیسے سنبھالوں گا۔"

ماں نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! جتانے کی ضرورت نہیں تمہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا' سوائے میرے۔ آج تمہاری بہنیں چھوٹے بھائی کا ساتھ دے رہی ہیں تو صرف اُس دولت کی وجہ سے جو اُس کے جانے کے بعد اس گھر میں آنے والی ہے۔"

نعمان نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "امی! ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ نازلی سلمان کو صرف سبز باغ دکھا رہی ہو؟"

وہ ناک چڑھا کر بولی۔ "پتہ نہیں کون کیا کر رہا ہے؟ مجھے فکر ہے تو بس تمہاری دلہن کی۔ اب تو میں چاہتی ہوں کہ گھڑی کی چوتھائی میں یہاں بہو آ جائے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "تو پھر کوشش کریں ناں .... ورنہ میں یہ ملازمت وغیرہ سب کچھ چھوڑ دوں گا۔"

وہ اس کے سر پر چپت لگا کر بولی۔ "ایسا تو نہ کہو' خالہ کی نظر میں ایک لڑکی ہے۔ کل ہمیں اس کے گھر لے جانے والی ہیں۔ دعا کر رہی ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو تو ہاں کر کے ہی آؤں۔"

نعمان نے ایک دم سے خوش ہو کر ماں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "لیکن یہ سب کچھ اُسی صورت میں ہو گا جب تم اپنی ملازمت جاری رکھو گے۔"

"ارے آپ فکر نہ کریں' آج تو آپ کو دھمکانے کے لئے میں نے چھٹی کی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "آئندہ ایسی دل کو دہلانے والی حرکت نہ کرنا ورنہ شادی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

فرح باہر کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ ماں اچانک کمرے سے باہر آ جائے گی۔ شکیلہ بیگم اسے وہاں دیکھتے ہی چونک گئی۔ فرح کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایسے میں کیا کرے؟ وہ فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے جانے لگی۔

ماں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی لیکن پلٹ کر ماں کو دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کی طرف پشت کئے ہوئے بولی۔ "وہ .... میں .... آ .... آپ کو بلانے آرہی تھی۔"

نعمان بھی ماں کی آواز پر برآمدے میں ہی آ گیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا امی؟"
اس نے ناگواری سے فرح کو دیکھا پھر بیٹے سے کہا۔ "پتہ نہیں .... میں باہر آئی تو یہ یہاں کھڑی ہوئی تھی۔ کہہ رہی ہے کہ مجھے بلانے آ رہی تھی۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر مجھے دیکھ کر چور سی کیوں ہو گئی بات کرنے کے بجائے اپنے کمرے میں کیوں جا رہی ہے؟"
وہ ان دونوں کی طرف سے منہ پھیرے کھڑی تھی چوری پکڑی گئی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ نعمان نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "فرح! امی کیا پوچھ رہی ہیں' جواب کیوں نہیں دے رہی ہو؟ جب بلانے آ رہی تھیں تو گڑبڑا کر واپس کیوں جا رہی ہو؟"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ماں کو بلانے کی کیا وجہ بتائے پھر اُس نے پلٹ کر کہا۔ "دراصل میں گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانا چاہتی ہوں۔ اسی سلسلے میں امی سے بات کرنی ہے۔"

ماں نے ناگواری سے اُسے دیکھا پھر کہا۔ "ماشاء اللہ .... سب بڑے ہو گئے ہیں جس کے جی میں جو آئے وہ کرے۔ بھلا مجھ سے بات کرنے یا مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس گھر میں میری کوئی حیثیت ہوتی تو آج چھوٹا بیٹا شادی کرنے کا فیصلہ تنہا نہ کرتا۔ جب اتنے بڑے معاملے میں اُس نے مجھ سے اجازت نہیں لی تو تم اتنے چھوٹے سے معاملے میں مجھے کیوں اہمیت دے رہی ہو؟"

دل تو پہلے ہی دکھا ہوا تھا ماں کا جواب سن کر آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "امی! جو کر رہا ہے سلمان کر رہا ہے لیکن آپ مجھ سے خفا کیوں ہیں؟ اگر وہ مجھے بہانہ بنا کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"
"اس کے اس گھر سے جانے کی اہم وجہ تو تم ہی ہو۔ تمہاری شادی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے وہ خود کو بیچنے جا رہا ہے۔"
وہ ماں کی بات سن کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔ "پلیز امی! مجھ پر اتنا بڑا الزام تو نہ لگائیں۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گی۔ آپ پلیز .... اُسے روک لیں۔ کیونکہ میں یہ الزام برداشت نہیں کر پاؤں گی کہ سلمان میری

دی کے لئے آپ سب سے دور جا رہا ہے۔"
نعمان نے روتی ہوئی بہن کو دیکھا پھر ماں سے کہا۔ "امی! سلمان جو کر رہا ہے اپنی ضی سے کر رہا ہے۔ آپ اس کا الزام فرح کو نہ دیں۔"
ماں نے چڑ کر کہا۔ "خدا کے لئے' مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ب اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ایک میں ہی اس گھر میں غلط ہوں۔"
وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ نعمان بھی اس کے پیچھے وہاں چلا گیا۔ ح آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆======☆======☆

سلمان گھر والوں کی ہلکی پھلکی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ایک ذرا مطمئن ہو گیا ا لیکن اس رات ہونے والی بحث و تکرار کے بعد سے شکیلہ بیگم' حیات انصاری اور مان اس سے کلام نہیں کر رہے تھے۔ بڑی خاموشی سے اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے۔

اسے باپ بھائی کی تو اتنی پرواہ نہیں تھی لیکن وہ ماں کا دل دکھا کر اس نئے رشتے کی دا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ شادی سے پہلے اس کی مکمل رضامندی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے اب تک نازلی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ ماں کی ناراضگی دور کرنے کے بارے ں سوچتا رہا تھا اور یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ اُسے تنہائی میں ہی سمجھا منا کر رام کر سکتا ہے۔
شکیلہ بیگم دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں د تھیں لیکن پلکوں کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ سو نہیں رہی ہے۔ سلمان دروازے پر کھڑا کچھ دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیڈ کے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔
ماں نے ایک دم سے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر بیٹے کو دیکھ کر ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ اس نے دھیرے سے پوچھا۔ "امی! آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے منہ پھیرے ہی لیٹی رہی۔ اس کا یہ انداز ٹے کو مایوس کر رہا تھا۔ پھر بھی وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "امی! چاہے آپ میری صورت ہ دیکھیں لیکن بات تو کریں۔"
ماں کے ماتھے پر پھیلی ہوئی شکنیں اس کے غصے کا پتہ دے رہی تھیں۔ اس نے

ناگواری سے منہ بنایا۔ پھر بیٹے سے کترا کر کروٹ لینے لگی تو سلمان شانہ تھام کر اُسے روکتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے امی! ایسا رویہ تو اختیار نہ کریں۔ میں سب کا فائدہ دیکھتے ہوئے ہی ایک اچھا کام کرنے جا رہا ہوں تو آپ خفا ہو رہی ہیں لیکن نعمان بھائی ہمیشہ ہی اپنی حرکتوں سے آپ کو گھر والوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مگر آپ اُن سے خفا تو نہیں ہوتیں؟"

نعمان کی بُرائی سن کر اس کی زبان پر پڑے ہوئے تالے ایک دم سے ٹوٹ گئے اس نے غصے سے کہا۔ "کیوں تم سب میرے بچے کے پیچھے پڑے رہتے ہو؟ گھر میں کوئی بات بھی ہو جائے نعمان کی ٹانگ ضرور کھینچی جاتی ہے۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔ اس نے کیا الٹی سیدھی حرکتیں کی ہیں؟ بڑے بھائی کو کچھ کہنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔"

اس نے الجھ کر کہا۔ "میں اس وقت نعمان بھائی کی نہیں اپنی ہی بات کرنے آیا ہوں۔ انہوں نے آج تک جو کیا ہے اسے سب جانتے ہیں اور میں اس وقت ان کا ماضی دہرانے کے لئے نہیں آپ کی ناراضگی ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "او......... میں ناراض رہوں یا خوش تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ جاؤ......... نئی رشتہ داریاں قائم کرو۔ اس پیدا کرنے والی ماں سے زیادہ آج وہ نازلی تمہارے لئے اہم ہو گئی ہے۔ جاؤ......... اُس کی جی حضوری کرو۔ میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ آج کل تو دولت کا دور دورہ ہے۔ وہ دولت سے شوہر خرید رہی ہے لیکن میں ٹھہری ایک غریب ماں۔ بھلا میں بیٹے کو خریدنے کے لئے کہاں سے اتنی دولت لاؤں گی؟"

"امی! آپ اس رشتے کو سودے بازی کی نظر سے کیوں دیکھ رہی ہیں؟ نہ میں بِک رہا ہوں اور نہ وہ مجھے خرید رہی ہے۔ ہمارے درمیان پہلے چاہت کا رشتہ قائم ہوا تھا۔ یہ دولت تو بعد کی چیز ہے اور اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ میں بِک رہا ہوں تو پھر ٹھیک ہے میں اس سے ایک پیسہ نہیں لوں گا لیکن شادی اُسی سے کروں گا۔"

ماں نے ناگواری سے اسے گھورا پھر کہا۔ "کان یہاں سے پکڑو یا یہاں سے بات ایک ہی ہے۔ پتہ نہیں اس مطلقہ عورت نے تمہارے اوپر کیا جادو کیا ہے؟ تمہیں شادی کرنے کے لئے کوئی کنواری لڑکی نہیں ملی تھی؟"

وہ الجھ کر بولا۔ "ان دو دِنوں میں آپ اتنا تو سمجھ ہی گئی ہوں گی کہ میں شادی کروں

گا تو صرف نازلی سے۔ پھر کیوں خواہ مخواہ جھگڑا اٹھا رہی ہیں؟ آپ ہی میری بات نہیں سمجھیں گی تو پھر کون سمجھے گا؟"

"کیا سمجھوں، کسی کو اس ماں کی تکلیف کا ذرا بھی احساس نہیں ہے۔ میری اولاد مجھ سے دور ہونے والی ہے، میرا کلیجہ نوچا جا رہا ہے۔ جس کرب سے میں گزر رہی ہوں اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جب تمہیں ماں کا احساس نہیں ہے تو میں کیوں تمہاری بات سمجھوں؟"

وہ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولا۔ "امی! سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ سے دور نہیں جا رہا ہوں۔ ہفتے میں دو بار ملنے آیا کروں گا۔ میرے یہاں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہو گی لیکن دوسرے پہلو پر ذرا غور کریں۔ ہر ماہ پانچ ہزار روپے کی رقم اس گھر میں کیسی خوش حالی لے آئے گی؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ بڑی محبت سے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ "تمہارے چلے جانے کے بعد اس گھر میں چاہے دس ہزار روپے آئیں لیکن وہ رقم تمہاری کمی کو تو پورا نہیں کر سکتی۔ خدا کے لئے میرے بیٹے! اپنی ضد چھوڑ دے۔"

ماں کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے وہ اس سے نظریں چرا کر بولا۔ "پلیز امی! آپ ہمیشہ ہی میری باتیں مانتی آئی ہیں۔ اس بار بھی اپنی بات منوانے کے بجائے میری مانیں۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ میں جو کر رہا ہوں وہ آپ کو آنسو دینے کے لئے نہیں بلکہ خوشیاں دینے کے لئے کر رہا ہوں اور عین ممکن ہے کہ شادی کے بعد میں آپ سب کو بھی نازلی کی کوٹھی میں ہی لے جاؤں۔"

ماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ اُس کی خاموشی نے بیٹے کو ذرا حوصلہ دیا۔ وہ اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر بولا۔ "یقین کریں امی! مجھے آپ کی بہت فکر رہتی ہے۔ پانچ ہزار روپے تو گھر کے خرچ کے لئے ہی ہوں گے لیکن میں نے سوچ رکھا ہے کہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لئے دو ہزار دیا کروں گا جو صرف آپ کے ہوا کریں گے۔ پھر آپ انہیں جہاں چاہے خرچ کیا کریں گی۔ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی۔"

بیٹے کی بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر سر اٹھا کر بولی۔ "یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن......... بیٹا! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ نازلی یہاں ہمارے درمیان ہی آ کر رہنے لگے؟ تم فکر نہ کرو۔ میں اُسے بیٹیوں سے بڑھ کر چاہوں گی لیکن اُسے یہاں رہنے پر راضی کر لو۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ”نہیں امی! یہ ناممکن ہے۔ ذرا عقل سے سوچیں .... وہ ہائی اسٹینڈرڈ کے علاقے میں رہنے والی پسماندہ علاقے میں آ کر کیسے رہ سکتی ہے؟ پھر اس کے ملنے جلنے والے ڈیفنس کلفٹن یا ایسے ہی بڑے بڑے علاقوں میں رہتے ہیں۔ وہ اس سے ملنے یہاں آئیں گے تو سوچیں ایسے میں نازلی کی کیسی سبکی ہو گی اور جہاں تک ساتھ رہنے کی بات ہے۔ تو ذرا صبر کریں۔ میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نازلی کو قائل کر لوں گا کہ وہ میرے گھر والوں کو اپنی کوٹھی میں رہنے کی اجازت دے دے۔ آپ تو زمانہ شناس ہیں۔ یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہر کام میں تھوڑا وقت تو لگتا ہے۔“

ماں نے قائل ہونے کے انداز میں سر ہلایا پھر ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ ”بیٹا! میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں لیکن...........“

بیٹے نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ ”تمہاری باتیں معقول ہیں لیکن میں کیا کروں؟ ماں ہوں ناں .... پہلی بار کوئی اولاد بچھڑنے والی ہے اس لئے ذرا جھنجلا گئی تھی اور اس رشتے سے انکار کر رہی تھی۔ اب ہامی بھر رہی ہوں تو کسی لالچ کی وجہ سے نہیں .... صرف تمہاری خوشی کی خاطر۔“

اس نے ایک دم سے خوش ہو کر ماں کو دیکھا پھر کہا۔ ”میں جانتا تھا کہ آپ میری بات کو ضرور سمجھیں گی اور میرے فیصلے کو ضرور خوشی سے تسلیم کریں گی۔“

”ہاں .... مگر شرط وہی ہے کہ روز یہاں آتے رہو گے اور جلد از جلد ہمیں وہاں شفٹ کرنے کی کوشش کرو گے۔ مجھے بڑے گھر کا لالچ نہیں ہے۔ میں نازلی کی کوٹھی میں آؤں گی صرف اپنے بیٹے کی وجہ سے۔“

ماں بیٹے کے درمیان صلح صفائی ہو گئی تھی۔ ماں کی باخوشی رضامندی ہی سب اہم تھی اور وہ جانتا تھا کہ اب ماں' بھائی اور باپ کو بھی راضی کر لے گی۔

تمام معاملات طے کر لینے کے بعد شکیلہ بیگم نے ذرا رازداری سے کہا۔ ”اور سنو .... مجھے ہر ماہ دو ہزار روپے دینے والی بات گھر میں کسی کو نہ کہنا۔ حالانکہ یہ رقم بچا کر میں اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے جاؤں گی۔ گھریلو اخراجات میں ہی اٹھاؤں گی لیکن تم سمجھ سکتے ہو کہ بچت سب کی نظروں میں آ جائے تو پھر وہ بچت نہیں رہتی۔ کوئی نہ کوئی نیا خرچ نکل آتا ہے۔“

وہ تو ماں کی رضامندی حاصل کر کے خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ فوراً ہی بولا۔ ”ارے آپ فکر نہ کریں یہ بات ہم دونوں کے درمیان ہی رہے گی۔“

ماں نے خوش ہو کر اُسے دیکھا پھر ذرا افسردگی سے کہا۔ ”آج اندازہ ہو رہا ہے قی خوشی کے ساتھ غم بھی ملتے ہیں مگر میں اس حقیقت کو بھول گئی تھی۔ دنیا میں رہنا ہے تو حقیقت سے نظریں ملانی ہی ہوں گی۔“

انسان اپنی غرض پوری کرنے کی خاطر دل کو ہزار حیلوں بہانوں سے بہلاتا ہے۔ قیقت سے نظریں ملانا آسان بات نہیں ہوتی لیکن جہاں فائدہ نظر آ رہا ہو وہاں انسان اپنی رض سے جھک بھی جاتا ہے۔

☆======☆======☆

آرزو نے بیڈ سے اتر کر کمرے کی لائٹس آن کیں پھر بیڈ پر لیٹی ہوئی ندا کو دیکھ کر ری محبت سے پوچھا۔ ”آر یو اوکے؟“

ندا ذرا کسمسائی پھر مخمور آنکھوں سے اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ”ہاں .... لیکن تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟“

ندا نے دونوں بانہیں پھیلا کر اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ”کچھ ر پہلے جس حُسن کو قریب سے دیکھتی رہی تھی اُسے اب دور سے دیکھنا اچھا لگ رہا ہے۔“

ندا نے ذرا سر اٹھا کر اپنے وجود پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ وہ کسی کھلی کتاب کی طرح بیڈ پر بکھری ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر آرزو پر ڈالی پھر فوراً ہی ایک چادر کو ڈھال ہاتے ہوئے کہا۔ ”توبہ ہے تمہیں لائٹ جلانے کی بہت جلدی ہوتی ہے۔“

وہ مسکرا کر بیڈ کے قریب آتے ہوئے بولی۔ ”تم بھی تو خوب ہو۔ اندھیرے میں کچھ کھاتی ہو اور اجالے میں اپنے حُسن کو کسی اور انداز میں پیش کرنے لگتی ہو۔“

وہ چادر کو اپنے بدن پر پوری طرح لپیٹتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ نازلی نے اُس کے قریب آ کر کہا۔ ”اندھیرے میں دسترخوان بنی رہتی ہو۔ اپنے بدن کی ایک ایک ڈش کو بڑی فراخ دلی سے پیش کرتی ہو لیکن اجالا ہوتے ہی شرمانے لگتی ہو۔ یہ تمہاری ایسی ادائیں ہیں جن پر بے اختیار پیار آتا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے وہ اس کی گردن کی طرف جھک گئی۔ ندا نے ذرا کسمسا کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”ہم ایک ہفتے کے بعد مل رہے ہیں۔ کاشف کے آنے سے بہت پرابلم ہو گئی ہے۔ اگر آج کا دن وہ اپنے دوست کے گھر گزارنے نہ جاتا تو شاید اب بھی ہمیں تنہائی میں قت گزارنے کی مہلت نہ ملتی۔“

آرزو اس کے رخسار کو چومتے چومتے رک گئی۔ گہری سنجیدگی سے کچھ سوچتے ہوئے اس سے الگ ہو گئی۔ ندا نے مسکرا کر کہا۔ "ہمیں اس دوست کو دعائیں دینی چاہئیں جس نے آج کاشف کو اپنے گھر بلا کر ہم پر احسان کیا ہے۔"

آرزو کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ندا نے چٹکی بجاتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں گم ہو؟ آئندہ کیسے ملنا ہے؟ کیا اس کی پلاننگ کر رہی ہو؟"

اس نے چونک کر انکار کے انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "ہمارا ملنا کوئی پرابلم نہیں ہے۔ ہم کسی ہوٹل کے کمرے میں بھی وقت گزار سکتی ہیں۔"

"تو پھر کس سوچ میں گم ہو؟"

اُس نے گہری سنجیدگی سے ندا کو دیکھا۔ پھر گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو۔"

"میں نے تمہیں دولت سے نہیں، محبت سے جیتا ہے۔ کیا ہمیشہ میری بن کر رہ سکو گی؟"

اس سوال پر چونک کر اُس نے آرزو کو دیکھا پھر پوچھا۔ "اس سوال کا مطلب؟ میں چند روز سے محسوس کر رہی ہوں کہ تم مجھ سے ملتی ہو تو جدائی کی باتیں ضرور کرتی ہو۔ آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ کیا تمہارا مجھ پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے؟"

آرزو فوراً ہی اُسے اپنے سینے سے لگا کر بولی۔ "نہیں .... میں تو اپنے آپ سے زیادہ تم پر اعتماد کرتی ہوں۔"

ندا اُسے اپنی دونوں بانہوں کی گرفت میں لے کر بولی۔ "تو پھر ایسی باتیں کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

آرزو اُس سے الگ ہو کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔ "تم نہیں جانتی میری جان! بعض اوقات انسان کے سامنے ایسے قدرتی حالات آتے ہیں جب وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"لیکن تمہیں ایسا کیوں لگنے لگا ہے کہ میں کبھی حالات سے مجبور ہو کر تم سے دور ہو جاؤں گی؟"

آرزو کچھ دیر تک اُسے گہری نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "ایک بات بتاؤ۔ مجھ سے ملنے کے بعد تمہیں کوئی بے چینی تو نہیں ہوتی؟"

ندا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اُسے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیسی بے چینی؟"

"میرا مطلب ہے .... تمہیں کسی کمی کا احساس تو نہیں ہوتا؟"

ندا نے الجھ کر پوچھا۔ "کیسی کمی کیسی بے چینی؟ کھل کر بات کرو۔"

آرزو کچھ سوچنے کے بعد اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر ٹہلنے کے انداز میں اس سے ذرا دور ہو گئی۔ پھر بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا میری بھرپور محبت پانے کے بعد بھی تمہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی ہو جو تمہیں چاہے؟"

ندا ایک بار پھر الجھ کر بولی۔ "میں نے کہا ناں .... کھل کر بات کرو۔"

وہ اُسے اپنی بات سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ ایک بار پھر اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ ندا کچھ دیر تک اُسے دیکھتی رہی۔ پھر بیڈ سے اتر کر واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "تم اپنی بات مجھے کہنے کے لئے الفاظ تلاش کرو۔ تب تک میں کپڑے پہن کر آتی ہوں۔"

وہ چادر کو سنبھالتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا لیکن آرزو کی نظریں دروازے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ وہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔ میں اپنے اندر کی بات ندا تک پہنچاؤں گی۔ تب ہی وہ اپنے اندر کی بات مجھ تک پہنچائے گی لیکن کیسے اُسے کیسے سمجھاؤں کہ میں اس سے کیا پوچھنا چاہ رہی ہوں؟

وہ سوچنے لگی، ٹہلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد ندا واش روم سے باہر آئی۔ بالوں کو لپیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے بولی۔ "میرے دماغ میں ابھی خیال آیا ہے وہ یہ کہ جو بات تم مجھ سے کہنا چاہتی ہو، اُسے ابھی خود سمجھ نہیں پائی ہو۔"

آرزو نے جلدی سے کہا۔ "سمجھتی ہوں لیکن تمہیں کیسے سمجھاؤں .... یہ سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔"

ندا نے سوچتی ہوئی نظروں سے آرزو کو دیکھا پھر اُس کے قریب آ کر گلے لگ کر کہا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اب تو کبھی کبھی مجھے ایسا لگنے لگا ہے کہ جیسے تم میرے قریب ہوتے ہوئے بھی مجھ سے دور ہو۔ تم اپنے اندر کی بات مجھ سے کہو یا نہ کہو لیکن میری ایک بات سن لو۔ میں نہ تم سے دور ہو سکتی ہوں اور نہ ہی تمہارے ساتھ وقت گزارنے کے بعد کسی قسم کا ادھورہ پن محسوس کرتی ہوں۔ پلیز .... آرزو! اپنے اندر سے تمام خدشوں کو ختم کر دو۔"

آرزو نے اُسے پوری قوت سے بھینچتے ہوئے کہا۔ "کاش ہمارا ایک ہو کر رہنے کا خواب کسی کمزور لمحے میں چکنا چور نہ ہو۔"

ندا نے تسلی دینے کے انداز میں اس کی پشت کو تھپکا۔ انسان کبھی کبھی عجیب مرحلوں سے گزرتا ہے۔ دوسروں کو دلاسہ دیتے وقت سمجھ نہیں پاتا کہ وہ انہیں بہلا رہا ہے یا خود جھوٹے بہلاوے سے بہل رہا ہے۔

☆======☆======☆

ماں کو رام کرنے کے بعد سلمان مکمل طور پر مطمئن ہو گیا تھا۔ انسان جیسا چاہے۔ ویسا ہو جائے تو خوشی ہوتی ہی ہے۔ وہ بھی خوش تھا لیکن خوشی کے باوجود کہیں کوئی الجھن تھی جو اُسے الجھا رہی تھی۔

طلاق لینے کے بعد بھی جمال کو اپنے ساتھ رکھنے والی نازلی کی شرط اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ مگر یہ ایسا کانٹا تھا جسے وہ شادی کے بعد ہی نکال سکتا تھا۔ شوہر بننے کے بعد نازلی کو یہ حکم دے سکتا تھا کہ وہ اپنے سابقہ شوہر کی رہائش کا بندوبست کہیں اور کرے۔ کیوں کہ اس کی یہ شرط دینی اور دنیاوی احکام کے خلاف ہے۔

لیکن ابھی وہ اس مسئلے کو اٹھا کر اپنے مستقبل سنورنے کے راستے بند کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے اس کی ہر شرط مان رہا تھا۔ گھر والوں کی مکمل رضامندی حاصل کرنے کے بعد اس نے نازلی سے رابطہ کیا۔

دوسری طرف سے ملازم نے پوچھا۔ "جی فرمایئے آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"

فون ہمیشہ نازلی ہی اٹینڈ کرتی تھی۔ آج کسی ملازم کی آواز سن کر اُسے ذرا تعجب ہوا۔ پھر اس نے فون پر کہا۔ "مجھے میڈم نازلی سے بات کرنی ہے۔ کیا وہ گھر میں ہیں؟"

ذرا توقف کے بعد ملازم کی آواز سنائی دی۔ "جی ہاں .... آپ اپنا نام بتایئے۔"

اس نے نام بتایا' ملازم نے کہا۔ "آپ ہولڈ کریں' میں انہیں ابھی بتاتا ہوں۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ سلمان انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد ہی نازلی کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑے دھیمے لہجے میں بولی۔ "سلمان! کہاں تھے اتنے دنوں سے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "بھئی .... اپنی پسند کی شادی کرنے کے لئے گھر والوں کو راضی کرنا آسان کام نہیں ہوتا اور تم ایسے پوچھ رہی ہو جیسے میں نہ جانے کب سے غائب تھا۔ دو دن ہی تو گزرے ہیں تم سے رابطہ نہ کئے ہوئے۔"

وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ "تمہارے لئے یہ دو دن کوئی معنی نہیں رکھتے ہوں گے لیکن میری تو اس عرصے میں دنیا ہی اجڑ کر رہ گئی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سلمان نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "نازلی! کیا

ہوا .... کیوں رو رہی ہو؟"

اس نے آہوں اور سسکیوں کے درمیان کہا۔ "سلمان! .... میں .... میں بیوہ ہو گئی ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ ایک بار پھر رو پڑی۔ سلمان ایک دم سے چونک گیا تھا۔ اُس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ روتے ہوئے بولی۔ "ہاں سلمان! جمال مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

"لیکن کب .... کیسے .... کیا وہ بیمار تھے؟"

"نہیں .... انہیں کسی بیماری نے نہیں' اُن کے بیٹے نے مارا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا ناں .... کہ ان کا بیٹا کمال ہمارے گھر آیا ہوا ہے لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ وہ بیٹا بن کر نہیں' موت کا فرشتہ بن کر آیا ہے۔"

"یعنی .... اُس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تو پھر اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے' کیا اُسے گرفتار کر لیا گیا ہے؟"

"باپ بیٹے کی اس جنگ میں نہ قاتل رہا نہ مقتول۔ اُسے نیچے والا نہیں' اوپر والا ہی سزا دے گا۔"

سلمان نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟ یعنی کمال بھی .... اوہ گاڈ .... تم کیسی کیسی صورت حال سے گزرتی رہیں اور مجھے خبر بھی نہ ہو سکی۔"

وہ اُس کی ہمدردی پا کر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی لیکن آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ سلمان کے کہنے پر وہ اُسے اس سانحے کی تفصیلات بتانے لگی۔

وہ اُس کی باتیں سننے کے بعد بولا۔ "ایسے میں تو تم خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہو گی؟ میں ابھی تمہارے پاس آ رہا ہوں۔"

اُس نے فوراً ہی انکار میں کہا۔ "سلمان! یہی تو مجبوری ہے کہ میں ایسے وقت تمہیں اپنے پاس بھی نہیں بلا سکتی۔ اب تو ہماری ملاقات عدت کے ایام پورے ہونے کے بعد ہی ممکن ہو سکے گی۔"

سلمان نے جھنجلا کر کہا۔ "کیا مصیبت ہے؟ تم تنہا ہو۔ دردناک صورت حال سے

گزر رہی ہو اور میں ایسے میں تمہیں اپنے سینے سے لگا کر تسلی بھی نہیں دے سکتا۔"

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "مجھے تسلی دینی ہے تو بتاؤ کہ تمہارے گھر والے راضی ہوئے یا نہیں؟ کیونکہ اب میں زیادہ انتظار نہیں کروں گی۔ عدت کے ایام ختم ہوتے ہی شادی کرنا چاہوں گی۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو' سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہی ہو گا۔"

"اور سنو .... رابطے کے لئے میں تمہاری منتظر رہتی ہوں اور تم پی سی او کے محتاج۔ آج کل میں خود کو بہت تنہا سا محسوس کر رہی ہوں۔ تم میری حالت سمجھ سکتے ہو گے۔ ایسے میں کسی بھی وقت تم سے بات کرنے کو دل کرتا ہے۔ ایسا کرو' کل صبح میرے گھر آ جاؤ۔ میں ملازم کے ذریعے تمہیں ایک موبائل فون دوں گی۔ آئندہ اُسی فون کے ذریعے ہمارے درمیان رابطہ ہو گا۔"

سلمان اس کی بات سن کر خوش ہو گیا تھا۔ پھر ذرا روہانسے انداز میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں کل آ جاؤں گا۔"

سلمان بہت خوش نصیب تھا۔ ایک تو اسے نازلی جیسی محبوبہ مل رہی تھی اور پھر شادی کے معاملے میں اسے جو شرط الجھا رہی تھی وہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی تھی۔ جمال کا نٹا شادی سے پہلے ہی صاف ہو چکا تھا اور اب نازلی کی یہ مہربانی کہ وہ اسے موبائل فون دے رہی تھی۔ اس خوشی میں وہ بہت ہی ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا۔

یہ سوچ کر کہ جب وہ موبائل فون لے کر گلی میں نکلے گا' دوستوں میں بیٹھے گا یا خاندان میں جائے گا تو سب اس سے حسد کریں گے۔ خاندان میں شعیب کے بعد یہ دوسرا فرد ہو گا جس کے پاس موبائل فون ہو گا۔

اسی کو کہتے ہیں .... اوپر والا جب بھی دیتا ہے چھپر پھاڑ کر ہی دیتا ہے۔

☆======☆======☆

وقت کبھی رینگتا ہوا اور کبھی بہت تیزی سے گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن اس کی رفتار ہمیشہ سے ایک سی ہی ہے یہ تو انسان کے اپنے محسوس کرنے کا انداز ہے۔ کبھی کسی کے لئے وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہوتا ہے اور کبھی کسی کے لئے چیونٹی کی چال چل رہا ہوتا ہے۔

آج کل آرزو کچھ الجھی ہوئی تھی۔ اسے تو لگ رہا تھا جیسے وقت گزر ہی نہیں رہا ہے۔ ایک جگہ ٹھہر گیا ہے۔ کاشف کو پاکستان آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ وہ ماں تھی

بیٹے کی آمد پر خوش تھی لیکن کاشف کا ندا کی طرف جھکاؤ دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔

ساون برستا ہے تو اس کی بوندیں دھرتی کے سینے پر ضرور گرتی ہیں۔ بیٹا ساون تھا اور ندا دھرتی اور آرزو کو یہی سوچ ستا رہی تھی کہ وہ ایک قدرتی عمل کو' فطری تقاضے کو کیسے اور کب تک روکتی رہے گی۔

ندا کو بھرپور محبت اور قربت دینے کے بعد بھی وہ اس کا ادھورا پن محسوس کر سکتی تھی۔ دوسری طرف ندا کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ آرزو کی قربت میں کسی کمی کو محسوس نہیں کرتی ہے۔ یہ بات باعث اطمینان تھی لیکن بیٹے کے آ جانے سے یہ اطمینان غارت ہو گیا تھا۔ وہ دوہری کیفیت سے گزر رہی تھی۔ کبھی بیٹے پر ممتا لٹاتی تھی اور کبھی ایک دم اس سے رقابت محسوس کرنے لگتی تھی۔

بیٹا دو ماہ کے لئے آیا تھا اور وہ انگلیوں پر دن گن رہی تھی۔ بیٹا ماں کی سب سے بڑی کمزوری ہوتا ہے لیکن ندا بھی اس کی کمزوری تھی۔

بہت سوچنے کے بعد ایک یہی حل سمجھ میں آ رہا تھا کہ کاشف اور ندا کا سامنا کم سے کم ہونا چاہئے۔ نہ وہ ایک دوسرے سے ملیں گے اور نہ بات کریں گے۔ اس طرح آرزو کے دل میں جنم لینے والے اندیشے کسی حد تک ختم ہوتے رہیں گے۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی۔ آنکھیں بند کئے ایزی چیئر پر نیم دراز تھی۔ سوچ کا محور حسب معمول ندا ہی تھی لیکن کبھی حسب معمول کے ساتھ کچھ خلاف معمول بھی ہونے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔

وہ ندا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ تو ایسے میں کاشف بھی بند آنکھوں کے پیچھے سے جھانک رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اسے ندا بھی دکھائی دینے لگی۔ وہ دونوں ہی اسے دیکھ رہے تھے' مسکرا رہے تھے' یہ بھی مسکرانے لگی۔

دونوں ہی اس کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتے تھے۔ وہ انہیں بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی لیکن یہ بھی محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے سامنے دو اہم رشتے نہیں بلکہ ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے جس کے ایک پلڑے میں بیٹا ہے اور دوسرے پلڑے میں بہو ....

پھر اچانک ہی اسے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔ کسی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آرزو! کیا دیکھ رہی ہو' یہ دونوں کون ہیں؟"

پہلے تو وہ اس اجنبی آواز پر چونکی پھر مسکرا کر بولی۔ "یہ دونوں .... یہ دونوں

میری جان ہیں۔"

پھر پوچھا گیا۔ "ان سے تمہارا رشتہ کیا ہے؟"

اس سوال پر اس نے مسکرا کر کاشف اور ندا کو دیکھا پھر کہا۔ "یہ میرا بیٹا ہے اور یہ .... یہ میری محبت .... میری محبوبہ۔"

اس کا جواب سن کر ذرا تعجب سے پوچھا گیا۔ "محبوبہ .... بھلا ہم جنس محبوبہ کیسے ہو سکتی ہے اور اگر یہ تمہاری محبوبہ ہے تو تم اس کی کیا ہو؟"

"مم .... میں .... اس کا محبوب .... نہیں .... محبوبہ .... نہیں........."

وہ اس سوال پر الجھ گئی۔ سمجھ نہیں پائی کہ کیا جواب دے۔ پوچھنے والے کی دبی دبی ہنسی سنائی دی۔ آرزو کو ذرا سبکی سی محسوس ہوئی۔

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ "تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"تم اس لڑکی کو اپنی محبوبہ کہہ رہی ہو۔ تمہاری یہ بات سن کر میں ہی کیا ساری دنیا ہنسے گی۔ کیا کبھی کوئی لڑکی کسی عورت کی محبوب یا محبوبہ ہو سکتی ہے؟ میں نے پوچھا تھا' ان دونوں سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ تو تمہارے جواب سے پتہ چلا کہ یہ لڑکا تمہارا بیٹا ہے۔ یعنی تم اس کی ماں ہو مگر لڑکی کون ہے؟ تم اس کی کیا ہو؟ تمہارے اور اس کے درمیان کیا رشتہ ہے؟"

اس نے الجھ کر کہا۔ "کہا تو ہے' یہ میری محبوبہ ہے۔ ہمارے درمیان چاہت کا رشتہ ہے۔ محبت کا رشتہ ہے۔"

اس بار قہقہہ سنائی دیا پھر کہا گیا۔ "کیوں ایسے بے نام رشتے سے اپنے دل کو بہلا رہی ہو؟ یہ لڑکی تمہاری بیٹی' کزن یا بہو تو ہو سکتی ہے۔ مگر محبوبہ نہیں۔"

کاشف اور ندا ایک دوسرے کے برابر برابر کھڑے ہوئے تھے۔ اس اجنبی آواز نے آرزو کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "ذرا دیکھو' چاند اپنی چاندنی کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے۔"

اس بات پر آرزو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اب وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ اس نے ذرا پریشان ہو کر ندا کو پکارا۔

"ندا! .... ندا! .... ندا........."

لیکن ندا نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہی اجنبی آواز سنائی دی۔ "کسے پکار رہی ہو؟

تمہاری کون ہے؟"

اس نے جلدی سے کہا۔ "وہ .... وہ میری ندا ہے' میری محبت ہے۔"

"نہیں .... وہ تمہاری محبت نہیں ہے' تم فطرت کے خلاف کیوں جا رہی ہو؟ تم نے اپنے اور اس کے درمیان جو رشتہ قائم کیا ہے وہ بالکل غیر فطری ہے۔ ذرا عقل سے سوچو' وہ تمہاری محبوبہ ہے۔ تو کیا تم اسے اپنی زندگی میں لا سکتی ہو؟ اس سے شادی کر سکتی ہو؟ دنیا والوں کے سامنے تو دور کی بات' کیا اسے اپنے بیٹے کے سامنے اپنی محبوبہ کہہ سکتی ہو؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "تم کون ہو اور مجھ سے ایسے سوال کیوں کر رہے ہو؟"

"مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو' اپنے اندر جھانک کر دیکھو۔ میں تمہارا ضمیر بول رہا ہوں اور تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ تم جس راہ پر چل کر ندا تک پہنچنا چاہتی ہو' اسے حاصل کرنا چاہتی ہو۔ وہ غلط ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ تم دنیا کی پہلی ماں ہو جو اپنے بیٹے کی رقیب بن رہی ہو۔"

اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں .... میں اس کی تو رقیب نہیں بن رہی ہوں بلکہ وہ میرے اور ندا کے درمیان آ رہا ہے۔"

"تو ایسے میں تم کیا کرو گی؟ کیا اپنے بیٹے سے دشمنی کرو گی؟ اس کے بعد کیا ہو گا؟ کیا تمہارا بیٹا تم سے بدظن نہیں ہو گا۔ آرزو! ندا ہمیشہ تمہاری بن کر نہیں رہ سکے گی۔ وہ فطری خواہشات سے مجبور ہو کر ایک نہ ایک دن کسی اور کی ہو جائے گی۔ عین ممکن ہے کہ وہ کوئی اور تمہارا بیٹا .... تمہارا کاشف ہی ہو۔ ذرا سوچو' اگر ایسا ہو گیا تو نہ تمہیں اپنی محبت ملے گی اور نہ بیٹا۔ یعنی تم گھر کی رہو گی نہ گھاٹ کی........."

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کسی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو نظروں کے عین سامنے کاشف مسکرا رہا تھا۔ وہ قریب آ کر اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مما! کیا یہاں بیٹھ کر سو رہی تھیں؟"

وہ اسے بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا یوں قدموں میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے بعد وہی ایک ہستی تھی جس کے سہارے وہ اب تک جیتی آئی تھی بلکہ اسی کے لیے جی رہی تھی۔

وہ اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ "کیا بات ہے مما! کہاں گم ہیں؟"

اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر کہا۔ "کہیں نہیں .... یہیں ہوں

تمہارے پاس۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... میں جب سے پاکستان آیا ہوں تب سے آپ کو بہت بدلا بدلا سا محسوس کر رہا ہوں۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے جیسے آپ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہوتیں۔ بہت کھوئی کھوئی سی رہنے لگی ہیں۔ کیا اپنی پریشانی اپنے بیٹے سے شیئر نہیں کریں گی؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "مما کو کوئی پریشانی ہو گی تو وہ اپنے بیٹے سے شیئر کرے گی ناں۔"

"کچھ تو ہے جو آپ پرائی پرائی سی لگنے لگی ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں ہے' صرف تمہارا وہم ہے۔"

وہ سر جھکا کر مسکرانے لگا پھر ایک دم سے سنجیدہ ہو کر بولا۔ "مما! آپ کیا سمجھتی ہیں کہ مجھ سے اپنے بیٹے سے' اپنے اندر کی بات کو چھپا سکتی ہیں؟"

وہ بیٹے کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ "آپ بہت بدل گئی ہیں مما! .... پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا لگنے لگا ہے جیسے ہمارے درمیان کوئی ہے جو آپ کو مجھ سے دور کر رہا ہے لیکن ایک بات یاد رکھیں .... میرا اور آپ کا رشتہ ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ آپ کتنے ہی نئے رشتے بنالیں' دوستیاں کرلیں لیکن رہیں گی تو صرف میری ہی مما۔"

اس نے ایک دم سے جھک کر بیٹے کی پیشانی کو چوم لیا۔ ان لمحات میں اس کے اندر ممتا بھر گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "ہاں بیٹا! میں صرف تمہاری مما ہوں۔ کوئی نیا رشتہ' کوئی نئی دوستی ماں کی ممتا کو کم نہیں کر سکتی۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر مسکرا کر اس کے سینے سے لگ گیا۔ آرزو کا چہرہ اس کے سر پر تھا۔ آنکھوں سے آنسو پھسل کر بیٹے کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

ایسے وقت دنیا بھر کے رشتے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ صرف وہ رشتہ رہ گیا تھا جو اس دنیا سے جانے کے بعد بھی قائم رہنے والا تھا۔ وہ اس کا بیٹا تھا۔ بے وفا شوہر کی واحد نشانی تھا۔ ایسی نشانی جسے روزِ محشر بھی اسی کے نام سے پکارا جائے گا۔

کچھ دیر کے بعد بیٹے نے اس سے الگ ہو کر کہا۔ "مما! رات کا ایک بج رہا ہے اب تو سونا چاہئے۔"

ایسے ہی وقت اس کی نظر ماں کی بھیگی ہوئی آنکھوں پر پڑی تو اس نے فوراً ہی اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا مما! آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

وہ اپنے آنچل سے اپنی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے بولی۔ "بعض اوقات بہت زیادہ خوشی بھی رلا دیتی ہے۔ تمہیں دیکھ کر اپنے سینے سے لگا کر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں۔ ایک عجیب سی آسودگی مل رہی ہے۔"

وہ خوش ہو کر ماں کو دیکھنے لگا پھر بولا۔ "اب لگ رہا ہے کہ میں اپنی مما کے پاس ہوں۔"

اس نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا پھر کہا۔ "اب تم جا کر سو جاؤ۔ بہت رات ہو چکی ہے۔"

"یہی تو میں آپ سے کہنے آیا تھا کہ بہت رات ہو چکی ہے۔ آپ کو بھی سو جانا چاہئے۔"

"مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی ہے۔ جب آئے گی تو سو جاؤں گی۔"

"کیسے نہیں آ رہی ہے؟ چلیں .... بیڈ پر چل کر لیٹیں۔"

"نیند آئے گی تو لیٹوں گی ناں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا' ماں کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچتے ہوئے بولا۔ "آپ لیٹیں تو سہی' نیند کو بلانا میرا کام ہے۔ بچپن میں آپ مجھے لوریاں دیتی تھیں تو میں نہ چاہتے ہوئے بھی سو جاتا تھا۔ آج آپ کا یہ بیٹا آپ کو سلائے گا۔"

وہ آرزو کو کھینچتا ہوا بیڈ پر لے آیا۔ آرزو نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "یعنی تم مجھے لوری سناؤ گے؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "اور کیا مما! پریکٹس کرتے رہنا چاہئے۔ آئندہ آپ کے پوتے پوتیاں ہوں گی تو میں ہی انہیں سلایا کروں گا۔"

اس بات پر اس نے ذرا ٹھٹک کر بیٹے کو دیکھا پھر ٹٹولتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "کاشف کیا تم نے اپنے لئے کوئی لڑکی پسند کی ہے؟"

وہ بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ سرہانے بیٹھے ہوئے بیٹے کو یوں دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ ابھی کوئی دھماکہ کرنے والا ہے۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ مسکرا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "مما! آپ کی اسٹوڈنٹ .... ندا اچھی لڑکی ہے ناں؟"

اس کی بات واقعی دھماکہ ثابت ہوئی۔ وہ تو جیسے ایک دم سے ہل کر رہ گئی۔ دل میں جنم لینے والے خدشات یقین میں بدل گئے۔ ابھی تو بیٹے نے ندا کے بارے میں صرف پوچھا ہی تھا تو اس کی یہ حالت ہو گئی تھی لیکن جب وہ اس کے بارے میں کچھ کہے گا تو پھر کیا ہو گا؟ یہ سوچ کر ہی دل گھبرانے لگا۔

پھر اس نے ذرا سنبھل کر کہا۔ "ہاں .... ہے لیکن اس وقت اس کا ذکر کہاں سے آ گیا؟"

اس نے کہا۔ "آپ تو جانتی ہیں' میں لڑکیوں کے معاملے میں ہمیشہ ہی ریزرو رہا ہوں۔ میں نے ان میں کبھی دلچسپی نہیں لی ہے۔ کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں بنائی ہے لیکن اب.........."

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ شاید اس سے آگے کچھ کہنے کے لئے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ بیٹے کی خاموشی ماں کی بے چینی بڑھانے لگی۔

کبھی کبھی انسان ایسے حالات سے بھی گزرتا ہے۔ اپنے سامنے والے کی بات کے بغیر بھی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی خاموشی کے پیچھے کون سا انکشاف یا کون سی بات چھپی ہوئی ہے۔

اور وہ تو پھر ایک ماں تھی۔ بیٹے کی خاموشی کو کیسے نہ سمجھتی؟ پھر بھی دل کو بہلانے کے لئے بہانے تلاش کرنے لگی۔ "اگر یہ لڑکیوں کی طرف مائل ہو رہا ہے تو ضروری نہیں کہ ندا ہی اس کی محبت بن گئی ہو۔ عین ممکن ہے کہ یہ اسے اپنی گرل فرینڈ بنانے کے سلسلے میں میرا تعاون چاہتا ہو۔ اگر ایسی بات ہو گی تو میں انکار کر دوں گی۔ مشورہ دوں گی کہ گرل فرینڈ بنانے کے لئے کسی ہم پلہ لڑکی کا انتخاب کرے جو تمہاری طرح امیر اور ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہو۔"

بیٹے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "مما! آئی ایم اِن لَو۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر جلدی سے پوچھا۔ "کون ہے وہ؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "لڑکی ہے۔ فی الحال اس کے بارے میں آپ کو کچھ زیادہ نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ میری یہ محبت ابھی یکطرفہ ہے۔ وہ لڑکی محبت جیسے حسین جذبے کے خلاف ہے اور میں نے تہیہ کیا ہے کہ اس کے دل میں پیار کی جوت جگا کر ہی دم لوں گا پھر آپ کو بتاؤں گا کہ وہ کون ہے؟"

بیٹے کی بات سن کر اس کے دل میں کھد بد سی ہو گئی تھی۔ بات سمجھ میں آ بھی رہی

تھی اور نہیں بھی۔ اس نے کہا۔ "ادھوری بات کہہ کر کیوں تجسس میں مبتلا کر رہے ہو۔ وہ لڑکی کون ہے' کیسی ہے اور کہاں رہتی ہے؟ اس کے بارے میں کچھ تو بتاؤ۔"

اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا پھر کہا۔ "مما! وہ جو کوئی بھی ہے' بہت اچھی لڑکی ہے۔ میں اس کے بارے میں کیا بتاؤں وہ کیسی ہے؟ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا لیں کہ آپ کا بیٹا جو کبھی لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتا تھا آج محبت کر رہا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ ماں کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی پھر وہ بولا۔ "بس .... اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اب آپ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کریں۔"

اب نیند کسے آنی تھی؟ وہ کچھ دیر تک بیٹے کو کریدنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر اس نے تو جیسے اس سے آگے کچھ نہ بتانے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

تھک ہار کر اس نے جبراً آنکھیں بند کیں۔ شاید اب وہ تنہائی چاہتی تھی۔ بیٹا اسے سلانے کے بعد ہی کمرے سے باہر جاتا۔ اس لئے وہ آنکھیں بند کرنے کے بعد یوں بے حس و حرکت ہو کر لیٹ گئی جیسے سو رہی ہو۔

وہ کچھ دیر تک اس کے چہرے کو سہلاتا رہا۔ بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا پھر جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ سو چکی ہے تو اس نے دھیرے سے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے موبائل فون کو آف کر دیا۔

وہ چاہتا تھا کہ ماں سکون سے سوتی رہے اس لئے اس نے ٹیلی فون کا ریسیور بھی کریڈل پر سے ہٹا دیا۔ یعنی اسے عارضی طور پر دنیا والوں سے الگ کر دیا۔

وہ آنکھیں بند کئے لیٹی ہوئی تھی۔ بیٹے کو یہی تاثر دے رہی تھی کہ وہ سو رہی ہے۔ بیٹے نے بڑی محبت سے اسے دیکھا پھر جھک کر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔

وہ بیٹے کی محبت کو دیکھ نہیں رہی تھی۔ محسوس کر رہی تھی۔ پیشانی کو اس کے دو ہونٹوں نے نہیں بلکہ بہت سے پیار بھرے جذبوں نے چھو لیا تھا۔ ایسے میں شوہر یاد آنے لگا۔ ازدواجی زندگی میں وہ صرف اس کی امانت بن کر رہی تھی۔

شوہر کی طرف سے پہلے بیوی کا رشتہ ملا پھر ماں کا رشتہ ملا۔ ماں کی ممتا بھی ایک امانت ہوتی ہے۔ جسے ایک باپ اپنے بچوں کے لئے چھوڑ کر جاتا ہے اور اس نے تو پھر اپنے شوہر سے اپنا بیٹا چھین کر حاصل کیا تھا۔ اس کے اندر سے یہ آواز ابھری کہ وہ بیٹے کی امانت میں خیانت کر رہی ہے۔ اسے انصاف سے ممتا نہیں دے رہی ہے۔ بچپن سے

اس کی ہر خواہش پوری کرنے والی۔ آج اس کی ایک خواہش سے ناانصافی کر رہی ہے۔
ندا ایک کھلونے کی طرح تھی جسے وہ اپنے بچے سے چھین رہی تھی۔ وہ لائٹ آف کر کے جا چکا تھا۔ وہ کمرے کی تاریکی میں اور دل کے اندھیرے میں بیٹے اور ندا کے درمیان بھٹک رہی تھی۔

☆======☆======☆

نازلی نے جو سوچا تھا وہ نہیں ہوا تھا اور جو نہیں سوچا تھا۔ وہ ہو رہا تھا۔ مرحوم شوہر سے یہ طے پایا تھا کہ وہ اس سے طلاق لے کر سلمان سے شادی کرے گی لیکن طلاق لینے کے باوجود جمال سے ملتی رہے گی' اس کی خدمت کرتی رہے گی' دنیا والے کچھ بھی کہیں وہ اس بوڑھے کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گی۔

وہ جمال کی نہ بیوی ہو گی' نہ پرسنل سیکرٹری ہو گی اور نہ ہی خادمہ ہو گی۔ اس سے کوئی رشتہ نہیں ہو گا۔ ہماری دنیا میں ایسے بے نام رشتے بھی ہوتے ہیں جنہیں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ بس ایک شدید انسانی جذبہ ہوتا ہے جو بے نامی کی سمت بہائے لئے جاتا ہے۔

وہ عدت کے ایام گزار رہی تھی اور ایسے وقت تنہائی میں زندگی کے ہر پہلو پر غور کر رہی تھی۔ خاص طور پر سلمان کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔ اس نے اپنی بہت بڑی شرط منوانے کے لئے اسے دو لاکھ روپے آفر کئے تھے بلکہ شادی کے بعد سابقہ شوہر کو ساتھ رکھنے کے لئے اسے اس بڑی رقم کا لالچ دیا تھا۔

لیکن اب جب کہ وہ نہیں رہا تھا' شرط قدرتی طور پر ختم ہو گئی تھی تو وہ سوچ رہی تھی کہ سلمان اس رقم کے لالچ میں اس سے شادی کر رہا ہے؟ اگر یہ لالچ ختم ہو جائے گا تو کیا وہ شادی سے انکار کر دے گا؟

اس کے اندر ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ اس کا چاہنے والا اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ لہٰذا اپنی زندگی میں ایک چاہنے والا ضروری ہو گیا تھا۔ پہلے سلمان اتنا ضروری نہیں تھا۔ وہ صرف تشنہ جذبوں کی سیرابی کے لئے اس کی طرف مائل ہو رہی تھی۔

جمال اسے اتنی شدت سے چاہتا تھا کہ وہ اس بوڑھے کی محبت کے مقابلے میں دنیا کے کسی بھی جوان سے محبت کی بھیک مانگنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن وہ بڑھاپا زیادہ دیر تک ساتھ نہ چل سکا۔ جاتے جاتے اس کی زندگی میں محبت کا خلا پیدا کر گیا۔ عورت دولت کے بغیر زندگی گزار سکتی ہے۔ مگر کسی چاہنے والے کے بغیر

زندگی نہیں گزار سکتی۔ کسی سے چاہے جانا۔ اس کے لئے لازمی ہوتا ہے۔ کوئی محبتیں دینے والا نہ ہو تو وہ آدھی رہ جاتی ہے۔

اور اب اس آدھی عورت کو سلمان ہی مکمل کر سکتا تھا۔ یہ خیال دل دکھانے والا تھا کہ وہ لالچی ہو گا۔ دولت کے لالچ میں اس کی طرف جھک رہا ہو گا اور ایسے میں اسے ایک مرد کی محبت نہیں' خودغرضی ملے گی۔

وہ سوچتے سوچتے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بیڈ سے اتر کر ٹہلنے لگی۔ جمال جیسے شوہر سے چاہے جانے کے بعد اسے دوسری شادی جوا لگ رہی تھی۔ پہلے اس کا کسی بھی برے وقت میں ساتھ دینے والا جمال زندہ تھا لیکن اب وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔

دوسری شادی کے لئے اس کا کسی دوسرے مرد کی طرف دھیان نہیں جا رہا تھا۔ سلمان دیکھا بھالا لڑکا تھا اور اس سے کم عمر بھی تھا۔ اس پہلو پر سوچنے اور غور کرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ اسے شادی کے بعد آسانی سے ہینڈل کر سکے گی۔

سوئی اٹک رہی تھی تو صرف اس بات پر کہ وہ کچھ بھی ہو۔ مگر خودغرض نہ ہو۔ چاہے جمال کی طرح ڈھیروں پیار نہ دے سکے مگر جتنا بھی دے وہ سچا ہو۔ یہ ایسی باتیں تھیں جو سلمان کو آزمانے کے بعد ہی واضح ہو سکتی تھیں۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ سوچتی ہوئی نظروں سے ٹیلی فون کو دیکھنے لگی۔ سلمان کو موبائل دینے کے بعد رابطہ کرنے میں آسانی ہو گئی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ٹیلی فون کے قریب آئی۔ پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر کچھ سوچنے کے بعد ریسیور اٹھا کر اس کے نمبر پنچ کرنے لگی۔

رات کے تین بج رہے تھے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسے میں موبائل کا بزر چیخنے لگا۔ سب ہی نیند میں کسمسائے۔ سلمان نے اسے فوراً ہی آن کیا پھر کمرے سے باہر جانے لگا۔ نعمان نے سر اٹھا کر بڑی حسرت سے چھوٹے بھائی کو دیکھا جو جسامت میں پہلے ہی اس سے خوبرو دکھائی دیتا تھا۔ اب رکھ رکھاؤ میں بھی اس سے بڑا نظر آنے لگا تھا۔ جو کچھ نہیں کر پاتے وہ اسی طرح دوسروں سے حسد اور جلن کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

سلمان نے صحن میں آ کر فون کو کان سے لگا کر کہا۔ "ہاں بولو .... خیریت تو ہے؟ اتنی رات گئے فون کر رہی ہو؟"

وہ بڑی محبت سے پوچھ رہا تھا۔ نازلی اس کا اپنائیت بھرا لہجہ سن کر ایک دم سے چیخ گئی۔ مسکرا کر بولی۔ "میں نے تمہیں فون اسی لئے دیا ہے کہ جب جی چاہے تم سے رابطہ

کر سکوں۔ سو رہے تھے کیا؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے رات سونے کے لئے ہی ہوتی ہے اور یوں بھی اس وقت رات کے تین بج رہے ہیں ظاہر ہے سو رہا تھا۔"

"سوری .... میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔"

"ارے ڈسٹرب نہیں .... خوش کر دیا ہے۔ یقین کرو اس وقت تمہاری آواز سن کر مجھے عجیب سی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ تمہارا لہجہ بھی نیا نیا سا لگ رہا ہے۔ سیدھا دل میں اتر رہا ہے۔"

اس کی اپنائیت بھری باتوں سے نازلی کو بڑا حوصلہ مل رہا تھا لیکن یہ سوچ اپنی جگہ مسلط تھی کہ کیا وہ دو لاکھ نہ ملنے کی صورت میں بھی ایسی ہی اپنائیت ظاہر کرے گا؟

وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "سلمان! میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ آنگن میں ایک طرف بچھے ہوئے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہاں کہو۔"

اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتی .... میری بات سننے کے بعد تمہارا کیا ری ایکشن ہو گا؟ عین ممکن ہے تم میری زندگی میں آنے کا فیصلہ ہی ترک کر دو لیکن میں اس ڈر کی وجہ سے تمہیں کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتی۔ تم میری بات سننے کے بعد جو بھی فیصلہ دو مگر .... جو سچ ہے میں اسے نہیں چھپاؤں گی۔ بس اتنا جان لو کہ اگر میں خودغرض ہوتی تو پہلے تم سے شادی کرتی' بعد میں اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی۔"

وہ بولا۔ "بات کیا ہے' اتنی لمبی تمہید کیوں باندھ رہی ہو؟"

وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی۔ "سلمان! میں نے وعدہ کیا تھا کہ کسی بینک میں تمہارا اکاؤنٹ کھلواؤں گی اور تمہاری بہن کی شادی کے لئے اس میں دو لاکھ روپے جمع کرواؤں گی لیکن سلمان! اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتی۔"

وہ اس کی بات سن کر ایک دم سے چپ ہو گیا۔ فوری طور پر سمجھ نہ پایا کہ ایسے میں اسے کیا کہنا چاہئے۔ دوسری طرف اس کی یہ خاموشی نازلی کا دل دھڑکا رہی تھی۔

وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "سلمان! میں جانتی ہوں' میری یہ بات تمہارے لئے خلاف توقع ہے لیکن پلیز .... یوں تم خاموش نہ رہو' کچھ تو بولو۔"

اس نے ایک گہری سانس لینے کے بعد کہا۔ "میں رقم کے لالچ میں تم سے شادی

نہیں کر رہا تھا۔ میرا یہ فیصلہ پہلے بھی بے غرض تھا اور اب بھی بے غرض ہی ہے لیکن میں گھر والوں کو کیا جواب دوں گا؟ سب ہی کو خبر ہو چکی ہے کہ میری شادی کے نتیجے میں فرح کی شادی کے لئے دو لاکھ روپے آنے والے ہیں۔ یوں سمجھو کہ بیٹی کا گھر بسنے کی امید پر ہی والدین مجھے رخصت کرنے والے تھے۔"

اس نے پوچھا۔ "یعنی والدین انکار کریں گے تو تم مجھے نہیں اپناؤ گے۔ کیا دو لاکھ روپے ہمیں ایک کر رہے تھے؟ اس کے علاوہ ہمارے درمیان اور کوئی جذبہ نہیں تھا؟"

وہ جلدی سے بولا۔ "ایسی بات نہیں ہے نازلی! ہم محبت سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو اپنا رہے ہیں۔ یاد کرو' کیا میں نے شادی کا فیصلہ کرنے سے پہلے تم سے کوئی مطالبہ کیا تھا؟ یہ دو لاکھ روپے اور ماہانہ پانچ ہزار روپے والی بات بھی تم نے خود ہی کی تھی۔ مجھے نہ پہلے کوئی لالچ تھا اور نہ اب ہے۔"

"رقم دینے لینے کی بات تمہارے اور میرے درمیان ہوئی تھی۔ اب بھی ہم دونوں کے درمیان ہی بات ہو رہی ہے۔ تم اپنے والدین سے دو لاکھ نہ ملنے والی بات کو چھپا بھی تو سکتے ہو؟ کیا میری خاطر ان سے یہ جھوٹ نہیں بول سکتے کہ میں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا کر دو لاکھ روپے جمع کر چکی ہوں؟ ماہانہ پانچ ہزار روپے کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ وہ تمہارے گھر والوں کو ملتے رہیں گے۔"

نازلی کی بات معقول تھی پھر بھی وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ "نازلی! ایک بات کہوں۔ وہ دو لاکھ روپے میرے کسی کام کے نہیں تھے لیکن میری توجہ سے ایک بہن کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو رہا تھا۔ یہی سوچ کر مجھے بڑی آسودگی حاصل ہو رہی تھی۔ ایسے میں گھر والوں سے دور ہوتے ہوئے میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو محبت سے اپنا رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے اور ایسا نہیں ہے کہ رقم نہ ملنے کی صورت میں' میں پیچھے ہٹ جاؤں گا لیکن........."

اس کی باتیں سن کر وہ ایک دم سے خوش ہو گئی۔ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "یہ اچھی بات ہے کہ تم خود غرض نہیں ہو۔ اپنی خوشی کے ساتھ گھر والوں کی خوشی کا بھی سوچ رہے ہو۔ میں تمہارے جذبوں کی قدر کرتی ہوں لیکن میں اس شادی کو تمہارے ضمیر پر بوجھ بنانا نہیں چاہتی۔ تمہاری آسودگی کے لئے ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ میں شادی کے بعد تمہیں پڑھائی ترک کر کے میرے ساتھ کاروبار میں لگنا ہوگا اور تمہاری ماہانہ انکم تمہارے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی رہے گی۔ پھر جب بہن کی شادی کا موقع آئے گا تب وہ رقم استعمال

کی جائے گی۔ اس طرح تمہیں دوہری آسودگی ملے گی۔ تم اپنی کمائی سے ہی اپنی بہن کا فرض ادا کرو گے۔"

اس کی بات معقول تھی' وہ بولا۔ "ہاں .... یہ تو ہے۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دو۔ یہ تمام پہلو اور باتیں میرے لئے نئی ہیں۔ مجھے ان پر نئے سرے سے غور کرنا ہوگا۔"

"تمہارے پاس مہلت ہے۔ خود سوچو اور پھر کوئی فیصلہ دو۔"

وہ مزید کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ نازلی کے لئے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ سلمان خود غرض نہیں تھا اور سلمان کے لئے بھی یہ بات باعث اطمینان تھی کہ وہ بہن کی شادی کے لئے اکٹھا نہ سہی لیکن دھیرے دھیرے رقم کا انتظام کر ہی لے گا۔

☆======☆======☆

نعمان کے رشتے کی تلاش آخرکار اختتام پذیر ہو گئی۔ کوئی کام بھرپور لگن سے کیا جائے تو ہو ہی جاتا ہے۔ رشتہ پکا ہو جانے کے بعد شکیلہ بیگم کی خوشی تو قابل دید تو تھی ہی لیکن نعمان اس سے بھی زیادہ خوش تھا۔

چہرے کی رونق اس کے دل کا حال واضح طور پر بتا رہی تھی۔ شبانہ کی اس نے صرف تصویر دیکھی تھی۔ روبرو ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ماں اور بہنوں کی پسند پر اسے بھروسہ تھا۔ شبانہ بہت زیادہ خوبصورت تو نہیں تھی مگر اچھی تھی۔ قبول صورت تھی۔ وہ طویل انتظار کے بعد مل رہی تھی۔ ایسے میں اس کا لڑکی ہونا ہی کافی تھا۔

رشتہ طے ہو جانے کے بعد نعمان میں بہت تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ بڑی لگن کے ساتھ کام پر جانے لگا تھا۔ چھوکری مل جانے کی خوشی میں نوکری بہت اہم ہو گئی تھی۔ رشتے کے باعث صرف اسی میں نہیں بلکہ گھر والوں اور گھر کے ماحول میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔

ایک فرد کے اضافے کی کشش نے گھر کے سب ہی افراد کے اندر یہ بات پیدا کر دی تھی کہ شادی جلد ہونی چاہئے۔ نعمان اور شکیلہ بیگم ایسا کرنے کے لئے تو ایک پاؤں پر کھڑے تھے۔ اگر انتظار تھا تو بس کمیٹی کھلنے کا۔

شکیلہ بیگم نے بیٹیوں سے کہا۔ "ہماری کمیٹی سات ماہ کے بعد کھلنے والی ہے۔ یعنی اگلے سال کے ماہ اپریل میں۔ اس لئے میں سوچ رہی ہوں کہ کمیٹی کھلنے کے ایک ماہ کے اندر شادی کی تاریخ طے کر لی جائے۔ یعنی مئی یا جون میں اس گھر کی بہو آ جائے۔"

فرح نے تائید میں سر ہلایا۔ ندا نے منہ بسور کر کہا۔ "ان دونوں ہی مہینوں میں بڑی گرمی پڑتی ہے۔ ایسے میں نہ کپڑے پہننے کا مزہ آئے گا اور نہ ہی شادی کا۔ ریشمی کپڑے تو بدن کو کاٹ کھائیں گے۔ آپ کیا چاہتی ہیں کہ ہم بھائی کی شادی پر لان کے کپڑے پہنیں؟"

وہ جلدی سے بولی۔ "بھلا میں کیوں چاہوں گی' تمہارے بھائی کی شادی ہے۔ خوب بھاری بھاری جوڑے پہننا' بننا سنورنا۔"

"گرمی کے موسم میں شادی کریں گی تو ہم کیا خاک بنیں سنوریں گے؟ شادی کی تاریخ رکھنی ہے تو اکتوبر یا نومبر کی رکھیں۔"

اس نے کہا۔ "چاہتی تو میں بھی یہی تھی لیکن نعمان جلدی کا کہہ رہا ہے۔"

ماں کی اس بات پر وہ دونوں ہی ہنسنے لگیں۔ پھر فرح نے کہا۔ "نعمان سے کہو' ذرا صبر رکھے شبانہ کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے۔ کچھ نہیں تو اسی کا خیال کرے۔ دلہن کو میک اپ' بھاری لباس اور جیولری وغیرہ پہننی ہوتی ہے۔ وہ بے چاری گرمی میں یہ سب کچھ کیسے برداشت کرے گی؟"

ماں نے اس کی تائید میں کہا۔ "ہاں .... اور یہ بھی تو شیروانی میں کھول جائے گا۔ میں دلہن کے حوالے سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔ ہو سکتا ہے اکتوبر نومبر کے لئے راضی ہو جائے؟"

پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ نعمان کو دلہن کی پریشانی بتائی تو وہ بولا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ گرمیوں میں کسی چیز کا مزہ نہیں آئے گا لیکن اکتوبر نومبر تو بہت دور ہیں۔"

اس نے کہا۔ "ارے ہاں .... اپریل گزرنے کے پانچ ماہ بعد ہی اکتوبر آ جائے گا اور ویسے بھی شادی کی تیاری کرنے میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ "جب ساری منصوبہ بندی ہو ہی چکی ہے تو پھر تاریخ طے کر ہی دیں۔"

ماں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "شادی کی باتوں پر کیسے خوش دکھائی دیتے ہو؟ خدا تمہاری خوشیاں اور چہرے کی ایسی رونق کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ آمین!"

ایک طویل انتظار کے بعد ماں بہنوں کو کوئی لڑکی پسند آئی تھی اور رشتہ طے ہو گیا تھا۔ ایسے میں اس کی خوشی ماں سے تو کیا .... کسی سے چھپ نہیں رہی تھی۔ گھر کے افراد شبانہ کا نام لے کر اسے چھیڑتے تھے تو اسے اچھا لگتا تھا۔

یہ ایسی چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں جن کے سہارے وہ ماہ اکتوبر کا انتظار کرنے لگا۔

☆======☆======☆

اس کا ہاتھ بے خودی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بے خودی اسے نہ جانے کہاں دوڑائے جا رہی تھی؟ پھر کچھ دیر بعد اچانک ہی منظر بدل گیا۔ وہ تھم گئی۔ سب کچھ تھم گیا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کے ہانپنے کے انداز میں گہری گہری سانسیں لیں۔ ایسے میں اس کے ہونٹوں پر بڑی پُرکشش مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

بہت ہی سہانا سفر طے کرنے کے بعد اسے پُرسکون تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ عجیب سی مستی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے ہی وقت ہوا کے ایک خوشگوار جھونکے نے اسے چونکا دیا۔ اس نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا تو یہاں سے وہاں تک پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے۔

وہ بڑی ادا سے لہرا کر ان پھولوں کی طرف بڑھی اور ایک ایک کو چھو کر دیکھنے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے پھولوں کی تازگی انگلی کے پوروں کے ذریعے اس کے بدن میں اتر رہی ہے اور ایک عجیب سی سرشاری بخش رہی ہے۔ وہ ان رنگ برنگے کھلے ہوئے پھولوں کے درمیان تتلی کی طرح اِدھر سے اُدھر لہرا رہی تھی۔

ایسے وقت ایک اجنبی آواز نے اسے چونکا دیا۔ کسی نے اسے مخاطب کیا۔ "ندا!"

وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ گھوم کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ وہی آواز پھر سنائی دی۔ "کیا صرف کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کر ہی بہلتی رہو گی' اپنی کلی کے پاس نہیں آؤ گی؟"

آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی لیکن بولنے والا کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کون اسے مخاطب کر رہا تھا لیکن کلی کا نام سنتے ہی اسے جیسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ ایک بار پھر پھولوں کے درمیان بھٹکنے لگی۔

انداز ایسا تھا جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہو۔ تھوڑی دیر بھٹکنے کے بعد ہی اس کی نظر کھلے ہوئے پھولوں کے درمیان ایک کلی پر پڑی۔ وہ فوراً ہی لپک کر اس کے قریب آئی۔ ہر سُو کھلے ہوئے پھولوں کے درمیان وہ واحد ایک کلی تھی۔ اس نے اسے چھونے کے بعد ذرا حیرانی سے کہا۔ "تعجب ہے .... یہ کلی اب تک کھل کر پھول کیوں نہیں بنی؟"

وہی آواز پھر سنائی دی۔ "کسی بھی جاندار شے کی نشوونما کا دار و مدار اس کی خوراک پر ہوتا ہے۔"

اس نے کہا۔ "اسے بڑی محبت سے سینچا گیا ہے۔ پھر کھاد روشنی ہوا یہی اس کی

خوراک ہے جو اسے مل رہی ہے۔"

"یعنی تم اسے ادھوری خوراک دینے کے بعد بھی پوچھ رہی ہو کہ یہ اب تک کھلی کیوں نہیں؟"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "ادھوری خوراک؟"

"ہاں .... تم نے اسے سب کچھ دیا مگر پانی نہیں دیا۔ دنیا کی ہر کلی اسی وقت کھلتی ہے جب اسے پانی ملتا ہے اور اس کی اصل خوبصورتی اس کے کھلنے اور کھل کر پھول بننے میں ہی ہے۔ تم اس قدرتی عمل کو روک رہی ہو۔"

وہ بولی۔ "میں کیا روک رہی ہوں؟ ساون برسے گا' تب ہی تو اسے پانی ملے گا۔"

"یعنی .... تم اسے کھلانا چاہتی ہو؟"

اس سوال پر وہ چپ ہو گئی۔ آواز پھر سنائی دی۔ "ندا! حقیقت سے منہ نہ پھیرو' تمہارے گلشن کے تمام پھول کھل چکے ہیں۔ کلی کو بھی کھل جانے دو۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "اس کے کھلنے کا مطلب تو یہ ہو گا۔ میری آرزو مجھ سے دور ہو جائے گی؟"

"نہیں .... وہ تمہاری آرزو نہیں ہے۔ ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھو۔ وہاں ایک ہی آرزو اور ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ کہ ساون کی بارش .... تمہارے من کے صحرا کو تمہاری وہ آرزو نہیں' تمہارے اندر کی آرزو جل تھل کر سکتی ہے۔"

وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ محسوس کرنے لگی کہ اُسے پیاس لگ رہی ہے۔ اُس نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ منظر بدل چکا تھا۔ کھلے ہوئے پھول غائب ہو چکے تھے۔ وہ اب کسی صحرا میں تھی۔

اسی بند کلی کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی اس پر اپنے آنچل کا سایہ کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی ساون ہے جو یہاں برسے؟ اس کے اور میرے من کے صحرا کو گلشن بنا دے؟"

وہی آواز پھر سنائی دی۔ "اس ساون کو اپنے آس پاس ہی ڈھونڈو۔"

پیاس کی شدت ایسی تھی کہ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ جیسے نہ جانے کہاں سے بھاگتی چلی آ رہی ہے؟ اس نے اپنے آس پاس دیکھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ وہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔

پھر اس کی نظر برابر میں لیٹی فرح پر پڑی تو بات سمجھ میں آنے لگی۔ وہ اب تک جو

کچھ دیکھتی رہی تھی۔ صرف ایک خواب تھا۔ آنکھ کھلنے پر ختم ہو گیا تھا لیکن پیاس کی شدت ختم نہیں ہوئی تھی۔

وہ بستر سے اتر کر دھیرے دھیرے کمرے سے باہر آئی۔ کچھ دیر کھلی فضا میں گہری گہری سانسیں لیتی رہی پھر پانی پینے کے لئے کچن میں آ گئی لیکن ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا گلاس پینے کے بعد بھی پیاس نہیں بجھ رہی تھی۔

وہ الجھ کر کچن سے باہر آئی۔ اس وقت اپنے اندر کا حال کسی سے شیئر کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ اس وقت ایسے حال میں تھی جو صرف محبوب سے ہی شیئر کیا جا سکتا ہے۔

وہ برآمدے میں کھڑی کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر دبے قدموں چلتی ہوئی نعمان کے کمرے میں آئی۔ دونوں بھائی گہری نیند میں تھے۔ اس نے سلمان کے قریب آ کر دھیرے سے اس کا شانہ ہلایا۔

اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں پھر چونک کر پوچھا۔ "ندا! تم اس وقت یہاں؟"

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "آہستہ بولو .... مجھے تھوڑی دیر کے لئے تمہارا فون چاہئے۔ میڈم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ کال نہیں کروں گی۔ انہیں صرف بیل دوں گی' تمہارا نمبر پڑھتے ہی وہ مجھے کال بیک کریں گی۔"

اس نے تکئے کے نیچے سے فون نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا انہیں اس کا نمبر معلوم ہے؟"

"ہاں .... میں نے انہیں دیا تھا۔"

پھر وہ موبائل فون لے کر کمرے سے باہر آئی اور صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ کر آرزو کے نمبر پنچ کرنے لگی تو پتہ چلا کہ اس کا موبائل فون آف ہے۔

بے چینی ایسی تھی کہ بات کرنے سے ہی دور ہونے والی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر اس کے گھر کے نمبر پنچ کئے پھر فون کو کان سے لگا کر رابطے کا انتظار کرنے لگی۔

دوسری ہی بیل پر ریسیور اٹھا لیا گیا لیکن خلاف توقع آرزو کے بجائے کاشف کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو؟"

جو وہ چاہتی تھی وہ نہیں ہوا اور جس کی توقع نہیں تھی وہ ہو گیا۔ وہ اپنے اندر کی بات آرزو سے شیئر کرنا چاہتی تھی ایسے میں کاشف سے ٹکراؤ ہو گیا۔

لیکن ندا کو نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا جیسے فون کی دوسری طرف بولنے والا ہی اس کے اندر کی بات کو سمجھ سکتا ہے۔

اس نے پھر پوچھا۔ "ہیلو .... بولیں بھئی .... آپ کون ہیں' کس سے بات کرنی ہے؟"

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا' وہ گڑبڑا کر بولی۔ "وہ میڈم آرزو........."

وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے فون کو کان سے ہٹایا پھر اس کا ایک بٹن دبا کر رابطہ منقطع کر دیا۔ دوسری طرف کاشف ہیلو .... ہیلو کرتا رہ گیا۔

وہ ندا کے لب و لہجے کو خوب پہچانتا تھا۔ اس کے اندر یہ تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اتنی رات گئے اس کی مما کو فون کیوں کر رہی ہے؟

ایک طرف یہ تجسس تھا اور دوسرے یہ کہ رات کے اس وقت اس کی آواز سن کر عجیب سی خوشی حاصل ہوئی تھی اس نے ذرا دیر کچھ سوچنے کے بعد سی ایل آئی میں نمبر دیکھے پھر اسے کال بیک کرنے لگا۔

وہ آنگن میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں تھامے موبائل فون کو دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ کاشف کی آواز سنتے ہی دل کی دھڑکنیں کیوں تیز ہو گئی تھیں؟ مجھے ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے میری تلاش ختم ہو گئی ہے؟ میں خواب میں جسے تلاش کر رہی تھی جسے پکار رہی تھی وہ مل گیا ہے۔

پھر اس کے اندر یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ خواب میں کسے پکار رہی تھی؟

جواب میں اسے پھر وہی آواز سنائی دی۔ "اپنے ساون کو .... اور کسے؟ میں نے کہا تھا ناں .... اسے تلاش کرو' وہ تمہارے آس پاس ہی ہے۔ بند کلی کو کھلا کر پھول بنانے والا ساون تمہیں مل رہا ہے۔ ندا! جاؤ اس کی ایک ایک بوند کو اپنے اندر سمو لو' جاؤ جاؤ۔"

اچانک ہی موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے جلدی سے اسے آن کر کے کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے کاشف کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ندا! پلیز فون بند مت کرنا۔ مما سو رہی ہیں لیکن تم مجھ سے تو بات کر سکتی ہو؟"

وہ دوہری کیفیت سے گزر رہی تھی۔ اس سے بات کرنا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔ اس نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا بات کروں؟"

"وہی .... جو مما سے کرنے والی تھیں۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے جو باتیں میڈم سے کرنی تھیں وہ میں آپ سے نہیں کر سکتی۔"

"ہاں .... تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنی بات کہنے کے لئے جس شخص کا انتخاب کرتے ہیں وہ ہمیں نہیں ملتا' ایسے میں وہی بات ہم کسی اور سے شیئر کر لیتے ہیں۔ تب اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بات کہنے کے لئے کسی ایک ہی شخص کے پیچھے نہیں دوڑا جاتا۔ ہو سکتا ہے میں تمہاری بات سمجھنے میں مما کی برابری نہ کر سکوں لیکن تم پھر بھی اپنی بات مجھ سے شیئر کر کے اپنا دل ہلکا کر سکتی ہو۔"

"آپ کو کیسے اندازہ ہوا کہ میرے دل پر کوئی بوجھ ہے؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "رات کے اس وقت فون کر رہی ہو' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ضرور کوئی بات تمہارے ذہن میں چبھ رہی تھی یا پھر دل پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔"

اسے کچھ دیر پہلے دیکھے ہوئے خواب کا ایک ایک منظر یاد آنے لگا۔ وہ بڑے کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔ "ہاں .... میں بہت الجھی ہوئی ہوں بلکہ خود کو ادھورا سا محسوس کر رہی ہوں۔ کہیں کوئی کمی ہے جو مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دے رہی ہے۔"

وہ توجہ سے سن رہا تھا پھر بولا۔ "اپنا تجزیہ کرو' ایسا کیوں محسوس کر رہی ہو؟ ایسے میں تم نے مما کو فون کیا ہے۔ کیا وہ تمہارے ادھورے پن کو ختم کر سکتی ہیں اور اگر وہی ایسا کر سکتی ہیں تو ذرا انتظار کرو میں انہیں بلا کر لاتا ہوں۔"

اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں .... انہیں سونے دیں۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "تعجب ہے .... ان سے بات کرنا چاہتی تھیں اور اب موقع مل رہا ہے تو روک رہی ہو؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "پتہ نہیں .... میں کیا چاہتی ہوں اور کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ندا! ایک بات کہوں۔"

"جی کہیں۔"

"تم سے مل کے .... تم سے باتیں کر کے میں نے محسوس کیا ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی کمی ہے ضرور۔"

"کیا خوب ریڈنگ کی ہے آپ نے میری لیکن جناب! یہ ایک عام سی بات ہے جسے آپ نے نوٹ کیا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوتی ہے جسے پورا کرنے کے لئے وہ جدوجہد کرتا ہے اور اسی جدوجہد کا نام زندگی ہے۔"

"تعجب ہے .... زندگی کی لوجک جانتی ہو پھر بھی حقیقت سے نظریں چراتی ہو؟"

تم اپنی کمی کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کیوں نہیں کرتیں؟"

"اصل بات یہ ہے کہ مجھے خبر ہی نہیں ہے کہ میری زندگی میں کس چیز کی کمی ہے؟"

"چاہنے والے کی۔"

وہ اس کی بات سن کر ایک دم سے چپ ہو گئی۔ وہ بھی خاموش ہو گیا تھا۔ شاید جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد بولا۔ "تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ میں نے ٹھیک کہا ہے۔ ندا! میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تمہیں دیکھتے ہی تم پر فریفتہ ہو گیا تھا مگر تمہارے اندر کچھ تو ہے جو مجھے تمہاری طرف کھینچتا ہے۔"

اس کا لہجہ دل میں اتر رہا تھا۔ وہ بول رہا تھا اور اسے اپنے آپ سے بیگانہ کر رہا تھا۔ آرزو بھی اسی انداز سے بولتی تھی لیکن اس لہجے میں تو ایک عجیب سا نشہ تھا۔ ایسی سرشاری حاصل ہو رہی تھی جو اسے آرزو سے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔ میں ایک عام سی لڑکی ہوں' میرے اندر کچھ غیر معمولی نہیں ہے جس کی وجہ سے تم میری طرف کھنچے چلے آتے ہو۔ میں سمجھ رہی ہوں یہ زندگی میرا تمہارا اور تمہاری ماں کا امتحان لینے والی ہے اور اس امتحان کے نتیجے میں نہ جانے کیا ہونے والا ہے؟ لوح مقدر میں جو لکھ دیا جاتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ جس طرح تم میرے اندر بے وجہ ایک کشش محسوس کر رہے ہو اسی طرح میں بھی تمہارے اندر ایک کشش محسوس کرتی ہوں۔ یہ تقدیر کے پھیر ہیں' یہ جو چاہتی ہے وہ ظاہر ہو رہا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میں ماں سے بات کرنا چاہتی تھی مگر بیٹے سے رابطہ ہو گیا۔

اس نے پوچھا۔ "ندا! تم خاموش کیوں ہو؟ کیا میری باتیں تمہیں بری لگی ہیں؟"

وہ جلدی سے بولی۔ "نہیں۔"

وہ اس کے بڑھتے ہوئے حوصلے کو پست کرنے کے لئے ہاں بھی کہہ سکتی تھی۔ اُسے اپنی طرف بڑھنے سے روک سکتی تھی۔ لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ کبھی کچھ نہیں چاہتیں اور کبھی کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ چاہنے لگتی ہیں۔

اس کے اندر بھی یہ خواہش مچلنے لگی کہ کاشف اُسے چاہے' آرزو اس کی خوبصورتی کی تعریفیں کرتی تھی لیکن آج پتہ چلا کہ لڑکی کی اصل تعریف کوئی لڑکا ہی کر سکتا اور ایسا کرنے کے لئے چاہے بھاری بھرکم الفاظ نہ بولے۔ صرف اتنا ہی کہہ دے کہ تم مجھے اچھی لگتی ہو تو لڑکی ہواؤں میں اڑنے لگتی ہے۔

اس کے اندر جو خاموش تمنا جاگی تھی وہ نہ جانے کیسا طوفان لانے والی تھی؟ مگر کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ طوفان کس سے کیا چھیننے والا تھا اور کسے کیا دینے والا تھا؟

☆======☆======☆

نعمان کی شادی کی تیاریاں کسی حد تک جاری ہو چکی تھیں۔ دلہن کے جوڑے لائے جا رہے تھے۔ ان کی ڈیزائننگ اور سلائی کا بیڑا' ندا نے اٹھایا تھا۔ یہ ایسی مصروفیات تھیں جو روزمرہ کے کاموں سے ہٹ کر تھیں اور گھر کا ہر فرد ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔

انہی دنوں حیات انصاری کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تھی۔ شکیلہ بیگم نے کہا۔ "کیا ہے بھئی' خوشیوں کے دن آئے ہیں تو آپ طبیعت خراب کر کے بیٹھ گئے۔"

"کیا میں جان بوجھ کر بستر پر پڑا ہوا ہوں؟ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

وہ ایک بڑے سے شاپنگ بیگ میں سے ایک سوٹ پیس نکالتے ہوئے بولی۔ "اچھا چھوڑیں اس بات کو .... یہ دیکھیں' شبانہ بڑی بھاگ والی ہے۔ اس کسمپرسی میں بھی اس کا یہ پانچواں جوڑا تیار ہو چکا ہے۔ خدا اس کی قسمت سے دے رہا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے گا وہ یہاں آئے گی تو اس گھر کی قسمت ہی بدل دے گی۔"

حیات اس جوڑے کو دیکھ کر بولا۔ "اچھا خوبصورت ہے مگر مہنگا لگ رہا ہے؟"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "یہ ہماری ندا کا کمال ہے۔ سستے سے کپڑے کو اپنے ہنر سے چار چاند لگا دیتی ہے لیکن اس جوڑے پر اصل نکھار تو تب آئے گا جب اسے شبانہ پہنے گی۔"

اس نے کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں' آنے والی بہو کے تم بہت گن گا رہی ہو؟"

"کیوں نہ گاؤں؟ وہ اس گھر کی ہونے والی پہلی بہو ہے۔ میں نے تو اپنی ساری خوشیاں ساری خواہشات اسی سے منسوب کر دی ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کوئی بہو اس گھر آئے گی ہی نہیں۔ وہی ہماری پہلی اور آخری بہو ہے۔"

"ایسا نہ کہو .... سلمان کی بیوی بھی ہماری بہو ہو گی۔"

اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ "اونہہ .... لڑکی سہاگن بننے کے بعد تب ہی بہو بنتی ہے جب وہ اپنی سسرال میں آتی ہے۔ نازی کو میری بہو نہ کہیں۔ میں تو بس سلمان کی خواہش کے سامنے سر جھکا رہی ہوں ورنہ کون سی ماں اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو نوچ کر پھینکتی ہے؟ سچ پوچھیں .... مجھے تو بہت ہی برا لگتا ہے۔ جب وہ رات کے وقت سلمان

کو فون کرتی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "بیٹا عشق فرما رہا ہے تو تم کیوں جل رہی ہو؟"

وہ الجھ کر بولی۔ "آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ میں شبانہ کے بارے میں بات کرنے آئی تھی۔ اس کا جوڑا دکھانے آئی تھی اور آپ نازلی کا تذکرہ لے کر بیٹھ گئے۔"

حیات انصاری نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نازلی کا ذکر میں نے چھیڑا ہے یا تم نے؟"

"کسی نہ کسی بات پر اس کا ذکر نکل ہی آتا ہے۔ کیا اس کا ہمارے گھر میں موضوع گفتگو بننا ضروری ہے؟"

وہ بولا۔ "بیگم! تم لاکھ اس سے کتراؤ مگر یہ تو حقیقت ہے کہ وہ بھی اس گھر کی بہو ہے۔ چاہے وہ ہمارے ساتھ نہ رہے لیکن ہماری ہی بہو کہلائے گی اور پھر ہمارا بیٹا اس کے ساتھ رہے گا۔ تم اسے اس خاندان سے نہیں کاٹ سکتیں۔"

"ارے میں کیا کاٹوں گی؟ یہ کام تو وہ بخوبی انجام دے رہی ہے۔ آتے ہی ماں اور بیٹے کے رشتے کو کاٹ رہی ہے۔"

"تمہارا بیٹا کیسا ہے جو اس کے کہے پر کٹ رہا ہے؟"

"وہ کیا کرے، مجبور ہے بے چارہ۔"

حیات نے ناگواری سے کہا۔ "اونہہ مجبور .... تم کیا سمجھتی ہو۔ اسے اجازت دے کر میں مطمئن ہوں؟ یہ بیماری بے وجہ مجھ پر حاوی نہیں ہوئی ہے۔ ایک بازو کٹ رہا ہے میرا .... ایک بوڑھے باپ سے اس کا جوان سہارا چھن رہا ہے۔ میری اندر کی اس ٹوٹ پھوٹ کو تم میں سے کوئی نہیں سمجھ سکے گا۔"

شوہر کے شکستہ لہجے نے اسے بھی اداس کر دیا۔ وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ "کیسی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں، لڑکے ان کی محبت کے سامنے اپنے والدین کی برسوں پرانی محبت کو بھول جاتے ہیں۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "یہ تو دستور دنیا ہے بیگم! کل میں اپنے والدین سے شادی کے بعد جدا ہوا تھا۔ ایسے میں انہوں نے تمہیں .... یعنی اپنی بہو کو یہی کہا ہو گا جو تم آج کل کی لڑکیوں کو کہہ رہی ہو۔ بس فرق اتنا ہے کہ اکیسویں صدی ہے لڑکے شادی سے پہلے ہی اپنی محبوباؤں کے مشوروں پر عمل کرنے لگے ہیں۔"

وہ تائید میں سر ہلانے لگی پھر چہرے کو صاف کر کے وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ آرام کریں میں ذرا بازار تک جا رہی ہوں۔ رنگائی کے لئے دوپٹے دیئے تھے وہ

اٹھانے ہیں۔"

رنگ ساز چنریوں کے رنگ بدلتا ہے۔ کبھی پیلے دوپٹے کو نیلا .... کبھی نیلے کو ہرا اور کبھی ہرے کو سرخ کر دیتا ہے۔ کبھی خوشیوں کے رنگ بھر دیتا ہے اور کبھی غم کے اور کبھی یہ دونوں ہی رنگ ان کی زندگی میں شامل کر دیتا ہے۔ اب جانے کس رنگ میں اس گھرانے کی زندگی رنگنے والی تھی؟

آرزو نے ندا سے کہہ دیا تھا کہ وہ بھائی کی شادی کے لئے اپنے پہناوے کی فکر نہ کرے۔ ندا کے لئے مایوں سے ولیمے تک کے جوڑے وہ خود تیار کرے گی۔

اس روز وہ اسے اپنی کوٹھی میں لے آئی۔ ندا نے اس کے ساتھ کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ "سرپرائز دکھانے میں اتنی دیر لگا رہی ہو۔ تجسس کے مارے میری تو جان نکلی جا رہی ہے۔"

آرزو اسے بازوؤں میں بھر کر بولی۔ "جان تو میری نکلے گی۔ جب وہ سرپرائز تمہارے بدن پر سجے گا۔"

ندا کھلے ہوئے دروازے کو دیکھ کر بولی۔ "کیا کر رہی ہو؟ چھوڑو مجھے .... کاشف نے دیکھ لیا تو؟"

آرزو نے مسکرا کر کہا۔ "ڈرتی کیوں ہو، کیا میڈم اپنی شاگرد کو گلے نہیں لگا سکتی؟"

ندا اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ "چور کی داڑھی کا تنکا ہلتا ضرور ہے۔ ہم چوری کرتے ہیں اسی لئے ڈرتی ہوں۔ کسی دن یہ تنکا ہل گیا تو غضب ہو جائے گا۔"

آرزو کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ آج نہیں تو کل کسی بھی وجہ سے ہمارا بھید کھل سکتا ہے۔ ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

ندا نے ایک نظر آرزو پر ڈالی پھر فرش کو تکتے ہوئے کہا۔ "کس بات کے لئے تیار رہوں؟ شرمندہ ہونے کے لئے، تماشہ بننے کے لئے؟ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے معاملے میں محتاط رہنا چاہئے۔ نہ بات کھلے گی اور نہ ہم تماشہ بنیں گے۔"

آرزو کو اس کا لہجہ کچھ انجانا سا لگ رہا تھا۔ اس نے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے ندا! اتنی سی بات کو تم نے ذہن پر لے لیا؟ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ کاشف گھر میں نہیں ہے اور جہاں تک اپنے معاملے میں محتاط رہنے کا تعلق ہے تو میں تم سے زیادہ اس بات کو سمجھتی ہوں۔ کیونکہ میں کوئی بھی ایسا عمل نہیں

کرنا چاہتی جس کے نتیجے میں تم مجھ سے دور ہو جاؤ۔"

ندا نے خاموشی سے اسے مسکرا کر دیکھا۔ آرزو خوش ہو کر بولی۔ "یہ ہے میری ندا! ہنستی مسکراتی .... سنجیدہ نہ ہوا کرو۔"

اتنا کہہ کر وہ الماری کی طرف بڑھ گئی۔ ندا اسے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

کیا میں ایسی ٹوٹ کر چاہنے والی کو دھوکہ دے رہی ہوں؟ ایک طرف اس کی محبت کا دم بھر رہی ہوں تو دوسری طرف اسی کے بیٹے سے پیار کی پینگیں بڑھا رہی ہوں۔ میں اس سے کیوں نہیں کہہ پا رہی ہوں کہ اس کی بھرپور چاہت پا لینے کے بعد بھی میرے اندر کا ادھورا پن ختم نہیں ہوتا ہے۔ کیا اسے یوں اندھیرے میں رکھنا فراڈ نہیں ہے؟ نہیں .... میں اس سے محبت کرتی ہوں اسی لئے سچ کہہ کر اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔

وہ آرزو کی آواز پر چونک گئی۔ وہ ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "یہ ہے وہ سرپرائز .... اسے کھولو .... دیکھو اور پھر مجھے پہن کر دکھاؤ۔"

اس نے پیکٹ کو لے کر کھولا تو اس میں ایک بہت ہی خوبصورت شرارہ سوٹ پیس تھا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "واؤ .... یہ تو بہت ہی زبردست ہے۔"

"زبردست تو تب ہو گا جب تم اسے پہنو گی۔"

"ابھی پہنوں؟"

"ہاں تو اور کیا .... محبوبہ جب کوئی نئی چیز پہنتی ہے تو اسے دیکھنے کا سب سے پہلے حق محبوب کا ہوتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تو پھر ٹھیک ہے .... مابدولت ابھی آپ کو آپ کا حق ادا کر دیتے ہیں۔"

آرزو دروازہ بند کرنا چاہتی تھی۔ ایسے ہی وقت ایک ملازم نے آ کر کہا۔ "بیگم صاحبہ! کاشف صاحب آ گئے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی اور صاحب بھی ہیں۔ وہ آپ کو ڈرائنگ روم میں بلا رہے ہیں۔"

آرزو نے منہ بنا کر کہا۔ "اچھا .... جاؤ انہیں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔"

ندا مسکرا کر بولی۔ "یہ اچھا ہی ہوا' مجھے مکمل تیار ہو کر تمہارے سامنے آنے کا موقع مل گیا۔ تم انہیں کمپنی دو اتنے میں تیار ہوتی ہوں۔ پھر تمہیں اپنا جلوہ دکھاؤں گی۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے تم اچھی طرح تیار ہو' میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی' اس نے دروازے کو لاک کر کے لباس تبدیل کیا پھر آئینے کے روبرو آ گئی۔ بالوں کو سنوارنے کے بعد ہلکا پھلکا سا میک اپ کرنے لگی۔

ادھر وہ تیار ہو رہی تھی اور اُدھر آرزو کو اُسے دیکھنے کی بے چینی تھی۔ پرانے عزیزوں میں سے کوئی ملنے آیا تھا۔ اس لئے میزبانی کے فرائض انجام دینے بھی ضروری تھے۔

کاشف اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ شخص اُس کے کچھ ضروری کاغذات دیکھنے آیا تھا اور اس وقت وہ الماری کھولے انہیں ہی تلاش کر رہا تھا۔ ایسے میں اس شخص کو تنہا چھوڑ کر ندا کے پاس آنا آرزو کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔ وہ جبراً وہاں بیٹھی اس سے باتوں میں مصروف تھی۔

ندا تیار ہو چکی تھی۔ قد آدم آئینے کے روبرو سر تا پا اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ ایسے ہی وقت دروازے پر ہونے والی دستک نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے مسکرا کر ادھر دیکھا پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔

دوسری طرف وہ بھی اسے دیکھ کر چونک گیا۔ نگاہوں کے سامنے دوپٹے سے بے نیاز مشرقی حُسن کا شاہکار کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہی چند لمحے تک ایک دوسرے کو یقین اور بے یقینی کی کیفیت سے دیکھتے رہے۔ نہ اسے یقین تھا کہ آرزو کے بجائے کاشف سے سامنا ہو جائے گا اور نہ ہی کاشف کو یقین تھا کہ ندا یوں اچانک ہی بن مانگے دولت کی طرح اسے مل جائے گی۔

کاشف کو ڈرائنگ روم سے غائب ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ آرزو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ لڑکا نہ جانے کہاں رہ گیا ہے؟ میں اسے ابھی بلا کر لاتی ہوں۔"

وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر کوریڈور میں آئی تو بیٹے کو اپنے بیڈ روم کے دروازے پر دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر غصے اور رقابت سے آگے بڑھتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔ "کاشف! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ہم وہاں بے وقوفوں کی طرح تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور تم یہاں ...."

وہ ندا کا یہ روپ دیکھ کر دم بخود سا رہ گیا تھا۔ ماں کی آواز سنتے ہی چونک گیا۔ ندا بھی جیسے ہوش میں آ گئی۔ دونوں بازوؤں کو قینچی کی صورت میں سینے پر رکھ کر دروازے سے ہٹ گئی۔

آرزو نے تیز لہجے میں بیٹے سے کہا۔ "جاؤ .... انہیں اپنے کاغذات دکھاؤ' وہ

تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ "جی اچھا۔" کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی آرزو نے کمرے میں آ کر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے ندا کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ یہاں کیا کرنے آیا تھا؟"

اس نے پلٹ کر کہا۔ "مجھے نہیں پتہ .... دستک ہوئی تھی' میں نے سمجھا تم آئی ہو۔ دروازہ کھولا تو سامنے وہ کھڑے ہوئے تھے۔"

وہ ایسے نظریں چرا رہی تھی جیسے کچھ چھپا رہی ہو۔ آرزو نے کہا۔ "اس نے کوئی بات بھی کی تھی؟"

اس نے انکار سر ہلایا پھر کہا۔ "چھوڑو اسے .... یہ بتاؤ .... میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

وہ رسیلے بدن [illegible] کر اسے اپنا سراپا دکھانے لگی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر دروازہ بند کر کے اسے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔ "بہت ہی پیاری لگ رہی ہو بلکہ قیامت لگ رہی ہو..... .... جان لے رہی ہو۔"

وہ بے اختیار بولی۔ "اس کا اندازہ تمہارے بیٹے سے ہو گیا ہے۔ میرے روپ نے اس کے ہوش اڑا کر رکھ دیئے تھے۔"

وہ بیٹے کے ذکر پر سنجیدہ ہو کر اس سے الگ ہو گئی۔ ندا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ آگے بڑھ کر اس کی گردن میں اپنی بانہیں حمائل کر کے بولی۔ "لیکن مجھے اپنے حسن سے کسی اور کی نہیں .... اپنی آرزو کی جان لینے کا مزہ آئے گا۔"

آرزو نے بڑے کھوئے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ ایسے وقت اس کے کانوں میں اپنے ہی کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ محبوبہ جب کوئی نئی چیز پہنے تو اسے دیکھنے کا پہلا حق اس کے محبوب کا ہوتا ہے۔

اور بیٹے نے جانے انجانے میں اس کا حق چھین لیا تھا۔ ایک انار کے دو بیمار ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کبھی ایک کا پلڑا بھاری ہوتا ہے تو کبھی دوسرے کا۔

اس رات بھی وہ سو نہ سکی' ضمیر بولنے لگے اور اس کی آواز کانوں تک پہنچنے لگے تو یہی ہوتا ہے۔ راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔

اس کا ضمیر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ وہ تمہاری محبوبہ نہیں ہے۔ آج جو کچھ ہوا وہ ایک اتفاق تھا لیکن اس اتفاق کو قدرت کا اشارہ سمجھو۔ آرزو! تم نے ہی کہا تھا ناں کہ محبوبہ کوئی نئی چیز پہنے تو اسے دیکھنے کا پہلا حق محبوب کا ہوتا ہے۔ تم نے صحیح کہا تھا۔ کاشف ہی

اس کا اصل محبوب ہو سکتا ہے۔ تم تو اس کے لئے محبوب کے نام کی فقط پرچھائیں ہو۔

اس نے تڑپ کر کروٹ بدلی۔ دل نے کہا۔ وہ محبت کے جذبے سے ناآشنا تھی۔ تم نے اسے پیار کرنا سکھایا ہے اس کے اندر سے محبوبیت کو ابھارا ہے۔ یعنی محنت میں نے کی ہے اور پھل کاشف کو ملے گا۔

یہ تو ہوتا ہے۔ پھول کوئی اور کھلاتا ہے' اُسے توڑ کر کوئی اور لے جاتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تم اپنے ہی بیٹے سے رقابت محسوس کرنے لگی ہو۔ جب کہ وہ صحیح ہے۔ تم غلطی پر ہو۔ یہ حقیقت ہے آرزو.......... کوئی مرد تو تمہارا محبوب بن سکتا ہے مگر کوئی لڑکی تمہاری محبوبہ بن کر نہیں رہ سکتی۔ آج ندا کو تمہارا بیٹا تم سے چھین رہا ہے۔ کل تم کسی اور لڑکی کو اپنی محبوبہ بناؤ گی تو اسے بھی کوئی لڑکا تم سے چھین کر لے جائے گا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ یاخدا!.......... یہ کیسی الجھن ہے؟ بیٹے کے بجائے کوئی اور ندا کو مجھ سے چھین رہا ہوتا تو شاید میں اسے مار ہی ڈالتی لیکن کیا کروں؟ رقیب بنا بھی تو کون .... میرا ہی بیٹا۔

وہ مایوسیوں میں ڈوبنے لگی پھر ایک گہری سانس لے کر بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر کوریڈور میں آ گئی۔ اپنا ہی وجود بوجھ لگ رہا تھا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ ہر اٹھنے والا قدم اسے بیٹے کے کمرے کے قریب کرتا جا رہا تھا۔ دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ کیوں جا رہی ہے؟

بس دل میں رقابت کی آگ سلگ رہی تھی کہ وہ اس کے اور ندا کے درمیان نہ آئے۔ ایسے وقت اس کے دماغ سے ماں بیٹے کا رشتہ ایک ذرا سا بجھ گیا تھا۔

وہ دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔ ماں اور بیٹے کے رشتے کے درمیان ایک لڑکی کی وجہ سے دراڑ پڑنے والی تھی۔ ایک نئی تاریخ جنم لینے والی تھی۔

اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ نگاہوں کے عین سامنے وہ بیڈ پر محو خواب تھا۔ وہ کچھ دیر تک اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی۔

نیند میں تو ظالم شخص بھی معصوم دکھائی دیتا ہے اور وہ تو پھر اس کا اپنا بیٹا تھا۔ جگر کا ٹکڑا تھا۔ اس نے اس پر کون سا ظلم کیا تھا جو آج وہ ماں ہوتے ہوئے اس پر ایک ستم ڈھانے آئی تھی؟ اس کو محبت سے باز رہنے کا حکم دینے آئی تھی۔

وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی رک گئی۔ رقابت پر ممتا کا جذبہ حاوی ہو گیا۔ ماں اپنے بچے سے کبھی کوئی چیز نہیں چھین سکتی پھر وہ اپنے بیٹے سے اتنی بڑی خوشی کیسے چھین سکتی تھی؟

اس کی آنکھوں سے ممتا امنڈ رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر اپنی دھڑکنوں کو جیسے تھپکنے لگی۔ پھر بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر بیٹے کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں پھیرنے لگی۔

اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔ پھر ماں کو دیکھتے ہی چونک کر پوچھا۔ ”مما! آپ اس وقت یہاں اور یہ .... یہ آپ کے چہرے سے یوں لگ رہا ہے جیسے اندر سے رو رہی ہوں۔“

بیٹے کی اس بات پر وہ ایک دم سے پگھل گئی۔ اس پر جھک کر اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ پریشان ہو کر پوچھ رہا تھا۔ ”مما! کیا بات ہے؟ ایسے کیوں رو رہی ہیں؟“

وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔ ”کچھ نہیں بیٹا! بس مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ تمہاری مما بہت الجھن میں ہے۔ کبھی اس الجھن کا حل دکھائی دیتا ہے اور کبھی کچھ بجھائی نہیں دیتا۔“

”کیسی الجھن .... کیسی غلطی؟“

بیٹے کے سوال پر وہ جیسے ایک دم سے چونک گئی۔ عجیب مجبوری تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے اپنی الجھن یا پریشانی کو شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے پھر پوچھا۔ ”مما! کچھ بتائیں تو سہی۔ آخر کس بات نے آپ کو اس وقت پریشان کیا ہے؟“

اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے کہا۔ ”بیٹا! وہ آج میں نے ندا کے سامنے تمہیں ڈانٹ کر تمہاری انسلٹ کی ہے۔ یہی بات دماغ میں چبھ رہی تھی۔ چین سے سونے نہیں دے رہی تھی۔ اس لئے تمہارے پاس چلی آئی۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”ارے واہ .... یہ بھی کوئی بات تھی میری مما مجھے نہیں ڈانٹیں گی تو پھر کون ڈانٹے گا؟ اس سے پہلے بھی آپ نے ندا کے سامنے مجھ سے تیز لہجے میں بات کی تھی لیکن نہ مجھے اس وقت انسلٹ کا احساس ہوا تھا اور نہ ہی آج ہوا ہے۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔“

وہ بیٹے کو بڑی محبت اور لگاوٹ سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”مما! میری ایک

ٹیچر نے کہا تھا کہ ماں چاہے محبت سے بولے یا غصے سے ڈانٹے اس کے ہر قول اور فعل میں تربیت چھپی ہوتی ہے۔ ٹیچر کی یہ بات میرے ذہن میں نقش ہو چکی ہے۔ اس لئے آپ کی ڈانٹ سے مجھے کسی بے عزتی کا احساس نہیں ہوا۔ آپ میری ماں ہیں، جیسے چاہیں میری تربیت کریں۔“

آرزو نے اس سے الگ ہو کر بڑی محبت سے دیکھا پھر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ ”اب میں مطمئن ہوں، تم سو جاؤ۔ میں بھی سونے جا رہی ہوں۔“

وہ بیٹے کے کمرے سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے خواب آور گولیاں نکالیں پھر انہیں ایک گلاس پانی کے ساتھ حلق سے اتارنے کے بعد بیڈ پر لیٹ گئی، چھت کو تکتی رہی۔ نیند کا انتظار کرتی رہی کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو گئی۔

☆======☆======☆

وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا لیکن بہت سی تبدیلیاں کرتا جا رہا تھا۔ جس طرح آرزو کی زندگی میں پریشانیاں دبے پاؤں گھسی چلی آ رہی تھیں اسی طرح ندا کی زندگی میں بھی خوشیاں نئی نئی کونپلوں کی طرح پھوٹ رہی تھیں۔

سلمان کی زندگی بھی کافی حد تک بدل چکی تھی۔ کاشف کی زندگی میں بھی ندا کی آمد ایک خوشگوار تبدیلی لائی تھی لیکن ابھی ان دونوں کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ نہیں چلا تھا۔ وہ فون پر ہی کبھی کبھی باتیں کر لیتے تھے۔ یا پھر کوٹھی میں آمنا سامنا ہو جاتا تھا۔ دو مہینے اس آنکھ مچولی میں کیسے گزر گئے کچھ پتہ ہی نہ چلا۔

نعمان کی زندگی میں بھی تبدیلی آنے والی تھی۔ جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے ویسے ویسے اس کے چہرے کی رونق بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ لہجے میں ایک چہکار سی شامل ہو گئی تھی۔ ہر ایک کی زندگی میں ایک کے بعد دوسری تبدیلی آ رہی تھی لیکن فرح کی زندگی تو جیسے ٹھہری ہوئی جھیل بن کر رہ گئی تھی۔

اس نے تنہائی سے بے زار ہو کر گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ یعنی .... دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

اس رات نعمان ڈیوٹی پر سے واپس آیا تو اسے ماں کہیں نظر نہیں آئی۔ اس نے فرح سے پوچھا۔ ”امی کہاں ہیں؟“

”وہ پڑوسن خالہ کی طرف گئی ہیں۔“

"ندا سے کہو' ذرا انہیں بلا لائے۔"

اس نے پوچھا۔ "ڈیوٹی سے آتے ہی امی سے کیا کام پڑ گیا؟"

"تمہیں بھی پتہ چل جائے گا لیکن پہلے امی کو تو بلاؤ۔"

اس نے ندا کو پڑوسن خالہ کے گھر بھیج دیا۔ بیٹے کا سندیسہ ملتے ہی وہ فوراً گھر آ گئی۔ وہ سب آنگن میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرح اور ندا کے اندر تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ نعمان نہ جانے ماں سے کیا کہنے والا ہے؟

سلمان اس وقت چھت پر نازلی کا فون اٹینڈ کرنے گیا ہوا تھا۔ نعمان نے بڑی خاموشی سے ہزار ہزار کے تین نوٹ ماں کی طرف بڑھائے تو اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کس لئے ہیں؟"

نعمان کے بجائے ندا نے جلدی سے کہا۔ "ارے امی! رکھ لیں۔ آپ دولہے کی ماں ہیں اسی لئے نعمان بھائی نے آپ کو کپڑے سلوانے کے الگ سے پیسے دیئے ہیں۔"

ماں نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں یہ .... آپ کے کپڑوں کے لئے نہیں ہیں۔ یہ تو وہ.........."

فرح نے مسکرا کر پوچھا۔ "اٹک کیوں رہے ہو' کیا شبانہ کے لئے کچھ شاپنگ کروانی ہے؟"

اس نے مسکرا کر ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ماں نے پوچھا۔ "ابھی دس دن پہلے تمہیں تنخواہ ملی تھی پھر یہ رقم کہاں سے آ گئی؟"

"کہیں سے بھی آئی ہو' بس اتنا جان لیں کہ ادھار نہیں ہے۔ میں یہ رقم کسی سے مانگ کر نہیں لایا ہوں۔"

ماں نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ فرح نے کہا۔ "اچھا اب بتاؤ.......... منگوانا کیا چاہتے ہو؟"

وہ ذرا شرما کر مسکرا کر بولا۔ "منہ دکھائی کے لئے کچھ منگوانا چاہتا ہوں۔ اب یہ تم سمجھو کہ کیا لانا چاہئے؟"

دونوں بیٹیوں نے ماں کو دیکھا وہ بولی۔ "شادی تین ماہ کے بعد ہے اور منہ دکھائی کی ابھی سے فکر ہو گئی؟"

بہنوں نے ایک دوسرے کو ٹھوکا دیا۔ پھر ندا نے مسکرا کر کہا۔ "امی! دور اندیشی تو اچھی ہوتی ہے؟"

ایسے ہی وقت سلمان نے سیڑھیوں پر آ کر اسے پکارا۔ "ندا! میڈم کے گھر سے تمہارا فون ہے۔"

فرح نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر ندا کو دیکھا۔ وہ ایک دم سے اچھل کر تخت سے اتری پھر سیڑھیوں پر آ کر سلمان کے ہاتھ سے موبائل فون لیتی ہوئی اسے کان سے لگا کر چھت پر آ گئی۔

گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولی۔ "ہیلو.........."

حسب توقع کاشف کی آواز سنائی دی۔ "ہانپ کیوں رہی ہو؟ کیا بہت دور سے بھاگی چلی آ رہی ہو؟"

"آپ دوڑائیں گے تو مجھے دوڑنا ہی پڑے گا۔ میں نے کہا تھا' جب میں بیل دوں گی تب ہی آپ فون کیا کریں گے۔ پھر آج کیا ہو گیا جو خود ہی فون کر رہے ہیں؟ سلمان بھی نہ جانے کیا سوچ رہا ہو گا؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "فکر کیوں کرتی ہو' میں نے تمہارے بھائی سے یہی کہا تھا کہ مما تمہیں فون پر یاد کر رہی ہیں اور بات کرنا چاہتی ہیں۔"

"بائی داوے .... آپ نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟"

وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولا۔ "ندا! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں.......... میں سن رہی ہوں۔"

"میں.......... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ملاقات کا سن کر اس کا دل ایک دم سے دھڑکنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "کیوں؟"

"یہ تو میں ملنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔ پلیز انکار نہ کرنا۔ کیوں کہ پرسوں میری فلائٹ ہے۔ میں یو کے جا رہا ہوں۔ پھر چھ ماہ بعد واپس آؤں گا۔"

اس کے جانے کا سن کر وہ ایک دم سے اداس ہو گئی۔ "اتنی جلدی جا رہے ہیں' کچھ دن اور نہیں رک سکتے؟"

"جلدی کہاں؟ دو ماہ پورے کرنے کے بعد ہی جا رہا ہوں اور ان دو ماہ میں ایک بار بھی تم سے تنہائی میں ملاقات نہیں ہوئی۔"

"لیکن ہم ملیں گے کہاں؟ میڈم نے بوتیک میں آپ کا آنا جانا بند کیا ہے اور وہ گھر پر مجھے تنہا نہیں چھوڑتی ہیں۔"

"نہ ہم بوتیک میں ملیں گے اور نہ ہی گھر میں .... ہماری ملاقات کہیں باہر ہو

گی۔ کسی ریسٹورنٹ میں۔"

وہ چونک کر بولی۔ "کیا .... میں آپ سے کہیں باہر ملوں گی؟ نہ بابا .... مجھے تو ابھی سے ڈر لگ رہا ہے۔ کسی نے دیکھ لیا تو ...."

"تو کیا ہو گا؟ ایسے معاملات میں آزمائشوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو؟"

اس نے ہامی نہیں بھری ہاں کہنے کے انداز میں ایک گہری سانس لی۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "پھر دنیا والوں سے کیوں ڈرتی ہو۔ میں کچھ نہیں جانتا' بس کل صبح تم بوتیک جانے کے بجائے گلشن کے سگنل پر میرا انتظار کرو گی۔ میں تمہیں وہاں سے پک کر لوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ مجھے الجھا رہے ہیں بوتیک دیر سے جاؤں گی تو میڈم مجھ سے سوال جواب کریں گی۔"

"تو کہہ دینا .... طبیعت خراب تھی۔ اس لئے دیر سے آئی ہو۔ پلیز نہ آنے کے بہانے مت بناؤ۔"

ان دونوں کے درمیان کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ ندا موبائل آف کر کے سوچنے لگی۔ "کیا میں آرزو کو دھوکہ دے رہی ہوں لیکن اس کی یہ کیسی محبت ہے جسے پانے کے بعد بھی میں کاشف کی طرف بھٹک رہی ہوں؟ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے قدم اسی راستے کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کے نتیجے میں آرزو مجھ سے جدا ہو جائے گی۔ آخر میں کروں تو کیا کروں؟ کاشف کا لہجہ اس کی آواز اس کی باتیں مجھے اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اتنی جلدی تو آرزو نے بھی مجھے اپنی طرف مائل نہیں کیا تھا۔ اب تو بس یہی ایک خواہش انگڑائی لیتی رہتی ہے کہ اس سے سامنا ہوتا رہے۔ اس سے باتیں ہوتی رہیں۔"

وہ سوچتی ہوئی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی منڈیر کے قریب آئی۔ پھر اس پر کہنیاں ٹیک کر نیچے گلی میں جھانکنے لگی۔ شاید کاشف کے چلے جانے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے؟ جیسا پہلے تھا ویسا ہو جائے؟

قیاس آرائیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن آئندہ کیا ہونا ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔

☆======☆======☆

دوسری صبح وہ گھر سے نکلی تو کچھ گھبرائی ہوئی سی تھی۔ گلشن کا سگنل بوتیک کے

نے میں پڑتا تھا' وہ بس سے اتر کر وہاں کھڑی ہو گئی۔ کاشف کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ ہی دیر میں اس کی کار وہاں آ کر رکی۔ وہ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ئے بولی۔ "تمہیں یہاں مجھ سے پہلے پہنچنا چاہئے تھا۔"

"ہاں .... میں جلد ہی پہنچتا لیکن کیا کرتا مما کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ یو کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لئے میں نے پہلے انہیں بوتیک میں چھوڑا پھر یہاں آیا ں۔"

اس نے ایک دم سے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا ہوا میڈم کو؟"

وہ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "پتہ نہیں .... شاید میرے نے کی وجہ سے کچھ نڈھال سی ہو گئی ہیں۔"

آرزو کی طبیعت خراب تھی۔ وہ یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے سوچتی ہوئی روں سے کاشف کو دیکھا پھر کہا۔ "پلیز ذرا فون کر کے معلوم تو کرو۔ ان کی طبیعت کیسی ہے؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "کمال ہے .... ابھی تو میں انہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ ئی تشویشناک بات نہیں ہے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔"

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ آرزو کے بارے میں سوچنے لگی۔ "وہ بیمار ہے ...... اسے اس وقت میری ضرورت ہو گی۔ میں اس کے پاس جانا بھی چاہتی ہوں لیکن کروں' یہ پاگل دل تو چاہتا ہے کہ آج سارا دن کاشف کے ساتھ گھومتی پھرتی وں۔"

کاشف نے ایک کیفے ٹیریا کے سامنے گاڑی روک دی۔ وہ کار سے اتر کر اس کے تھ چلتی ہوئی اس کیفے کی بالائی منزل پر آ گئی۔ وہاں جوڑوں کے بیٹھنے کا بڑا اچھا انتظام کیا تھا۔ فوگی گلاسز سے چھوٹے چھوٹے کیبن بنائے گئے تھے۔

وہ دونوں ایک کیبن میں آ کر ایک ہی نشست پر برابر برابر بیٹھ گئے۔ ندا ذرا سمٹ ۔ کاشف نے ہاتھ بڑھا کر کیبن کا دروازہ لاک کیا تو اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "یہ ررہے ہیں؟"

وہ مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایزی ہو کر بیٹھو۔ تمہارے ڈر کی وجہ سے ایسی لے کر آیا ہوں' جہاں ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ پھر بھی تم تو سہمی سمٹی سی بیٹھی ہو؟"

وہ میز پر انگلیوں سے خیالی لکیریں بناتے ہوئے بولی۔ "وہ دراصل .... مجھے یہاں کی تنہائی سے خوف آ رہا ہے۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "حد ہو گئی' دنیا کے ہجوم میں بھی ڈرتی ہو اور تنہائی میں بھی۔"

اس نے سوالیہ انداز میں کاشف کو دیکھا پھر مسکرا کر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ "تنہائی زیادہ خطرناک ہوتی ہے جناب!"

وہ اُسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "مگر تمہارا حُسن اس سے زیادہ خطرناک ہے۔"

کاشف کا لہجہ ایک دم سے رومانٹک ہو گیا تھا۔ ندا بات بدلتے ہوئے بولی۔ "کیا یہ سب کچھ کہنے کے لئے مجھے یہاں لائے ہیں؟"

وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔ "کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' کہاں سے شروع کروں۔"

اس نے ہاتھ کیا تھاما' ایک بجلی سی بدن میں دوڑ گئی۔ وہ ایسے سمٹنے لگی جیسے چھوئی موئی کو کسی نے ہاتھ لگا دیا ہو۔ آرزو نے بھی اس کا ہاتھ اسی انداز سے تھاما تھا لیکن اُس میں اور اِس لمس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ کنکھیوں سے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی' جو اُس مضبوط شکنجے میں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے صرف وہ ہاتھ ہی نہیں' اس کا دل بھی اس کی مٹھی میں بند ہو گیا ہو۔

کاشف نے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "ندا! میں تمہیں اپنی زندگی میں لانا چاہتا ہوں۔"

ندا نے ایک دم سے چونک کر یوں دیکھا جیسے اس نے بات نہ کی ہو' دھماکہ کر دیا ہو۔ وہ محبت کے بجائے ڈائریکٹ شادی کی بات کر رہا تھا۔

وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ "یہ .... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا .... کیا میں تمہیں پسند نہیں ہوں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟ کیا تمہارے گھر والے مجھے قبول نہیں کریں گے؟"

اس نے الجھ کر کہا۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"تو پھر تم ہی سمجھا دو۔"

وہ ذرا توقف کے بعد بولی۔ "ہو سکتا ہے آپ کی مما........"

وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "ان کی فکر نہ کرو۔"

ندا نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا آپ نے اس سلسلے میں اُن سے کوئی بات کی ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "ابھی نہیں کی ہے' میں پہلے تمہاری ہاں چاہتا ہوں۔"

"پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مجھے قبول کر لیں گی؟"

کاشف مسکرا کر بولا۔ "انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم تو ویسے بھی انہیں پسند ہو اور پھر میری مما بہت گریٹ ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کی کسی خواہش کو مسترد نہیں کرتی ہیں۔"

ندا سر جھکا کر سوچنے لگی' وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔ "تم اپنی بتاؤ........ مجھے چاہتی ہو؟"

اُس کی قربت اُس کا لہجہ اسے بے خود کر رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ "پلیز کاشف! قریب نہ آئیں۔"

اس نے اور نزدیک ہو کر اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ "کیوں؟"

وہ مزید سمٹ کر بولی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ بدستور اس کی گردن کی طرف جھکا پھر سرگوشی میں بولا۔ "مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے سینے کی دیوار توڑ کر باہر آ جائے گا۔ اس کے اندر جذبوں کا ایسا طوفان تھا جو گہری گہری سانسوں کے ذریعے باہر نکل رہا تھا۔ وہ اُسے اپنے ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔ "پلیز........ دور رہیں کاشف!"

وہ چٹان تھا' بھلا اس کے نازک ہاتھوں سے کیسے پیچھے ہٹ سکتا تھا؟ اس نے کہا۔ "میں پہلی بار کسی لڑکی کے قریب آ رہا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ تم مقناطیس ہو۔ دور ہونے کو جی نہیں چاہ رہا ہے لیکن دوری نہیں ہو گی تو باتیں ادھوری رہ جائیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس سے ذرا دور ہو گیا۔ جذبوں کا بڑھتا ہوا طوفان ذرا تھم گیا۔ اس کی تو آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ کاشف نے کہا۔ "ندا! تم نے میری بات کا کوئی صحیح جواب نہیں دیا؟"

وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "میں کیا جواب دوں؟ فی الحال تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ابھی میری تعلیم بھی ادھوری ہے۔"

"تعلیم تو مجھے بھی مکمل کرنی ہے۔ فی الحال میں کچھ زیادہ نہیں صرف تمہاری ہاں چاہتا ہوں۔ اگلے چھ ماہ کے بعد میری تعلیم کا ایک کورس مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں آگے تعلیم حاصل کروں یا نہ کروں' یہ میری مرضی پر ہے۔"

"آج میری ہاں سن کر کیا کریں گے؟ کل تو آپ جا رہے ہیں۔"

"ہاں .... جا رہا ہوں لیکن مما سے بات کر کے ہی جاؤں گا تاکہ چھ ماہ بعد واپس آؤں تو وہ ہمارے معاملے میں ذہنی طور پر آمادہ رہیں۔"

آرزو کے ذکر پر اس نے پریشان ہو کر کاشف کو دیکھا پھر کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

"کاشف! میری ایک بات مانیں' ابھی اپنی مما سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔"

"کیوں؟"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "ابھی یہ معاملہ ہم دونوں کے درمیان ہی رہے تو بہتر ہو گا۔"

"کوئی پرابلم ہے؟ ویسے مجھے تو تمہاری ہاں ہی چاہئے تھی۔ میں مما سے واپس آ کر بھی بات کر سکتا ہوں۔ مگر تم ذرا کھل کر اظہار کرو۔ مجھے اپنانے کے لئے راضی ہو؟"

ندا نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے یہ بھی کیا خوب رہی؟ آج محبت کا اظہار ہو رہا ہے اور کل جدائی مل جائے گی۔"

کاشف اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔ "یہ جدائی ہماری محبت کو مستحکم بنائے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے اسے ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تو وہ کٹی پتنگ کی طرح آغوش میں آ گئی۔ پل بھر کے لئے تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے۔ یوں لگا جیسے وہ کسی چٹان سے ٹکرا گئی ہو اور پاش پاش ہو کر اس کی باہوں میں بکھر رہی ہو۔

اس سے پہلے وہ کئی بار آرزو کے سینے سے لگی تھی' اُس کی گرفت میں آ چکی تھی مگر یہ کیسی گرفت تھی جس میں سمٹ کر وہ بکھر رہی تھی؟ آرزو کی سانسوں کی آنچ اُسے گرماتی رہی تھی' مگر یہ کیسی سانسیں تھیں' جنہوں نے اُسے پگھلا کر ہی رکھ دیا تھا؟

وہ آرزو کے سینے سے لگ چکی تھی مگر یہ کیسی چٹان تھی جس سے ٹکراتے ہی دل کی دھڑکنیں دھماکے کر رہی تھیں؟ کاشف کی سانسیں اس کی گردن پر' چہرے پر' ہونٹوں پر اِدھر سے اُدھر بھٹک رہی تھیں اور اُسے نہ جانے کہاں سے کہاں بھٹکا رہی تھیں۔

جذبوں کا زور کچھ کم ہوا تو وہ اُس سے الگ ہو گیا۔ وہ بھی ذرا پیچھے کو سرک گئی۔

دیوار سے ٹیک لگا کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ دھڑکتے ہوئے دل اور بھڑکے ہوئے جذبات پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔ دھڑکنیں اب تک بے ترتیب تھیں۔ دھک دھک کرنے کی بجائے "کاشف .... کاشف" کہہ رہی تھیں۔ اسے پھر مانگ رہی تھیں۔

شاید کاشف کی دھڑکنیں بھی اسے پکار رہی تھیں۔ اس نے سر گھما کر اسے دیکھا' وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان لمحات میں آرزو نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ کیا چاہنے والے کی قربت ایسی ہوتی ہے؟ یہ تو اس چاہنے والی کو صفر بنا رہا تھا۔ ذہن میں صرف ایک ہی بات ابھر رہی تھی ہائے آج کے بعد چھ ماہ کی لمبی جدائی ہے۔

جدائی کا خیال آتے ہی وہ دونوں پھر ایک بار تڑپ کر ایک جان دو قالب ہو گئے۔ مقناطیس بن گئے۔ ندا کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ رونے لگی۔ سوچ سے بڑھ کر محبت ملنے لگے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

وہ اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔ اپنے آنسوؤں سے اس کا شانہ بھگو رہی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "ندا! کیا ہوا' تم رو کیوں رہی ہو؟"

اس کے اندر عجیب ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اسے کاشف کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ آنکھیں بند کئے روتی رہی۔ کاشف نے اُسے خود سے الگ کیا پھر اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے پونچھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے' کیوں رو رہی ہو؟"

نازلی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا۔ "یہ کیسا ملن ہے کہ اگلے پل لمبی جدائی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ابھی سے ہمت ہار رہی ہو' صرف چھ ماہ کی تو بات ہے۔ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ آگے تعلیم جاری رکھنے کے لئے دوبارہ جا بھی سکتا ہوں اور نہیں بھی جا سکتا۔"

اس نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "مگر ایک بات یاد رکھیں' ابھی آپ میڈم سے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"جیسے آپ کا حکم' پتہ نہیں تم کیوں مما سے یہ بات چھپانا چاہتی ہو؟ جبکہ یہ چھپنے والا معاملہ نہیں ہے۔"

ندا ڈر رہی تھی۔ اس معاملے کے کھل جانے سے نہ جانے کیسا طوفان آنے والا تھا۔ وہ عارضی طور پر ہی سہی' اس انجانے طوفان سے کترا رہی تھی۔

☆======☆======☆

عدت کے ایام ختم ہوئے تو نازلی نے سلمان پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ جلد سے جلد اس سے نکاح پڑھوا لے۔

اس نے یہ بات ماں سے کہی۔ گھر کے تمام افراد تو پہلے ہی سے راضی تھے لیکن جب نکاح کی بات چھڑی تو نعمان نے یہ اعتراض اٹھایا کہ پہلے بڑے بھائی کی شادی ہونی چاہئے۔
سلمان نے ناگواری سے اُسے دیکھا پھر ماں سے کہا۔ ”امی یہ بالکل ہی نامناسب اعتراض ہے۔“

ماں کے بجائے نعمان نے کہا۔ ”نامناسب نہیں ہے۔ نئی رشتے داری ہونے والی ہے۔ ذرا عقل سے سوچو، تم رخصت ہو گے تو شبانہ کے گھر والوں پر کیا اثر پڑے گا؟“

”مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے اور جب بھابی گھر میں آ جائیں گی تب بھی میری شادی ہو گی۔ میں یہاں سے جاؤں گا تو کیا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؟“

”تب بات اور ہو گی۔ تم دو ماہ اور صبر نہیں کر سکتے، میری شادی ہونے دو پھر تمہارا جو جی چاہے کرتے رہنا۔“

سلمان نے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”امی! آپ تو کچھ بولیں۔ نعمان بھائی خواہ مخواہ کی پخ لگا رہے ہیں۔“

وہ بولی۔ ”بیٹا! ٹھنڈے دماغ سے سوچو گے تو سمجھ میں آئے گا، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“

اس نے الجھ کر کہا۔ ”آپ بھی ان کی ہی سائیڈ لے رہی ہیں؟ مجھے کوئی بینڈ باجے نہیں بجانے ہیں۔ سادگی سے نکاح پڑھوانا ہے۔“

نعمان نے کہا۔ ”تم اپنی بہت بڑی بات منوا چکے ہو۔ ہم تمہیں رخصت کرنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ یہی کافی ہے۔ اب تمہیں ہماری بات ماننی ہو گی۔ تمہاری شادی ہو گی لیکن میری شادی کے بعد۔“

ماں نے اس کی تائید میں کہا۔ ”ہاں بیٹا! مان جاؤ، ہمارا اتنا تو تم پر حق بنتا ہے۔ تم نے اب تک صبر کیا ہے، دو ماہ اور ٹھہر جاؤ۔“

اس نے بے بسی سے ماں کو دیکھا۔ گھر میں کسی کو خبر نہیں تھی کہ نازلی بیوہ ہونے کے بعد اب تک عدت کے ایام ختم ہو جانے کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اب کوئی مجبوری کوئی پابندی نہیں رہی تھی۔ اس لئے وہ جلد از جلد شادی کرنا چاہتی تھی لیکن نعمان کی ضد ان دونوں کو الجھانے لگی۔

دنیا میں ہر الجھن کا حل موجود ہے۔ بس اُسے ڈھونڈنے والا چاہئے اور نازلی نے اپنے مسئلے کا حل تلاش کر لیا تھا۔ اس نے کہا۔ ”ہمیں جب بھی شادی کرنی ہے سادگی سے ہی کرنی ہے تو پھر ہم دو ماہ کا انتظار کیوں کریں؟“
وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”کیونکہ انتظار کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے۔“
”دیکھو سلمان! ہم دوسروں کا لاکھ خیال کریں مگر ہمیں اپنی زندگی اور اس کے مسائل سے تنہا ہی نمٹنا ہوتا ہے۔ تم اپنے گھر والوں کی بات مان کر اچھا کر رہے ہو لیکن فیصلہ وہ کرو جس سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔“
اس نے پوچھا۔ ”میں سمجھا نہیں، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“
وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی۔ ”تم سے میرا کسی رشتے کے بغیر ملتے رہنا بہت سے مسائل پیدا کر سکتا ہے۔ سب سے بڑا خطرہ تو مجھے اپنی سوکن کی طرف سے ہے۔ وہ میرے اور تمہارے تعلق کو اسکینڈل بنا سکتی ہے۔ جمال کے مرڈر کیس کو اپنے طور پر دوبارہ اوپن کروا سکتی ہے۔ ایسا نکاح کے بعد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس وقت میرے اور تمہارے درمیان ایسا مضبوط قانونی رشتہ ہو گا جس پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔“
وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر بولا۔ ”تم کیا چاہتی ہو؟“
”میں .... میں چاہتی ہوں کہ ہمارا نکاح ہو جائے اور یہ بات اس وقت تک راز میں رہے جب تک تمہارے بھائی کی شادی نہیں ہو جاتی۔“
اس نے چونک کر نازلی کو دیکھا پھر کہا۔ ”یہ سب اتنا آساں نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔“

”کچھ اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ پلیز سلمان! میرا یہ مشورہ بالکل معقول ہے اس پر غور تو کرو۔ ہم کورٹ میں نکاح پڑھائیں گے، وہاں ہمیں وکیل اور گواہ سب کی سہولت میسر ہو گی۔“

وہ کچھ دیر تک اسے سمجھاتی رہی۔ وہ اس کی باتیں سنتا رہا، سوچتا رہا۔ عورت جتنی کمزور ہوتی ہے اندر سے اتنی ہی طاقتور ہوتی ہے۔ اپنی بات منوانا خوب جانتی ہے۔ تھوڑی سی بحث و تکرار کے بعد نازلی نے اس سے اپنی بات منوا لی۔
ادھر نعمان کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ادھر نازلی اور سلمان تین دن کے اندر اندر شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ یہ بندھن چوری سے باندھا گیا تھا اس لئے انہیں سہاگ رات کے بجائے، سہاگ کا دن منانا پڑا۔ گھر کے ملازموں اور کاروباری وکیل

کے علاوہ کسی کو خبر نہیں تھی کہ نازلی کی دوسری شادی ہو چکی ہے۔

ملازموں نے اس کے بیڈ روم کو حجلۂ عروسی بنانے میں کوئی نہیں چھوڑی تھی۔ وہ عروسی جوڑے میں ملبوس بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سلمان دروازے کو لاک کر کے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "نازلی! خدا کا شکر ادا کرو، تمہیں ایک بہت بڑے صدمے کے بعد ایک بہت بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔"

نازلی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو ایک دم سے شرما گئی۔ حیا نے زبان پر تالے ڈال دیئے تھے۔ عورت کا یہ روپ بھی خوب ہوتا ہے، وہ دلہن بنتے ہی بولنا بھول جاتی ہے۔

سلمان نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھاما پھر ایک انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا۔ "یہ میں نے خریدی تو تمہارے ہی پیسوں سے ہے مگر خدا جانتا ہے، میں اسے دل کی گہرائیوں سے اور سچے جذبے کے ساتھ تمہیں پیش کر رہا ہوں۔ میری دعا ہے، ہمارا یہ بندھن ہمیشہ محبت کے دھاگوں سے بندھا رہے۔"

نازلی نے دھیرے سے کہا۔ "آمین .... ہم نے نیک نیتی کے ساتھ زندگی کا ایک بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔ ہمارے جذبے نیک ہیں، تم نے مجھے اپنا نام دیا ہے اور میرے توسط سے تم اپنے گھر والوں کا سہارا بننے والے ہو۔ زندگی کا اصل مقصد ہی ایک دوسرے کے کام آنا ہے۔ ہم بھی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ میں تمہارے بغیر ادھوری ہوں اور تم میرے بغیر........."

اتنا کہنے کے بعد اس کی نظریں جھک گئیں۔ سلمان نے بڑی محبت سے اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر اسے چوم لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اسے چھو رہا تھا، چوم رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔ ایک نازلی کے آ جانے سے اس کی زندگی میں دنیا کی تمام خوشیاں خود بخود چلی آئی ہیں۔ آج احساس ہو رہا تھا کہ زندگی وہ نہیں ہے جو وہ اب تک جیتا آیا ہے۔ زندگی تو یہ ہے جو اسے نازلی کی بانہوں میں مل رہی ہے۔ یہی اصل دنیا ہے، باقی کچھ بھی نہیں۔

دوسری طرف نازلی کے جذبات اور احساسات بھی کچھ یہی تھے۔ اس کا ادھورا پن دور ہو رہا تھا۔ وہ مکمل ہو رہی تھی اور اسے آج معلوم ہو رہا تھا کہ ادھوری عورت کی تکمیل ایسے ہی مرحلے پر ہوا کرتی ہے۔

☆======☆======☆

نعمان کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ ایسے میں ندا کی ذمہ داریاں بھی بڑھ

گئی تھیں۔ دلہن کے جوڑوں کے ساتھ ساتھ شکیلہ بیگم اور فرح کے ملبوسات بھی اسے ہی تیار کرنے تھے۔ ان جھمیلوں کے علاوہ ایک نئی پریشانی بھی شروع ہو گئی تھی۔ کاشف نے پاکستان سے جانے کے بعد اسے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ صرف آرزو کے ذریعہ اس کی خیریت معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ماں کو تو فون کر رہا تھا مگر اس سے کوئی رابطہ نہیں کر رہا تھا۔

اب پتہ نہیں، کام کی زیادتی کے باعث یا کاشف کی طرف سے نظرانداز کئے جانے پر اس کے مزاج میں ذرا چڑچڑا پن آ گیا تھا۔

اس روز اس نے اسکول سے آ کر کچھ دیر آرام کیا۔ پھر اپنے وقت پر بوتیک پہنچ گئی۔ آرزو نے اسے ایک بہت ہی خوبصورت جوڑا دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو، تمہارا چوتھا اور آخری سوٹ بھی تیار ہو گیا ہے۔ وہ شرارہ سوٹ اور یہ جوڑا تم شادی یا ولیمے کے اہم دنوں میں پہنو گی اور باقی کے دو جوڑے مہندی اور مایوں کے لئے ہیں۔"

ندا نے مسکرا کر کہا۔ "جیسے کہو گی، میں ویسے ہی کروں گی۔ ویسے یہ سوٹ ان تینوں میں سب سے زبردست ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔"

آرزو بولی۔ "اس کی خوبصورتی میں اضافہ تو تب ہو گا جب تم اسے پہنو گی۔ میں کب سے تمہارے آنے کا انتظار کر رہی تھی اب گھر چلو اور اسے پہن کر دکھاؤ۔"

گھر جانے کا سنتے ہی وہ سمجھ گئی کہ آرزو اس کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا چاہتی ہے۔ اس نے کہا۔ "نہیں آرزو! بھائی کی شادی میں صرف دو ہفتے ہی رہ گئے ہیں اور تم تو جانتی ہو، وقت کم ہے، کام زیادہ ہے۔"

آرزو نے ذرا مایوسی سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "کیا بات ہے، ایک ماہ سے تم بیزار سی دکھائی دینے لگی ہو؟"

وہ جبراً مسکرا کر بولی۔ "بیزار نہیں ہوں، کام کی زیادتی کی وجہ سے کچھ الجھی ہوئی سی رہنے لگی ہوں۔"

"کام کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو لیکن چاہو تو مصروفیات کے باوجود میرے لئے ایک آدھ گھنٹہ نکال سکتی ہو۔"

ندا اس بات پر نظریں چرانے لگی۔ آرزو نے اسے دونوں شانوں سے تھامتے ہوئے کہا "ندا! کوئی تو ہے جو تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے۔"

یہ بات سنتے ہی وہ چونک گئی پھر جلدی سے بولی۔ "نہیں .... ایسی تو کوئی بات

نہیں ہے۔ بھلا مجھے تم سے کون دور کر سکتا ہے اور میں .... میں بھلا کیوں دور رہوں گی؟"

آرزو ذرا دیر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ دوریاں اور فاصلے تو حالات پیدا کرتے ہیں اور انسان ہمیشہ سے ہی حالات کے سامنے جھکتا چلا آیا ہے۔"

آرزو بڑے ہی افسردہ سے لہجے میں بول رہی تھی۔ ندا قائل ہونے کے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "ندا! محبت کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے۔ جیسے مجھے تم سے ہو گئی ہے۔ مگر تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہے، تم محبت کر نہیں رہی ہو، تم سے محبت کروائی جا رہی ہے۔ ایک رسم ہے جو تمہیں نبھانی پڑ رہی ہے۔"

ندا جلدی سے بولی۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو .... میں تمہیں جبراً نہیں .... دل سے چاہتی ہوں۔"

آرزو مسکرا کر بولی۔ "تم نہ بھی چاہو تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ مجھے اپنی چاہت اور لگن پر بھروسہ ہے۔ تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

اس کے لہجے کی پختگی نے ندا کو چونکا دیا، سوچنے پر مجبور کر دیا۔ بات کھلے گی تو کیا ہو گا؟ رقابت کی اس عجیب و غریب جنگ میں فتح ماں کی ہو گی یا بیٹے کی۔

بیٹا نظروں سے دور ہو چکا تھا۔ اس لئے اب ممتا پر رقابت کا جذبہ حاوی ہو رہا تھا اور یہ رقابت آرزو کے اندر چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "ندا صرف تیری ہے، کاشف کو تو اور بہت سی اچھی لڑکیاں مل سکتی ہیں، تُو بچپن سے اس کی ہر خواہش پوری کرتی چلی آئی ہے، وہ کیسا بیٹا ہے جو تیری ایک خواہش پوری نہیں کر سکتا؟ اولاد کی خاطر ایک ماں قربانی دے سکتی ہے تو پھر کوئی اولاد اپنی ماں کی خوشی کے لئے ایک چھوٹی سی قربانی کیوں نہیں دے سکتی؟ اندھی ممتا کی خاطر اپنی محبت سے دستبردار نہ ہو۔ کاشف کے دل میں ابھی ندا کی محبت فقط ایک چنگاری ہے، اسے بجھا دے۔"

• آرزو ایک بہت بڑی آزمائش سے گزرنے والی تھی۔ اسے اپنی خوشی کی خاطر بیٹے کی خوشی کا گلا دبوچنا تھا اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو پھر اپنی محبت کو بیٹے کے پہلو میں جاتے ہوئے کیسے دیکھ سکے گی؟

☆======☆======☆

مایوں، مہندی کے بعد شادی کا دن آیا تو شکیلہ بیگم خوشی سے پھولے نہیں سما رہی

تھی۔ بیٹے کو دولہا کے روپ میں دیکھ کر بار بار اس کی بلائیں لے رہی تھی۔

اس کی شادی کی خوشی سب ہی کو تھی مگر شکیلہ بیگم اور نعمان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ نکاح اور رخصتی کے بعد وہ دلہن کو لے کر گھر پہنچے تو شکیلہ بیگم نے دولہا دلہن کو بیرونی دروازے پر ہی روک لیا۔ پھر فرح اور ندا سے کہا۔ "لڑکیو! تیل لا کر دروازے کی چوکھٹ میں ڈالو، اس کے بعد ہی بہو گھر میں قدم رکھے گی۔"

وہ دونوں فوراً ہی گھر کے اندر چلی گئیں۔ نعمان نے ماں کا ہاتھ دبا کر سرگوشی میں کہا۔ "امی! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ تیل لانے اور چوکھٹ میں ڈالنے تک دلہن دروازے پر ہی کھڑی رہے گی؟"

وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم تو چپ رہو، دولہے بولا نہیں کرتے۔ ہمیں تم سے زیادہ دلہن کا خیال ہے مگر رسمیں تو پوری کرنی ہی ہوں گی۔"

نعمان اور شکیلہ بیگم گھر کی دہلیز پر کھڑے ہوئے تھے اور دوسرے رشتہ دار ان کے پیچھے تھے۔ ندا اور فرح تیل لے آئی تھیں اور چوکھٹ میں ڈال رہی تھیں۔ شبانہ گھونگھٹ کی اوٹ سے اپنی نندوں کو دیکھ رہی تھی۔

فرح نے کچھ زیادہ ہی تیل ڈال دیا تھا۔ وہ بہتا ہوا دلہن کے قدموں کی طرف آنے لگا تو وہ فوراً ہی جھک کر اپنے غرارے کو سنبھالنے لگی اسے دھبوں سے بچانے کے لئے ذرا اوپر اٹھانے لگی۔

وہ دلہن تھی، کچھ بول نہیں سکتی تھی مگر نعمان اس کی پریشانی کو بھانپ گیا۔ ذرا تیز لہجے میں بولا۔ "فرح! کیا کر رہی ہو؟ تیل ذرا دیکھ کر ڈالو، ادھر دیکھو .... سب بہتا ہوا آ رہا ہے۔"

وہ اس کا لہجہ سن کر نئی دلہن اور باراتیوں کے سامنے ایک دم سے جھینپ گئی۔ ذرا شرمندگی سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "وہ .... میرا ہاتھ بہک گیا تھا۔ بھائی کے آنے کی اتنی خوشی ہے کہ.........."

شکیلہ بیگم نے کہا۔ "کوئی بات نہیں .... اب جاؤ، کپڑا لا کر اسے صاف کرو، تاکہ دلہن گھر میں آئے۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی ندا نے کہا۔ "رکو.......... اسے میں صاف کر دیتی ہوں۔"

دہلیز صاف ہوئی تو دلہن بیگم کے مبارک قدم گھر میں پڑے، نعمان کو صحن میں ہی روک لیا گیا۔ شکیلہ فرح کے ساتھ دلہن کو لے کر کمرے میں آ گئی۔ رشتہ دار خواتین بھی

اسی کمرے میں جمع ہو گئیں۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک منہ دکھائی کا سلسلہ چلتا رہا۔

خدا خدا کر کے دلہن نصیب ہوئی تھی اور اب اسے رشتہ دار خواتین نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ نعمان کو کوفت ہونے لگی تھی لیکن وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ بڑے ہی صبر آزما انتظار کے بعد کمرے میں جانے کی اجازت ملی تو دونوں بہنوں نے اسے دروازے پر ہی روک لیا۔

اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا' وہ مسکرا کر بولی۔ "مجھے کیا دیکھ رہے ہو' بہنیں اپنا حق لئے بغیر تمہیں اندر قدم نہیں رکھنے دیں گی۔"

ان دونوں نے نعمان کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "لائیے دولہا میاں! باڑ رکائی کے دو ہزار روپے ہماری ہتھیلیوں پر رکھ دیجئے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "دو ہزار روپے؟"

ندا نے چہک کر کہا۔ "جی ہاں .... ہم اس سے کم میں جان نہیں چھوڑیں گے۔"

اس نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا' وہ اس کی حمایت میں بیٹیوں سے بولی۔ "دو ہزار تو بہت ہیں' ذرا کم کر لو۔"

فرح نے نعمان سے کہا۔ "اندر آنا ہے تو دو ہزار جیب سے جھاڑنے ہی پڑیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "یہ تو سراسر بدمعاشی ہے۔"

ایک رشتہ دار خاتون نے کہا۔ "بیٹا! یہ بدمعاشی نہیں ہے' بہنوں کا حق ہے۔ تمہیں دینا ہی ہو گا ورنہ یہ تمہاری جان نہیں چھوڑیں گی۔"

اس وقت نعمان کی جیب میں انگوٹھی اور ہزار کا ایک نوٹ تھا یہ سب کچھ منہ دکھائی کے طور پر دلہن کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اس نے ذرا جھک کر ماں کے کان میں سرگوشی کی۔ "امی! ذرا انہیں سمجھائیں' میری جیب میں ایک پیسہ نہیں ہے۔ میں انہیں دو ہزار کہاں سے دوں گا؟"

وہ سب کے سامنے بیٹے کی خالی جیب ظاہر کر کے اس کی توہین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے پہلے ہی اس رسم کے لئے سہرا سلامی کے پیسوں میں سے دو ہزار روپے نکال لئے تھے۔ چپکے سے سب کی نظریں بچا کر ان روپوں کو بیٹے کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ پھر بلند آواز میں کہا۔ "ارے بیٹا! کیوں دیر کر رہے ہو' بہنیں جو مانگ رہی ہیں دے دو۔"

روپے ہاتھ میں آتے ہی اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ اس نے فوراً ہی ان دونوں کے ہاتھوں پر ایک ایک ہزار روپے رکھ دیئے۔ شکیلہ بیگم نے مسکرا کر رشتہ دار خواتین کی طرف دیکھا' دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو۔ "دیکھا' میرے بیٹے نے ایک پیسہ کم نہیں کیا۔ بہنوں نے جتنا مانگا اتنا دے دیا۔"

منہ میٹھا کرانے کی رسم کے بعد دولہا دلہن کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ رشتہ دار صرف شادی کی خوشیوں تک ساتھ رہتے ہیں اس کے بعد تو جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے' وہ دولہا دلہن کو تنہا ہی بھگتنا پڑتا ہے۔

شبانہ کے آ جانے سے اس گھرانے کے شب و روز ہی بدل گئے۔ شکیلہ بیگم اپنی بہو پر جان چھڑک رہی تھی اور نعمان میاں تو پہلی رات سے ہی اپنی بیگم کے دیوانے ہو گئے تھے۔ وہ پل بھر کے لئے نظروں سے اوجھل ہو جاتی تو میاں صاحب اسے پورے گھر میں ڈھونڈنے لگتے تھے۔

شادی کے بعد پہلی بار شبانہ کے میکے والے اسے لینے آئے۔ ان کا اصرار تھا کہ وہ شبانہ کو کم از کم دس دنوں تک میکے میں رکھیں گے۔ نعمان نے یہ سنتے ہی پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔

وہ بیٹے کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے اپنی سمدھن سے بولی۔ "شبانہ کے دم سے ہی رونق ہو گئی ہے ہمارے گھر میں دس دن تو بہت ہوتے ہیں۔ آپ اتنے دنوں تک ہماری بہو کو دور کر کے ہمارے گھر کی رونق ختم کرنا چاہتی ہیں۔"

شبانہ کی ماں نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں بہن! بھلا میں ایسا کیوں چاہوں گی؟ آپ کے گھر کی رونق سلامت رہے۔ شادی کے بعد یہ پہلی بار میکے جا رہی ہے' اس لئے ہم دس دنوں تک ...."

شکیلہ بیگم اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "ارے .... آپ کون سا حیدر آباد میں رہتی ہیں جو بیٹی کو اتنے دنوں کے لئے لے جانا چاہتی ہیں۔ پھر یہ بچپن سے آپ ہی کے پاس رہتی چلی آئی ہے' اب اسے ہمارے پاس رہنے دیں۔"

شبانہ ان کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ دھیرے سے اپنی ماں سے بولی۔ "امی! ماں جی یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں اور پھر ان سب سے مجھے اتنی محبتیں مل رہی ہیں کہ میرا بھی یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔"

بیوی کی بات سنتے ہی نعمان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ وہ سسرال والوں کی حمایت

میں بول رہی تھی' شکیلہ بیگم دل ہی دل میں اس پر صدقے واری ہونے لگی۔ شبانہ کی ماں نے پوچھا۔ "تو پھر آپ ہی بتا دیں' بٹی کو میں کتنے دنوں کے لئے لے جاؤں؟"

ساس نے بہو کو دیکھا' بہو نے اپنے میاں نعمان کو دیکھا تو اس نے بڑے دھیرے سے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی' شبانہ فوراً ہی اس کا اشارہ سمجھ گئی' ماں سے بولی۔ "میں دو دن سے زیادہ نہیں رکوں گی۔"

بٹی کو اچھی سسرال نصیب ہو اور سسرالیوں کے درمیان اس کا دل بھی لگ جائے تو ماں باپ کے لئے اس سے بڑی اور کوئی خوشی کی بات نہیں ہوتی۔ شبانہ کی ماں بھی اس خوشی میں اپنا مطالبہ بھول گئی۔ بٹی کو دو دنوں کے لئے گھر لے گئی۔

ادھر یہ گئی' اُدھر نعمان اس کے پیچھے پہنچ گیا۔ سالیوں نے ازراہِ مذاق کہا اور دوسرے رشتہ داروں نے دبی زبان سے اعتراض کیا۔ "بیوی کا دُم چھلا نہیں بننا چاہئے۔"

رات کے کھانے پر سالی نے پوچھا۔ "آپ تو کھانے کے بعد گھر جائیں گے' کل صبح آپی کا کوئی شلوار سوٹ لیتے آئیں۔ یہ تو صرف دو ہی جوڑے لائی تھیں۔"

نعمان نے شبانہ کو دیکھا پھر سالی سے کہا۔ "میں یہاں سے جاؤں گا تو صبح کو آؤں گا۔ میں نے تمہاری آپی کو چھوڑ کر جانے کے لئے شادی نہیں کی ہے۔"

میکے والے چاہتے تھے کہ لڑکی کو ایک دو راتوں کی چھٹی ملے لیکن ہوس کے مدرسے میں ایک رات کی بھی چھٹی نہیں ملتی۔ وہ ڈھیٹ بن کر وہیں رہ گیا۔

شادی کیا ہوئی نعمان کو تو جیسے ایک نئی مصروفیت مل گئی۔ کارخانے سے لی گئی پانچ دنوں کی چھٹیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ شادی کو ڈیڑھ ہفتے سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا لیکن وہ دلہن کو چھوڑ کر کام پر جانے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

دوسری طرف حیات انصاری کی طبیعت دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے شکیلہ بیگم سے کہا۔ "نعمان کام پر کب جائے گا؟ دس دنوں سے گھر میں ہے۔ خدا نخواستہ کارخانے والوں نے بے وجہ چھٹیوں کے باعث ملازمت سے نکال دیا تو کیا ہو گا؟ میں بہو کے سامنے کچھ نہیں کہتا مگر تم تو اسے سمجھا سکتی ہو؟"

وہ بولی۔ "ہاں .... میں نے کہا ہے' کل صبح سے جائے گا۔"

پندرہ دن گزر گئے لیکن وہ کل نہ آئی۔ گھر میں بھائی بہن سب ہی اس کی لمبی چھٹی پر اعتراض کرنے لگے۔ حیات انصاری بھی دو دنوں سے کام پر نہیں گیا تھا۔ اس نے بختی سے کہا۔ "بیگم! تمہارا بیٹا کب تک دلہن کے پلو سے بندھا رہے گا؟ اس نے تو آدھا مہینہ

گزار دیا ہے۔ اب مجھے نہیں لگتا کہ کارخانے میں اس کی ملازمت برقرار رہے گی۔"

ماں نے جلدی سے کہا۔ "خدا نہ کرے' کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ وہ جان بوجھ کر چھٹیاں نہیں کر رہا ہے۔ شادی کی دعوتیں ہی ختم نہیں ہو رہی ہیں۔ آپ فکر نہ کریں' میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

فرح نے کہا۔ "امی! آپ بھابی جان سے بات کریں وہی اسے سمجھائیں گی۔"

بٹی کا مشورہ معقول تھا۔ اس نے بہو سے کہا۔ "دلہن! مرد کماتے اور محنت کرتے اچھے لگتے ہیں۔ مگر تم دیکھ رہی ہو۔ شادی کے بعد سے نعمان کام پر نہیں جا رہا ہے۔ ہر وقت تمہارے پاس گھسا رہتا ہے۔ اسے سمجھاؤ' آدھا مہینہ گزر چکا ہے' وہ کب تک شادی کی خوشیاں مناتا رہے گا؟"

وہ بڑے دھیمے اور میٹھے لہجے میں بولی۔ "میں تو کہتی ہوں مگر وہ سنتے ہی نہیں ہیں اور پھر آپ دیکھ ہی رہی ہیں' شادی کے بعد سے دعوتوں کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہو رہا ہے۔"

"دعوتیں تو رات میں ہوتی ہیں اور ساری تیاری تم کرتی ہو۔ پھر اسے چھٹیاں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ سسر تمہارے بیمار ہیں' ان کی ملازمت پہلے ہی خطرے میں پڑی ہوئی ہے اگر نعمان لاپرواہی دکھائے گا تو کیا ہو گا' اس گھر کا؟"

وہ بولی۔ "میں بات کر کے دیکھتی ہوں' ویسے آپ خود ہی انہیں سمجھاتیں تو اچھا ہوتا۔"

شکیلہ مسکرا کر بولی۔ "ارے .... اب اس پر میری نہیں تمہاری بات کا زیادہ اثر ہو گا۔ تم آج ہی یہ بات چھیڑو اور کل صبح اسے کام پر بھیجنے کی کوشش کرو۔"

رات ہوئی تو شبانہ نے نعمان سے کہا۔ "آپ کام پر کیوں نہیں جا رہے ہیں؟"

اس نے پوچھا۔ "تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

وہ اپنی چوڑیوں کو اِدھر اُدھر کرتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے کہا گیا ہے' اس لئے پوچھ رہی ہوں۔ جب آپ کو پتہ ہے کہ ابو کے علاوہ ایک آپ ہی کمانے والے ہیں تو کام کے معاملے میں لاپرواہی کیوں دکھا رہے ہیں؟"

"لاپرواہی کہاں دکھا رہا ہوں' روز ہی صبح اٹھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔ امی کو چاہئے کہ انہیں جگا دیا کریں۔"

"امی کو جو کرنا چاہئے' انہوں نے وہ تو نہیں کیا مگر مجھ سے آپ کی شکایت کر دی۔ اب تو میں کسی دعوت میں بھی نہیں جاؤں گی۔ جب وہ آپ کی شکایت کر سکتی ہیں تو کل

میری بھی کریں گی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "ارے نہیں .... امی تو ہم سب سے زیادہ تمہیں چاہنے لگی ہیں۔ تم دیکھتی نہیں ہو' کیسے تمہارے آگے پیچھے پھرتی رہتی ہیں؟"

وہ بھی مسکرا کر بولی۔ "ہاں یہ تو ہے لیکن خدا کے لئے آپ کل سے کام پر جائیں' ورنہ میں بدنام ہو جاؤں گی کہ بیوی نے میاں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا ہے۔ ویسے آج امی نے باتوں باتوں میں مجھے یہ طعنہ دے ہی دیا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیسا طعنہ؟"

"یہی کہ آپ ہر وقت میرے پاس ہی گھسے رہتے ہیں۔"

نعمان نے سوچتی ہوئی نظروں سے شبانہ کو دیکھا وہ ایک ذرا توقف کے بعد بولی۔ "ان کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کام پر جانے سے میں روکتی ہوں۔ اپنے پہلو سے دور نہیں ہونے دیتی۔"

وہ بولا۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ انہوں نے تمہیں طعنہ نہیں دیا ہے بلکہ یہ جتلایا ہے کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور اس محبت کے نتیجے میں کام تو کیا........... سب کو بھلا بیٹھا ہوں اور تم ہی بتاؤ' کیا یہ سچ نہیں ہے؟"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہا تھا۔ وہ نظریں چرا کر مسکرانے لگی۔ پھر بولی۔ "ماشاء اللہ' سلمان بھی اچھا خاصا بڑا ہے۔ ابو کی عمر اور صحت کمانے کے قابل نہیں ہے۔ اسے پڑھائی کے بجائے کہیں کام کرنا چاہئے۔ اگر خدا نخواستہ ان کی ملازمت چھوٹ گئی تو آپ تنہا پورے کنبے کو کیسے سنبھالیں گے؟ پھر ہمارے ذاتی اخراجات بھی ہوں گے۔"

نعمان بولا۔ "تم فکر نہ کرو' حالات کیسے ہی ہوں' تمہارا حق کبھی نہیں مارا جائے گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "بھرا پُرا کنبہ ہے' صرف دو کمانے والے ہیں' ان میں سے بھی ایک ریٹائرڈ ہونے والے ہیں' کاش آپ کی پوری تنخواہ صرف میرے ہاتھ میں آتی اور وہ صرف ہماری ذات پر خرچ ہوتی۔"

اس نے ایسی خواہش کا اظہار کیا تھا جو شادی کے بعد ہر لڑکی کے دل میں انگڑائی لیتی ہے۔ دوسری صبح نعمان کام پر گیا لیکن دو گھنٹے بعد ہی واپس آ گیا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر سب ہی کو تشویش لاحق ہوئی پھر رفتہ رفتہ بات کھلی تو وہی ہوا' جس کا ڈر تھا۔ کارخانے

والوں نے اسے شادی کی بھرپور خوشیاں منانے کے لئے مکمل چھٹی دے دی۔

حیات انصاری بیٹے کو خوب باتیں سنانا چاہتا تھا مگر شکیلہ بیگم نے نئی بہو کا حوالہ دے کر اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا لیکن خاموش رہنے سے آنے والے مسائل کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔ تین دن گزرے تو شکیلہ نے بیٹے سے کہا۔ "یوں گھر میں بیٹھنے سے کیا ہو گا؟ باہر نکلو' کوئی ملازمت تلاش کرو۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "اس گھر میں ایک میں ہی نظر آتا ہوں سب کو .... سلمان سے کیوں نہیں کہا جاتا کہ وہ بھی کوئی ملازمت تلاش کرے؟"

"وہ تو ابھی پڑھ رہا ہے۔"

"گھر میں کھانے کمانے کا مسئلہ ہے اور اسے پڑھائی سے فرصت نہیں ہے۔ میں اکیلا کیسے اس گھر کا بوجھ اٹھاؤں گا؟ ابو کی بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ آج نہیں تو کل ان کی ملازمت بھی ختم ہو جائے گی۔"

سلمان ماں کے کمرے میں تھا۔ باپ کے پاس بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر باہر آتے ہوئے بولا۔ "ان کی ملازمت بیماری کی وجہ سے ختم ہو رہی ہے مگر آپ نے جان بوجھ کر اپنی روزی پر لات ماری ہے۔ شادیاں سب کی ہوتی ہیں لیکن سب آپ کی طرح دیوانے نہیں ہو جاتے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "زبان سنبھال کر بات کرو۔"

شبانہ اپنے کمرے میں ان سب کی باتیں سن رہی تھی۔ فرح نے نعمان سے کہا۔ "غلطی تمہاری ہے' تمہیں اس معاملے میں سلمان کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ مستقبل میں کیا کرنے والا ہے؟"

وہ بولا۔ "میں بھی دیکھوں گا' یہ کیا کرے گا؟ شادی کے بعد سب بدل جاتے ہیں اور پھر یہ تو اس گھر میں ہی نہیں رہے گا۔"

سلمان نے کہا۔ "میں اس گھر میں رہوں یا نہ رہوں مگر آپ اس گھر کے اخراجات کو اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھیں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ اسے میں پورا کر کے دکھاؤں گا۔"

نعمان طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیسے پورا کرو گے؟ مہینے کی پہلی تاریخ سر پر ہے۔ اخراجات منہ پھاڑے کھڑے ہیں' تمہاری نازلی محترمہ شادی سے پہلے تمہیں کچھ نہیں دے گی۔ جب شادی ہو جائے گی' تب تم ذمہ داریاں پوری کر سکو گے۔"

یہ باتیں سن کر شبانہ کے کان کھڑے ہوئے۔ ایسے ہی وقت سلمان نے انکشاف کیا

کہ وہ نازلی سے شادی کر چکا ہے اور اگلے مہینے یہاں سے جانے والا ہے۔ اس کی بات سن کر سب ہی چونک گئے تھے مگر شبانہ کو تو جیسے ایک زبردست جھٹکا لگا تھا۔

رات کے وقت نعمان کمرے میں آیا تو شبانہ نے کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں؟ چھوٹے بھائی نے چھپ کر شادی کر لی ہے۔ اگلے مہینے وہ اپنی بیوی کے پاس جا رہا ہے۔ یعنی والدین کو چھوڑنے والا ہے۔ گھر کا کوئی فرد اسے کچھ نہیں کہہ رہا ہے؟ سب کی زبان پر تالے پڑ گئے ہیں لیکن جب آپ کام پر نہیں جا رہے تھے تب امی' ابو حتیٰ کہ ندا اور فرح بھی بولتی تھیں۔ آپ کی ملازمت ختم ہوئی تو امی صرف آپ پر دباؤ ڈال رہی ہیں۔ سلمان کو کچھ نہیں کہا جا رہا ہے۔ وہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کام نہیں کر سکتا مگر اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے؟"

وہ ذرا دیر کے لئے چپ ہوئی' نعمان نے کہا۔ "تم اصل بات نہیں جانتی ہو۔ معاملات بہت پہلے ہی طے ہو چکے تھے۔ اس لئے امی ابو چپ ہیں۔"

اُس کے پوچھنے پر وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ تمام باتیں سننے کے بعد اس نے کہا۔ "اچھا .... آپ کے گھر والے اس لالچ کے تحت خاموش ہیں اور بیٹے کو رخصت کر رہے ہیں۔ یعنی وہ شادی کے بعد آزادی سے زندگی گزارے گا اور آپ یہاں گھر والوں کے ساتھ پابندیوں میں رہیں گے؟ مگر میری ایک بات آپ اچھی طرح سن لیں' سلمان اس گھر سے جائے گا تو ہم بھی یہاں نہیں رہیں گے۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ آزادی سے رہنا چاہتا ہے تو یہی لگن آپ کے دل میں بھی ہونی چاہئے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ یہاں سے جانے کے بعد ہر ماہ پانچ ہزار روپے دیا کرے گا۔ فرح کی شادی کا خرچ بھی وہی برداشت کرے گا۔ اس لئے امی ابو اسے خود سے جدا کر رہے ہیں لیکن ہم الگ گھر کیسے بسا سکتے ہیں جبکہ میری ملازمت بھی چھوٹ گئی ہے؟"

وہ بولی۔ "ملازمت دوبارہ مل جائے گی۔ آپ کوشش کر تو رہے ہیں۔"

وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "ہاں .... ڈھونڈ رہا ہوں' دیکھو' کب ملتی ہے مگر الگ گھر بسانے کی بات پر کوئی راضی نہیں ہو گا۔ سلمان کے جانے میں اور ہمارے جانے میں بہت فرق ہے۔"

"ہمیں سب کی نہیں اپنی رضا' اپنی خوشی دیکھنی ہے اور آپ کس فرق کی بات کر

رہے ہیں؟ یہی کہ وہ جا رہا ہے مگر گھر والوں کے لئے آمدنی کا ذریعہ بن رہا ہے؟ یہ سب دعوے ہیں' جھوٹے دعوے .... وہ سب کو لالچ دے کر بڑی چالاکی سے گھر چھوڑ رہا ہے۔ بعد میں پیسے دے یا نہ دے' کوئی اس کا کیا بگاڑ لے گا۔ وعدے کا کیا ہے' آپ بھی ایسا کر کے اس گھر سے نکل سکتے ہیں۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ذہن میں یہ بات ابھرنے لگی کہ الگ گھر ہو گا۔ وہ دو ہی افراد رہیں گے کم تنخواہ میں بھی اچھی طرح گزارا ہوا کرے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی گزارنے کی مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی۔

آزادی ایک نعمت ہے لیکن جب اولاد اس کے لئے والدین سے جدا ہونے کے بارے میں سوچنے لگتی ہے تو یہی نعمت' زحمت بن جاتی ہے۔ خاص طور پر ان ماؤں کے لئے جو اپنے بیٹوں کی دیوانی ہوتی ہیں۔ مگر ان کی دیوانی ممتا نئی آنے والی کی محبت کے سامنے پھیکی پڑ جاتی ہے۔ شادی کے بعد بیٹا ماں کا دامن نہیں' بیوی کا پلو تھام کر چلتا ہے۔ پھر وہ جہاں چاہتی ہے' اُسے لے جاتی ہے۔

نعمان کو بھی بیوی کا پلو مل گیا تھا' اس نے اسے حوصلہ دیا۔ "آپ جلد از جلد ملازمت کا بندوبست کریں۔ میں نئے مکان کے ایڈوانس کے لئے امی کی دی ہوئی چوڑیاں بیچ ڈالوں گی۔"

وہ قائل ہوتے ہوئے بولا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب تک ملازمت نہیں مل جاتی' تب تک صبر کرنا ہو گا۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر تائید میں سر ہلایا۔ دن گزرنے لگے۔ سلمان نازلی کے پاس چلا گیا۔ نعمان سچے جذبے کے ساتھ ملازمت تلاش کرنے لگا۔ حیات انصاری کی مستقل بیماری اور لگاتار چھٹیوں نے اس کی ملازمت بھی ختم کر ڈالی۔ گھر کے اخراجات سلمان کے دیئے ہوئے پانچ ہزار سے پورے ہونے لگے۔ اس نے ماں کو ذاتی اخراجات کے لئے دو ہزار روپے دیئے تو وہ رقم بہو اور بیٹے پر خرچ ہونے لگی۔

سلمان جاتے ہوئے اپنا موبائل فون فرح اور ندا کو دے گیا تھا تاکہ رابطے کی سہولت رہے۔ اس رات تقریباً نو بجے اس کا بزر بولنے لگا۔ فرح نے اسے آن کیا پھر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو!"

دوسری طرف سے کاشف نے پوچھا۔ "ہیلو .... تم ندا بول رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "نہیں .... میں اس کی بڑی بہن بول رہی ہوں لیکن آپ کون ہیں؟"

اس نے اپنا تعارف کرانے کے بعد کہا۔ ”پلیز............ ندا سے بات کرا دیں۔“

اس نے فون ندا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میڈم کے بیٹے کا فون ہے‘ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

وہ ایک دم سے کھل اٹھی‘ کاشف نے ایک عرصے بعد اسے یاد کیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ سے فون لے کر چھت پر آ گئی۔ شکایتوں کا نہ رکنے والا سلسلہ چل نکلا۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب دل کی بھڑاس نکل گئی تو وہ خاموش ہو گئی اس نے کہا۔ ”میری بھی کچھ سنو گی یا اپنی کہتی چلی جاؤ گی؟ مجھے دن کے وقت فون کرنے کی سہولت ملتی تھی مگر بوتیک میں تم میرا فون اٹینڈ نہیں کر سکتی تھیں۔ رات کو تمہارے موبائل پر رابطہ کرتا تھا وہ اکثر انگیج ملتا تھا۔ یہاں ہاسٹل میں رہتا ہوں‘ اس لئے لیٹ نائٹ فون نہیں کر سکتا۔ پھر میں نے الجھ کر رابطہ کرنے کی کوشش ہی چھوڑ دی مگر آج تمہاری بہت یاد آ رہی تھی اور دیکھ لو‘ قسمت نے بھی ساتھ دیا ہے۔“

اس کا جواز سن کر وہ نرم پڑ گئی پھر مسکرا کر بولی۔ ”اچھا بتائیں‘ کب آ رہے ہیں؟“

”جانتی ہو پھر بھی پوچھ رہی ہو۔ دو ماہ گزر چکے ہیں بس چار ماہ بعد آ رہا ہوں۔“

اس کے آنے کی خوشی کے ساتھ ساتھ ندا کو یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ جب وہ آرزو سے بات کرے گا تو اس کا کیا ری ایکشن ہو گا؟ کیا وہ بیٹے کی خواہش کے سامنے جھک جائے گی؟ اپنی محبت کو اس کے حوالے کرنے پر راضی ہو جائے گی؟

ایسے وقت اسے آرزو کا پُرعزم لہجہ یاد آنے لگا۔ مجھے اپنی چاہت اور لگن پر بھروسہ ہے‘ تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

فون کا رابطہ ختم ہو چکا تھا مگر وہ سوچوں کے گرداب میں پھنسی رہی۔ آنے والے حالات کی پرچھائیاں اسے ابھی سے خوفزدہ کر رہی تھیں۔

☆======☆======☆

شادی کو ڈیڑھ ماہ گزر گیا تھا۔ شبانہ نے فرح کے ساتھ گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ شکیلہ بیگم نے کھانے کے دوران میں کہا۔ ”دلہن! سالن ہمارے طریقے سے پکایا کرو۔ ہم ٹماٹر زیادہ نہیں کھاتے مگر تم دال ہو یا سبزی ہر سالن میں ٹماٹر ڈال دیتی ہو۔ فرح سے پوچھ کر پکایا کرو۔ وہ تمہیں اپنے انداز سے پکانا سکھا دے گی۔“

شبانہ نے ناگواری سے ساس کو دیکھا۔ فرح نے دھیرے سے کہا۔ ”میں نے بتایا تھا مگر بھابی اپنے ہی طریقے سے پکانا چاہتی ہیں۔“

ایک تو محنت کی‘ اوپر سے باتیں سننے کو مل رہی تھیں۔ وہ جل کر بولی۔ ”میرے ہر کام پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ بات سے بات پر روکا ٹوکا جاتا ہے۔ پراٹھے بناتی ہوں تو گھی کم سے کم استعمال کرنے کی ہدایت مل جاتی ہے۔ سالن میں بھی خرابی ڈھونڈ لی جاتی ہے۔ آخر میں کروں تو کیا کروں؟“

نعمان نے ماں اور بہن پر ایک نظر ڈالی پھر بیوی سے کہا۔ ”تو تم کچن میں جاتی ہی کیوں ہو؟“

”نہیں جاؤں گی‘ تب بھی باتیں سننے کو ملیں گی۔“

ساس نے کہا۔ ”ارے دلہن! میں تمہیں باتیں نہیں سنا رہی ہوں۔ صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ کھانا ہمارے طریقے سے پکایا کرو۔“

نعمان نے بیوی کی حمایت میں کہا۔ ”یعنی یہ اپنی مرضی سے اس گھر میں کچھ نہیں کر سکتی؟“

فرح نے کہا۔ ”بات کو غلط رنگ مت دو۔ اگر یہ ہمارے انداز سے نہیں پکانا چاہتیں تو نہ پکائیں۔ کچن کا کام پہلے بھی میں سنبھالتی تھی‘ اب بھی میں ہی سنبھالوں گی۔ گھر کے اور بہت سے کام ہوتے ہیں یہ وہ کر لیا کریں۔“

نعمان نے گھور کر بہن کو دیکھا پھر کہا۔ ”یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔“

وہ بولی۔ ”میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا ہے؟“

”کیا یہ کوئی نوکرانی ہے‘ تم کسی مالکن کی طرح حکم دے رہی ہو کہ یہ گھر کے دوسرے کام کر لیا کرے‘ ایسا تو نوکرانیوں سے کہا جاتا ہے۔“

شبانہ نے کہا۔ ”آپ آج سن رہے ہیں‘ مجھے تو روز ایسے حکم ملتے رہتے ہیں۔“

فرح نے کہا۔ ”آپ کی سوچ ہی غلط ہے‘ صحیح بات سمجھانے کو آپ حکم سمجھتی ہیں تو سمجھتی رہیں۔ لڑکیاں شادی کے بعد اپنے نہیں‘ سسرال والوں کے طور طریقے اپناتی ہیں لیکن آپ کو تو جیسے ضد ہے ہماری بات نہ ماننے کی۔“

شبانہ نے میاں کو دیکھا‘ وہ بولا۔ ”تم کچھ زیادہ ہی بول رہی ہو۔ چپ چاپ کھانا کھاؤ پھر اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ ویسے بھی تمہیں بولنے کا حق نہیں ہے‘ یہ گھر تمہارا نہیں .... تمہاری بھابی کا ہے۔ تم تو مہمان ہو۔“

بہن نے ذرا ٹھٹک کر بھائی کو دیکھا۔ ماں نے کہا۔ ”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے‘ تم ان

معاملات میں کیوں بولتی ہو؟ آج یہاں ہو‘ کل اپنے سسرال چلی جاؤ گی لیکن ہم ساس بہو کو ہمیشہ ساتھ رہنا ہے۔ ہمیں اپنے جھگڑے خود ہی نمٹانے دیا کرو‘ تم بیچ میں نہ بولا کرو۔“

فرح نے بڑے دکھ سے ماں کو دیکھا۔ وہ بیٹے کی تائید میں بول رہی تھی جو اس گھر میں کھیل کود کر جوان ہوئی تھی۔ والدین کی تکلیفوں اور مصائب کو ان کے ساتھ جھیلتی آئی تھی۔ ان کی پریشانیوں کو اپنی پریشانیاں سمجھتی آئی تھی‘ آج ایک دم سے اُسے پرایا بنا دیا گیا تھا۔ گھر کے معاملات سے الگ کیا جا رہا تھا۔ وہ کھانا چھوڑ کر دل برداشتہ سی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شبانہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

رات ہوئی تو اس نے میاں سے کہا۔ ”خدا کے لئے ملازمت ڈھونڈ لیں۔ اب مجھ سے آپ کی اماں اور بہنوں کے ساتھ نہیں رہا جاتا۔ روز روز کے جھگڑوں سے میرا دماغ خراب ہونے لگا ہے۔ میں تنہا رہنا چاہتی ہوں تاکہ آپ کو بھرپور محبت اور توجہ دے سکوں۔ اس گھر میں تو دن کے وقت محبت بھی نہیں کی جا سکتی‘ کمرے میں کبھی اماں چلی آ رہی ہیں‘ کبھی بہنوں کو کوئی کام پڑ جاتا ہے۔ رات کو موقع ملتا ہے تو نیند آنے لگتی ہے۔ اپنے گھر میں تنہائی رہا کرے گی‘ ہم دن رات محبت کیا کریں گے۔“

وہ اس کے پہلو میں آتے ہوئے بولا۔ ”میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن کیا کروں‘ کم بخت ملازمت ہی نہیں مل رہی ہے۔“

وہ اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی۔ ”بنا کمائے بیوی ملتی رہے تو کام کی لگن کم ہو جاتی ہے۔ اب آپ مجھ سے دور رہیں گے‘ اس وقت تک جب تک آپ کو ملازمت نہیں مل جاتی۔“

اس نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا مطلب؟ بھلا یہ کیا بات ہوئی میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔“

وہ مسکرا کر بولی۔ ”جانتی ہوں‘ اس لئے یہ شرط رکھ رہی ہوں‘ یہ دوری ہی آپ کے اندر لگن پیدا کرے گی۔ پھر ملازمت اچھی ملے یا بُری آپ ضرور کریں گے۔“

بیوی کی شرط نے اسے الجھا دیا۔ وہ سلمان کی طرف سے آنے والی ماہانہ رقم پر ہی اکتفا کرنا چاہتا تھا۔ گھریلو اخراجات سے نجات ملی ہوئی تھی‘ اپنی اور بیوی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ماں بینک بنی ہوئی تھی۔ اِدھر وہ کسی مجبوری یا پریشانی کا چیک کاٹتا تھا‘ اُدھر شکیلہ بیگم کیش اس کے ہاتھ پر رکھ دیتی تھی۔ بڑے مزے میں زندگی گزر رہی تھی۔

پھر شبانہ نے جو کہا وہی کر دکھایا۔ دو دنوں میں ہی میاں صاحب جھنجلا گئے مگر بیوی نے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔

ملک میں بے روزگاری بہت ہے مگر جو محنت کرنا جانتے ہیں ان کے لئے نہیں ہے۔ فٹ پاتھ پر اوزار لے کر بیٹھنے والے مزدور دن بھر دھوپ میں جلتے ہیں۔ روزی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اگر ان کے اندر کمانے کی لگن نہ ہو تو وہ یہی وقت اپنے گھر میں بھی گزار سکتے ہیں۔ کمائی انسان سے دور نہیں ہے‘ بشرطیکہ محنت کی جائے‘ جدوجہد کی جائے۔

کمائی صرف دفتروں سے حاصل نہیں ہوتی‘ دن بھر دھوپ میں جلنے‘ پتھر توڑنے‘ پھیری لگانے اور ایسے کئی طریقوں سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ نعمان آرام دہ ملازمت ڈھونڈ رہا تھا لیکن بیوی کے سخت اقدامات کی وجہ سے اس نے اپنے مزاج کے خلاف ایک ملازمت اختیار کر لی۔ بیوی کے قریب آنے کے لئے وہ طارق روڈ کی ایک بہترین پان شاپ پر پان لگانے لگا۔ ڈھائی تین ہزار کی آمدنی ہونے لگی۔ سارا دن کھڑے رہ کر پان لگاتے لگاتے اس کے پاؤں شل ہو جاتے تھے لیکن بیگم نے شجرِ ممنوعہ بن کر اسے مجبور کر رکھا تھا۔

شکیلہ بیگم نے مہینے کی دس تاریخ تک انتظار کرنے کے بعد بیٹے سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے نعمان! تمہیں اب تک تنخواہ نہیں ملی؟“

بیٹا جس کے لئے کما رہا تھا‘ اس کے ہاتھ پر تنخواہ رکھ چکا تھا‘ وہ بولا۔ ”آپ میری تنخواہ کا کیوں پوچھ رہی ہیں؟ سلمان آپ کو ہر ماہ اچھی خاصی رقم دیتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے‘ میں تم سے حساب کتاب نہ کروں؟ اس گھر کے اخراجات صرف سلمان کی ذمہ داری نہیں ہیں۔ ملازمت نہ ہو تو مجبوری ہے لیکن جب کما رہے ہو تو اخراجات میں حصہ بٹاؤ۔“

”میری معمولی سی تنخواہ ہے‘ وہ بھی اس گھر میں دے دوں گا تو میرے اور شبانہ کے اخراجات کون پورے کرے گا؟ ہمارے اپنے کئی جھمیلے ہیں۔ شادی کے دنوں میں کچھ قرضہ لیا تھا‘ اپنی تنخواہ سے اُسے ادا کر رہا ہوں۔“

یہ بات فرح‘ ندا اور سلمان کے کانوں میں پہنچی تو وہ جھنجلا گئے۔ اعتراض کرنے لگے۔ شبانہ یہی چاہتی تھی کہ اعتراضات ہوں‘ جھگڑے بڑھتے رہیں۔ ایسے جھگڑے تو ہر گھر میں ہوتے رہتے ہیں لیکن شبانہ اور نعمان نے اس گھر سے نکلنے کے سلسلے میں ایسی تیزی دکھائی کہ سسرال اور میکے والے سب ہی حیران رہ گئے۔ شادی کے چوتھے مہینے میں

ہی انہوں نے الگ گھر بسا لیا۔

فرح اور ندا نے ماں کو خوب باتیں سنائیں۔ "یہی وہ بیٹے ہیں جن کے لئے آپ جان دیتی رہتی ہیں؟ گرمی ہو' سردی ہو' بارش ہو' دھوپ ہو نعمان کی سلامتی اور بہتری کے لئے بھاگی بھاگی پھرتی تھیں۔"

فرح نے کہا۔ "ایک بیٹا پہلے ہی یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ بیوی کی گود میں رہے گا اور ماں کی گود چھوڑنے کے پانچ ہزار روپے ماہانہ دیا کرے گا۔"

ندا نے کہا۔ "اور آپ کے لاڈلے نعمان نے پانچ ہزار تو کیا' آپ کی گود کی قیمت پانچ روپے بھی نہیں لگائی۔ یہ ہوتے ہیں بیٹے جو ماں کے قدموں کے نیچے جنت نہیں دیکھتے۔ بیویوں کے آنچل سے آنے والی ہوا کو جنت کی ہوا سمجھتے ہیں۔"

شکیلہ بیگم کے بیٹیوں کے طعنے سن رہی تھی' بلک بلک کر رو رہی تھی' ہاتھ اٹھا اٹھا کر بہوؤں کو کوس رہی تھی۔ "ارے .... میرا کلیجہ نوچنے والیو! خدا کرے تمہارے بھی بیٹے ہوں اور تمہاری بہوئیں انہیں تم سے چھین کر لے جائیں۔ تب تمہیں پتہ چلے گا' بیٹے جدا ہوتے ہیں تو ماؤں کے دلوں پر کیا بیتتی ہے۔ جو صدمات میں اٹھا رہی ہوں' خدا تمہارے نصیب میں بھی یہی صدمات لکھے۔"

ماں کیسی مجبور ہوتی ہے؟ اپنی بہوؤں کو برباد ہو جانے کی بددعا بھی نہیں دے سکتی' کیونکہ ان کے ساتھ اس کے بیٹوں کا نصیب بھی جڑا ہوتا ہے۔

☆======☆======☆

فرح اور ندا اپنے کمرے میں تھیں' شکیلہ بیگم موضوع گفتگو بنی ہوئی تھی۔ ندا نے کہا۔ "امی تو گھر میں رہتی ہی نہیں ہیں' جب دیکھو نعمان بھائی کے گھر جاتی رہتی ہیں۔ بھابی کے پاؤں بھاری ہوتے ہی امی کی تو ساری ناراضگی ہی ڈھل گئی ہے۔"

"ہاں .... بہت خوش ہیں لیکن سنا ہے' نعمان کی پان والی ملازمت بھی ختم ہو گئی ہے؟ پتہ نہیں' یہ ٹک کر ایک جگہ کام کیوں نہیں کرتا ہے؟ الگ گھر بسا لیا ہے' تیسرے فرد کا اضافہ ہونے والا ہے' ذمہ داریاں بڑھ رہی ہیں مگر اس کی طبیعت میں مستقل مزاجی نہیں آ رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا وہ اپنے گھر کے اخراجات کیسے پورے کر رہا ہے؟"

ندا نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "مجھے تو لگتا ہے' امی اس گھر کی بچت اُس گھر میں لگا رہی ہیں اور باقی اخراجات نعمان بھائی حسب عادت قرض لے کر

پورے کر رہے ہوں گے۔"

فرح نے تائید میں سر ہلایا۔ ایسے ہی وقت موبائل کا بزر سنائی دیا۔ ندا نے نمبر پڑھتے ہوئے کہا۔ "میڈم کے گھر سے ہے۔"

پھر اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو!"

دوسری طرف سے خلاف توقع کاشف کی آواز سنائی دی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ اور اس نمبر پر؟

وہ بولا۔ "ہاں' میں پاکستان آ چکا ہوں۔"

"اطلاع دیئے بغیر ہی آ گئے' گھر سے فون کر رہے ہیں' میڈم کہاں ہیں؟"

"مما واش روم میں ہیں۔ انہوں نے ہی فون کروایا ہے' تمہیں بلا رہی ہیں' فوراً چلی آؤ۔ ابھی .... اسی وقت۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "خیریت تو ہے؟"

"ہاں .... خیریت ہے۔ میں پاکستان آ گیا ہوں' اب دیکھنا یہ ہے کہ تم کتنی دیر میں یہاں آ رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میرے پر ہوتے تو اڑ کر پہنچ جاتی۔ بس یوں سمجھیں' آ رہی ہوں۔"

پھر اس نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ ختم کر دیا۔ فرح نے اسے پہلے بھی سمجھایا تھا' اب پھر سمجھانے لگی کہ وہ دو کشتیوں کی سوار نہ بنے۔ میڈم سے صاف صاف بات کرے یا کاشف کو اپنی طرف بڑھنے سے روک دے۔

اور یہ دونوں ہی باتیں ندا کے لئے بہت مشکل تھیں۔ نہ وہ اپنی طرف بڑھنے والے کو روک سکتی تھی اور نہ ہی ٹوٹ کر چاہنے والی کا دل توڑ سکتی تھی۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ اسے جہاں بہائے لئے جا رہے تھے' وہ وہاں بہتی چلی جا رہی تھی۔

کوٹھی کا اندرونی دروازہ کھلا تو سامنے کاشف کھڑا ہوا تھا۔ ندا اندر آئی' اس نے دروازہ بند کرتے ہی اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ ایک دم سے گڑبڑا گئی' پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا کر رہے ہیں؟ چھوڑیں مجھے .... میڈم نے دیکھ لیا تو؟"

وہ اس کے چہرے کو چوم رہا تھا۔ اس کا یہ والہانہ انداز ندا کو اچھا لگ رہا تھا' جی چاہ

رہا تھا ان مضبوط بازوؤں کی گرفت میں عمر بھر جکڑی رہے۔ مگر یہ خوف بھی تھا کہ کہیں آرزو نہ دیکھ لے۔ وہ جبراً اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ "میڈم کہاں ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "اپنے کمرے میں ہیں' چلو۔"

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی آرزو کے کمرے میں آ گئی مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس نے پلٹ کر پوچھا۔ "کہاں ہیں میڈم؟"

وہ دروازے کو لاک کر کے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "وہ گھر میں نہیں ہیں۔"

اس نے ایک دم سے چونک کر پوچھا۔ "کیا.......... مگر آپ نے تو..........؟"

وہ اسے کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔ "میں نے فون پر جھوٹ کہا تھا۔ مما ایک گھنٹہ پہلے کسی میگزین کے لئے انٹرویو دینے گئی ہیں۔ دو تین گھنٹوں سے پہلے نہیں آئیں گی۔"

اس کا لمس تو پہلے ہی مدہوش کر رہا تھا اب تنہائی کا سن کر وہ بے خودی میں ڈوبنے لگی۔ جذبوں سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "پلیز کاشف! دور رہیں' ورنہ غضب ہو جائے گا۔"

کاشف کا چہرہ اس کے بدن پر ادھر سے اُدھر ہو رہا تھا' بڑھے ہوئے شیو کی چبھن انجانے جذبوں کو سکون پہنچا رہی تھی۔ آرزو کی قربت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ندا کو احساس ہو گیا تھا کہ آرزو کے بازو' ان مضبوط بازوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کی اصل پناہ گاہ یہی ہے۔

آرزو کا ساتھ دھوکا ہے' دل کا بہلاوا ہے' ایک بے نام رشتہ ہے جبکہ کاشف حقیقت ہے' ایک ایسا رشتہ ہے جسے آئندہ نام مل سکتا ہے۔

وہ کچھ دیر تک خاموشی کی زبان بولتے رہے۔ لمبی جدائی کے بعد ملن ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے' الفاظ گم ہو جاتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے میں گم ہو گئے تھے۔ پھر ندا نے جبراً اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے میڈم سے کوئی بات کی ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں میں آج صبح ہی آیا ہوں۔"

وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اچھا ہوا' ان سے بات کرنے سے پہلے ہمیں تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔"

وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کون سی باتیں؟"

"میں جیسا کہوں گی' آپ ویسا کریں گے؟"

کاشف نے سوالیہ نظروں سے اس دیکھا' وہ بولی۔ "میں چاہتی ہوں' آپ اپنی مما پر یہ ظاہر نہ کریں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ اُن سے صرف اپنی چاہت کا اظہار کریں۔ انہیں یہ نہ بتائیں کہ میں بھی آپ کو چاہتی ہوں۔"

"لیکن تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟"

ندا ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں آپ کے مقابلے میں کم حیثیت ہوں۔ ایک پسماندہ علاقے میں رہتی ہوں۔ مجھے نہیں لگتا کہ میڈم مجھے بہو بنانے پر راضی ہو جائیں گی۔ وہ یہ سن کر کہ میں بھی آپ کو چاہتی ہوں' یہی سوچیں گی کہ ایک غریب لڑکی نے اونچی اڑان بھری ہے۔ اس لئے آپ صرف اپنی محبت کا اظہار کریں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کیا ایک ماں اپنے بیٹے کی خوشی پوری کرنے کے لئے کسی غریب گھرانے کی لڑکی کو بہو بنا سکتی ہے؟"

"تم میری مما کو غلط سمجھ رہی ہو۔"

"صحیح اور غلط کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا۔"

وہ کچھ دیر تک اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یعنی تم چاہتی ہو میں مما پر یہ ظاہر کروں کہ تم میری چاہت سے بے خبر ہو' میں یکطرفہ محبت کر رہا ہوں۔"

ندا نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ٹھیک ہے' ایسا ہی کروں گا۔ ویسے میں نے اندازہ لگایا ہے' تم مما سے بہت ڈرتی ہو۔"

پتہ نہیں وہ آرزو سے ڈر رہی تھی یا آنے والے حالات سے گھبرا رہی تھی؟

بعد میں بیٹے نے ماں کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کیا تو وہ ایک ذرا نہیں چونکی۔ جو صورت حال سامنے آ رہی تھی' وہ اس کے لئے پہلے سے تیار تھی۔ بیٹے کی تمام باتیں سننے کے بعد اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پسند کی حد تک ٹھیک ہے' اچھی لڑکی ہے' ذہین اور باصلاحیت ہے لیکن اس سے محبت کرنے کے اور شادی کرنے کے خواب نہ دیکھو۔ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے' آئندہ نسل کا معاملہ ہے۔ اپنے اسٹیٹس کا خیال رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرو گے تو میں ضرور قبول کروں گی۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "مما! مجھے آپ کے خیالات سن کر حیرت ہو رہی

ہے۔ ندا آپ کی بیسٹ اسٹوڈنٹ ہے۔ میں دیکھتا ہوں .... بوتیک کے ہر معاملے میں آپ اسے اہمیت دیتی ہیں۔"

"اہمیت دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اُسے بہو بنالوں۔ بائی دا وے تم شادی کے بارے میں کیوں سوچنے لگے ہو؟ ابھی ایک کورس مکمل ہوا ہے' کیا آگے تعلیم حاصل نہیں کرنی ہے؟"

وہ بولا۔ "تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھی جا سکتی ہے اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے' دوسرے کورس کے لئے یو کے جاؤں گا تو اپنی دلہن کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"میں شادی کے لئے انکار نہیں کر رہی ہوں لیکن ندا ہی کیوں؟ تم اپنے اسٹیٹس کے مطابق کسی لڑکی کو پسند کرو۔ میں اگلے مہینے ہی تمہاری شادی کر دوں گی۔ پھر تم اپنی دلہن کے ساتھ جہاں چاہو' رہو.........."

وہ حتمی لہجے میں بولا۔ "میری دلہن صرف ندا بنے گی ورنہ میں آپ کو اور آپ کے اسٹیٹس کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

اس نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا' اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ واقعی ایسا کوئی سخت قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے' میں ندا سے بات کروں گی مگر تم اس سے کچھ نہیں کہو گے۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ ماں وہی سمجھ رہی تھی جو سمجھایا جا رہا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ بیٹے کی محبت یکطرفہ نہیں' دو طرفہ ہے۔

☆======☆======☆

فرح اور ندا سمجھ گئی تھیں کہ ماں سلمان کی دی ہوئی رقم سے نعمان کے اخراجات بھی پورے کر رہی ہے۔ اس کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر اُسے مزید ہڈ حرام بنا رہی ہے۔

دونوں بہنوں نے سلمان سے بات کی تو اس نے کہا۔ "میں امی کو پانچ ہزار کے علاوہ ان کے ذاتی خرچ کے لئے دو ہزار بھی دیتا ہوں۔"

اس انکشاف پر بہنوں نے چونک کر اسے دیکھا' فرح نے کہا۔ "اسی لئے نعمان کمانے کے معاملے میں بالکل صفر ہو گیا ہے۔ جب سارے اخراجات امی پورے کر دیتی ہیں تو واقعی اسے ملازمت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کرایہ بھی وہی ادا کرتی ہوں گی۔"

سلمان نے کہا۔ "امی کی اندھی محبت نعمان بھائی کے لئے نقصان دہ ہے۔ یہ تو

انہیں ناکارہ بنا دیں گی۔"

ندا نے مسکرا کر کہا۔ "کیا ان کے ناکارہ ہونے میں ابھی کوئی کمی باقی ہے؟"

فرح نے ذرا سوچنے کے بعد کہا۔ "وہ اپنی مرضی سے الگ گھر بسا کر بیٹھا ہے۔ کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو خود ہی سمجھے اور خود ہی پورا کرے۔ امی کے ہاتھ میں پیسے رہیں گے تو وہ کبھی اس کی پریشانی نہیں دیکھ سکیں گی۔ ہمارے منع کرنے کے باوجود اس کا گھر بھرتی رہیں گی۔"

وہ تینوں بہن بھائی کافی دیر تک باتیں کرتے رہے' سوچتے رہے پھر یہ طے پایا کہ آئندہ گھر کا خرچہ فرح کے ہاتھ میں دیا جائے گا اور شکیلہ بیگم کو ملنے والی اضافی رقم کسی بھی بہانے سے ختم کر دی جائے گی۔ اس طرح ماں کا ہاتھ خالی رہا کرے گا وہ بیٹے کی ضرورتیں پوری نہیں کر سکے گی تو نعمان کے اندر کمانے کی لگن پیدا ہو گی۔

شکیلہ بیگم کا ہاتھ خالی ہوا تو وہ ایک دم سے جھنجلا گئی۔ اس گھر کی بچت سے بیٹے کا اچھا خاصا گزارہ ہو رہا تھا۔ اس نے حیات انصاری سے کہا۔ "آپ تو بس بستر کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ کچھ خبر بھی ہے' گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ بیٹیاں گھر کی سرپرست بن گئی ہیں۔"

"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے' نہ تم بیٹے کا بھرنا بھرتیں' نہ اس گھر میں الٹا نظام رائج ہوتا۔"

"میرے بیٹے سے تو آپ سب کو خدا واسطے کا بیر ہے' کیا بچت ہوتی ہے اس گھر میں جو میں اس بچے کو لے جا کر دوں گی؟ سو دو سو سے کسی کا گھر نہیں چلتا۔"

"تو پھر اس کے اخراجات کہاں سے پورے ہو رہے ہیں جبکہ وہ کوئی ملازمت بھی نہیں کر رہا ہے۔"

"کسی کے دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا اللہ مالک ہے' وہی پورا کر رہا ہے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "اونہہ .... خدا محنت کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔"

"آپ بستر پر پڑے رہتے ہیں' آپ کو کیا پتہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جس نے جو کہہ دیا آپ نے وہی سچ مان لیا۔"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں نعمان کو جانتا نہیں ہوں۔"

شکیلہ بیگم منہ بناتی ہوئی کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے چلی گئی۔ گھر میں روز ہی ایسے جھگڑے ہونے لگے۔ سلمان نے دو ہزار روپے دینا بھی بند کر دیئے۔ مہینے کی دس تاریخ گزری تو نعمان نے پوچھا۔ "امی! کرایہ دینا ہے' پیسے کب لائیں گی؟"

وہ بے بسی سے بولی۔ "کیا کروں' ہاتھ بالکل ہی خالی ہو گیا ہے۔ سلمان دو ہزار دیتا تھا اس سے تمہارے گھر کا کرایہ ادا ہو جاتا تھا۔ اب وہ آس بھی ختم ہو گئی ہے۔ بیٹا! کوشش کرو ملازمت کے بغیر اب تمہارا گزارہ نہیں ہو گا۔"

شبانہ نے منہ بنا کر ساس کو دیکھا' بیٹے نے کہا۔ "آپ کیا سمجھتی ہیں میں کوشش نہیں کر رہا ہوں لیکن مسئلہ کرائے کا ہے۔ آپ مہینہ شروع ہوتے ہی مجھے بتا دیتیں کہ اس بار کرایہ ادا نہیں کر سکیں گی تو میں کہیں سے انتظام کر لیتا مگر اب کیا ہو گا؟"

ماں اپنے بیٹے کی پریشانی نہ دیکھ سکی' دو ہی دن میں اس نے نہ جانے کہاں سے قرضہ لے کر اس کا کرایہ ادا کر دیا۔ شبانہ نے کہا۔ "نعمان! ایسا کب تک چلے گا؟ میں آپ کی ذمہ داری ہوں' کسی چیز کی ضرورت ہو تو امی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا' وہ شاید ہمارے اخراجات سے تنگ آ گئی ہیں۔ انہوں نے راشن کے پیسے ختم کرنے کے بعد اب کرائے سے بھی نجات حاصل کر لی ہے۔ جھوٹ بول رہی ہیں کہ بیٹے نے انہیں خرچہ دینا بند کر دیا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ کرائے کی رقم کہاں سے لائی ہیں؟"

"بتایا تو تھا انہوں نے کسی سے ادھار لیا ہے۔"

"یہ سب بہانے ہیں' خدارا! آپ ملازمت ڈھونڈیں اور یہ لاچاری ختم کریں۔ ورنہ مجھے پھر سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔ اس گھر میں دو کمرے ہیں' ہمیں ندی کے دو کنارے بننے میں دیر نہیں لگے گی۔"

بیوی کی دھمکی ہی کافی تھی۔ وہ ایک بار پھر نیک نیتی کے ساتھ ملازمت تلاش کرنے لگا۔

☆======☆======☆

خاموش رہنے سے آنے والے حالات ٹل نہیں سکتے تھے۔ بیٹا بار بار دباؤ ڈال رہا تھا اور وہ الجھ رہی تھی یہ بات کسی حد تک تسلی بخش تھی کہ ندا کاشف کی محبت سے انجان ہے۔

اس روز وہ کارخانے کے آفس روم میں تھیں۔ ندا کٹنگ میں مصروف تھی' آرزو اسے گہری سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ نگاہوں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے بھی وہ انجان بنی ہوئی تھی۔ کاشف نے اُسے بتایا تھا کہ اس نے رشتے کے سلسلے میں اپنی مما سے بات کی ہے' مگر وہ اس بات کو آگے بڑھانے سے ہچکچا رہی ہیں۔

ندا تین چار دنوں سے اس کی ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی' اس کے اندر کے

اضطراب کو سمجھ رہی تھی۔ وہ کچھ کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی' جیسے اندر ہی اندر کوئی فیصلہ کر رہی ہو لیکن کسی نتیجے تک پہنچ نہیں پا رہی ہو۔ پھر اس نے اسے مخاطب کیا۔
"ندا!"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' وہ بولی۔ "یہاں آؤ' میرے پاس بیٹھو۔"

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ آرزو نے اس کے ہاتھ کو تھام کر بڑے پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔ "ندا! تمہارا کیا خیال ہے' جتنی محبتیں میں دے رہی ہوں کیا کوئی اور تمہیں دے سکتا ہے؟"

ندا مسکرا کر بولی۔ "کسی اور کا خیال تمہارے دل میں کیوں آیا؟ اب کوئی اور میڈم میری زندگی میں آ ہی نہیں سکتی۔"

آرزو اس کا جواب سن کر مسکرانے لگی' پھر بولی۔ "ایک بات بتاؤ' تمہیں میرا بیٹا کیسا لگتا ہے؟"

اس سوال پر اس کا دل ایک دم سے دھڑک گیا۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "تمہارا بیٹا ہے' اس لئے اچھا ہی ہے۔"

"تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے' میں جو سمجھاؤں' وہ تمہیں کاشف کے سامنے کہنا ہے۔"

"کیا کہنا ہے؟"

"تمہیں کہنا ہے کہ تم مردوں سے سخت نفرت کرتی ہو' بلکہ ان کے نام سے بھی تم الرجک ہو۔ اس لئے تم نے ایک عورت کو اپنا محبوب بنایا ہے۔ تم اس عورت کو ٹوٹ کر چاہتی ہو لیکن یہ نہ بتانا کہ وہ کون ہے؟ بولو .... کاشف کے سامنے ایسا کہہ سکتی ہو؟"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "مگر تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟"

"یہ میں ابھی نہیں بتا سکتی۔ بس یہ سمجھو کہ تمہاری آرزو بڑی مشکل میں ہے اور اس مشکل سے تم ہی مجھے نکال سکتی ہو۔ بولو .... کیا تم میرا اتنا سا کام نہیں کر سکتیں؟"

ندا نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا' وہ اس کا ایک ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے بولی۔ "تمہیں میری قسم!"

زندگی میں عجیب و غریب امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ آرزو کی محبت اپنی جگہ مگر کاشف کی چاہت ایک فطری عمل تھی اور فطری تقاضے ہمیشہ بے اختیار اپنی سمت کھینچتے

ہیں۔ اس نے آرزو کے سامنے سر جھکا لیا لیکن سر کے اندر جو سوچ تھی وہ کاشف کی سمت بھاگی جا رہی تھی۔

☆======☆======☆

ڈھونڈو تو خدا بھی مل جاتا ہے' اس رات نعمان نے شبانہ کو خوشخبری سنائی۔ "بڑی اچھی ملازمت مل رہی ہے۔ چار ہزار تنخواہ ہے' ہسپتال میں وارڈ بوائے کا کام کرنا ہے۔"

چار ہزار روپے کی آمدنی کا سنتے ہی شبانہ ایک دم سے کھل گئی۔ نعمان نے کہا۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' وہاں عورتوں کی تنخواہ ہم سے زیادہ ہے۔ انہیں چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں' اگر ہم دونوں وہاں کام کریں تو ماہانہ دس ہزار روپے کی آمدنی ہوا کرے گی۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "دس ہزار روپے ماہانہ .... یعنی اخراجات کم ہوں گے اور کمائی زیادہ ہو گی' بچت ہی بچت ہو گی' میں تو بینک میں اکاؤنٹ کھولوں گی۔ ویسے ہسپتال میں کام کیا کرنا ہے؟"

وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "وہ .... کوڑھ کے مریضوں کا ہسپتال ہے' وارڈ بوائے کو تو صرف چادریں وغیرہ بدلنی ہوتی ہیں مگر .... عورتوں کو مریضوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ان کے زخموں سے رستی ہوئی پیپ اور خون وغیرہ صاف کرنا ہوتا ہے' ذرا گھن آتی ہے لیکن جراثیم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاتھ وغیرہ دھونے کے لئے کیمیکل استعمال کئے جاتے ہیں۔"

شوہر کی باتیں سن کر وہ ایک دم سے پھٹ پڑی۔ "آپ ہوش میں تو ہیں؟ ایسی گندی ملازمت کا سوچ کر بھی مجھے گھن آ رہی ہے۔"

"گھن تو مجھے بھی آ رہی ہے مگر کیا کروں' مہینے کی پہلی تاریخ قریب آ رہی ہے۔ راشن' پانی اور مکان کے کرائے کا بندوبست کرنے کے لئے کچھ تو کرنا ہو گا۔ کام گندہ ہے لیکن تنخواہ بہت اچھی ہے۔"

وہ چڑ کر بولی۔ "خدا کے لئے .... اس ملازمت کا ذکر نہ کریں۔ آپ کیا چاہتے ہیں' ہم اپنے آنے والے بچے کو کوڑھ کا مریض بنا دیں۔ اس ہسپتال میں مَیں تو کیا' آپ بھی کام نہیں کریں گے۔"

وہ الجھ کر بولا۔ "تو پھر کیا کروں؟ کم محنت میں اچھی خاصی تنخواہ مل رہی ہے۔ تم نہ کرو' مجھے تو کرنے دو۔"

وہ انکار کرتی رہی' وہ اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایسے ہی وقت دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں چونکا دیا۔ نعمان نے دروازہ کھولا' شکیلہ بیگم نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "کس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے؟ باہر تک آوازیں جا رہی تھیں۔"

وہ بولا۔ "جھگڑا نہیں کر رہے تھے' باتیں کر رہے تھے۔"

وہ ہاتھوں میں تھاما ہوا ایک برتن بہو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "لو دلہن! آج فرح نے پائے پکائے تھے' تم شوق سے کھاتی ہو اس لئے لے آئی۔"

وہ سالن کا برتن اسے تھما کر بیٹے کے ساتھ کمرے میں چلی گئی۔ شبانہ صحن میں کھڑی کچھ دیر تک ساس کو دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کچن میں آ گئی۔ ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ تصور میں ہزار ہزار کے چھ نوٹ لہرا رہے تھے۔ ایسے ہی وقت اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ لہرانے لگی۔ اس نے شوہر کو اشارے سے کچن میں بلا کر کہا۔ "آپ اس ملازمت کے لئے امی کو قائل کریں' انہیں کہیں کہ وہاں صرف عورتوں کی جگہ خالی ہے۔"

وہ تیز لہجے میں بولا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟"

"گرمی نہ دکھائیں' ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں' بنا محنت کئے گھر بیٹھے چھ ہزار روپے کی آمدنی ہو گی۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔"

وہ منہ بنا کر بولی۔ "تو پھر ٹھیک ہے میں کل صبح ہی میکے چلی جاتی ہوں۔ جب آپ کو کوئی اچھی ملازمت ملے گی' تب آ جاؤں گی۔ آپ تنہا رہیں' تنہا سوئیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ کیا غضب کر رہی ہو؟"

"نہیں کروں گی .... مگر شرط یہی ہے آپ امی سے بات کریں' جیسا کہہ رہی ہوں ویسا کہیں۔"

خود کو تنہائی سے بچانے کے لئے شوہر نے بیوی کی بات مان لی۔ ایسے وقت بیٹے کے رشتے پر خود غرضی حاوی ہو گئی مگر ممتا پر کوئی جذبہ حاوی نہیں ہوتا۔ جب بیٹے نے تقاضہ کیا کہ اسے ہسپتال میں کام کرنا چاہئے تو وہ بیٹے اور بہو کو اور ہونے والے پوتے اور پوتی کو جذام کے مرض سے بچانے کے لئے وہاں کام سے لگ گئی۔

گھر میں کسی کو خبر نہیں تھی کہ وہ صبح سے رات تک کہاں رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ تشویش بڑھی تو فرح نے پوچھا۔ "امی! آپ سارا سارا دن کہاں غائب رہتی ہیں؟"

وہ بولی۔ "سب ہی جانتے ہیں' دلہن امید سے ہے' ایسے وقت بزرگوں کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے۔ سارا دن میں اُسی کے پاس رہتی ہوں۔"

ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے مگر ممتا کے اندھے پن کی تو شاید کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ وہ ذرا ذرا سی گندگی پر گھن کھانے والی اپنی ممتا سے مجبور تھی۔ کوڑھیوں کے زخموں کی غلاظت صاف کرتے وقت اس کے ذہن میں صرف یہ سوچ ہوتی تھی کہ وہ بیٹے کو محتاجی سے بچا رہی ہے۔ مگر یہ کیسا بچاؤ تھا جس کے نتیجے میں وہ سراسر نقصان اٹھانے والی تھی؟

☆======☆======☆

آرزو' ندا اور کاشف ایک مثلث کے تین زاویے بنے ہوئے تھے۔ وہ زاویے ایک ہی مثلث کے اندر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے لیکن ایک دوسرے سے دور دور بھی تھے۔

آرزو اور ندا کے درمیان دوری تو نہیں تھی لیکن اب کاشف کے آنے کے بعد کچھ فاصلہ پیدا ہونے لگا تھا۔ کاشف کی قربت میں ندا سمجھ گئی تھی کہ انسان فطری تقاضوں کے مطابق ایک دوسرے کی ضرورت ہوتا ہے۔ غیر فطری معاملات تو عارضی ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتے ہیں اور اپنا کوئی دیرپا نقش نہیں چھوڑتے۔

آرزو نے جو نقش اس پر چھوڑے تھے وہ بہت آہستہ آہستہ مٹنے لگے تھے اور اب اس کی جگہ کاشف اُس کے دل و دماغ پر پوری طرح اپنا سکہ جما رہا تھا۔

آرزو اپنے بیٹے سے یہ کھل کر نہیں کہہ سکتی تھی کہ ندا اُس کی تنہائی کی ہم سفر بن چکی ہے اور وہ اس ہمسفر سے محروم ہونا نہیں چاہتی۔ اس نے اپنی ضرورت کے مطابق بڑی مشکلوں سے رفتہ رفتہ ندا کو اپنی طرف مائل کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ندا بھی اب دل و جان سے اس کی ہو چکی ہے۔ وہ اسے کبھی اکیلا چھوڑ کر دوسرے کی تنہائی میں نہیں جائے گی۔

یہ اس کا اعتماد تھا لیکن یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ بیٹا ہی رقیب بن کر اُن کے درمیان آ جائے گا۔ وہ اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکے گی کوئی دوسرا ہوتا تو وہ فوراً ہی اسے ندا کی زندگی سے باہر نکال دیتی۔

وہ بیٹے کو نہ گھر سے نکال سکتی تھی' نہ اپنے اور ندا کے درمیان سے ہٹا سکتی تھی۔ اس لئے اس نے ندا کا سہارا لیا تھا۔ اسے سمجھایا تھا کہ کاشف کے سامنے وہ پردے میں رہ کر بات کرے اور اسے یہ تاثر دے کہ اسے مردوں سے نفرت ہے۔ وہ صرف ایک

عورت سے محبت کرتی ہے اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہے۔

ندا اب دوراہے پر آ گئی تھی۔ ایک راستے پر کاشف تھا تو دوسرے پر آرزو۔ آرزو اس کی محسنہ تھی۔ اس پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اسے عملی زندگی گزارنا اور اپنے بل پر روزی کمانا سکھایا تھا۔ اس کے طفیل وہ کسی بھی بوتیک میں جا کر ماہانہ ہزاروں روپے کما سکتی تھی۔

اتنے بڑے احسان کو وہ کبھی بھلانا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف کاشف تھا۔ ایک فطری تقاضہ تھا اور وہ اس تقاضے سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے دل جوڑنا تھا اور اپنی محسنہ کا دل بھی نہیں توڑنا تھا۔

اس نے پچھلی رات کاشف سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اسے یہ بتایا تھا کہ اس کی ممی اسے بہو بنانا نہیں چاہتی ہیں اور بیٹے کا بھی دل توڑنا نہیں چاہتیں۔

لہٰذا ندا کو سمجھایا ہے کہ وہ خود اپنی زبان سے شادی سے انکار کرے۔

کاشف نے فون پر کہا۔ "ہاں .... میں نے محسوس کیا ہے کہ مما تمہیں بہو بنانے سے گریز کر رہی تھیں۔ طرح طرح کی باتیں بنا رہی تھیں لیکن میں سمجھ نہیں سکا ہوں کہ انہوں نے خود انکار کیوں نہیں کیا؟ تمہارے ذریعے کیوں انکار کروانا چاہ رہی ہیں؟"

"تمہاری مما چاہتی ہیں کہ میں تمہارے سامنے الٹے سیدھے جواب دوں اور یہ کہہ دوں کہ مجھے مرد حضرات سے نفرت ہے لہٰذا کسی مرد سے شادی نہیں کروں گی اور مجھے ایک معمر خاتون سے محبت ہے اور میں اُسی کے ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟ کیا یہ ماننے والی بات ہے کہ تم کسی خاتون کے ساتھ ساری زندگی گزار دو گی؟ کیا تمہارا اپنا کوئی جیون ساتھی نہیں ہو گا؟"

"میں اس سلسلے میں آپ سے بحث نہیں کروں گی۔ آپ سے التجا کروں گی کہ آپ کی مما کو ہماری فون پر ہونے والی یہ گفتگو کبھی نہ معلوم ہو۔ ورنہ وہ مجھ سے بدظن ہو جائیں گی۔ میری ملازمت ختم ہو جائے گی' مجھ پر آپ کی ممی کے بڑے احسان ہیں۔ میں احسان فراموش بننا نہیں چاہتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم مما کے سامنے مجھ سے شادی سے انکار کرو گی؟"

"میرے انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ سارا انحصار تو آپ پر ہے۔ آپ ضد کر کے ماں سے اپنی بات منوائیں گے تو شاید میں آپ کی زندگی میں آ سکوں گی۔ میں تو مجبور

ہوں۔ آپ مجبور نہیں ہیں۔ اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ آپ اگر اپنی ماں سے ہار جائیں گے تو پھر ہم کبھی رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہوں گے۔"

کاشف نے کہا۔ "مما کے کمرے میں روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ شاید وہ جاگ گئی ہیں۔ میں اب فون بند کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے .... کل ہماری ملاقات میڈم کے سامنے ہی ہوگی اور ان کے سامنے مجھے وہی کہنا ہوگا جو انہوں نے سکھایا ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ بس اس معاملے کو اب آپ ہی سنبھال سکتے ہیں۔ شب بخیر......... خدا حافظ!"

ان کا رابطہ ختم ہوگیا۔ ادھر آرزو اپنے بیڈ روم میں تنہا تھی۔ بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ بار بار یہی خیال ستا رہا تھا کہ بیٹا اس کی محبت کو چھین لینا چاہتا ہے اور یہ اندیشہ بھی پیدا ہو رہا تھا کہ شاید ندا بھی اس کے بیٹے کی طرف مائل ہے اگر ادھر دونوں ہاتھوں سے تالی بجے گی تو تالی بجانے والوں کے لئے خوشی کا موقع ہوگا لیکن تالی بجانے والے دونوں ہاتھ آرزو کے منہ پر طمانچوں کی طرح پڑتے رہیں گے۔

وہ تاریکی سے گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ سرہانے کے بیڈ لیمپ کو روشن کر لیا تھا۔ اس روشنی میں وہ یوں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی جیسے بڑی دیر سے طمانچے کھاتی رہی ہو۔ وہ کبھی کسی سے شکست کھانا نہیں جانتی تھی۔ بچپن سے ہی بڑی ضدی اور سرکش تھی۔

جوانی میں شادی ہوئی تو اپنے میاں پر حاوی ہونے کی کوشش کرتی رہی۔ اس طرح میاں بیوی میں جھگڑے ہوتے رہے۔ وہ کاشف کے باپ کے ساتھ کبھی کامیاب ازدواجی زندگی نہ گزار سکی۔

اس کا شوہر کسی دوسری عورت کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ اس نے چھپ کر اس سے شادی کر لی تھی۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی اس نے طلاق کا مطالبہ کیا۔ وہ اپنے شوہر کی محتاج نہیں تھی ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ دولت و جائیداد کی کمی نہیں تھی پھر اپنے بوتیک کے ذریعے وہ اچھا خاصا کما لیتی تھی۔

اس کے شوہر نے کہا۔ "میں تمہیں ایک شرط پر ہی طلاق دوں گا' میرا بیٹا کاشف میرے حوالے کر دو۔"

وہ بولی۔ "میں جان تو دے سکتی ہوں مگر اپنے بیٹے کو اپنے سے کبھی جدا نہیں کر

سکتی۔"

وہ بولا۔ "اگر تم مجھے ایک کروڑ روپے دوگی تو میں اپنے بیٹے کو حاصل کرنے کے لئے عدالت سے رجوع نہیں کروں گا۔ اسے تمہارے نام لکھ دوں گا۔"

وہ اپنے بیٹے سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ ایک کروڑ اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اس نے وہ رقم اس کے منہ پر ماری اور بیٹے کو ہمیشہ کے لئے پاس رکھ لیا۔

وہ جیسی بھی تھی لیکن ایک ماں تھی' اپنے بیٹے کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ وہ کبھی بیمار پڑتا تھا یا اُسے ہلکی سی چوٹ بھی لگتی تھی تو اُس کی جان نکلنے لگتی تھی۔ بچپن سے جوانی تک وہ اُسے کلیجے سے لگا کر آئی تھی۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرتی آئی تھی۔

مگر افسوس زندگی کے اس موڑ پر آکر بیٹے کی یہ خواہش پوری کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ بیٹے کا دل بھی نہ ٹوٹے بات بھی بن جائے اور اب ندا اس سے شادی کرنے سے انکار کر کے اسے مایوس کر دے تاکہ وہ کسی دوسری لڑکی کی طرف مائل ہو جائے۔ اسے امید تھی کہ وہ جیسا چاہتی ہے ویسا ہی دوسرے دن ہوگا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن ندا دس بجے اس کی کوٹھی میں آئی تو آرزو نے اسے دیکھتے ہی گلے سے لگالیا۔ اسے پیار کیا پھر کان کے قریب سرگوشی کی۔ "میری جان! میں ساری دنیا کی دولت ہار کر بھی اپنے بیٹے کو ہارنا نہیں چاہتی اور دوسری طرف تمہیں بھی ہمیشہ کے لئے جیت لینا چاہتی ہوں' لہٰذا جو سمجھایا ہے وہ ابھی کہو گی۔"

پھر وہ اس سے الگ ہو کر بولی۔ "کہو گی ناں؟"

ندا نے ہاں کے انداز میں سر کو جھکا لیا۔

آرزو خوش ہو کر بولی۔ "تم یہاں آرام سے بیٹھو میں کاشف کو بلا کر لاتی ہوں۔"

وہ بیٹے کو بلانے کے لئے چلی گئی۔ ندا ایک صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ پریشان ہونے لگی۔ دل ڈوب رہا تھا۔ کیا بیٹا ماں کے سامنے ہتھیار ڈال دے گا؟ آرزو چاہتی ہے کہ وہ کسی دوسری لڑکی کی طرف مائل ہو جائے تو کیا وہ مجھے چھوڑ کر کسی دوسری کی طرف مائل ہو سکتا ہے؟؟"

مرد ذات کا بھروسہ نہیں ہوتا ایک نہ ملے تو وہ دوسری سے بہل جاتے ہیں۔ وہ دل کو سمجھا رہی تھی کہ میرا کاشف ایسا نہیں ہے' وہ میرے لئے ماں سے آخری حد تک لڑے

گا۔

دوسری طرف یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ آرزو بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ندا اس کے اتنے قریب ہو گئی تھی کہ اس کی رگ رگ کو پہچاننے لگی تھی اور اس کی ضد کو بھی سمجھنے لگی تھی۔ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوالیا کرتی تھی۔

سامنے والے دروازے سے کاشف اپنی ماں کے ساتھ آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر آرزو نے کہا۔ "بیٹھو .... میرا بیٹا کچھ کہنے آیا ہے' آؤ بیٹے! تم یہاں بیٹھو۔"

کاشف اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ آرزو ندا کے ساتھ آ کر صوفے پر بیٹھ گئی پھر بولی۔ "ندا! میں شروع سے کہتی تھی کہ تم تو ذہین لڑکی ہو اور محنتی بھی ہو۔ تم کسی گھر کی بھی بہو بن سکتی ہو اگر میں تم کو بہو بنانا چاہوں تو؟"

ندا نے ہچکچاتے ہوئے کاشف کو دیکھا پھر آرزو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ .... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"وہی کہہ رہی ہوں جو میرا بیٹا چاہتا ہے۔"

پھر وہ کاشف سے بولی۔ "تم چپ کیوں ہو کچھ تم بھی کہو؟"

اس نے نظریں اٹھا کر ندا کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ٹکرائیں پھر ندا نے نظریں جھکا لیں۔ وہ بولا۔ "ندا! جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے تب ہی سے تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کا محبوب اپنی ماں کی موجودگی میں اسے پسند کر رہا تھا اس سے محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس سے شادی کی درخواست کر رہا تھا۔ ندا کا دل ان لمحات میں بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے منہ سے کوئی بات بھی نہیں نکل رہی تھی۔

آرزو نے اسے بڑی توجہ سے دیکھا پھر پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو' میرے بیٹے کی بات کا جواب دو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "کاشف صاحب! آپ میری قدر کر رہے ہیں' مجھے اپنی شریک حیات بنانا چاہتے ہیں' اس سے بڑی میرے لئے خوش نصیبی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟"

آرزو نے پریشان ہو کر ندا کو دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میں ندا نے بات کا رخ پلٹ دیا۔ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں خوش نصیب بننا نہیں چاہتی' ماشاء اللہ .... آپ کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ آپ کو بڑے سے بڑے گھرانے کی

اچھی خوبصورت لڑکی لڑکی کا رشتہ مل سکتا ہے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔"

آرزو اس کی باتیں سن رہی تھی' دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ اس پر قربان ہو رہی تھی اور کنکھیوں سے اپنے بیٹے کو بھی دیکھ رہی تھی۔ کاشف بولا۔ "یوں تو دنیا میں بے شمار حسین لڑکیاں ہیں لیکن یہ دل جس پر آ جاتا ہے وہی دنیا کی سب سے حسین ترین لڑکی ہوتی ہے۔ تم میرے لئے دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہو۔ میرے دل کی آرزو ہو۔ میں تمہیں اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں' پلیز .... انکار نہ کرو۔"

وہ بولی۔ "پلیز .... آپ ضد نہ کریں۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ میں نے کبھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

وہ بولا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب رشتہ اچھا مل رہا ہو' اچھا گھرانہ مل رہا ہو تو شادی سے انکار کیوں کرو گی؟"

"اس لئے کہ میں کبھی کسی مرد ذات پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہتی۔ میرے محلے میں ایک عورت ہے' میری اس سے بہت گہری دوستی ہے۔ میں اسی کے ساتھ رہتی ہوں اور اسی کے ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"یہ احمقانہ باتیں نہ کرو۔ بھلا دو عورتیں کس طرح ایک ساتھ زندگی گزار سکتی ہیں؟ دونوں کو کبھی نہ کبھی ایک جیون ساتھی کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ تمہیں بھی آئے گی۔"

"میں اس سلسلے میں آپ سے بحث نہیں کروں گی۔ مجھے جو کہنا تھا وہ میں کہہ چکی ہوں کہ شادی کبھی نہیں کروں گی۔"

کاشف ندا سے زیادہ اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "مما! ندا شادی سے انکار کر رہی ہے۔ آپ اسے مائل کرنے کے سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہی ہیں؟"

"بیٹے! میں کیا کہوں گی؟ اسے اچھی طرح جانتی ہوں' یہ بہت ہی ضدی ہے جو فیصلہ کر لیتی ہے اس پر قائم رہتی ہے۔"

"آپ بھی تو بہت ضدی ہیں۔ آج تک زندگی میں جو فیصلے کئے ان پر ہی قائم رہیں۔ کبھی اپنے فیصلے سے اس گھر کو برباد کر دیا اور کبھی اپنے فیصلے سے بیٹے کو جدا کر دیا۔"

آرزو نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ ندا کے سامنے اپنی انسلٹ محسوس کی۔ وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ آپ نے طلاق لے کر میرے باپ کو اپنی زندگی سے نکال دیا۔ وہ مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن آپ نے ان سے مجھے جبراً چھین لیا۔"

"دیکھو کاشف! میں نے تمہیں ایک بات اچھی طرح سمجھائی ہے کہ تمہارا باپ کیسا جھوٹا بے ایمان اور دھوکے باز تھا۔ اس نے دھوکے بازی کی تھی۔ مجھے دھوکہ دیا تھا۔ کیا میں ایسے مرد کے ساتھ رہ سکتی تھی؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر اس کے قریب جاتے ہوئے بولی۔ "جب تم پیدا ہونے والے تھے تو میرا ڈیلیوری کیس بہت بگڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ زچہ یا بچہ دونوں میں سے کسی ایک کو بچایا جا سکتا ہے اور کسی ایک کی جان جا سکتی ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا تھا۔ میری جان چلی جائے کوئی بات نہیں مگر میرے بچے پر آنچ نہیں آنا چاہئے۔ اسے پیدا ہونا چاہئے اور اس دنیا میں آ کر عیش و آرام سے زندگی گزارنا چاہئے۔"

وہ اس کے قریب بیٹھ کر بولی۔ "میں نے اپنی جان کی بازی لگا کر تمہیں جنم دیا ہے۔ کیا میں یوں ہی تمہیں تمہارے باپ کے حوالے کر دیتی؟ اس باپ کے حوالے کر دیتی جو بھوکا کنگال تھا۔ اس نے تمہارے جیسے بیٹے سے دستبردار ہونے کے مجھ سے ایک کروڑ روپے لئے تھے۔"

کاشف ماں کے پاس سے اٹھ کر دور چلا گیا پھر بولا۔ "آپ مجھے پچھلی ہسٹری نہ سنائیں جو گزر چکا ہے اس کی بات نہ کریں۔ آج کی بات کریں۔ اپنے بیٹے کی خوشیوں اور مستقبل کی بات کریں۔ میں ندا کو چاہتا ہوں اور ساری زندگی چاہتا رہوں گا۔ اس کے بغیر کبھی خوش نہیں رہ سکوں گا۔ اگر یہ مجھے نہ ملی تو میں کھانا پینا چھوڑ دوں گا۔ میں آپ کو اور ندا کو دو چار روز سوچنے کی مہلت دیتا ہوں۔ ندا کو مجھ سے شادی کے لئے راضی ہو جانا چاہئے اور آپ کا فرض ہے کہ آپ اسے اپنی بہو بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اگر ناکام ہوں گی تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ آپ نے برسوں پہلے شوہر کو کھو دیا' چار دنوں کے بعد بیٹے کو بھی ہمیشہ کے لئے کھو دیں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ پاؤں پٹخ کر وہاں سے چلا گیا۔ آرزو کا دل ڈوبنے لگا' ندا کا دل خوشی کے مارے اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر آ کر اپنے کاشف کے قدموں سے لپٹ جائے گا۔ آرزو نے بری طرح سے مایوس ہو کر ندا کی طرف دیکھا تو چونک گئی۔

لاکھ برداشت کرنے کے باوجود اندر کی خوشی باہر چہرے پر دمک رہی تھی۔ نہ خوشی چھپتی ہے نہ غم چھپتا ہے۔

غم ہو تو آنسو نکل پڑتے ہیں۔ خوشی ہو تو چہرے کی رونق چھپائے نہیں چھپتی۔

آرزو اپنی جگہ سے اٹھ کر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ندا نے چونک کر اسے دیکھا' تب احساس ہوا کہ وہ خیالوں کے ہرے بھرے جنگل میں مورنی کی طرح مست ہو کر ناچ رہی تھی۔

آرزو نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ "تم میرے بیٹے کے فیصلے سے خوش ہو؟"

اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ نہ ہاں کہہ سکتی تھی اور نہ ہی نہ کہہ سکتی تھی۔ اس کے محبوب اس کے دلدار نے اس کی زندگی کا ایک اہم فیصلہ سنایا تھا۔ وہ اس فیصلے کو کلیجے سے لگا کر خوشیاں منانا چاہتی تھی لیکن سامنے آرزو بیٹھی ہوئی تھی۔ ہائے .... کوئی مجبوری سی مجبوری تھی۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو تھام کر رونے لگی۔ آرزو شکست خوردہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اور تیزی سے سوچ رہی تھی۔ کیا میں اسے ہار جاؤں گی؟ نہیں کبھی نہیں۔

☆------☆------☆

وہ پچھلے چار ماہ سے مریضوں کے وارڈ میں کام کر رہی تھی۔ ابتدا میں کوڑھ کے مریضوں کو دیکھ کر گھن آتی تھی لیکن گھن کرنے اور مریضوں سے کترانے سے ملازمت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

اسے پہلے ایسے مریضوں کی خدمات کے لئے رکھا گیا تھا جو جذام کے پہلے اسٹیج پر تھے یعنی انہیں ابھی بیماری لگی تھی۔ ڈاکٹر سمجھتے تھے کہ دواؤں اور مسلسل علاج سے ان کی بیماری ختم ہو جائے گی' آگے بڑھنے نہیں پائے گی۔

دوسرے ماہ شکیلہ بیگم کو ایسے مریضوں کی خدمات کے لئے رکھا گیا جو جذام کی دوسری اسٹیج پر تھے۔ ان مریضوں کے جسموں پر جہاں جہاں کوڑھ نمایاں ہو چکا تھا وہاں زخم بنتے جا رہے تھے۔

وہ ہر ماہ پانچ ہزار لا کر بہو یا بیٹے کے ہاتھوں پر رکھ دیتی تھی۔ اس پر بھی بیٹا پوچھتا تھا۔ "تنخواہ تو چھ ہزار ہے اور آپ پانچ ہزار دیتی ہیں؟"

شکیلہ بیگم نے جھنجلا کر کہا۔ "تمہارے جیسا نالائق اور ہڈ حرام بیٹا کسی کا نہ ہو گا۔ میں تمہارے لئے گھر والوں سے تمہاری بہنوں سے بھائی سے اور ساری دنیا سے لڑتی ہوں۔ تمہارے عیب چھپاتی ہوں۔ تم ہو کہ نہ تو ماں کے بڑھاپے کو دیکھتے ہو اور نہ اس کے دکھ کو سمجھنا چاہتے ہو۔"

وہ بولا۔ "امی! ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ کیا جانیں ہم آپ کی پیچھے پیچھے کتنی تعریفیں کرتے ہیں؟ شبانہ تو دن رات آپ ہی کے گن گاتی ہے' کہتی ہے' ایسی ماں کسی کی نہ ہو گی کہ اس بڑھاپے میں بھی محنت کر کے ہمارے اخراجات پورے کر رہی ہیں لیکن اب دیکھ رہی ہیں آپ کہ اس کی زچگی ہونے والی ہے۔ اس وقت کے لئے بھی دو چار ہزار بچا کر رکھنے ہوں گے لیکن بچت تو ہو ہی نہیں رہی ہے۔ آپ ہیں کہ ایک ہزار کم دیتی ہیں۔"

"میں بس میں آتی جاتی ہوں' دوپہر کا کھانا وہاں کھاتی ہوں اگر یہ ایک ہزار بھی تمہیں دے دوں گی تو کیا ہوا کھا کر زندہ رہوں گی؟ تم کب تک بیٹھ کر کھاؤ گے کیا کبھی کوئی کام نہیں کرو گے؟"

"خدا جانتا ہے کہ میں صبح جاتا ہوں تو آدھی رات کو واپس آتا ہوں۔ چھوٹی سے چھوٹی ملازمت حاصل کرنے کے لئے بھی میں نے یہاں کی کوئی فیکٹری نہیں چھوڑی ہے۔ مکان اور سڑک بنانے والے ٹھیکیداروں کے پاس بھی جاتا ہوں لیکن پتہ نہیں مجھے کیوں کام نہیں ملتا؟ جب کہ محنت سے تو جی نہیں چراتا ہوں۔"

"بیٹے! میں نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ مجھ سے تو جھوٹ نہ بولو۔ تمہارے جیسا کام چور بیٹا کسی کا نہ ہو گا۔ میرے تو نصیب پھوٹ گئے ہیں۔ یہی تقدیر میں لکھا تھا کہ میں بڑھاپے میں بیٹے اور بہو کو روٹیاں کھلانے کے لئے محنت کرتی رہوں۔"

وہ سمجھانے سے سمجھنے والا تو تھا نہیں۔ وہ اس کے سامنے بڑبڑاتی تھی۔ دل کا غبار نکالتی تھی۔ بہو اب ساس کے آنے سے ذرا کھٹکنے لگی تھی۔ اس نے اپنے میاں سے کہا۔ "آپ نے اپنی امی کو غور سے دیکھا ہے؟"

وہ بولا۔ "غور سے کیا دیکھوں؟ جب سے پیدا ہوا ہوں انہیں ہی دیکھتا آ رہا ہوں۔ ہاں .... یہ ضرور ہے کہ پہلے سے کچھ دبلی ہو گئی ہیں۔ کمزور سی دکھائی دیتی ہیں۔ بیمار بھی لگنے لگی ہیں۔"

شبانہ نے بڑی رازداری سے کہا۔ "صرف اتنی سی بات نہیں ہے۔ کچھ اور بھی ہے۔ اپنی امی کو ذرا غور سے دیکھا کریں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ میں انہیں غور سے کیوں دیکھوں' کیا دیکھوں؟"

وہ ذرا اور قریب ہو کر رازداری سے بولی۔ "امی کی پیشانی اور ٹھوڑی کے نیچے گردن پر سفید دھبے پڑے ہوئے ہیں۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پاس بھی تین سفید دھبے دکھائی دیتے ہیں۔"

اس نے پریشانی سے کہا۔ "یعنی کہ .... یعنی کہ تم یہ کہنا چاہ رہی ہو' وہ برص کا نشان ہے اور وہ مرض انہیں بھی........."

"ہاں' یہی بات ہے۔" شبانہ نے کہا۔

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ امی کو یہ بیماری کیسے لگے گی؟"

"کیوں نہیں لگ سکتی؟ صبح سے شام تک ان مریضوں کے درمیان رہتی ہیں۔ ان کے زخموں کی خون اور پیپ صاف کرتی ہیں۔"

وہ اور زیادہ پریشانی سے بولا۔ "دیکھو .... ایسی باتیں نہ کرو۔ اب وہ آئیں گی تو میں انہیں غور سے دیکھوں گا۔ اگر ایسا ہوا تو میں انہیں کہوں گا کہ اپنا علاج پوری طرح کروائیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ہمارا گزارہ کیسے ہو گا؟"

"وہ جب آتی ہیں تو انہیں ایک وقت کے کھانے کا تو پوچھنا ہی پڑتا ہے۔ میں نے آپ سے پہلے نہیں کہا تھا۔ اب کہہ رہی ہوں' میں نے ان کے برتن اور پانی پینے کا گلاس بالکل الگ کر دیئے ہیں۔ اب آپ کو بھی تاکید کرتی ہوں کہ کبھی ان کے گلاس میں پانی نہ پئیں اگر آپ کو کچھ ہوا تو میں آپ کے قریب بھی نہیں آؤں گی۔ اپنے میکے چلی جاؤں گی۔ وہاں میرے بھائیوں کو معلوم ہو گا کہ امی کو ایسی بیماری لگ رہی ہے تو وہ مجھے یہاں آنے نہیں دیں گے۔"

اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "خدا کے لئے اپنے بھائیوں سے اور ال سے امی کے بارے میں کچھ نہ کہنا۔ میں امی سے ملوں گا تو انہیں سمجھاؤں گا کہ وہ اپنا علاج پوری طرح کروائیں ورنہ ان کے ساتھ ہم بھی مصیبتوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

شکیلہ بیگم نے اپنے میاں اور بیٹے بیٹیوں سے یہ بات چھپائی تھی کہ وہ جذام کے ہسپتال میں ملازمت کر رہی ہے۔ گھر والوں کو معلوم ہو جاتا تو وہ اسے کبھی ملازمت نہ

کرنے دیتے بلکہ گھر سے باہر بھی نہ نکلنے دیتے۔ سب مل کر نعمان کو لعنت اور ملامت کرنے لگتے۔

وہ بیٹے کی ذلت نہیں چاہتی تھی۔ ماں کا دل کہتا تھا کہ بیٹے کو اس کی لاپرواہیوں اور ذمہ داریوں کا احساس دلاتی رہے گی اور اسے کام چور کہتی رہے گی۔ شرم دلاتی رہے گی تو وہ کسی نہ کسی کام سے لگ ہی جائے گا۔ کچھ نہ کچھ کما کر لانے لگے گا۔

ایک دن فرح نے سلمان سے کہا۔ "تم تو اپنی بیوی کے ہی ہو کر رہ گئے ہو۔ ہفتے میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے آتے ہو پھر چلے جاتے ہو کبھی امی کا بھی تو کچھ خیال کرو۔"

وہ بولا۔ "میں کیا خیال کروں؟ گھر کے اخراجات کے لئے پانچ ہزار دے رہا ہوں۔ کیا یہ کم ہے؟"

"میں رقم کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ امی روز صبح جاتی ہیں تو رات کو واپس آتی ہیں۔ جب بھی پوچھو یہی کہتی ہیں کہ بہو ماں بننے والی ہے' اسے سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے وہ وہاں جایا کرتی ہیں۔"

سلمان بولا۔ "نعمان جب تک اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھے گا' اپنا گھر خود نہیں سنبھالے گا اس وقت تک امی اس کے پیچھے لگی رہیں گی۔ یہ تو ہم برسوں سے دیکھتے آ رہے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی انہیں نعمان کے ہاں جانے اور وہاں سارا دن گزارنے سے نہیں روک سکے گا۔"

ندا نے کہا۔ "تم نے امی کو دیکھا ہے' وہ کیسی بیمار سی لگنے لگی ہیں؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے انہیں کوئی غم اندر ہی اندر نچوڑ رہا ہے۔ میری تو سمجھ میں یہی بات آ رہی ہے کہ امی بیٹے اور بہو کے لئے کہیں محنت کرنے جاتی ہیں۔"

سلمان نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "وہ محنت مزدوری کرنے کہاں جائیں گی؟ اس بڑھاپے میں انہیں کام کون دے گا' کیا کام دے گا؟"

فرح بولی۔ "یہی معلوم کرنا ہے کہ وہ سارا دن کہاں جاتی ہیں؟ ہمیں تو شبہ ہے کہ وہ گھر گھر جا کر جھاڑو پونچے اور برتن دھونے کا کام کرتی ہیں۔"

وہ بولا۔ "تم لوگوں کو شبہ ہے تو اس کی تصدیق کرنا چاہئے۔ ان کے پیچھے جا کر دیکھنا چاہئے کہ آخر وہ جاتی کہاں ہیں؟"

فرح نے کہا۔ "تم مرد ہو کر ہم بہنوں کو باہر جانے کا کہہ رہے ہو' ہم ماں کے پیچھے کہاں کہاں گھومیں گی؟"

"اور میں امی کے پیچھے کہاں کہاں جاؤں گا؟ تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ اپنی وائف نازلی کا کاروبار سنبھال رہا ہوں۔ مجھے وہاں پوری توجہ دینی پڑتی ہے۔ یہاں بھی ایک آدھ گھنٹے کے لئے مشکلوں سے آتا ہوں۔ اب میں جا رہا ہوں۔ امی آئیں تو کہنا کہ میں ناراض ہو رہا تھا اور ان سے کہہ رہا تھا کہ انہیں کہیں باہر نہیں جانا چاہئے۔ اپنے گھر میں رہنا چاہئے اور نعمان کے ہاں بھی ہفتے میں ایک دو دن کے بعد جایا کریں۔"

وہ اپنا حکم صادر کر کے وہاں سے چلا گیا۔ ماہانہ خرچ کے پانچ ہزار دیا کرتا تھا' اس لئے اسے حکم دینے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔

فرح نے پریشان ہو کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں؟ ابو بیمار ہیں' چارپائی سے لگے ہوئے ہیں۔ وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہیں ورنہ وہی امی کو دیکھتے کہ وہ آخر جاتی کہاں ہیں' کرتی کیا ہیں؟"

ندا اپنی مصروفیت کے باعث مجبور تھی۔ وہ ماں کی جاسوسی نہیں کر سکتی تھی۔ فرح کے ساتھ بھی مجبوری تھی کہ وہ اکیلی گھر سے نہیں نکلتی تھی پھر بھی اس نے ایک آدھ بار نعمان کے گھر جا کر پوچھا تھا کہ امی کہاں ہیں؟

نند اور بھاوج میں ابتدا ہی سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ شبانہ اسے دیکھتے ہی جل بھن کر رہ جاتی تھی۔ اندر آنے کے لئے بھی نہیں کہتی تھی۔ دروازے پر کھڑی ہو کر ہی پوچھتی تھی۔ "یہاں کیوں آئی ہو؟"

اور فرح کہتی تھی۔ "مجھے تمہارے گھر میں آنے کا تو کیا باہر آنے کا بھی شوق نہیں ہے۔ میں اپنی امی سے بات کرنے آئی ہوں۔ انہیں باہر بھیج دو۔"

"وہ یہاں نہیں ہیں۔"

"یہاں نہیں ہیں تو پھر کہاں گئی ہیں؟"

نعمان نے بات بنائی۔ "وہ مالک مکان نے امی کو بلایا تھا' اسی کے گھر گئی ہیں۔"

ایک بار یہ بہانہ کیا گیا کہ مالک مکان کے گھر گئی ہیں۔ کئی بار یہ بہانے کئے گئے کہ وہ بہو کو لے کر ہسپتال گئی ہیں اور بہو بھی ایسی تھی کہ گھر میں چھپی رہتی تھی۔ باہر آ کر فرح کو منہ نہیں دکھاتی تھی۔ بھائی بھی ایسا تھا کہ بہن کو اندر آنے کے لئے نہیں کہتا تھا اگر آنے کے لئے کہتا تو چوری پکڑی جاتی۔

شکیلہ بیگم نے گھر آ کر فرح کو باتیں سنائیں۔ "جب تمہاری بھائی بھاوج سے بنتی نہیں ہے تو تم ان کے گھر کیوں جاتی ہو؟"

وہ بولی۔ "میں آپ کو پوچھنے جاتی ہوں۔ آپ روز صبح یہاں سے جاتی ہیں پھر رات گئے تک آپ کی کوئی خبر نہیں ملتی۔"

"کیا تم میرے پیچھے جاسوسی کرتی ہو؟"

ندا نے کہا۔ "امی! اس میں جاسوسی کی بات کیا ہے؟ ہم تو محبت سے آپ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ آپ کے لئے پریشان ہوتے رہتے ہیں۔"

فرح نے کہا۔ "آپ اپنے بیٹے کی کوتاہیاں چھپانے کے لئے کبھی یہ نہیں مانیں گی کہ اس کے گھر کا کرایہ دیتی ہیں۔ اس کے گھر کا خرچہ پورا کرتی ہیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میرے پاس کوئی قارون کا خزانہ نہیں ہے کہ میں اپنے بیٹے کا گھر بھرتی رہوں گی۔"

فرح کے ابو نے اپنے کمرے سے ہی اونچی آواز میں کہا۔ "بیگم! تم بیٹے کے لئے جھوٹ بولتی ہو۔ ہم سب کو دھوکہ دیتی ہو' کہیں جا کر اس کے لئے محنت مزدوری کرتی ہو۔ ذرا اپنی حالت تو دیکھو چند مہینوں سے برسوں کی بیمار لگنے لگی ہو۔ تمہارا جو بیٹا بیوی کو سر پر بٹھاتا ہے اور ماں کو قدموں کی خاک بھی نہیں سمجھتا اس کے لئے کیوں جان دے رہی ہو؟"

گھر کے تمام افراد شکیلہ بیگم کو باتیں سناتے تھے اور یہ یقین سے کہتے تھے کہ وہ بیٹے اور بہو کی خاطر کہیں محنت مزدوری کرنے جاتی ہے۔ اس کے چہرے اور بدن کے کچھ حصوں پر نمایاں ہونے والے سفید دھبوں کو سب نے دیکھا تھا لیکن کسی کو یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ جذام کی بیماری کہیں سے لے کر آ رہی ہے۔

ویسے تو طبی سائنس نے جذام (Leprosy) پر اس حد تک قابو پا لیا ہے کہ یہ مرض ایک سے دوسرے کو نہیں لگتا ہے۔ اس سلسلے میں بڑی احتیاطی تدابیر کی جاتی ہیں۔

جذام کے مریضوں کا علاج کرنے والوں کو ایسی دوائیں دی جاتی ہیں' ایسی احتیاطی تدابیر بتائی جاتی ہیں کہ جن کے نتیجے میں وہ جذام جیسے متعدی مرض سے محفوظ رہتے ہیں۔

جو مریض ناقابل علاج ہو جاتے ہیں' جن کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں گل سڑ کر گر جاتی ہیں انہیں آبادی سے دور بھیج دیا جاتا ہے۔ شکیلہ بیگم کے چہرے اور بدن پر اگرچہ برص کے سفید دھبے ابھر رہے تھے لیکن ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ وہ تشویشناک نہیں ہیں رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے۔

اگر وہ ختم نہ بھی ہوتے تب بھی شکیلہ بیگم کے لئے کیا فرق پڑتا۔ اسے تو اپنے بیٹے

بہو کے لئے محنت کر کے ہر ماہ پانچ ہزار لے جا کر ان کے ہاتھوں پر رکھنے تھے۔ ایک ماں کو ایسا کاہل بیٹا پیدا کرنے کی سزا تو بھگتنی ہی تھی اور وہ بھگت رہی تھی۔

☆======☆======☆

کاشف نے اپنی ماں کو چار دن کی مہلت دی تھی۔ اسے صاف کہہ دیا تھا کہ چار دنوں میں ندا اگر اس سے شادی کے لئے راضی نہیں ہو گی اور ماں اسے راضی نہیں کرے گی تو وہ یہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔

ماں نہ بیٹے کو چھوڑ سکتی تھی اور نہ ہی ندا کو اپنے سے دور کر سکتی تھی۔ اسے بہو بنانے کا مطلب تو یہ ہوتا کہ اپنی تمام مسرتوں سے محروم ہو رہی ہے۔

کاشف کے باپ سے طلاق لینے کے بعد اس نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ کسی مرد سے محبت بھی نہیں کی تھی مگر یہاں تو ندا سے عشق ہو گیا تھا۔

اب وہ دل و دماغ کی گہرائیوں سے سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ وہ اسے ساری دنیا سے چھین کر اپنے کلیجے سے لگا کر رکھ سکتی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ اسے اپنے بیٹے سے نہیں چھین سکتی تھی۔

اس نے تنہائی میں بیٹے کو کہا۔ "دیکھو' فیصلے اتنی جلدی نہیں ہوا کرتے۔ تم نے چند دنوں کی مہلت دی ہے اور تم نہیں جانتے کہ ندا کتنی ضدی ہے۔ اسے سمجھانے منانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔"

وہ جانتا تھا کہ ندا راضی ہے۔ صرف ماں ہی بیچ کی دیوار ہے اس نے کہا۔ "کوئی وقت نہیں لگے گا۔ آپ چاہیں تو اسے آج ہی سمجھا سکتی ہیں۔"

"بیٹے! ضد نہ کرو' مجھے ایک ماہ کا وقت تو دو۔ میں اسے سمجھا منا لوں گی۔"

"ایک مہینہ تو بہت ہوتا ہے۔ میں اتنے عرصے تک صبر نہیں کروں گا۔"

وہ اسے سمجھاتی مناتی رہی لیکن وہ نہیں ماننا چاہتا تھا۔ آخر وہ بولی۔ "میں نے آج تک تم سے کچھ نہیں مانگا۔ پہلی بار مانگ رہی ہوں۔ ندا کو میرے پاس رہنے دو۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "بیٹے! تمہیں ایک نہیں .... لاکھوں لڑکیاں مل جائیں گی اور ایک سے ایک خوبصورت محبت کرنے والی وفادار بھی ہو گی پھر تم کیوں خواہ مخواہ ندا کے پیچھے پڑے ہو؟"

"یہی سوال میں آپ سے کرتا ہوں۔ آپ کیوں ندا کے پیچھے پڑی ہیں؟ وہ میری طرف مائل ہے۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے لیکن آپ دیوار بن رہی ہیں۔"

ماں نے چونک کر پوچھا۔ "تم کیسے جانتے ہو' کیا ندا نے تم سے کچھ کہا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں .... اس لڑکی کی آنکھیں اور اس کے چہرے کی رونق صاف کہتی ہے کہ وہ مجھے چاہتی ہے۔ میری ہی بن کر زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ آپ کی اس بات کا مطلب کیا ہے کہ میں ندا کو آپ کے حوالے کر دوں۔ کیا وہ شادی کے بعد آپ کے قریب نہیں رہے گی؟ آپ کے کام نہیں آئے گی؟ آپ کے بوتیک کو نہیں سنبھالے گی؟"

"بیٹے! وہ سب کچھ کرے گی' بس تمہاری شریک حیات نہیں بن سکے گی۔ میں اسے سر پر بٹھا سکتی ہوں لیکن رشتہ دار نہیں بنا سکتی۔"

"کیوں نہیں بنا سکتیں؟ یہی جواب تو میں چاہتا ہوں۔ آپ جواب دے کر مجھے مطمئن کریں۔"

"میں بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ ایک عورت ہونے کے ناتے دوسری عورت کو سمجھتی ہوں۔ وہ لڑکی تمہارے قابل نہیں رہی ہے۔ وہ ایسا کھانا ہے جسے منہ لگایا گیا ہے۔ وہ جھوٹی ہو گئی ہے۔ بس' اس سے آگے نہ میں کچھ بولوں گی اور نہ ہی تم کچھ پوچھو۔"

وہ حیرانی اور بے یقینی سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایسی بات کہہ چکی تھی کہ آگے کچھ پوچھتے ہوئے بولتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔

وہ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا۔ ماں نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟ کیا میری بات کا یقین نہیں ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا' پھر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھے کیا سمجھنا چاہئے اور کیا کرنا چاہئے؟ آپ اب تک کسی نہ کسی بہانے اسے میری زندگی میں آنے سے روکتی رہیں۔ آج ایک نئی بات کہہ رہی ہیں۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ آپ کی بات میں کتنی سچائی ہے۔"

"تم کبھی معلوم نہیں کر سکو گے۔ کیوں کہ دنیا کی ہر لڑکی خود کو پارسا کہتی ہے اور وہ کبھی خود کو گناہگار نہیں کہے گی۔ تم کبھی اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکو گے۔ ہمیشہ اس کی محبت میں فریب کھاتے رہو گے۔"

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکا کر سوچتا رہا پھر سر اٹھا کر بولا۔ "میں حقیقت معلوم کر کے رہوں گا۔ چاہے اس کے لئے مہینوں لگ جائیں۔ برسوں گزر جائیں۔ میں چار دنوں کے اندر فیصلہ کرنا چاہتا تھا اور اگر ندا نہ ملتی تو ہمیشہ کے لئے آپ کو چھوڑ کر جانے والا تھا۔ اب

نہیں جاؤں گا۔ پہلے سچائی معلوم کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ ماں کے کمرے سے چلا گیا۔ آرزو ایک نئی پریشانی میں مبتلا ہو گئی کہ پتہ نہیں اب وہ کیسے حقیقت معلوم کرے گا اور کس طرح ندا کو پریشان کرے گا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ بیٹا حقیقت معلوم کرنے کے لئے ندا سے ملے گا۔ ایک بار نہیں بار بار ملے گا اور یوں بار بار ملتے رہنے کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کے اور زیادہ قریب ہوتے جائیں گے۔

وہ طرح طرح سے ان دونوں کو الگ کرنے اور ندا کو اپنے قریب تر لانے کے لئے کوشش کر رہی تھی اور جتنی کوشش کر رہی تھی اتنی ہی مایوسی اور ناکامی اس کے سامنے آ رہی تھی۔

ادھر کاشف فون کے ذریعے ندا کو پریشان کر رہا تھا۔ کبھی اس سے سوالات کرتا تھا اور کبھی اس سے روبرو ملاقات کرنے کی ضد کرتا تھا۔

ایسے میں ندا ایک ہی بات کرتی تھی کہ تمہاری مما مجھے بہو بنانا نہیں چاہتیں۔ بس یہی ایک حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں پوری ایمانداری سے صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ میں نے تمہارے سوا کسی کے ساتھ تنہائی میں وقت نہیں گزارہ ہے۔ یقین کر سکتے ہو تو کر لو۔

ان تینوں کے درمیان یہ کشمکش جاری تھی اور وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔

☆======☆======☆

ادھر نعمان کا بھی اتنا وقت گزر گیا کہ وہ محنت مشقت کئے اور کمائے بغیر ایک بیٹی کا باپ بن گیا۔ بیٹے کے پیچھے باؤلی بن کر گھومنے والی ماں دادی بن کر خوش ہو گئی۔

میٹرنٹی ہوم میں جب پہلی بار نرس نے آ کر خوشخبری سنائی تھی کہ پوتی ہوئی ہے تو شکیلہ بیگم کو یوں لگا جیسے اتنے عرصے مریضوں کی غلاظت صاف کرتے رہنے کے بعد آج اسے اپنی محنت کا پھل مل رہا ہے۔

بہو کو لیبر روم سے نکال کر وارڈ میں لایا گیا۔ شکیلہ بیگم پوتی کو گود میں لے کر چومنے اور اسے دیکھنے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ وہ جب ادھر جانے لگی تو بیٹے نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "امی! آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

وہ خوش ہو رہی تھی۔ بولی۔ "ہاں .... بولو .... میں جانتی ہوں تمہیں مانگنے کی عادت ہے۔ اس خوشی کے موقع پر جو مانگو گے میں دوں گی۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "امی! بات یہ ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں' آپ کی بہو کہہ رہی ہے اور جو کہہ رہی ہے وہ درست ہی کہہ رہی ہے۔ بہت عقل کی بات مجھے سمجھا رہی ہے۔ آپ کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔"

"وہ کیا کہہ رہی ہے' کون سی عقل کی بات سمجھا رہی ہے؟ کچھ بولو تو سہی۔"

"وہ بات یہ ہے' شبانہ کہہ رہی ہے کہ آپ وہاں مریضوں کی تیمارداری کرتی ہیں۔ ان کی غلاظتیں صاف کرتی ہیں۔ ان کی طرح آپ کو بھی کچھ ہونے لگا ہے۔"

اس نے غصے سے کہا۔ "مجھے کیا ہونے لگا ہے' کیا میں بھی کوڑھ کی مریضہ بن گئی ہوں؟"

"مجھے پتہ تھا آپ نہیں مانیں گی' کیا آپ آئینہ کبھی نہیں دیکھتیں؟ ویسے آپ کو کچھ بھی ہو جائے آپ میری ماں ہیں' ماں رہیں گی اور میں بھی ساری عمر آپ کی عزت کروں گا لیکن شبانہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو اپنی بچی کے قریب نہیں آنے دے گی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو' وہ کون ہوتی ہے مجھے روکنے والی؟ وہ میرے بیٹے کی بیٹی ہے۔ میری پوتی ہے۔ میرا پورا حق ہے اس پر۔"

"بے شک آپ کا حق ہے لیکن آپ کو غصے میں نہیں آنا چاہئے۔ ذرا عقل سے سوچیں گی تو خود ہی سمجھ لیں گی کہ وہ پوتی آپ ہی کی ہے اگر آپ کی کوئی بیماری اسے لگے گی تو تکلیف کسے ہو گی؟ آپ کو ہو گی' مجھ کو ہو گی۔"

"دیکھو بیٹے! مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ اگر کچھ نظر آ رہا ہے تو میں ایسی دوا استعمال کرتی ہوں اور ایسی احتیاطی تدابیر پر عمل کرتی ہوں کہ میری بیماری نہ تو آگے بڑھ سکتی اور نہ ہی کسی کو لگ سکتی ہے۔ مجھے میری پوتی سے ملنے دو۔ میں اسے کلیجے سے لگا کر چومنا چاہتی ہوں۔"

"پلیز.......... ضد نہ کریں۔ شبانہ کبھی نہیں مانے گی۔ کبھی اپنی بیٹی کو آپ کے پاس نہیں آنے دے گی اور نہ ہی آپ کو اپنے قریب پھٹکنے دے گی۔"

وہ ماں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آپ ہمارا پورا گھر سنبھالتی ہیں۔ اس سے اندازہ کریں کہ آپ سے زیادہ اہمیت کس کی ہو گی؟ لیکن ہم آپ کی ہی پوتی کو ہر بیماری سے دور رکھنے کے لئے محتاط رہنا چاہتے ہیں۔ آپ کو بھی محتاط رہنا چاہئے۔"

اس نے بڑی محبت سے اور بے بسی سے بیٹے کو دیکھا پھر کہا۔ "ٹھیک ہے.......... میں وارڈ کے اندر نہیں جاؤں گی۔ تم میری پوتی کو لا کر دور سے ہی دکھا دو۔"

"ٹھیک ہے.......... میں شبانہ سے بات کرتا ہوں' اسے سمجھاتا ہوں۔ وہ راضی ہو جائے گی تو میں بچی کو یہاں لے آؤں گا۔"

وہ اندر چلا گیا۔ شکیلہ بیگم وارڈ کے باہر کھڑی رہی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک کھڑی رہی۔ آخر وہ بچی کو ایک بڑے سے کپڑے میں لپیٹ کر لے آیا۔ اس سے کئی قدم کے فاصلے پر رک کر بولا۔ "بس وہیں سے دیکھ لیں۔ آپ کی بہو مجھ سے بہت جھگڑا کرتی رہی ہے۔ میں کسی طرح سمجھا منا کر بس تھوڑی سی دیر کے لئے لایا ہوں۔ پلیز.......... اسے جلدی سے دیکھ لیں۔"

وہ بچی کو ہی دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے ماں کو جذباتی ہو کر روتے دیکھا تو کہا۔ "آپ تو جانتی ہیں' زچگی کی وجہ سے اخراجات کتنے بڑھ گئے ہیں۔ آپ پانچ ہزار تو دیتی ہی ہیں۔ کل پہلی تاریخ ہے۔ میرا خیال ہے آپ یہ رقم تو لائیں گی لیکن دو ہزار کہیں سے زیادہ لے آتیں تو بہت سا قرضہ ادا ہو جاتا۔ آپ نے تو دیکھا ہی ہے کہ شبانہ کا کیس تھوڑا بگڑ گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے پیسے زیادہ لئے ہیں۔"

وہ بڑی بے بسی سے بولی۔ "بیٹے! میں صبح سے شام تک اور کبھی رات کو بھی ڈیوٹی پر ہوتی ہے تو رات سے صبح تک محنت کرتی رہتی ہوں مگر تنخواہ وہی بندھی بندھائی ملتی ہے۔ اس سے زیادہ میں کہاں سے لا سکتی ہوں؟"

اُس نے بچی کو آگے بڑھا کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "بس میں کچھ نہیں جانتا یہ بچی اس دنیا میں آپ کے لئے آئی ہے۔ اپنی دادی سے کہہ رہی ہے کہ آپ کو دو ہزار روپے زیادہ دینے ہوں گے۔"

شکیلہ بیگم نے بڑی محبت سے اپنی پوتی کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اپنی طرف بلا رہی ہے۔ بچی کا منہ اسی کی طرف تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسے دادی دادی کہہ کر پکار رہی ہے اور دو ہزار کا تقاضہ کر رہی ہو۔

وہ شدید ممتا میں ڈوب کر پوتی کو دیکھ رہی تھی پھر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولی۔ "میں سوچ کر آئی تھی کہ پوتی ہو گی یا پوتا ہو گا۔ پہلی بار اسے گود میں لوں گی اور پیار کروں گی تو اس کے ہاتھ میں کچھ رکھوں گی۔"

نعمان نے خوش ہو کر ماں کو دیکھا۔ وہ گریبان سے کچھ نکال رہی تھی۔ وہ اکثر وہیں سے رقم نکال کر بیٹے کو دیتی تھی۔ اس وقت اس نے ایک پرائز بونڈ نکالا تو بیٹے کا چہرہ بجھ

سا گیا۔

وہ پرائز بونڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "دو برس سے زیادہ ہو گئے' میں نے اسے خریدا تھا۔ ان دو برسوں میں کبھی قسمت نہیں بدلی۔ میں نے سوچا شاید میری پوتی کے نصیب جاگ جائیں۔ اس پرائز بونڈ سے تمہیں کچھ مل ہی جائے۔"

اس نے پوتی کی طرف اسے بڑھایا۔ نعمان پرائز بونڈ کو لیتے ہوئے بولا۔ "امی! اس سے کیا ہو گا؟ یہ تو بس دکھانے کے لئے ہے۔ ہاتھی کے دانت ہیں۔ کھانے کے لئے نہیں ہیں۔ اس سے کچھ بھلا نہیں ہو گا۔ مجھے تو دو ہزار چاہئیں۔"

"بیٹے! انہیں رکھو۔ تم نے پہلی بار میری پوتی کو درمیان میں رکھ کر دو ہزار مانگے ہیں۔ اس لئے میں کہیں نہ کہیں سے بندوبست کروں گی۔"

وہ خوش ہو گیا۔ اپنی بچی کو کپڑے میں لپیٹ کر وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ وہ بیٹے اور پوتی کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر وہاں سے جانے لگی۔ وہ ایک پوتی یا پوتے کی مسرتیں حاصل کرنے آئی تھی۔ واپسی میں دو ہزار کا بوجھ اٹھا کر جا رہی تھی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف دوسری ماں بھی پریشان تھی۔ کاشف اس کے لئے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا۔ دن بدن اس کے تیور بگڑتے جا رہے تھے۔ وہ ماں کی مخالفت پر اتر آیا تھا۔ اس نے آگے تعلیم حاصل کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا۔ "میں آئندہ آپ کے کاروبار میں بھی دلچسپی نہیں لوں گا۔ کوئی ذمہ داری نہیں سنبھالوں گا۔"

وہ بیٹے سے بولی۔ "تم اپنا مستقبل کیوں برباد کرنا چاہتے ہو؟ بچپن سے دیکھتے آئے ہو' میں تمہاری ہر خواہش کو پورا کرتی آئی ہوں۔ کبھی کسی بات سے انکار نہیں کیا۔"

"تو پھر آج کیوں انکار کر رہی ہیں؟"

"تم بچپن میں کھلونے مانگا کرتے تھے اگر کوئی ایسا کھلونا مانگتے جس میں آگ ہوتی اور تم جل جاتے تو میں کبھی وہ کھلونا خرید کر نہ دیتی۔ جوانی میں تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ اس لئے تم آگ سے کھیلنے والا کھلونا مانگ رہے ہو۔"

"آپ جسے آگ کہہ رہی ہیں وہ میرے لئے ٹھنڈی چھاؤں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کیسی ماں ہیں۔ مائیں تو اپنے بچوں کو کچھ نہ کچھ دیتی رہتی ہیں۔ آپ ہیں کہ مجھ سے چھین رہی ہیں۔"

"کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو کہ میں خواہ مخواہ اسے تم سے چھین لینا چاہوں گی؟ وہ خود ہی

تم سے راضی نہیں ہے۔"

"آپ فضول باتیں کر رہی ہیں۔ میں بڑی حد تک سمجھ گیا ہوں۔ آپ کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔ آپ شعوری یا لاشعوری طور پر ندا کو اپنی ملکیت سمجھنے لگی ہیں۔ اسی لئے یہ نہیں چاہتیں کہ آپ کا بیٹا بھی آپ کی اس ملکیت کو ہاتھ لگائے۔ آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں' ایسا کیوں چاہتی ہیں؟ یہ کوئی ماہر نفسیات ہی بتا سکتا ہے۔"

"میرے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارے جیسے جوان بیٹوں کے ساتھ ایسے مسائل ہوتے ہیں۔ جوان ہوتے ہی کسی ایک عورت کے لئے ماں سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ وہ عورت مل جائے تو اس کے ساتھ ماں کو ٹھوکر مار کر چلے جاتے ہیں۔"

"ساری دولت و جائیداد آپ کے نام ہے۔ کاروبار بھی آپ کے نام ہے۔ میں بھلا آپ کو ٹھوکر مار کر کہاں جاؤں گا؟ آپ کے پاس دولت ہے' طاقت ہے۔ آپ تو مجھ پر بھی حکومت کرنے لگی ہیں۔ میرے ارمان اور خواہشات کو زنجیریں پہنانے لگی ہیں۔ میں آپ سے بحث نہیں کروں گا۔ آخری بات کہتا ہوں۔ آج ہی ندا کو بلا کر آخری فیصلہ کریں۔ میرا دعویٰ ہے' وہ میرے حق میں فیصلہ سنائے گی۔"

"کیا خاک فیصلہ سنائے گی؟ پچھلے ایک ہفتے سے وہ بوتیک نہیں آ رہی ہے۔ مجھ سے فون پر بھی رابطہ نہیں کر رہی ہے۔ میں پریشان ہوں۔ بوتیک کا سارا کام اس نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ وہ نہیں آئے گی تو کیا ہو گا؟ تمہیں میرے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آرزو نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر ندا کی آواز سنتے ہی فوراً چیخ کر کہا۔ "تم کہاں ہو' کہاں گم ہو گئی ہو' کیا تمہیں میری ذرا بھی پرواہ نہیں ہے' کیا تم نے مجھے بھلا دیا ہے؟"

کاشف نے ٹیلی فون کے پاس آ کر اس کے اسپیکر والے بٹن کو دبایا تو ماں نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں سمجھ گیا ہوں' ندا نے کال کی ہے۔ میں آپ دونوں کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔"

وہ اسپیکر کا بٹن آف کرتے ہوئے بولی۔ "یہ ہماری ذاتی گفتگو ہے۔ تمہیں نہیں سننا چاہئے۔ تم تھوڑی دیر کے لئے اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔"

"آپ کی ایسی کیا پرائیویٹ گفتگو ہو سکتی ہے جسے آپ کا بیٹا بھی نہیں سن سکتا؟"

اس نے پھر اسپیکر کے بٹن کو دبایا تو وہاں سے ندا کی آواز سنائی دی۔ ”میڈم! آپ اپنے بیٹے کی بات مان لیں۔ میں نے جو کہنے کے لئے فون کیا ہے اسے اپنے بیٹے کو بھی سن لینے دیں۔“

وہ بولا۔ ”شکریہ ندا! میں اپنی شادی اور ازدواجی زندگی کا اہم فیصلہ تمہاری زبان سے ہی سننا چاہتا ہوں۔“

آرزو نے کہا۔ ”ندا! آج تم اپنا آخری فیصلہ سنا ہی دو۔ تم نے پچھلے ایک ہفتے سے فون نہیں کیا‘ بوتیک بھی نہیں آئیں۔ آخر تمہارا ارادہ ہے کیا‘ کیا تم مجھ سے بدظن ہو گئی ہو؟“

”میں آپ سے بدظن نہیں ہو سکتی۔ آپ نے مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ انہیں میں ساری زندگی نہیں بھولوں گی لیکن آپ اور آپ کے بیٹے نے مجھے ایسے دوراہے پر پہنچا دیا ہے جہاں میں کھڑی ہوئی ہوں اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بس سوچ کر رہ جاتی ہوں کہ مجھے اس پر جانا چاہئے یا اس راستے پر۔“

”تم ذہین ہو‘ تعلیم یافتہ ہو‘ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کر سکتی ہو اور ابھی سنا سکتی ہو۔“

”نہیں .... یہ فیصلہ میں نہیں سناؤں گی۔ آپ ماں بیٹے سنائیں گے۔ آپ دونوں فیصلہ کریں کہ میرا مستقبل کیا ہو گا؟ آپ دونوں کی متفقہ رائے سے جو بات بھی طے پائے گی میں اسے تسلیم کر لوں گی۔ کل پھر اسی وقت آپ دونوں سے فون پر بات کروں گی۔ فی الحال خدا حافظ۔“

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ فون خاموش ہو گیا۔ ماں بیٹے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے پھر بیٹے نے کہا۔ ”آپ نے اس کی باتیں سن لیں۔ آپ چاہیں تو موٹی عقل سے بھی سوچ سکتی ہیں کہ وہ مجھ سے شادی کرنے سے انکار نہیں کر رہی ہے‘ صرف آپ کے فیصلے کی منتظر ہے۔ آپ نے ہاں کر دی آگے تو ابھی ساری بگڑی ہوئی باتیں بن جائیں گی۔“

”میں بھی یہی بات کرتی ہوں کہ وہ تمہارے فیصلے کی منتظر ہے۔ تم شادی سے انکار کر دو تو وہ پھر میرے بوتیک میں آنے لگے گی۔ میرا کام سنبھالنے لگے گی۔“

وہ بے زاری سے سر ہلا کر بولا۔ ”مما! افسوس ہے‘ آپ بیٹے کے جذبات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہیں۔ اس لئے اب کوئی بحث نہیں ہو گی۔ کل ندا کے فون کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر آپ میرے خلاف فیصلہ سنائیں گی تو میں کل ہی یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر جا کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اسے بیٹے کی یہ بات چبھ رہی تھی کہ ندا اس سے شادی کے لئے راضی ہے۔ وہ صرف اُس کی ماں کا فیصلہ سننا چاہتی ہے۔

اسی لئے اس نے ابھی فون پر صاف طور سے یہ نہیں کہا کہ اسے شادی سے انکار ہے۔ اس نے فیصلہ دونوں ماں بیٹے پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

آرزو کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھانسنے لگی۔ پچھلے ایک ہفتے سے کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ شام ہوتے ہی بخار چڑھنے لگتا تھا۔ کھانسی بھی ہونے لگتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ندا کی خاموشی اور اس کی دوری اسے کمزور اور بیمار بنا رہی ہے۔

اس نے کچھ سوچ کر ریسیور اٹھایا پھر ندا کے موبائل نمبر پنچ کرنے کے بعد انتظار کرنے لگی۔ رابطہ ہوتے ہی بولی۔ ”تم پچھلے ایک ہفتے سے بوتیک کیوں نہیں آ رہی ہو‘ مجھ سے کیوں کترا رہی ہو‘ فون بھی آف رکھتی ہو؟“

”میں کہہ چکی ہوں کہ آپ ماں بیٹے کے درمیان بری طرح الجھ کر رہ گئی ہوں۔ ایسا لگتا ہے‘ دو پاٹن کے بیچ پس رہی ہوں۔“

”اگر تم چاہو تو دو پاٹن کے بیچ میں نہ رہو۔ ابھی تم فیصلہ سنا سکتی تھیں کہ اس سے شادی نہیں کرو گی۔“

”اب سے ڈیڑھ ماہ پہلے میں آپ کے سامنے یہ فیصلہ سنا چکی تھی لیکن آپ کے بیٹے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ میرے دیوانے ہیں تو میں کیا کروں؟“

”ہوں .... میرے بیٹے کی دیوانگی تمہیں متاثر کر رہی ہے‘ تمہارا دل جیت رہی ہے۔ یہی بات ہے ناں؟“

”میں آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکوں گی۔“

”مجھے سیدھا اور صاف جواب دینے سے اس لئے کترا رہی ہو کہ مجھ سے دل پھر گیا ہے۔ دل میرے بیٹے پر آ گیا ہے۔ تم صاف کیوں نہیں کہہ رہی ہو؟“

اس نے فون بند کر دیا۔ فون بند ہوتے ہی آرزو کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ ندا نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اپنے عمل سے سمجھا دیا تھا کہ واقعی اس سے کترا رہی ہے اور ایک منہ زور جذباتی ندیا کی طرح اس کے بیٹے کی طرف بہتی جا رہی ہے۔

اسے ایسا شاک پہنچا تھا کہ ریسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ بیڈ کے سرے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے تکئے پر لڑھک گئی۔ اس وقت ایسا ہی لگ رہا تھا۔ جیسے جسم سے

جان نکل رہی ہو۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ وہ لحاف کے اندر ہی دبک گئی۔ سکڑ گئی' سمٹ گئی۔ اس کے منہ سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے وہ سردی سے کپکپا رہی ہو۔

بے شک وہ سردی سے کپکپا رہی تھی لیکن سسک بھی رہی تھی۔ لحاف میں منہ چھپا کر رو رہی تھی۔

رات کے کھانے کا وقت گزر گیا' دس بجے پھر بارہ بجے۔ نہ بیٹے نے کھانا کھایا' نہ ہی ماں کے پاس یہ دیکھنے آیا کہ وہ کیسی ہے؟ کس حال میں ہے؟ بھوکی پیاسی ہے' بیمار ہے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ ندا کی بے وفائی اس کی آدھی جان لے چکی ہے۔ اب آدھی جان رہ گئی تھی۔ آدھا دل و دماغ سوچنے کے لئے رہ گیا تھا اور اس کی تمام سوچیں اسی ایک بات پر مرکوز ہو رہی تھیں کہ وہ مات کھا چکی ہے۔

وہ بھوکی پیاسی پڑی رہی۔ بخار کبھی چڑھتا رہا' کبھی اترتا رہا۔ پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے خواب میں بیٹے کو دیکھا۔ وہ بھوکا پیاسا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ "ممّا! آپ کو شرم نہیں آتی۔ آپ ندا کی معصومیت سے کھیلتی رہی ہیں اور جب وہ اپنے فطری تقاضوں کی طرف آ رہی ہے تو آپ اس کا راستہ روک رہی ہیں۔"

پھر اس نے خواب میں اپنے سابقہ شوہر کو دیکھا۔ وہ کاشف سے کہہ رہا تھا۔ "بیٹے! جو اچھی بیوی نہ بن سکی' وہ اچھی ماں کیسے بن سکتی ہے؟ یہ بہت خود غرض عورت ہے۔ مانا کہ میں نے اس سے بے وفائی کی تھی لیکن اس نے بھی میرے ساتھ کیا کیا؟ تمہارے جیسا بیٹا مجھ سے چھین لیا۔"

کاشف نے اس سے پوچھا۔ "ممّا! آپ نے ڈیڈی سے مجھے چھین کر کیا پایا اور کیا کھویا' مجھے کیا دیا؟ آپ سارے جہاں کی دولت دیتیں تب بھی کچھ نہ دیتیں۔ کیونکہ ماں جتنا بھی دے اتنا کم ہے اور آپ تو ایسی ماں ہی جو بیٹے کو دیتی نہیں ہے' اس سے چھین لیتی ہے۔ اس کے ارمانوں اور جذبات کو ایسے چھین رہی ہیں جیسے بیٹے کا کلیجہ نوچ رہی ہوں۔ لعنت ہے آپ کی ممتا پر۔ آپ کو تو ماں بننے سے پہلے مر جانا چاہئے تھا۔"

یہ کہتے ہی اس نے حقارت سے تھوک دیا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں پھاڑے اپنے کمرے کو دیکھنے لگی۔ کھڑکی کے باہر ہلکی ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ رات گزر چکی تھی اور صبح ہو رہی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور پیشانی جل رہی تھی۔ بخار کے باعث بدن تپ رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ لحاف کو ایک طرف پھینک کر بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر بیٹے کے دروازے کے پاس پہنچی۔ اسے آہستگی سے کھول کر دیکھا' وہ اپنے بیڈ پر گہری نیند میں تھا۔

ماں کے دل سے ایک آہ نکلی۔ آہ.......... یہ میرا بیٹا ہے کیسا گبھرو جوان ہے۔ اسے میں نے نو ماہ تک پیٹ میں رکھ کر جنم دیا۔

اسے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے بیٹا اچانک سوتے سے اٹھ کر بیٹھ گیا ہو اور کہہ رہا ہو۔ لعنت ہے ایسی ممتا پر.......... آپ کو تو ماں بننے سے پہلے مر جانا چاہئے تھا۔

وہ سسکتے ہوئے بولی۔ نہیں..........

اس نے جلدی سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ بیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی بغاوت اور نفرت اس کے اندر بول رہی تھی۔ وہ وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی لڑکھڑاتی ڈگمگاتی ہوئی۔ کبھی دیوار کبھی دروازے کا سہارا لیتی ہوئی کوٹھی کے باہر آ گئی۔

باہر شدید سردی کے باعث شبنمی دھند چھائی ہوئی تھی۔ دور تک صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اتنی سردی اور بخار میں تپتے رہنے کے باوجود ننگے پاؤں چلی آئی تھی۔ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بڑے سے آہنی گیٹ کے پاس پہنچی۔ وہاں کا چوکیدار کیبن میں سو رہا تھا۔ وہ اس گیٹ کے چھوٹے دروازے کو کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں جا رہی ہے؟ اپنے حواس میں ہوتی تو اپنے بارے میں کچھ جان پاتی۔ اس کی ذہنی رَو تو جیسے بھٹک گئی تھی۔ ان لمحات میں اسے اپنے بیٹے کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ دس برس کا بچہ تھا۔ کسی تقریب میں ماں بیٹا پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں میوزیکل چیئر کا گیم ہو رہا تھا اور وہ ماں بیٹا دونوں ہی اس گیم میں حصہ لے رہے تھے۔

میوزیکل چیئر کا گیم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ میوزک کو آن کیا جاتا ہے۔ جب تک دھن بجتی رہتی ہے کھیلنے والے کرسیوں کے چاروں طرف گھومتے رہتے ہیں۔ جیسے ہی دھن بند ہوتی ہے ویسے ہی سب کو ایک ایک کرسی پر بیٹھنا ہوتا ہے۔ اگر کھلاڑی دس ہوتے ہیں تو نو کرسیاں ہوتی ہیں۔ نو کھلاڑی ان نو کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو کوئی ایک رہ جاتا ہے۔

وہ کھیل سے آؤٹ کر دیا جاتا ہے پھر ایک اور کرسی کم کر دی جاتی ہے۔ اب آٹھ کرسیاں رہ جاتی ہیں اور نو کھلاڑی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دھن بجانے کے بعد میں جب آٹھ کھلاڑی جاتے ہیں تو نو نمبر کے کھلاڑی کو کرسی نہ ملنے کے باعث کھیل سے خارج ہونا پڑتا ہے۔

اس وقت آرزو اپنے آپ سے غافل تھی۔ ایک فٹ پاتھ پر چلی جا رہی تھی۔ تصور میں خود کو بیٹے کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ میوزیکل چیئر کا گیم کھیل رہی تھی۔ بیٹا ساتھ ساتھ تھا۔ جب میوزک بند ہوا تو اس نے ایک کرسی پر بیٹھنے کے لئے بیٹے کو دھکا دے دیا اور خود بیٹھ گئی۔ اس طرح بیٹے کو کرسی نہ ملنے کے باعث کھیل سے باہر ہونا تھا لیکن وہاں کچھ اور ہو گیا تھا۔

ماں کا کلیجہ دھک سے رہ گیا تھا۔ اس نے دھکا دیتے وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ بیٹا کہیں جا کر ٹکرائے گا تو اسے زبردست چوٹ آئے گی۔ اس کے سر پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ اسے ہسپتال لے جانا پڑا۔

آرزو اس میوزیکل چیئر کے گیم کے تصور سے گھبرا کر جیسے ہوش میں آ گئی تھی۔ "نہیں نہیں" کہہ کر چیختی ہوئی فٹ پاتھ پر دوڑ رہی تھی۔ "نہیں .... میں ایک کرسی کے لئے اپنے بیٹے کو دھکا نہیں دوں گی۔ اسے زخمی نہیں کروں گی۔ کوئی ماں ایسی نہیں ہوتی کہ خود کرسی پر بیٹھنے کے لئے بیٹے کو ٹھوکر مار دے۔ نہیں .... میں اسے ٹھوکر نہیں ماروں گی۔"

وہ فٹ پاتھ پر دوڑتی جا رہی تھی۔ صبح کے وقت زیادہ ٹریفک نہیں ہوتی لیکن ایسے وقت سڑکوں پر بھاری بھرکم مال بردار ٹرک آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ چیختی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ "نہیں .... میرے بچے .... میں تمہیں دھکا نہیں دوں گی۔ تمہیں کرسی سے نہیں گراؤں گی۔ محبت کی وہ کرسی تمہارے لئے ہے۔ میرے لعل .... صرف تمہارے لئے ہے۔ دیکھو .... میں خود اس کرسی سے دستبردار ہو رہی ہوں۔"

یہ کہتے کہتے اس نے فٹ پاتھ سے سڑک پر چھلانگ لگائی۔ اسی وقت ایک بھاری بھرکم ٹرک گزر رہا تھا۔ وہ اس کی زد میں آ گئی۔ ٹرک والے نے بریک لگائی مگر دیر ہو چکی تھی۔ وہ اپنی آخری چیخ کے بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکی تھی۔

ایک ماں نے آخر کار ممتا کی لاج رکھ لی۔ وہ جو بے نام رشتہ تھا اسے ہمیشہ کے لئے مار ڈالا۔

☆======☆======☆

دوسری ماں سردی سے تھر تھر کانپتی ہوئی ایک پتلی سی چادر لپیٹے بیٹے کے دروازے پر آئی۔ بہو ہسپتال سے اپنی بچی کو لے کر گھر آ گئی تھی۔ پندرہ دن گزر چکے تھے۔ ماں نے پہلی تاریخ کو پانچ ہزار پہنچا دیئے تھے اور بیٹے سے کہا تھا کہ دو ہزار کا انتظام کر رہی ہے' جیسے ہی رقم ملے گی تو وہ اسے لا کر دے دے گی۔

آخر اس نے پندرہ دنوں میں کہیں سے دو ہزار کا انتظام کر ہی لیا تھا۔ اس نے دروازے پر آ کر دستک دی۔ "بیٹے نعمان! دروازہ کھولو۔"

اندر خاموشی رہی' اس نے دوبارہ دستک دے کر کہا۔ "بیٹے! میں دو ہزار لے کر آئی ہوں۔ تمہاری خود غرضی کو خوب جانتی ہوں۔ تم ماں کی ممتا سے کھیلتے رہتے ہو۔ اب تو دو ہزار کے لئے دروازہ ضرور کھولو گے۔"

نعمان بچی اور بیوی کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ "شبانہ! تم جاؤ اور جو کہنا ہے ان سے صاف صاف کہہ دو۔"

شبانہ چارپائی سے اترتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔ "وہ تو میں کہوں گی' منہ پر کہوں گی۔ تمہاری ماں ہوئی تو کیا ہوا؟ کیا میں کسی کوڑھ والی کو اپنے گھر میں گھسنے دوں گی؟ آج میری ایک بچی ہے۔ کل دو ہوں گے چار ہوں گے۔ کیا میں اپنے بچوں کو یہ بیماری لگنے دوں گی؟"

وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کے پاس آئی پھر بولی۔ "یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔ آج میں پہلی اور آخری بار کہہ رہی ہوں۔ آئندہ آپ اس دروازے پر نہ آئیں۔"

باہر سے شکیلہ نے کہا۔ "بہو! ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟ یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔ یہاں میری پوتی ہے۔ تم ملنا نہیں چاہتی ہو نہ ملو مگر میں اپنے بیٹے اور پوتی سے ضرور ملوں گی۔"

"نہ یہ دروازہ کھلے گا نہ ہی آپ اندر آ سکیں گی۔ کل ہم یہ گھر بھی چھوڑ رہے ہیں۔ کسی ایسے علاقے میں جائیں گے جہاں آپ کا سایہ بھی نہیں پہنچ پائے گا۔"

شکیلہ بولی۔ "معلوم ہوتا ہے نعمان گھر میں نہیں ہے اگر وہ ہوتا تو دو ہزار کے لئے ضرور دروازہ کھولتا۔"

"ہم لعنت بھیجتے ہیں آپ کے روپوں پر .... کوڑھیوں کے ہسپتال سے چھوٹے بڑے نوٹ لاتی ہیں پتہ نہیں ان میں کتنے جراثیم ہوتے ہوں گے؟ ہم تو آئندہ کبھی ایک

نوٹ کو بھی ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ ہی آپ کا منہ دیکھنا چاہیں گے۔"

"بہو! میں اپنے بیٹے کو خوب جانتی ہوں۔ وہ کسی کام کاج کا نہیں ہے اور نہ کبھی محنت مشقت کرے گا اور نہ ہی تمہیں دو وقت کی روٹی کھلا سکے گا۔ یہ تو میرا ہی کلیجہ ہے کہ میں اس بڑھاپے میں کما کر لا رہی ہوں اور تم سب کو کھلا رہی ہوں۔"

شبانہ غصے سے بولی۔ "ہم کہہ چکے ہیں کہ آپ کی کمائی پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ ہم آئندہ آپ سے ماہانہ اخراجات بھی نہیں لیں گے۔ خدا کے لئے ہمارا پیچھا چھوڑ دیں۔ اپنے گھر چلی جائیں۔ وہاں آپ کے اور بچے بھی ہیں پھر بوڑھا بیمار شوہر ہے جو کما رہی ہیں اب ان کے لئے کمائیں۔ ہمیں آپ کے ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

باہر سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی شکیلہ بیگم حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ یہ کایا پلٹ کیسے ہو گئی؟ کیا ان لوگوں کو میری کمائی کی ضرورت نہیں رہی ہے؟ کیا یہ میری بیماری سے اس قدر ڈرنے لگے ہیں؟ اس بیماری کو اپنی اولاد تک پہنچانا نہیں چاہتے اس لئے میری کمائی سے بھی انکار کر رہے ہیں؟

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بہو اور بیٹے کے اندر ایسی انقلابی تبدیلی کیسے آ گئی ہے؟ وہ پلٹ کر جاتے ہوئے بولی۔ "دیکھو بہو! میں جا رہی ہوں۔ اب اگر نعمان آ کر مجھ سے دو ہزار مانگے گا تو اسے جوتے ماروں گی اور گھر میں گھسنے نہیں دوں گی اور نہ ہی تمہارے دروازے پر آؤں گی۔ میں تو اس کم بخت بیٹے کی خاطر اس جہنم میں ملازمت کر رہی تھی۔ اب توبہ کرتی ہوں کہ یہ ملازمت چھوڑ دوں گی لعنت ہے تم سب پر۔"

وہ بڑبڑاتی ذرا دور تک آئی پھر کھڑی ہو گئی۔ اسے پوتی کی یاد آ رہی تھی۔ دل دکھ رہا تھا اور وہ محبت بھرا دل پوچھ رہا تھا۔ "کیا پوتی سے پھر کبھی نہیں مل سکے گی؟"

وہ لالچی ماں باپ رقم لینے سے بھی انکار کر رہے تھے اور اب ماہانہ رقم بھی لینا نہیں چاہتے تھے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے ہمیشہ کے لئے رشتہ توڑ دیا ہے اور اس سے دور جا رہے ہیں۔ پتہ نہیں کہاں جانے والے ہیں؟ پتہ نہیں .... بہو کہاں لے جا کر اس کے بیٹے کو اپنے آنچل میں چھپائے گی؟ ماں پھر کبھی اس کا منہ نہیں دیکھ سکے گی۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی واپس آئی پھر اس مکان کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔ چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر سردی سے بچنے کی کوشش کرنے لگی۔ اندر سے بدن تپ رہا تھا۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکل رہے تھے۔ "یا اللہ .... میں اپنے بیٹے کو جیتنے کے

لئے دنیا والوں سے لڑتی رہی اپنے شوہر اپنے بیٹے اپنی بیٹیوں سب سے ہی لڑائیاں مول لیتی رہی پھر بہو آئی تو میں نے بہو سے بھی مقابلہ کیا۔ وہ اسے مجھ سے دور لے آئی تھی۔ اس کے باوجود بیٹا اپنی ماں کا ہی محتاج رہا اور مجھے خوشی ہوتی تھی کہ وہ میرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمیشہ میرا محتاج رہے گا اور بار بار بیوی کو چھوڑ کر ماں کی طرف دوڑے گا۔"

اس نے ایک سرد آہ بھری پھر سردی سے تھرتھراتے ہوئے سوچا۔ اب ایسا لگ رہا ہے کہ بیٹا ماں کی طرف دوڑ کر آنے کا راستہ بھول گیا ہے؟ یا خدا! ہماری دنیا میں کئی طرح کے بے نام رشتے ہوتے ہیں لیکن وہ رشتہ تو کبھی بے نام نہیں ہوتا جو ماں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے لیکن میرے اس بیٹے نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ بیوی کا آنچل مل جائے تو ماں کا رشتہ بھی بے نام ہو جاتا ہے۔"

یہ سوچتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مکان کے اندر گہری خاموشی تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی چارپائی پر بیٹھے ہوئے سر جوڑے کھسر پھسر کر رہے تھے۔ بیوی کہہ رہی تھی۔ "میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر چپ چاپ دیکھا تھا۔ تمہاری ماں بڑی ہی ڈھیٹ ہے۔ واپس لوٹ کر آئی تھی۔ اب نظر نہیں آ رہی ہے لیکن یہیں کہیں دیوار سے لگ کر بیٹھی ہو گی۔ تمہاری ماں تو جونک ہے جونک .... چمٹ جائے تو چھوڑتی نہیں ہے۔"

"بس بھی کرو، میری ماں کو اور کچھ نہ کہو ہم کل یہ گھر چھوڑ دیں گے۔"

اس نے چارپائی سے اتر کر، جھک کر اُدھر سے ایک اٹیچی نکالی پھر اسے چارپائی پر رکھ کر کھولا تو وہ اٹیچی بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھری ہوئی تھی۔ شبانہ نے اپنی بیٹی کو اٹھا کر چومتے ہوئے کہا۔ "میری یہ بیٹی خوش قدم ہے۔ اس کے آتے ہی ہمیں تین لاکھ ملے ہیں۔"

نعمان بولا۔ "واقعی .... ہم اپنی بیٹی کا نام خوش بخت رکھیں گے۔ میں نے امی سے جب دو ہزار کا مطالبہ کیا اور وہ مجھے پرائز بونڈ نکال کر دینے لگیں تو بہت برا لگ رہا تھا۔ غصہ بھی آ رہا تھا کہ ضرورت نقد رقم کی ہے اور وہ مجھے بونڈ دے رہی ہیں لیکن واقعی امی نے بھی کمال کر دیا۔"

وہ منہ بنا کر بولی۔ "کوئی کمال نہیں کیا دو برس سے یہ پرائز بونڈ لے کر رکھا ہوا تھا مگر ان کا کوئی بھلا نہیں ہوا لیکن میری بیٹی کے آنے اور اس کی قسمت سے رقم ملی ہے۔"

شبانہ ایک ہاتھ سے بچی کو سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اٹیچی بند کرتے ہوئے

بولی۔ "اب اسے بند کریں۔ اتنی دولت کو کہیں ہماری نظر ہی نہ لگ جائے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ رات گزرنے لگی۔ اچانک اتنی دولت ملی تھی کہ نیند تو آ نہیں سکتی تھی۔ لوریاں سنا کر سلانے والی ماں باہر دیوار سے لگی بیٹھی تھی۔ شدید سردی کے باعث شبنمی دھند چھائی ہوئی تھی۔ وہ بھی اُس دھند میں چھپی چھپی سی تھی۔

پتہ نہیں وہ روتے روتے سو گئی تھی یا سانسیں لینا ہی بھول گئی تھی۔ سفید شبنمی دھند میں یوں لگ رہا تھا جیسے ممتا کی آخری ہچکی کو سفید کفن پہنا دیا گیا ہو۔

☆====== ختم شد ======☆